جدید فقہی تحقیقات

ولایت نکاح

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے گیارہویں فقہی سمینار مورخہ ۱۷ تا ۱۹ر
اپریل ۱۹۹۹ء منعقدہ ''امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ'' میں پیش کئے
جانے والے علمی و تحقیقی مقالات کا مجموعہ]

ترتیب

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : ولایت نکاح
ترتیب : حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
صفحات : ۶۳۸
قیمت : ۲۲۰/روپے
طبع اول : نومبر ۲۰۰۰ء
طبع دوم : جنوری ۲۰۱۱ء
ISBN : 978-81-910932-5-4

ناشر

ایفا پبلیکیشنز
۱۶۱-ایف بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر:۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
ای میل:ifapublication@gmail.com
فون:011 - 26981327

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

﴿فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾

(سورۂ بقرہ:۲۳۲)۔

﴿للرجال نصيب مما اكتسبوا وللنساء مما اكتسبن﴾

(سورۂ نساء:۳۲)۔

”عن عبد الله بن بريدة عن أبيه قال: جاء ت فتاة إلى النبيﷺ فقالت: إن أبي زوجني ابن أخيه ليرفع بي خسيسته، قال: فجعل الأمر إليها، فقالت:قدأجزت ماصنع أبي،ولكن أردت أن أعلم النساء أن ليس إلى الآباء من الأمرشيئ“

(ابن ماجہ،نسائی،احمد)۔

فہرست مضامین

ابتدائیہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۱
افتتاحیہ	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	۱۵

پہلا باب (تمہیدی امور)

اکیڈمی کا فیصلہ		۲۳
سوالنامہ		۲۶
تلخیص مقالات	مولانا محمد ہشام الحق ندوی	۲۹
عرض مسئلہ		
سوال نمبر ۱	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	۷۹
سوال نمبر ۲-۳	مولانا بدر احمد مجیبی ندوی	۸۵
سوال نمبر ۴-۶	مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی	۹۳
سوال نمبر ۵	مولانا اختر امام عادل	۱۰۲

دوسرا باب (تمہیدی مقالات)

۱- مفہوم ولایت	حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ	۱۲۱
۲- ولایت نکاح	علامہ شیخ وہبہ مصطفی زحیلی دمشقی	۱۲۴
۳- ولایت تشریح و تجزیہ	مولانا شمس پیرزادہؒ	۱۳۷
۴- ولایت کے احکام	مفتی مصلح الدین احمد (برطانیہ)	۱۵۵
۵- ولایت حقائق و مسائل	مولانا اختر امام عادل	۱۸۵

تیسرا باب: تفصیلی مقالات

۱- ولایت نکاح سے متعلق چند اہم مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۲۵
۲- مسئلہ ولایت	مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی	۲۳۶

۳-مسئلہ ولایت پر ایک نظر	مولانا راشد حسین ندوی	۲۴۶
۴-مسئلہ ولایت	مولانا محمد ظفر عالم ندوی	۲۵۶
۵-ولایت کی شرعی حیثیت	مفتی نسیم احمد قاسمیؒ	۲۶۶
۶-ولایت علی النفس کے احکام ومسائل	مولانا محمد جمال الدین قاسمی	۲۸۰
۷-نکاح میں ولایت کے مسائل	مولانا خورشید احمد اعظمی	۳۰۶
۸-مسئلہ ولایت	مفتی محمد احسان	۳۱۶
۹-مسائل واحکام ولایت	مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	۳۲۶
۱۰-مسئلہ ولایت	مولانا ارشاد احمد اعظمی	۳۴۱
۱۱-مسئلہ ولایت	مفتی عبدالرحیم قاسمی	۳۴۹
۱۲-ولایت سے متعلق اہم مسائل	مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	۳۵۸
۱۳-ولایت شریعت اسلامی کی نظر میں	مولانا اعجاز احمد قاسمی	۳۶۸
۱۴-مسئلہ ولایت	مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری	۳۸۱
۱۵-مسئلہ ولایت	مولانا سراج الدین قاسمی	۳۸۹
۱۶-ولایت فی النکاح کے متعلق سوالوں کے جوابات	مولانا عبدالقیوم پالنپوری	۴۰۶
۱۷-مسئلہ ولایت	مولانا عبدالرشید قاسمی	۴۱۵
۱۸-مسئلہ ولایت	مولانا اسعد اللہ قاسمی	۴۲۹
۱۹-ولایت تزویج کے احکام ومسائل	مولانا تنویر عالم قاسمی	۴۴۰
۲۰-مسئلہ ولایت	مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری	۴۵۱

چوتھا باب: تحریری آراء

۱-مسئلہ ولایت	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	۴۶۱
۲-مسئلہ ولایت	مفتی محبوب علی وجیہی	۴۶۵
۳-مسئلہ ولایت	مفتی شیر علی گجراتی	۴۷۰
۴-مسئلہ ولایت	مولانا زبیر احمد قاسمی	۴۷۵
۵-مسئلہ ولایت	مولانا عبدالحنان	۴۸۰
۶-مسئلہ ولایت	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۴۸۶
۷-مسئلہ ولایت	مولانا محمد رضوان القاسمیؒ	۴۹۲
۸-نکاح میں ولایت کا مسئلہ	مفتی جمیل احمد نذیری	۴۹۵

۹-مسئلہ ولایت	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۵۰۰
۱۰-نکاح میں ولایت کا مسئلہ	ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	۵۰۵
۱۱-مسئلہ ولایت	مولانا خورشید انور اعظمی	۵۱۲
۱۲-مسئلہ ولایت پر ایک نظر	مولانا عطاء اللہ قاسمی	۵۱۹
۱۳-مسئلہ ولایت	ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی	۵۲۶
۱۴-مسئلہ ولایت	مولانا محمد صدر عالم قاسمی	۵۲۹
۱۵-مسئلہ ولایت	مولانا روح الامین، بنگلہ دیش	۵۳۶
۱۶-اسلامی شریعت میں ولایت کا مقام و مرتبہ اور اس کے انواع و اقسام	مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی	۵۴۱
۱۷-مسئلہ ولایت پر ایک نظر	مولانا فیاض عالم قاسمی	۵۴۶
۱۸-ولایت نکاح کے سلسلہ میں چند شرعی ہدایات	مفتی اسماعیل بھڈکودروی	۵۵۳
۱۹-مسئلہ ولایت	مولانا فرحت افتخار قاسمی	۵۵۸
۲۰-مسئلہ ولایت	مفتی ضیاء الحق قاسمی	۵۶۵
۲۱-ولایت سے متعلق سوالات کے جوابات	مولانا ابوالحسن علی	۵۶۹
۲۲-مسئلہ ولایت	مولانا عبداللطیف پالنپوری	۵۷۵
۲۳-مسئلہ ولایت	مولانا محمد امین بنگلہ دیش	۵۸۰
۲۴-مسئلہ ولایت	مولانا محمد ابراہیم گجیا فلاحی	۵۸۵
۲۵-ولایت نکاح کے مسائل	مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری	۵۹۲
۲۶-مسئلہ ولایت	مولانا عبداللہ طارق	۵۹۸
۲۷-مسئلہ ولایت	مفتی محمد شاہد قاسمی	۶۰۰
۲۸-مسئلہ ولایت	مولانا محمد اسعد فلاحی پالنپوری	۶۰۵
۲۹-مسئلہ ولایت	مولانا ارشاد احمد قاسمی	۶۰۷
۳۰-مسئلہ ولایت	مولانا منت اللہ قاسمی	۶۱۰
۳۱-مسئلہ ولایت	مولانا محمد انظار عالم قاسمی	۶۱۲

۳۲-مسئلہ ولایت	مولانا وصی احمد ودربھنگوی	۶۱۴
۳۳-مسئلہ ولایت	مولانا محمد نوشاد عالم ندوی	۶۱۸
۳۴-مسئلہ ولایت	مولانا محمد شاہد قاسمی	۶۲۱

پانچواں باب: اختتامی امور

مناقشہ	۶۲۳

☆☆☆

ابتدائیہ

انسان کو زندگی گزارنے کے لئے جیسے مادی وسائل کی ضرورت ہے ایسے ہی وہ زندگی کے نشیب و فراز میں کسی مونس و غمگسار کا بھی محتاج ہوتا ہے، اگر زندگی کا کوئی شریک نہ ہو تو انسان کی خوشی ادھوری ہوتی ہے اور غم کا بوجھ بھی دوچند ہوجاتا ہے، انسان کی اسی ضرورت کو شائستہ طریقہ سے پوری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ اسے بہتر اور مستحسن قرار دیا، اس سے ایک طرف انسان دل و دماغ کے لئے سکون کا سامان حاصل کرتا ہے **"لتسکنوا الیھا"** (سورۂ روم: ۲۱)، اور دوسری طرح یہ نسل انسانی کی افزائش اور اس کے بقاو استمرار کا ذریعہ بھی ہے۔

نکاح کا تعلق دن دو دن اور سال دو سال کا نہیں ہوتا ہے بلکہ نکاح کے ذریعہ عمر بھر کے لئے پیمان وفا باندھا جاتا ہے، اور اس کا حق یہ ہے کہ اس بندش کو پھر کھولا نہ جائے اور زندگی بھر طرفین اپنے آپ کو وفا کی گود میں باندھے رکھے سوائے اس کے کوئی ایسی غیر معمولی مجبوری پیدا ہوجائے کہ اس رشتہ کو باقی رکھ کر اس کے مقصد کو پورا کرنا ممکن نہ ہو، ایسے اہم اور زندگی بھر کے رشتہ و تعلق کے لئے ضروری ہے کہ خوب سوچ سمجھ کر اس کے بارے میں فیصلہ کیا جائے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اخلاقی رہنمائی کے طور پر امت کو یہ بات سمجھائی کہ رشتے طے کرنے میں کیا معیار پیش نظر رکھنا چاہئے، طرفین کو اجازت دی کہ اگر وہ چاہیں تو ایک دوسرے کو دیکھ لیں اور ان کے بارے میں تحقیق کرلیں، نیز ولایت کا نظام رکھا گیا کہ خاندان کے بزرگ افراد کے مشورے

کواہمیت دی جائے اوران کے وسیع تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شریک زندگی کے انتخاب کا فیصلہ کیا جائے۔

ولایت کے معنی ہیں ایک شخص کے تصرف یارائے کا دوسرے شخص پر نافذ ہونا، ولایت بنیادی طور پر دوطرح کی ہیں: ولایت فی المال یعنی کسی شخص کے مال میں دوسرے کو حق تصرف حاصل ہو، دوسرے ولایت فی النفس یعنی کسی شخص کا ذات کے سلسلہ میں دوسرے شخص کی رائے کا نافذ العمل ہونا، پھر ولایت فی النفس کی بھی دو قسمیں ہیں: ولایت اجبار جس میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوسکتا، یہ ولایت نابالغ اور فاتر العقل شخص پر حاصل ہوتی ہے، دوسرے ولایت ندب یعنی استحبابی درجہ کی ولایت کہ زیر ولایت شخص یوں تو خود اپنا نکاح کرسکتا ہے لیکن بہتر ہے کہ وہ اولیاء کے مشورہ سے نکاح کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے، یہ ولایت باپ دادا اوران کی عدم موجودگی میں قریب ترین رشتہ داروں کو عاقل وبالغ لڑکی پر حاصل ہوتی ہے۔

اس بات کو سامنے رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی نے نکاح کے سلسلہ میں کس قدر توازن اوراعتدال سے کام لیا ہے، اس نے عاقل وبالغ لڑکے یا لڑکی کو اس بات پر مجبور نہیں کیا کہ وہ اپنی پسند سے رشتے نہ کریں، نہ اس بات کی اجازت دی کہ ان پر رشتہ تھوپ دیا جائے کہ یہ بات انسان کی فکری آزادی کے تقاضوں کے خلاف ہوتی؛ لیکن چونکہ نوجوان لڑکے اورلڑکیاں تجربات کے اعتبار سے ناپختہ ہوتے ہیں اوراس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ جذبات کی رو میں بہہ کر عجلت میں کوئی ایسا فیصلہ کرگزریں جوان کے مستقبل کے لئے موزوں نہ ہو، اس لئے نابالغ اور مجنون لڑکوں کے بارے میں شریعت نے اولیاء کو فیصلہ کرنے کا پورا حق دیا؛ البتہ اگر باپ یا دادا نے ان کا نکاح کیا تو یہ نکاح لازم ہوجاتا ہے اوران کے سوا کسی اور نے کیا تو لازم نہیں رہتا بلکہ بالغ ہونے کے بعد اس رشتہ کو ختم کرنے کا اسے حق حاصل ہوتا ہے جس کو فقہ کی اصطلاح میں خیار بلوغ کہتے ہیں، اور عاقل بالغ لڑکی کے لئے بھی اس بات کو مستحب قرار دیا گیا کہ وہ

اپنے سرپرستوں کو اپنے اعتماد میں لے کر اپنی زندگی سے متعلق اس اہم معاملہ کو طے کریں تاکہ آئندہ زندگی میں ان کے لئے یہ رشتہ دونوں کے لئے سکون اور مسرت کا ذریعہ بنے۔

یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ شریعت جیسے مردوں کو اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیتی ہے اسی طرح عورتوں کو بھی دیتی ہے، چنانچہ قرآن وحدیث میں بہت سے مقامات پر نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنے نفس کی مستحق ہے، **"الأيم أحق بنفسها من وليها"** (حدیث)، اور قرآن میں اولیاء کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی مطلقہ عورت اپنے سابق شوہر سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اولیاء کو حق حاصل نہیں کہ وہ انہیں نکاح کرنے سے روک دیں **"لاتعضلوهن أن ينكحن أزواجهن"**، چنانچہ امام ابوحنیفہ اور بہت سے فقہاء کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ بالغ خاتون کو اپنا نکاح کرنے کا خود اختیار حاصل ہے، یہ شریعت اسلامی کا امتیازی پہلو اور عورتوں کے سلسلہ میں اسلام کی وسیع قلبی کی دلیل ہے۔

افسوس کہ اس سلسلہ میں مسلم سماج میں بے اعتدالی کی صورت حال ہے، ایک طرف مغربی تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے لڑکیوں میں ایک رجحان اپنے طور پر شریک زندگی کے انتخاب کرنے کا پیدا ہو رہا ہے یہاں تک کہ اس میں اولیاء کی اجازت کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، دوسری طرف بعض اولیاء اپنی مرضی کا رشتہ لڑکی پر تھوپنا چاہتے ہیں جو نہ شرعاً درست ہے اور نہ اخلاقاً، اور اکثر یہ دونوں طرح کے رشتے ناکام و نامراد ثابت ہوتے ہیں، صحیح طریقہ یہ ہے کہ عاقدین اور ان کے اولیاء کے باہمی اتفاق رائے سے رشتے طے کئے جائیں، لڑکے اور لڑکیاں اپنے اولیاء کی رائے کو بوجھ نہ سمجھیں بلکہ ان کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں، اور اولیاء عاقدین کے مزاج و مذاق اور ان کے جذبات کو پیش نظر رکھیں اور جو رشتہ انہیں پسند نہ ہو اس پر انہیں مجبور نہ کریں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے گیارہویں فقہی سمینار مؤرخہ ۱۷ تا ۱۹ اپریل ۱۹۹۹ء منعقدہ "امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ" میں اس اہم سماجی مسئلہ کو زیر بحث لایا گیا اور اہم مقالات پیش ہوئے، بحثیں ہوئیں اور اکیڈمی نے متوازن فیصلہ کیا جس میں حکم شرعی کی وضاحت بھی ہے اور لوگوں کے لئے رہنمائی بھی، ان مقالات و مباحث کا مجموعہ پہلی دفعہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کی زندگی ہی میں طبع ہو چکا تھا۔ اور عرصہ سے دستیاب نہیں تھا اب دوبارہ نئی ترتیب کے ساتھ اسے شائع کیا جا رہا ہے اور اسے زیادہ بہتر طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی جسے عزیز گرامی مولانا صفدر زبیر ندوی صاحب نے بڑی محنت اور دلچسپی کے ساتھ انجام دیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے نفع پہنچائے۔

۲۱؍شوال ۱۴۳۱ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء

افتتاحیہ

اسلام نے عورتوں کو جو حقوق عطا کیے ہیں اور جو عزت و احترام دیا ہے، مذاہب عالم اور موجودہ اور گذشتہ نظام ہائے قانون میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، مغرب اپنے جن پیش رو فلاسفہ اور واضعین قانون پر ناز کرتا ہے، ان کا حال یہ تھا کہ وہ عورتوں کو انسان ماننے کو بھی تیار نہ تھے، اور اس عہد کے بعض روشن خیال فلاسفر کہا کرتے تھے کہ عورتوں کے وجود میں ایسی روح کار فرما ہے جو انسانی روح سے کمتر اور حیوانی روح سے بہتر ہے، عورتوں اور غلاموں سے زیادہ مظلوم کوئی اور طبقہ نہیں تھا، پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ جس وقت اس دنیا میں تشریف لائے، اس وقت عورت ملکیت اور جائداد کے درجہ میں سمجھی جاتی تھی، نہ وہ خود اپنا نکاح کر سکتی تھی نہ رشتہ کے قبول و رد کرنے میں ان کی رائے کو کوئی دخل تھا، اگر ان کے مرد اولیاء اپنے حرص و طمع کی وجہ سے عورت کا نکاح نہ کریں یا بالکل بے جوڑ کر دیں تو ان کا ہاتھ تھاما نہیں جا سکتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ پوری کائنات کے عموماً اور ان ستم رسیدہ اور مظلوم و مقہور طبقوں کے لئے خصوصاً مژدہ رحمت بن کر آئے، انہیں عزت و احترام کا مقام دیا۔ انہیں میراث میں حق دار بنایا اور نکاح کو ایک ایسے معاہدہ کی حیثیت سے پیش کیا کہ جس میں مرد عورت کا مالک اور عورت مرد کی ملکیت نہیں ہے بلکہ یہ دونوں ایک معاہدہ کے دو فریق اور زندگی کے سفر میں ایک دوسرے کے قابل احترام اور باعزت رفیق ہیں۔ قانون ولایت بھی اسلام کی منصفانہ تعلیمات اور انسانی معاشرہ میں قیام عدل کی ایک روشن مثال ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ عام طور پر سماج میں لڑکی کی مرضی اور پسند کو بہت کم وزن دیا

جاتا ہے۔ بسا اوقات اولیاء کی جانب سے بیجا جبر بھی ہوتا ہے اور لڑکی کی اجازت کے بغیر نکاح کا فیصلہ کرلیا جاتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرہ میں بالخصوص دیہی علاقوں میں لڑکی کے اپنے شوہر کے انتخاب کے حق کو تقریباً سلب کرلیا گیا ہے، کیونکہ جس ماحول میں وہ رہتی ہے، اسے اپنے باپ یا اولیاء کے خلاف اعتراض کا کوئی حق ہی نہیں رہتا، اس صورت حال میں ہونے والی شادیاں بڑے المیے سے دو چار ہوتی ہیں، حالانکہ شریعت سے اس بارے میں کوئی واضح سند نہیں سوائے اس کے کہ چند اجتہادی مذاہب (فقہی مسالک) کی رائے میں باپ کو اپنی کنواری بیٹی کو شادی پر مجبور کرنے کا اختیار حاصل ہے اور لڑکی کی رائے لینا اس کے لئے مستحب قرار دیا گیا ہے، اس سلسلہ میں سیدنا امام ابوحنیفہؒ اور ان کے موافق فقہاء نے فتویٰ دیا کہ باپ یا کسی اور ولی کو بالغہ باکرہ لڑکی کو شادی پر مجبور کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ باپ یا اولیاء پر شادی کے معاملے میں لڑکی کی مرضی یا امر معلوم کرنا واجب ہے اور باپ یا اولیاء کو لڑکی پر اس کی مرضی کے خلاف جبر کرکے شادی کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے موافق فقہاء کی رائے میں اولیاء کو حق اعتراض دو وجہ سے حاصل ہوسکتا ہے: اول یہ کہ شوہر ہم کفو نہ ہو، دوم یہ کہ مہر مثل نہ ہو۔

حضرت عائشہؓ جنہوں نے نکاح میں ولی کی شرط والی روایت بیان کی، انہوں نے حضرت امام مالکؒ کے بقول خود اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی بیٹی کا نکاح ان کی غیر موجودگی میں کیا۔ امام ابوحنیفہؒ ولی کی شرط کے بالکل حق میں نہیں، ان کی رائے میں لڑکی کا از خود نکاح کرنا جائز ہے خواہ ولی کی اجازت کے بغیر ہی ہو، اگر کفو میں ہو۔ انہوں نے بیع پر قیاس کو حجت بنایا، کیونکہ بیع وشراء میں اسے آزادانہ تصرف کی حیثیت حاصل ہے، اور ولی کی شرط لگانے سے متعلق روایات کو کم عمر نابالغہ بچی کے مسئلہ پر محمول کیا، اور قیاس کے ذریعہ روایات میں وارد رائج فقہی اصول کے مطابق عموم کی تخصیص کردی۔ اختیار وانتخاب کے سلسلہ میں چند روایات کا ذکر اس لئے کیا جاتا

ہے تا کہ اس اہم مسئلہ میں ان سے رہنمائی حاصل کی جا سکے۔نکاح کا مسئلہ شریعت میں بہت اہمیت کا حامل ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

تین کام خواہ سنجیدگی کے ساتھ کیا جائے یا مذاق کے طور پر وہ نافذ ہو جائے گا، نکاح، طلاق، اور رجعت (ابو داؤد)۔

فضالۃ بن عبید سے مروی ہے کہ:

تین باتوں میں کھلواڑ کی کوئی گنجائش نہیں، طلاق، نکاح، غلام کی آزادی (طبرانی)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

ثیبہ سے خود اس کی ذات کے بارے میں دریافت کیا جائے، اگر وہ خاموشی اختیار کرے تو اظہار رضا ہے اور اگر انکار کرے تو اس کی مرضی کے خلاف فیصلہ کا کوئی جواز نہیں (ترمذی شریف)۔

خنساء بنت حذام انصاریہؓ سے مروی ہے کہ:

ان کے والد نے ان کی شادی کر دی اور وہ ثیبہ تھیں لیکن انہوں نے اس شادی کو ناپسند کیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کے والد کے کئے ہوئے نکاح کو رد کر دیا (بخاری)۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

ایک کنواری لڑکی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ اس کے باپ نے اس کی شادی اس حال میں کی کہ وہ اس رشتہ کو ناپسند کرتی ہے تو حضور ﷺ نے اس نکاح کو رد کرنے یا باقی رکھنے کا اسے اختیار دے دیا (ابو داؤد)۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ:

عثمان بن مظعونؓ کے انتقال کے بعد ان کی بیٹی سے مشورہ کے بغیر ان کے چچا نے ان کا نکاح کر دیا تو انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا، چنانچہ ان کی پسند کے مطابق نکاح کیا گیا (ابن ماجہ)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

بے شوہر (طلاق یافتہ، یا شوہر کی وفات ہوچکی ہو) خاتون کا نکاح اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ خود اس کا حکم نہ دے، اور بن بیاہی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اس کی اجازت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا خاموش رہنا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ بن بیاہی کنواری تو شرماتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی رضامندی اس کا سکوت ہے (بخاری ومسلم)۔

حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ:

وہ خاتون (جس کی پہلی شادی ہوچکی ہو) وہ اپنے ولی کی بہ نسبت اپنی ذات کے بارے میں فیصلہ کرنے کا زیادہ حق رکھتی ہے (مسلم)۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں "**لا تنكح الثيب حتى تستأمر ولا البكر حتى تستأذن واذنها الصموت**" کی روایت نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ صرف اولیاء کا اپنے طور پر فیصلہ کرنا بھی جائز نہیں اس لئے کہ انہیں وہ سب کچھ نہیں معلوم، جو عورت خود اپنے بارے میں جانتی ہے اور اس لئے بھی کہ نفع ونقصان اسی کی طرف لوٹنے والا ہے، استئمار کا مفہوم یہ ہے کہ خود عورت صراحت کے ساتھ حکم دے، اور استئذان اس طرح اذن طلب کرنے کو کہتے ہیں کہ وہ روکے نہیں اور اذن کا ادنیٰ درجہ سکوت ہے نیز استئذان صرف باکرہ کے لئے ہے۔

گو ولایت کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں، لیکن ذرائع ابلاغ کے ذریعہ پھیلائے گئے اور غلط طریقہ پر پیش کیے گئے بعض واقعات، نیز سماجی اقدار میں در آئی تبدیلیاں، رشتوں کے سلسلہ میں بدلتے رجحانات اور نئی نسل کی اپنے ذاتی معاملات میں بزرگوں کے تجربات اور ان کے مشوروں سے بے اعتنائیاں جو یقیناً کوئی بہتر علامت نہیں، ان امور کو سامنے رکھتے ہوئے ولایت فی النکاح

اورولایت فی المال کے مسائل پر اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنا گیارہواں سمینار منعقدہ ۱۷ تا ۱۹ر اپریل ۱۹۹۹ء پھلواری شریف پٹنہ میں اس مسئلہ کو موضوع بحث بنایا۔ جس میں ولایت سے متعلق تمام ضروری اور اہم مسائل کے احاطہ کی کوشش کی گئی۔ ولایت کا مفہوم، اولیاء کے اختیارات، اولیاء کا اپنے زیر ولایت لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح اور ان کے مال واسباب کی حفاظت وصیانت میں ان کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟ اولیا کی اہمیت وضرورت، نکاح کے بارے میں خود لڑکوں اور لڑکیوں کے اختیارات اور ان اختیارات کے استعمال میں ان کو کیا باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں؟ ان سب پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے ترتیب دیئے گئے سوالنامے کے جوابات آئے، ان کا مجموعہ آپ کے سامنے ہے۔

اس مجموعہ میں سوالنامہ اور تجاویز (جو اصل میں مقالات اور مناقشات کا ماحصل ہے)، اور جو مقالات سمینار میں آئے تھے ان کی تلخیص کے علاوہ ابتداء میں مسئلہ ولایت سے متعلق چند تمہیدی اور اصولی تحریریں ہیں، اس کے بعد سمینار میں آنے والے مقالات اور مختصر جوابات کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ ہر سوال سے متعلق مقالہ نگاروں کی آراء ایک جگہ آ گئی ہیں، اس سے قارئین کو مختلف نقاط نظر کو پڑھنے اور سمجھنے میں سہولت ہوگی، اخیر میں وہ مناقشات ہیں جو حاضرین کے درمیان ہوئے تھے۔

ان فقہی سمیناروں کا مقصد اللہ کی رضا اور خوشنودی اور اس کے دین کی تشریح وترجمانی ہے، تاکہ اسلام کے بقاء ودوام اور ہر عہد میں اسلام کی رہنمائی کی صلاحیت عملی طور پر لوگوں کے سامنے آسکے۔ ان سمیناروں کا سب سے اہم اور عظیم فائدہ یہ ہے کہ بیسیوں ایسے نوجوان اور اہل قلم فضلاء تیار ہو گئے ہیں جو پوری محنت، دیانت اور حزم واحتیاط کے ساتھ نئے مسائل پر کام کر رہے ہیں، اور نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے برصغیر اور عالم اسلام میں بھی اس کام کے وزن کو محسوس کیا جا رہا ہے۔

اخیر میں خدا کے حضور دعاء گو ہوں کہ وہ ہمیں ایسے کاموں کی توفیق عطا فرمائے جن میں اس کی رضا اور خوشنودی ہے، اور ہر طرح کی گمراہیوں اور فکر و عمل کی کوتاہیوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ **فحسبنا اللہ نعم الوکیل۔ نعم المولی و نعم النصیر۔**

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

۱۲/رجب ۱۴۲۱ھ

جدید فقہی تحقیقات:

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ:

نکاح میں ولایت کے مسائل

مجمع الفقہ الاسلامی الہند کے گیارہویں سیمینار (منعقدہ ۱۷ تا ۱۹ اپریل ۱۹۹۹ء) کی طرف سے موضوع "ولایت نکاح" کی بابت شرکائے سیمینار کے درمیان بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز پاس کی گئیں۔

۱-(الف) شریعت اسلامیہ میں ولایت نکاح کا مفہوم یہ ہے: کسی کو دوسرے کے عقد نکاح کا اختیار حاصل ہونا۔

(ب) اس کی دو صورتیں ہیں: ۱۔ولایت اجبار، ۲۔ولایت استحباب۔

ولایت اجبار: ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہ ہو۔

ولایت استحباب: ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف ہو۔

(ج) شرعاً ولی کے لئے حسب ذیل صفات ضروری ہیں:

دماغی توازن کا درست ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، وراثت کا استحقاق ہونا، مسلمان ہونا۔

اولیاء کی ترتیب عصبات میں وراثت کی ترتیب کے مطابق ہے۔

۲- ہر عاقل وبالغ کو خواہ مرد ہو یا عورت خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، اور جو بالغ نہیں یا جس کا دماغی توازن صحیح نہ ہو تو ان کے نکاح کا اختیار اولیاء کو حاصل

ہے اور اس سلسلہ میں لڑکی ولڑکے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی کو ولی کی مرضی کے بغیر خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اولیاء اور لڑکی کی رضامندی سے نکاح ہو۔

۴- عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح میں کفاءت یا مہر کے مطلوبہ معیار کا لحاظ نہ کرے تو اولیاء کو قاضی کے ذریعہ تفریق کا حق حاصل ہوگا۔

۵- (الف) جس لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے نابالغی میں کردیا ہو وہ نکاح لازم ہے، الا یہ کہ وہ لڑکی اس وجہ سے اس نکاح کو پسند نہ کرے کہ باپ دادا نے اس کا نکاح کسی لالچ میں آکر یا لاپرواہی سے کام لے کر یا بدتدبیری کے ساتھ کردیا ہے، یا ولی اعلانیہ فاسق ہے تو اس کو قاضی کے ذریعہ حق تفریق حاصل ہے۔

(ب) باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء کا کرایا ہوا نکاح درست ہے، البتہ اگر لڑکی اس نکاح پر مطمئن نہ ہو تو بوقت بلوغ اس کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

(ج) کنواری لڑکی کے لئے اس حق (خیار بلوغ) کا استعمال بوقت بلوغ ضروری ہے، بشرطیکہ بلوغ سے پہلے اس کو نکاح کا علم ہو چکا ہو اور حکم شرعی کا بھی علم ہو، بصورت دیگر اس کو یہ اختیار نکاح کا علم ہونے تک یا مسئلہ کا علم ہونے تک باقی رہے گا۔

(د) شوہر دیدہ یعنی ثیبہ لڑکی کو یہ حق (خیار بلوغ) اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ اس کی طرف سے رضامندی کا اظہار نہ ہو، خواہ یہ اظہار صراحۃ ہو یا قرائن کے ذریعہ۔ اسی طرح یہ حق واختیار اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اس کو مسئلہ کا یا نکاح کا علم نہ ہو۔

۶- (الف) ایک سے زائد یکساں درجہ کے اولیاء موجود ہوں تو جو ولی پہلے نکاح کردے

اس کا نکاح صحیح ہے۔

(ب) اور قریب تر ولی کی موجودگی میں نسبتاً دور کا ولی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح کر دے تو قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، البتہ اگر قریب تر ولی کی رائے سے بروقت واقف ہونا ممکن نہ ہو اور تاخیر میں کفو کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دور کے ولی کا کرایا ہوا نکاح درست ہے۔

☆☆☆

سوالنامہ:

نکاح میں ولایت کے مسائل

نکاح سماجی زندگی کا ایک اہم مسئلہ ہے، کیونکہ بنیادی طور پر نکاح ہی سے خاندان وجود میں آتا ہے، اسی لئے کتاب وسنت میں عبادات کے بعد سب سے زیادہ نکاح وطلاق، زوجین کے حقوق وفرائض اور ازدواجی زندگی سے متعلق جزوی تفصیلات کا ذکر آیا ہے، اسلام نے زندگی کے بارے میں جو احکام دیئے ہیں ان کی روح یہ ہے کہ نکاح کا رشتہ زیادہ سے زیادہ مستحکم اور پائیدار رہو، شریعت نے اس کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی ہیں، منجملہ ان کے ولایت وکفاءت کا مسئلہ بھی ہے۔

عصر حاضر میں سماجی قدروں میں تبدیلیوں کی وجہ سے ولایت وکفاءت سے متعلق بعض مسائل موضوع بحث بنے ہوئے ہیں، اس پس منظر میں ولایت وکفاءت کی بابت اسلامی تعلیمات اور عصر حاضر میں اس کی تطبیق کے لئے علماء وارباب افتاء کو غور وفکر کی دعوت دینے کی ضرورت محسوس ہوئی، اس سلسلہ میں حسب ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

ولایت کے اقسام اوران کے شرائط کیا ہیں:

سوال نمبر ۱: شریعت اسلامیہ میں ولایت کا مفہوم کیا ہے، اور ولایت علی النفس کے لئے کیا شرطیں ہیں؟

سوال نمبر ۲: اسلامی شریعت نے کن لوگوں کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے، اور کن کے نکاح کا اختیار اولیاء کے حوالہ کیا ہے؟ ان نکات کو بھی ملحوظ رکھیں:

(الف) ولایت کے بارے میں لڑکی اور لڑکے میں کیا کچھ فرق ہے؟ لڑکے پر ولی کی ولایت کب ختم ہوتی ہے؟ اور لڑکی پر ولی کی ولایت کب ختم ہوتی ہے؟

(ب) نکاح کے بارے میں عاقلہ بالغہ لڑکی کے خود اپنے نفس پر کیا اختیارات ہیں، کیا وہ ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح خود کرسکتی ہے؟ ولی کی مرضی کے بغیر لڑکی نے اگر از خود اپنا نکاح کرلیا تو شرعاً منعقد ہوا یا نہیں، ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار ہوئی یا نہیں؟

(ج) عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنا نکاح کرلیا، اور جب ولی کو اس نکاح کا علم ہوا تو اس نے اس نکاح سے اتفاق کیا یا اسے رد کردیا تو شرعاً اس اجازت اور رد کا اس نکاح پر کیا اثر ہوگا؟

سوال نمبر ۳: عاقلہ بالغہ لڑکی کے از خود نکاح کرلینے کی صورت میں اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ کیا اولیاء اس نکاح کو بذریعہ قاضی فسخ کراسکتے ہیں؟

سوال نمبر ۴: زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں کردیا، لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو نکاح وہ فسخ کراسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں باپ اور دادا کے کئے ہوئے نکاح اور دوسرے اولیاء کے کئے ہوئے نکاح کے حکم میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۵: خیار بلوغ کا حق لڑکی کو کب تک حاصل ہوتا ہے اور کب ساقط ہوجاتا ہے؟ قریب تر ولی زندہ ہو اور نسبۃً دور کے ولی نے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردیا تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا یا نہیں؟

سوال نمبر ۶: اگر ولی نے لڑکی کا نکاح کرتے وقت خود لڑکی کے مصالح و مفادات کا لحاظ نہیں کیا بلکہ کسی دباؤ یا اپنے کسی مفاد کی خاطر نا مناسب جگہ لڑکی کی شادی کردی، لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور راضی نہیں ہے اور قاضی کے یہاں فسخ نکاح کا دعوی لے کر آئی

ہے، بیانات اور گواہوں کے بعد قاضی یہ بات محسوس کرتا ہے کہ ولی نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح ومفادات کا سرے سے لحاظ نہیں کیا تو اس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے یا نہیں ؟ ولی کے معروف بسوء الاختیار، ماجن اور فاسق متہتک ہونے سے کیا مراد ہے؟

سوال نمبر ۷: ولی کون لوگ ہیں، اور اولیاء میں باہم کیا ترتیب ہے؟

سوال نمبر ۸: کسی لڑکی کے اگر یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں اور اجازت ولی کو شرط صحت قرار دیا جائے تو کیا نکاح کی صحت کے لئے کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی یا تمام مساوی اولیاء کا اتفاق ضروری ہوگا؟

☆☆☆

تلخیص مقالات:

نکاح میں ولایت کے مسائل

مولانا محمد ہشام الحق ندوی

۱- ولایت کا مفہوم، اس کے اقسام اور ولایت علی النفس کے شرائط:

☆ بیشتر مقالہ نگار حضرات نے کتاب التعریفات (ص ۲۴۵)، البحر الرائق (۱۱۷/۳)، عنایہ (۳۵۲/۲) کے حوالہ سے ولایت کی فقہی تعریف یہ بتائی ہے: "الولاية في الشرع تنفيذ القول على الغير شاء الغير أو أبى" یعنی شریعت اسلامی میں ولایت سے مراد یہ ہے کہ کسی بات کو دوسرے شخص پر نافذ کر دیا جائے، خواہ وہ شخص اس پر راضی ہو یا نہ ہو (مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

بعض مقالہ نگاروں نے ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی کتاب "الفقه الإسلامي و أدلته" (۱۸۶/۷) کے حوالہ سے ولایت کی تعریف یہ بیان کی ہے: "القدرة على مباشرة التصرف من غير توقف على إجازة أحد" یعنی وہ اختیارات جن کے حصول کے بعد آدمی کو تصرفات و معاملات کی انجام دہی میں کسی کی اجازت کی ضرورت باقی نہ رہے (دیکھئے: مقالہ مولانا عبدالرشید قاسمی)۔

☆ بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک ولایت کی تین قسمیں ہیں:

۱- ولایت علی النفس، ۲- ولایت علی المال، ۳- ولایت علی النفس والمال۔

پھر ولایت علی النفس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ولایت اجبار، ۲۔ولایت استحباب۔

(مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا سراج الدین قاسمی اور مولانا عبدالحنان)۔

اسی طرح تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات کے نزدیک اسباب ولایت چار ہیں:

(۱) قرابت، (۲) ملک، (۳) ولاء، (۴) امامت، البتہ مولانا ارشاد احمد اعظمی اور مولانا جمال الدین قاسمی نے اولاً ولایت کی دو قسمیں کی ہیں:

۱۔اصلیہ یا قاصرہ، ۲۔نیابیہ یا متعدیہ۔ پھر ولایت نیابیہ کی تین قسمیں کی ہیں:

(۱) ولایت علی النفس، (۲) ولایت علی المال، (۳) ولایت علی النفس والمال۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی کے خیال میں ولایت کی تعریف "تنفیذ القول علی الغیر الخ" ولایت نیابیہ ہی کی ایک قسم ہے۔

بعض مقالہ نگار حضرات کے نزدیک امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے اقوال کی روشنی میں ولایت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ولایت استبداد و اجبار، ۲۔ولایت مشارکت و اختیار (مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا ضیاء الحق قاسمی)۔

☆ تمام مقالہ نگار حضرات کے نزدیک ولایت اجبار اور ولایت استحباب کی تشریح مندرجہ ذیل ہے:

۱- ولایت اجبار سے مراد وہ ولایت ہے جو نابالغ لڑکی پر حاصل ہو، خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اسی طرح یہ ولایت اس بالغ عورت پر بھی ہوتی ہے جو باندی یا مجنونہ ہو۔

۲- ولایت استحباب سے مراد وہ ولایت ہے جو عاقل بالغ عورت پر ہو، خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ (البحر الرائق ۳؍۱۱۷، بدائع الصنائع ۲؍۲۴۱)۔

☆ بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک ولایت علی النفس کی سات شرطیں ہیں، جن میں سے چار

متفق علیہ اور تین مختلف فیہ ہیں، متفق علیہ چار شرطیں یہ ہیں: عقل، بلوغ، حریت، اتحاد دین اور مختلف فیہ تین شرطیں یہ ہیں: عدالت، ذکوریت، رشد۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے ولایت اجبار کے لئے ایسے ولی کی شرط لگائی ہے جو عاقل و بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ حق وراثت سے جڑا ہو، فاسق معتھک نیز اپنے اختیارات کے استعمال میں بدنام نہ ہو، نشہ کی حالت میں اپنی اولاد کا رشتہ نامناسب جگہ یا غیر معقول مہر پر نہ کررہا ہو، اولاد کی تربیت پر قادر ہو اور اس کے اخلاق کے سلسلہ میں امانتدار ہو، اسی طرح بعض کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ ولی کا تصرف مولی علیہ کے حق میں سودمند ہو، لہذا ضرر کی صورت میں اس کا تصرف نافذ نہیں ہوگا (مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا اختر امام عادل اور مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

ولایت علی النفس کے لئے بلوغ کی شرط کی دلیل مولانا اختر امام عادل نے اس حدیث سے پیش کی ہے: "**رفع القلم عن ثلاثة: المجنون حتى يفيق والنائم حتى يستيقظ والصغير حتى يبلغ**" (مشکوۃ)۔ اسی طرح انہوں نے حدیث: "**لا نكاح إلا بإذن ولي مرشد أو سلطان**" سے بلوغ کی شرط پر استدلال کیا ہے، اور اس کی فنی حیثیت کے بارے میں صاحب مجمع الزوائد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس روایت کو طبری نے الأوسط میں نقل کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، بعض حنابلہ اور مالکیہ کی طرف منسوب اس قول کا جواب بھی انہوں نے دیا ہے کہ ولایت علی النفس کے لئے بلوغ شرط نہیں، اور اس کی بنیاد وہ روایت ہے جو مؤطا امام مالک (ص/۲۱۶) اور شرح معانی الآثار (۲/۷) میں آئی ہے، جس میں ہے کہ عمر بن أبی سلمہ نے اپنی ماں حضرت ام سلمہؓ کا نکاح حضور ﷺ سے کرایا جبکہ ان کی عمر اس وقت تین سال یا چھ سال کی تھی۔ مولانا اختر امام عادل کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال روایت میں موجود بعض احتمالات کی بنا پر محل نظر ہے، اس لئے کہ امام طحاوی نے اس کو ولایت کے بجائے وکالت قرار دیا ہے، یعنی حضرت امّ سلمہؓ نے از خود ایجاب کرنے کے بجائے اپنے بیٹے کو وکیل بنایا ہے (طحاوی)، نیز بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عمر سے مراد عمر بن ابی سلمہ نہیں، عمر فاروق ہیں، ایک قول یہ ہے کہ نکاح عمر

نے نہیں ان کے بڑے بھائی سلمہ نے پڑھایا تھا (العرف الشذی ۱/۲۱۰)۔

ولایت علی النفس کے لئے ولی اور مولی علیہ کے درمیان اتحاد دین کی دلیل میں مولانا مصلح الدین قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا اختر امام عادل اور مولانا محمد امین نے قرآن کی آیت: "ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً" (سورہ نساء ۱۴۱) سے استدلال کیا ہے، مولانا ظفر عالم ندوی نے المغنی (۶/۴۶۵)، بدائع الصنائع (۲/۲۳۹) کے حوالہ سے یہ حدیث بھی پیش کی ہے: "الإسلام يعلو ولا يُعلىٰ عليه"، لیکن مولانا اختر امام عادل نے نیل الأوطار (۶/۹۷) کے حوالہ سے بعض صورتوں کو اس شرط سے مستثنیٰ بتایا ہے، مثلاً سلطان کی ولایت کے لئے اتحاد مذہب شرط نہیں ہے، مسلم حکمراں لاوارث ذمیہ کا ولی ہوسکتا ہے۔

ولایت علی النفس کے لئے بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک وراثت ضروری ہے، یعنی وہ رشتہ جس سے کوئی انسان مستحق وراثت ہوسکتا ہے، خواہ وہ عصبہ میں سے ہو یا ذوی الفروض یا ذوی الأرحام میں سے۔ مولانا اختر امام عادل کے نزدیک اس شرط سے سلطان کا استثناء کیا جاسکتا ہے جو آخری ولی کی حیثیت رکھتا ہے "السلطان ولي من لا ولي له" (ترمذی ۱/۲۰۸)۔ لیکن مولانا جمال الدین قاسمی اور مولانا اسعد اللہ قاسمی نے منحۃ الخالق علی ہامش البحر (۳/۱۰۹) اور شامی (۲/۳۲۱) کے حوالہ سے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس قید (وراثت) کا اضافہ بے محل ہے۔

حنابلہ اور شافعیہ نے ولایت علی النفس کے لئے عدالت کی شرط بھی لگائی ہے، ان کا استدلال "لا نكاح إلا بإذن ولي مرشد أو سلطان" (طبرانی) سے ہے، ان حضرات نے ولی مرشد کی تفسیر ولی عادل سے کی ہے، مولانا اختر امام عادل اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ تفسیر متعین نہیں ہے، اس لئے کہ رشد کا استعمال عقل کے لئے بھی ہوتا ہے، رشید اسی سے آیا ہے۔

مقالہ نگار حضرات کے مطابق ائمہ ثلاثہ نے ولی کے لئے مرد ہونے کی بھی شرط لگائی ہے، اس لئے کہ مرد کی نگاہ زیادہ دوررس ہوتی ہے، وہ معاملہ کے مصالح وعواقب کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے، ان کے دلائل مولانا اختر امام عادل نے یہ بیان کئے ہیں:

۱- الرجال قوّامون علی النساء (سورہ نساء/۳۴)۔

۲- ولا تعضلوھنّ أن ینکحن أزواجھنّ إذا تراضوا بینھم بالمعروف (سورہ بقرہ/۲۳۲)۔

۳- لاتزوّج المرأۃ المرأۃ ولاتزوّج المرأۃ نفسھا (نیل الأوطار ۶/۱۱۸)۔

پہلی دلیل کا جواب مولانا اختر امام عادل نے یہ دیا ہے کہ اس آیت میں نکاح کے بعد کی قوامیت بھی مراد ہوسکتی ہے، دوسری دلیل کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ اس آیت میں مردوں کی اس خلل انداز طبیعت پر قدغن لگائی گئی ہے جو عام طور پر عورتوں کے معاملہ میں رونما ہوتی ہے، اس آیت سے ولایت نکاح کے مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں، روایت کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ یہ روایت کئی طرق سے منقول ہے، مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تمام سندوں کو لغو اور واہی قرار دیا ہے (الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ ۲/۲۹۶-۲۹۷)۔ اس مسئلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے حنفیہ کا مسلک یہ بتایا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ولی ہونے کے لئے مرد ہونے کی شرط نہیں ہے، بلکہ بعض صورتوں میں عورتیں بھی ولی ہوسکتی ہیں، اور معاملۂ نکاح میں وہ تصرف کرسکتی ہیں، اس کی دلیل کے طور پر مولانا اختر امام عادل نے اس واقعہ کو پیش کیا ہے جس میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجی حفصہ کی شادی اپنے بھائی کے غائبانہ میں کرائی تھی (طحاوی ۲/۵)۔

مولانا راشد حسین ندوی نے ولایت علی النفس کے سلسلہ میں دو مزید شرطیں نقل کی ہیں:

۱- ایک یہ کہ باپ دادا اگر صغیر یا صغیرہ کی شادی غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ کررہے ہیں تو وہ معروف بسوء الاختیار نہ ہوں (شامی ۲/۳۱۲)۔

۲- دوسرے یہ کہ نشہ کی حالت میں نہ ہوں، ورنہ ان کی ولایت میں نکاح درست نہ ہوگا، مولانا راشد حسین ندوی نے علامہ شامی کی شرائط کو دیکھ کر ایک مزید شرط کا اضافہ کیا ہے یعنی بغیر غبن فاحش کے کیا جائے ورنہ ولایت ثابت نہ ہوگی، اس معنی میں کہ نکاح درست نہ ہوگا (الدر المختار ۲/۳۰۵، البحر الرائق ۳/۱۳۴)۔

جبکہ مولانا شمس پیرزادہ، مولانا جمال الدین قاسمی اور مولانا اسعد اللہ قاسمی کے نزدیک ولایت علی النفس کے لئے صرف دو شرطیں کافی ہیں: ۱۔عقل، ۲۔بلوغ۔

ولایت علی النفس کی شرائط پر بحث کرتے ہوئے مولانا اختر امام عادل نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر ولی اور زیر ولایت لڑکی کے درمیان کسی دوسرے معاملہ میں کوئی نزاع یا مقدمہ چل رہا ہو تو کیا اسے باہم عداوت قرار دیا جائے گا، اور اس سے ولایت نکاح مشتبہ ہوگی یا نہیں؟ وہ لکھتے ہیں کہ فقہاء نے اسے باہم عداوت قرار دینے سے انکار کیا ہے، اس لئے کہ دونوں الگ الگ معاملے ہیں (الدر المختار، کتاب القضاء ۴/ ۳۳۲)۔ لیکن کم از کم آج کے دور میں دونوں معاملوں کو الگ الگ نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔

۲-شریعت نے کن لوگوں کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے اور کن کے نکاح کا اختیار اولیاء کے حوالہ کیا ہے؟

☆ اس سلسلہ میں بیشتر مقالہ نگار حضرات نے حنفیہ کا مسلک یہ بتایا ہے کہ ان کے نزدیک ہر عاقل، بالغ، آزاد اور مکلف مرد و عورت کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار ہے، بشرطیکہ عورت ہونے کی صورت میں وہ کفاءت اور مہر مثل کا لحاظ رکھیں، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ اس صورت میں بھی نکاح کا معاملہ اولیاء کی سرپرستی اور نگرانی میں انجام پذیر ہو، اس کے برخلاف بے عقل، مجنون، نابالغ، معتوہ اور مرقوق افراد کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار نہیں، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، بلکہ یہ افراد اپنے نکاح میں ولی کی مرضی اور اجازت کے پابند ہوں گے۔ پہلی صورت میں اولیاء کو اپنے ماتحتوں پر ولایت استحباب حاصل ہوگی اور دوسری صورت میں ولایت اجبار۔ پھر باپ دادا اور دیگر اولیاء میں اس تعلق سے فرق یہ ہے کہ باپ دادا کا کیا ہوا نکاح لازم اور ناقابل فسخ ہوتا ہے، جبکہ دیگر اولیاء کا کیا ہوا نکاح غیر لازم اور قابل فسخ ہوتا ہے (ہدایہ ۲/ ۲۹۴-۲۹۸)۔

(مولانا اختر امام عادل، مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا عبدالرشید قاسمی)۔

☆تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات کے مطابق ائمہ ثلاثہ اس باب میں مرد وعورت کے درمیان فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک عورتوں کے جملہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کے لئے ولی کا جملہ ضروری ہے، حنفیہ کے نزدیک عورتیں اپنا نکاح خود کرسکتی ہیں، ائمہ ثلاثہ کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- وأنكحوا الأيامىٰ منكم (سورہ نور/ ۳۲)۔

۲- ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا (سورہ بقرہ/ ۲۲۱)۔

۳- فانكحوهنّ بإذن أهلهنّ (سورہ نساء/ ۲۵)۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ ان تمام آیات میں اولیاء سے خطاب ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو خود اپنے نکاح کا حق حاصل نہیں ہے، یہ ذمہ داری اولیاء کی ہے، اسی لئے ان کو خطاب کیا گیا (قرطبی ۱۲/ ۲۳۹، مقالہ مولانا جمال الدین قاسمی)۔

۴- قال رسول الله ﷺ: لا تزوّج المرأة المرأة ولا تزوّج المرأة نفسها، فإن الزانية هي التي تزوج نفسها (ابن ماجہ/ ۱۳۵)۔

۵-قال رسول الله ﷺ: لا نكاح إلا بولي (ترمذی/۱ ۲۰۸)۔

۶- عن عائشة أن رسول الله ﷺ قال: أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل (ترمذی/۱ ۲۰۸)۔

۷-عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں، اس لئے معاملۂ نکاح ان کے حوالہ کرنا خطرے سے خالی نہیں۔

حنفیہ کے دلائل:

۱- فإن طلّقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره (سورہ بقرہ/ ۲۳۰)۔

۲- وإذا طلّقتم النساء فبلغن أجلهنّ فلا تعضلوهنّ أن ينكحن أزواجهنّ (سورہ بقرہ/ ۲۳۲)۔

۳- فإذا بلغن أجلهنّ فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهنّ بالمعروف (بقرہ/۲۳۴)۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبارت ''نساء'' سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے، اس لئے کہ ان آیات میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے، اگر عورتوں کی عبارت سے نکاح منعقد نہ ہو تو ان کی طرف یہ نسبت بے معنی ہوجائے گی۔

۴- عن ابن عباسؓ أن النبي ﷺ قال: الأيّم أحقّ بنفسها من وليها والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها (مسلم ۱/۴۵۵) ''ایّم'' کے معنی بے شوہر عورت کے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بے شوہر عورت اپنے نکاح کی ولی سے زیادہ حقدار ہے۔

۵- عن أم سلمة رضي الله عنها قالت: دخل عليّ رسول الله ﷺ بعد وفاة أبي سلمة فخطبني إلى نفسي فقلت: يا رسول الله! إنه ليس أحد من أوليائي شاهداً، فقال: إنه ليس منهم شاهد ولا غائب يكره ذلک، قالت: قم يا عمر! فزوّج النبي ﷺ فتزوجها (طحاوی ۲/۸)۔

اس حدیث سے مولانا جمال الدین قاسمی اور مولانا اختر امام عادل کا استدلال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر نکاح میں ولی کی موجودگی کو غیر ضروری اور محض عورت کی رضا کو کافی قرار دیا، مولانا جمال الدین قاسمی نے اس حدیث کی اس تاویل کو کہ یہ نکاح آپ ﷺ کی ولایت عامہ کے تحت ہوا تھا، رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تاویل معتبر نہیں، کیوں کہ ولایت عامہ کو اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جب نسبی اولیاء زندہ نہ ہوں، اور اس واقعہ میں حضرت ام سلمہؓ کے نسبی اولیاء موجود تھے، لہذا یہ تاویل بعید معلوم ہوتی ہے۔ مولانا اختر امام عادل نے اس پہلو کو رد کرتے ہوئے کہ آپ ﷺ تو خود تمام مسلمانوں کے ولی تھے، اس لئے آپ ﷺ کے لئے ولی کی ضرورت نہ تھی، امام طحاوی کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ اگر ایسی بات تھی تو آپ ﷺ کو حضرت ام سلمہؓ کے ولی کی غیر موجودگی والے عذر کے جواب میں یہ کہنا چاہئے تھا

کہ تمہارے لئے ولی کی کیا حاجت؟ میں تو خود تمہارا ولی ہوں، مگر حضور ﷺ نے یہ ارشاد نہ فرمایا (طحاوی ۲/۷)۔

مولانا اختر امام عادل مزید لکھتے ہیں کہ مؤطا امام مالک میں یہ ٹکڑا بھی ہے کہ "وكان أهلها غائبا" الخ، اس سے اور وضاحت ہو جاتی ہے کہ عورت اپنے اولیاء کی غیر موجودگی میں ان کے علم واطلاع کے بغیر بھی بطور خود نکاح کر سکتی ہے، اسی کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ کے اختتام عدت کے موقع پر آپ کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رکھا جائے: **قد حللت فانكحي من شئت** (مؤطا امام مالک/۲۱۶) تو نکاح کے باب میں عورت کی خود اختیاری کا مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

مولانا اختر امام عادل کے بقول ایک اور روایت انہی الفاظ کے ساتھ آئی ہے جس کو سعید بن منصور نے حضرت ابوسلمہؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کو مرسل جید تسلیم کیا ہے (الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ ۲/ ۲۹۴)۔

٦-عن سهل بن سعد أن امرأة عرضت نفسها على النبي ﷺ فقال له رجل: يا رسول الله! زوّجنيها فقال النبي ﷺ: أملكناكها بما معك من القرآن (بخاری ۲/ ۷۶۷)۔

مولانا جمال الدین قاسمی اس حدیث سے احناف کی تائید میں استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس واقعہ میں بھی عورت کا کوئی ولی موجود نہ تھا جس سے معلوم ہوا کہ ولی کے بغیر عبارت نساء سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

بعض مقالہ نگار حضرات نے عورتوں کی عبارت سے انعقاد نکاح کے سلسلہ میں ائمہ احناف کی متعدد روایتیں بھی نقل کی ہیں، امام ابوحنیفہ سے دو روایتیں نقل کی گئی ہیں:

۱-عورتوں کی عبارت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ عورت عاقلہ بالغہ ہو (مقالہ مولانا جمال الدین قاسمی ہدایہ ۲/ ۳۱۳)، البتہ ولی کا ہونا مندوب و مستحب ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۷)، یہی ظاہر الروایہ ہے۔

۲-ایک دوسری روایت حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ اگر عورت نے کفو میں نکاح کیا تو درست ہے، اور غیر کفو میں کیا تو درست نہیں ہے(مقالہ مولانا جمال الدین قاسمی ، مولانا عبدالرشید قاسمی اور مولانا راشد حسین ندوی)(تبیین ۲/ ۱۱۷)۔

امام ابو یوسف سے اس مسئلہ میں تین روایتیں منقول ہیں:

ان کی پہلی روایت جمہور کے مطابق ہے، یعنی بلا ولی نکاح جائز ہی نہیں، پھر انہوں نے امام ابوحنیفہ کی دوسری روایت کی طرف رجوع کرلیا یعنی غیر کفو میں عورت نے نکاح کیا تو جائز نہیں ہے، آخر میں انہوں نے امام صاحب کی اس پہلی روایت کی طرف رجوع کیا یعنی کفو اور غیر کفو دونوں صورتوں میں کیا ہوا نکاح جائز ہے۔

امام محمد کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں:

پہلی روایت یہ ہے کہ جو نکاح ولی کے بغیر ہوا ہے وہ ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا، خواہ نکاح کفو میں ہو یا غیر کفو میں، البتہ اگر کفو میں ولی اجازت نہ دے تو قاضی کو چاہئے کہ تجدید عقد کردے اور ولی کی بات کی طرف توجہ نہ دے۔ان کی دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی پہلی روایت کی طرف رجوع کرلیا۔

مولانا جمال الدین قاسمی نے ائمہ احناف کے اختلافات نقل کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امام ابوحنیفہ او رصاحبین کا اس پر اتفاق ہے کہ عبارت مکلفہ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے، خواہ کفو میں ہو یا غیر کفو میں (فتح القدیر ۲/ ۳۹۱، المبسوط ۵/ ۱۰)۔

ائمہ ثلاثہ نے قرآن کی جن آیات کے پیش نظر ولایت کو شرط قرار دیا ہے، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی ان کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اگر (ان آیات میں)صرف اولیاء سے خطاب مانا جائے تو اس پر عمل درآمد مشکل ہوتا، جب تک اولیاء کی اقسام، صفات اور مراتب نہ بیان کردیئے جاتے اور ایسا ہوا نہیں، دوسری طرف کئی ایک آیات ایسی ہیں جن میں اولیاء کو نظر انداز کرکے نکاح کا فعل خود عورتوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے، مولانا عبدالرشید قاسمی نے آیت ”فإن

طلّقها فلا تحلّ له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره" کے تعلق سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ لفظ نکاح یہاں اپنے اصطلاحی شرعی معنی میں یعنی عقد نکاح کے مرادف نہیں، بلکہ اپنے اصل اور لغوی معنی میں یعنی ازدواجی تعلق کے مرادف ہے، محض عقد کا مفہوم تو خود لفظ "زوجاً" سے نکل آتا ہے،"**تنکح**" سے مقصود ازدواجی تعلق کو ظاہر کرنا ہے (تفسیر ماجدی ۱/ ۴۳۳)۔

مولانا جمال الدین قاسمی نے آیت:"**وأنکحوا الأیامیٰ منکم الخ** (سورۂ نور: ۳۲)، **ولا تنکحوا المشرکین الخ** (سورۂ بقرہ:۲۲۱)، **فانکحوهنّ بإذن أهلهنّ الخ**" (سورۂ نساء:۲۵) سے استدلال کا جواب یہ دیا ہے کہ پہلی آیت میں ایامی جمع ہے ایّم کی، اور ایّم کہا جاتا ہے "**من لا زوج له**" کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، جیسا کہ علامہ قرطبی نے بتایا ہے، اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مرد وعورت دونوں کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ بلاواسطۂ ولی نکاح کا اقدام نہ کریں، رہی یہ بات کہ اگر کوئی بلاواسطۂ ولی نکاح کر لے تو کیا حکم ہوگا؟ اس سے یہ آیت ساکت ہے۔ دوسری آیت میں نکاح کے مستحب طریقہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے خطاب اولیاء سے ہے، آیت میں اس پر کوئی دلالت نہیں کہ عاقلہ بالغہ اپنا نکاح خود کر لے تو اس کا نکاح منعقد نہ ہوگا۔ تیسری آیت کا جواب یہ ہے کہ نکاح کی نسبت عورت کی طرف دوسری آیات سے ثابت ہے، ان کے بقول مذکورہ آیات سے حنفیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے، جناب شمس پیرزادہ کے نزدیک خطاب معاشرہ سے ہے نہ کہ صرف اولیاء سے۔

ابن ماجہ کی روایت "**لاتزوّج المرأة المرأة الخ**" سے استدلال کا جواب مولانا جمال الدین قاسمی نے یہ دیا ہے کہ اس روایت میں ایک راوی جمیل بن حسن العتکی ہیں جو متکلم فیہ ہیں، اور اگر ان کے ثقہ ہونے کے قول کو اختیار بھی کر لیا جائے تب بھی یہ روایت نکاح بلابینہ اور نکاح فی غیر الکفو پر محمول ہوسکتی ہے (مرقاۃ ۶/ ۲۰۹)۔

مولانا اختر امام عادل نے الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایہ (۲/ ۲۹۶-۲۹۷) کے حوالہ سے اس روایت کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس روایت کی تمام سندیں لغو

اور واہی ہیں۔

روایت" لا نكاح إلا بولي" اور روایت" أيما امرأة نكحت الخ" کے جواب میں مولانا جمال الدین قاسمی نے یہ لکھا ہے کہ یہ دونوں روایتیں سنداً ضعیف ہیں، مولانا اختر امام عادل اور مولانا جمال الدین قاسمی نے طحاوی (۲/۵-۶) اور مرقاۃ (۶/۲۰۹) کے حوالہ سے پہلی روایت کا اضطراب نقل کیا ہے، اور مولانا اختر امام عادل کی رائے ہے کہ اصولی طور پر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ایک مضطرب روایت جب صحیح ترین روایات کے بالمقابل آجائے تو مضطرب روایت کو ترجیح حاصل نہ ہوگی (واضح رہے کہ اس کے بالمقابل دیگر روایات کو ملاعلی قاری نے ترجیح دی ہے)، اس کے علاوہ یہ روایت ائمہ ثلاثہ کے بجائے زیادہ سے زیادہ امام محمد کے موقف کی دلیل بن سکتی ہے، جو اس کے قائل ہیں کہ ولی کی جانب سے عبارت شرط نہیں ہے، بلکہ صرف اجازت شرط ہے، ان کے نزدیک "لا نكاح إلا بولي" کا معنی یہی ہوسکتا ہے کہ نکاح بغیر ولی کے، یعنی اس کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہے، عورت کی عبارت کا عدم اعتبار اس کے معنی میں ایک طرح کا اضافہ ہے، اس کے علاوہ اس روایت کا کوئی ایک محمل متعین نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث میں نفی، نفی صحت پر بھی محمول ہوسکتی ہے اور نفی کمال پر بھی (یہی رائے مولانا جمال الدین قاسمی کی بھی ہے)، مولانا اختر امام عادل نے العرف الشذی (۱/۲۰۹) کے حوالہ سے دوسری روایات کے تناظر میں نفی کمال پر محمول کرنے کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے، مولانا خورشید احمد اعظمی کے بقول امام مالک کے یہاں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ ولایت شریف عورت کے لئے شرط ہے رذیل کے لئے نہیں، اور امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک علی الاطلاق ولایت شرط ہے۔

حضرت عائشہ کی روایت "أيما امرأة" کے بارے میں مولانا اختر امام عادل کہتے ہیں کہ اس روایت کو احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے اور اس کے طرق پر بھی کلام کیا گیا ہے، مگر امام ترمذی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوسفیان مفتاحی اور مولانا جمال الدین قاسمی کے نزدیک اس سے

استدلال مشکل ہے، اس لئے کہ ان حضرات کے نزدیک'' **فنکاحها باطل**'' کا ایک معنی یہ ہوسکتا ہے کہ نکاح کے باطل ہونے کا امکان ہے، یہ اس وقت ہے جب لڑکی نے غیر کفو یا مہر مثل سے کم پر شادی کرلی ہو۔ باطل کے معنی بے فائدہ کے بھی ہیں قرآن میں ہے:'' **ربنا ماخلقت هذا باطلا**'' (سورۂ آل عمران:۱۹۱)، اگر یہ معنی ملحوظ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ولی کی مرضی کے بغیر کیا ہوا نکاح بے فائدہ اور ناپائیدار ہوتا ہے، یعنی عدم کفاءت اور مہر مثل سے کمی کی صورت میں ولی کے مطالبہ پر نکاح کو فسخ کیا جاسکتا ہے۔ مولانا جمال الدین قاسمی نے باطل کے ناپائیدار کے معنی میں ہونے کی مثال لبید کے اس شعر سے دی ہے:'' **ألا كل شئ ما خلا الله باطل، أي فانٍ**''۔ اس کے علاوہ ان کے بقول روایت میں ''**نكحت نفسها بغير إذن وليها**'' کے الفاظ آئے ہیں، جن کا تقاضا ہے کہ اگر عورت اجازت لے لے تو اس کی عبارت سے نکاح منعقد ہوجائے گا۔ مولانا اختر امام عادل کے نزدیک باطل کا معنی بے فائدہ اور مصالح ومفادات سے خالی اس لئے ہوگا کہ آیات اور روایات صحیحہ سے تعارض لازم نہ آئے جن میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے، یا جن میں اس کی رائے اور مرضی کو خاص اہمیت دی گئی ہے، ان کے بقول خود زیر نظر حدیث میں بھی بعض ایسے اشارات موجود ہیں، جن سے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے، مثلاً اسی حدیث کا یہ ٹکڑا ہے کہ ''**فإن دخل بها فلها المهر بما استحلّ من فرجها**''، دخول کے بعد وجوب مہر کا حکم اور اس کے لئے استحلال فرج کی تعلیل صحت عقد کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے علاوہ اس روایت کے دو راوی امام ابوحنیفہ کے ہم خیال نظر آتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجی حفصہؓ کی شادی اپنے بھانجہ منذر بن زبیرؓ سے بطور خود کردی تھی جبکہ حفصہؓ کے باپ عبدالرحمٰن شام میں تھے اور حضرت عائشہؓ اصولی طور پر بھتیجی کی ولی نہیں تھیں لیکن ولی کے بغیر انہوں نے شادی کردی، بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایجاب وقبول دوسرے مردوں کے ذریعہ کرایا تھا، خود نہیں کیا تھا (طحاوی ۶/۲)، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ مرد حضرات بھی تو ولی نہیں تھے، زیادہ سے زیادہ ان کو حضرت عائشہؓ کا وکیل قرار دیا

جاسکتا ہے۔مذکورہ واقعہ سے کم ازکم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ کے نزدیک نکاح کی صحت کے لئے ولی کا موجود ہونا ضروری نہیں تھا، اسی طرح اسی سند کے دوسرے راوی امام زہری بھی اس معاملہ میں امام ابوحنیفہ کے ہم خیال ہیں (العرف الشذی ۱/۲۰۹)، مولانا جمال الدین قاسمی نے بھی ابن جریج (جو اس روایت کے ایک راوی ہیں) کا یہ قول نقل کیا ہے "**ثم لقيت الزهري فسألته فانكره**" (ترمذی ۲/۲۵۸) مولانا اختر امام عادل کے بقول راوی کا اپنی روایت کے خلاف مسلک اختیار کرنا اس بات کی علامت ہے کہ روایت کا معنی وہ نہیں ہے جو بظاہر مفہوم ہورہا ہے، بلکہ دوسری روایات اور خود رواۃ حدیث کے مذہب کے تناظر میں وہی تاویل یا تخصیص کرنی ہوگی جو مذکور ہوئی۔

مولانا اختر امام عادل نے روایت "لا نكاح إلا بولي" کے ذیل میں اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ کسی عورت پر ولی کو جو ولایت حاصل ہوتی ہے وہ ولی کے حق کے طور پر ہے یا عورت کی ہمدردی اور خیر خواہی کے پیش نظر؟ انہوں نے مؤطا امام محمد (ص/۲۴۹) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شافعیہ اس کو ولی کے حق کے طور پر دیکھتے ہیں جبکہ حنفیہ اس کو عورت کے مفاد کی چیز کہتے ہیں، اس لحاظ سے اگر عاقلہ بالغہ عورت خود اپنے شوہر کا صحیح طور پر انتخاب کرے اور کفاءت یا مہر کسی لحاظ سے بھی اس میں نقص واقع نہ ہو تو ولایت کی علت کے لحاظ سے یہ قابل اعتراض نہ ہونا چاہئے، ان کے بقول امام محمد نے حضرت فاروق اعظمؓ کا ایک اثر امام ابوحنیفہ کے موقف کے حق میں پیش کیا ہے، نیز اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نزاع کی صورت میں سلطان سے رجوع کا حکم دیا گیا ہے، **فإن اشتجروا فالسلطان ولي من ولا ولي له** (ترمذی ۱/۲۰۸)۔ظاہر ہے کہ اگر یہ ولی کا حق ہے تو سلطان کی طرف مراجعت کی حاجت کیا ہے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عورت کے مصالح کے پیش نظر اس مراجعت کا حکم دیا گیا ہے (العرف الشذی ۱/۲۰۹، مرقاۃ ۶/۲۰۴)۔ ان کے بقول حدیث میں ولایت عام ہے، ولایت اجبار اور ولایت استحباب دونوں مراد ہوسکتی ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث اپنے عموم پر باقی نہ ہو بلکہ اس میں صرف وہ

افراد داخل ہوں جن پر ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے، اس تخصیص کی بنیاد وہ دلائل ہیں جن میں نکاح کے باب میں عورتوں کو خود مختاری دی گئی ہے (مرقاۃ ۶/۲۰۷)۔

اسی طرح بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اس قیاس کو بھی مخصص مانا ہے کہ جب عورت عقل و بلوغ کے مرحلہ میں پہونچ کر بیع، اجارہ اور دیگر مالی معاملات میں تصرف کر سکتی ہے تو نکاح کے باب میں وہ ولی کی پابند کیوں رہے گی؟ (مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اختر امام عادل) لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رائے سے تخصیص درست ہے یا نہیں؟ مولانا اختر امام عادل اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ "إحکام الأحکام" میں ابن دقیق العید کی تصریح کے مطابق اگر رائے بالکل واضح اور جلی ہو تو مخصص بن سکتی ہے، جیسا کہ اخلاقیات کی بیشتر روایات میں یہ عمل ہوا ہے (العرف الشذی ۱/۲۰۹)۔ مولانا اختر امام عادل مزید لکھتے ہیں کہ مسانید ابو حنیفہ میں یہ روایت حضرت امام ابو حنیفہ کے حوالہ سے بھی آئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت امام صاحب کے سامنے بھی تھی، مگر اس کا مفہوم ان کے نزدیک اس سے مختلف تھا جو ائمہ ثلاثہ نے سمجھا ہے، اور اسی لئے یہ کہنا بھی صحیح نہ ہوگا کہ ممکن ہے امام ابو حنیفہ تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو (العرف الشذی ۱/۲۰۹)۔

جناب شمس پیرزادہ حدیث "لا نكاح إلا بولي" کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی ابو اسحاق ہیں جو مدلس ہیں (تہذیب ۸/۹۲)، اور اس کے دوسرے راوی شریک بن عبد اللہ کے بارے میں متعدد محدثین نے کہا ہے کہ وہ سیئ الحفظ ہیں اور بکثرت غلطیاں کرتے ہیں، نسائی اور دارقطنی کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہیں (تہذیب ۴/۳۳۳)۔

اس حدیث کی اسناد دوسرے طریقہ پر بھی ہے، جس کے ایک راوی اسرائیل ہیں جن کے بارے میں محدثین کی مختلف رائیں ہیں، بعض محدثین نے انہیں ضعیف کہا ہے اور ابن حزم نے ان کی کئی حدیثیں رد کر دی ہیں (تہذیب ۱/۲۹۰)۔

تیسرے طریقہ کی اسناد میں ابو عوانہ ہیں جن کا اصل نام وضاح بن عبد اللہ یشکری ہے،

ان کے بارے میں متعدد محدثین کی رائے یہ ہے کہ وہ جب لکھی ہوئی حدیث پیش کرتے ہیں تو صحیح ہوتی ہے، لیکن جب یادداشت سے بیان کرتے ہیں تو بکثرت غلطیاں کرتے ہیں، ابو حاتم کی یہی رائے ہے، ابن مدینی کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں عجیب وغریب باتیں ہوتی ہیں (تہذیب ۱۱/۱۱۶)۔

چوتھے طریقہ کی اسناد میں یونس بن اُبی اسحاق ہیں، جن کے بارے میں محدثین کی رائیں مختلف ہیں، علی ابن المدینی سے منقول ہے کہ وہ شدید غفلت برتتے ہیں، امام احمد بن حنبل ان کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے، ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ سچے ہیں، لیکن ان کی حدیث کو حجت کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔

اس روایت کے بیان کرنے والوں میں حضرت عائشہؓ کا نام بھی ہے، جب کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجی کا نکاح اس کے باپ عبدالرحمٰن کی غیر موجودگی میں کردیا تھا (تحفۃ الأحوذی ۴/۲۲۹)۔ لہٰذا اس حدیث کی نسبت حضرت عائشہؓ کی طرف صحیح نہیں معلوم ہوتی، علاوہ ازیں اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا اطلاق ثیبہ پر بھی ہوگا، کیونکہ "ولی کے بغیر نکاح نہیں" میں "بکر" کی کوئی قید نہیں ہے جبکہ ثیبہ کے بارے میں بدلائل واضح ہے کہ اس کو اپنے نفس پر اختیار ہے۔

حدیث "أیما امرأة الخ" کے بارے میں جناب شمس پیرزادہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جو حجت نہیں بن سکتی، اس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ یہ حدیث عنعنہ کے ساتھ مروی ہے جس کے ایک راوی زہری ہیں، اور جب زہری سے اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے انکار کیا (تحفۃ الأحوذی ۴/۲۲۸-۲۳۱)، اس لئے زہری کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔

۲۔ اس کے ایک راوی سلیمان بن موسیٰ اموی ہیں جن کے بارے میں محدثین کے مختلف اقوال ہیں، امام بخاری کہتے ہیں: "ان کے پاس منکر حدیثیں ہیں" نسائی کہتے ہیں: وہ

فقیہ ہیں لیکن حدیث میں قوی نہیں، ابن مدینی کہتے ہیں: ان کا حافظہ موت سے پہلے خراب ہو گیا تھا (تہذیب ۴/۲۲۶۔۲۲۷)۔

۳۔اس کے ایک راوی ابن جریج ہیں جو مشہور ثقہ راوی ہیں لیکن تدلیس کیا کرتے تھے، احمد بن حنبل کہتے ہیں: ابن جریج کی بعض مرسل حدیثیں موضوع ہوتی ہیں (میزان الاعتدال ۲/۶۵۹)۔امام مالک کہتے ہیں: ابن جریج حاطب اللیل ہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں: وہ بُری طرح تدلیس کرتے تھے۔ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے (تہذیب ۶/۴۰۲)۔

۴۔اس کی نسبت حضرت عائشہؓ کی طرف ہے جبکہ انہوں نے اپنی بھتیجی کا نکاح ولی کی غیر موجودگی میں کر دیا تھا، اس لئے اس حدیث کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

۵۔اس حدیث میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ایسے نکاح پر مہر کو لازم قرار دیا گیا ہے، اگر نکاح ہی سرے سے باطل ہوا تو اس پر مہر کا کیا سوال؟ اور ایسی صورت میں تو تعزیر لازم آجاتی مگر حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

۶۔اس حدیث میں باکرہ کی کوئی صراحت نہیں ہے، اس لئے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے باطل ہونے کا اطلاق ثیبہ پر بھی ہوگا، جبکہ دلائل سے واضح ہے کہ ثیبہ کو اپنے نفس پر اختیار ہے (دلائل سے مراد قرآن کی وہ آیات ہیں جن میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے)۔

۷۔حدیث میں اولیاء کے تنازع کا ذکر ہے اور پھر اس کا حل یہ پیش کیا گیا کہ سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں، حالانکہ یہاں اولیاء موجود ہیں، اس لئے اس کے متن کو حدیث رسول باور کرنا مشکل ہے۔

ان وجوہ سے یہ حدیث ضعیف ہے، لہٰذا اس حدیث کو بلا اجازت ولی باکرہ کے نکاح کو باطل قرار دینے کی دلیل بنانا صحیح نہیں۔

حدیث ''**لا تزوج المرأة المرأة الخ**'' کے بارے میں جناب شمس پیرزادہ کی

رائے ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی جمیل بن حسن عتکی ہیں جن کے بارے میں ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے کوئی روایت نہیں لکھی، عبدان کہتے ہیں وہ کذاب اور فاسق ہے، اور ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ غیر مانوس روایتیں بیان کرتے ہیں (تہذیب ۲/۱۱۳) ۔اس حدیث کے دوسرے راوی محمد بن مروان عقیلی ہیں، جن کے بارے میں بھی محدثین کے اقوال مختلف ہیں، عبداللہ بن احمد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے انہیں دیکھا وہ حدیثیں بیان کررہے تھے، لیکن میں نے ان کو نہیں لکھا اور دانستہ ان کو ترک کردیا (تہذیب ۹/۴۳۵)۔

مطلب یہ کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک وہ ضعیف راوی ہیں، اس طرح اسناد کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے جو حجت نہیں بن سکتی، علاوہ ازیں اس حدیث کا مطلب اس کے آخری فقرہ سے واضح ہے، یعنی کوئی عورت زانیہ کی طرح اپنا نکاح نہ کرے، ظاہر ہے زانیہ بغیر گواہوں کے اپنا نکاح کرتی ہے، اور اس کا کوئی اعلان نہیں ہوتا، لیکن شرعی نکاح میں گواہوں کا اور اعلان کا ہونا ضروری ہے، اور مذکورہ حدیث میں اس کے بغیر نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، اور زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عورت اپنا نکاح از خود نہ کرے بلکہ کسی مرد کو مقرر کرلے جو اس کا نکاح پڑھائے، بہر صورت اس حدیث میں ولی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

مولانا عبدالرشید قاسمی کے بقول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور تابعین میں سے سعید بن مسیّب، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، جابر بن زید، سفیان ثوری، ابن اُبی لیلیٰ، ابن شبرمہ، عبداللہ بن مبارک، عبیداللہ العنبری، اسحاق اور ابوعبیدہ کے نزدیک بلا اجازت ولی نکاح صحیح نہ ہوگا، عورت نہ خود اپنے نکاح کی مالک ہے اور نہ دوسرے کے نکاح کی، اور نہ ہی اپنے عقد نکاح میں کسی کو وکیل بنا سکتی ہے، مولانا عبدالرشید قاسمی کے بقول ولی سے اجازت والی احادیث کو امام ابوحنیفہ نے صغیرہ اور کمزور دماغ لڑکی، یا لونڈی وغیرہ پر محمول کیا ہے، اور دوسری احادیث کو عاقلہ

بالغہ راشدہ پر، اس لئے ان میں کوئی تضاد نہیں بلکہ اس طرح دونوں پر عمل ہوجاتا ہے، ان کے بقول جمہور کے نزدیک بھی اگر کسی عاقلہ بالغہ نے بلا اجازت ولی عقد کرلیا اور شوہر نے جماع بھی کیا تو جمہور کے نزدیک عورت کے لئے مہر کا ثبوت ہوگا، معلوم ہوا کہ اصلاً نکاح کے صحیح نہ ہونے پر اختلاف نہیں ہے، بلکہ استحبابی طور پر اختلاف ہے کہ عاقلہ بالغہ کے لئے مستحب ہے کہ وہ اولیاء کے واسطے سے نکاح کرائے، ورنہ ثبوت مہر کا مطلب کیا ہوگا؟

☆ کن لوگوں کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار رہے اور کن لوگوں کو نہیں ہے؟ اس سلسلہ میں مولانا مصلح الدین قاسمی اور مولانا ظفر عالم ندوی نے تین رائیں نقل کی ہیں:

۱۔ پہلی رائے ابن شبرمہ، ابوبکر اصم اور عثمان بتی کی ہے کہ صغیر اور صغیرہ کے نکاح کرانے کا اختیار کسی کو نہیں، اس کی دلیل میں مولانا مصلح الدین قاسمی نے یہ آیت ذکر کی ہے "حتى إذا بلغوا النكاح" (سورۂ نساء:۶) اس سے ان حضرات کا استدلال ہے کہ اگر قبل از بلوغ نکاح درست ہو تو بلوغ کی قید کا کوئی فائدہ نہیں۔

۲۔ دوسری رائے علامہ ابن حزم کی ہے کہ باپ کو اپنی بیٹی کا نکاح کردینے کا حق ہے یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے، لیکن جب بالغ ہوجائے گی تو لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا، اور اگر لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو تو ایسی صورت میں خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو کسی کو بھی حق حاصل نہیں ہے کہ صغیرہ کا نکاح کردے یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے، اور صغیر پر کسی کو ولایت حاصل نہیں ہے اور نہ ہی اس کو صغیرہ پر قیاس کیا جاسکتا ہے (المحلی لابن حزم ۹/۴۵۹)۔

۳۔ تیسری رائے جمہور فقہاء کی ہے کہ صغیر اور صغیرہ دونوں پر اولیاء کو حق ولایت حاصل ہے اور ولی شرعی دونوں کا نکاح کرسکتا ہے، بلکہ مولانا مصلح الدین قاسمی کے بقول ابن منذر نے نابالغ بچی کے کفو میں نکاح کے جواز پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، بیشتر مقالہ نگار حضرات کے مطابق یہ تمام تفصیلات مندرجہ ذیل کتابوں میں موجود ہیں:

المبسوط (۴/ ۲۱۳-۲۱۴)، فتح القدیر (۳/ ۱۸۲)، المغنی (۶/ ۴۸۷)، کشاف القناع (۳/ ۴۳)۔

متعدد مقالہ نگار حضرات نے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کی دلیل میں درج ذیل آیت پیش کی ہے:

۱۔ واللائي يئسن من المحيض من نساء كم إن ارتبتم فعدّتهنّ ثلاثة أشهر واللائي لم يحضن (سورہ طلاق:۴)۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت میں نابالغ بچی کی عدت بالغہ عورت کی طرح تین ماہ بیان کی گئی ہے، اور ظاہر ہے کہ عدت نکاح وفراق کے بعد ہی واجب ہوا کرتی ہے۔

۲۔ وأنكحوا الأيامىٰ منكم (سورہ نور:۳۲) بے نکاحوں کا نکاح کرادیا کرو، جس میں بے خاوند عورت بھی داخل ہے، اور بے خاوند عورت مطلق ہے، اس میں بالغہ کی قید نہیں، اسی طرح بے نکاح کے اطلاق میں بالغ مرد اور نابالغ بچہ دونوں شامل ہیں۔

۳۔حضرت عائشہؓ کی یہ روایت بھی ان کی دلیل ہے:"تزوجني النبي ﷺ وأنا بنت ست، وبنى بي وأنا بنت تسع (مقالہ مولانا مصلح الدین قاسمی، بخاری ومسلم)۔

۴۔آپ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کی بیٹی کا نکاح ابن أبی سلمہؓ سے کیا، حالانکہ اس وقت دونوں نابالغ تھے۔

(الف) ولایت کے بارے میں لڑکی اور لڑکے میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ لڑکے پر ولی کی ولایت کب ختم ہوتی ہے اور لڑکی پر ولی کی ولایت کب ختم ہوتی ہے؟

☆ اس ضمن میں بیشتر مقالہ نگار حضرات نے ولایت اجبار کی بنیاد پر بھی روشنی ڈالی ہے، ان کے مطابق ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولایت اجبار کی بنیاد بکارت ہے، (ترمذی ۱/ ۲۱۰، مقالہ مولانا اختر امام عادل)، ان کے بالمقابل حنفیہ کے نزدیک ولایت اجبار کی بنیاد صغر پر ہے (ہدایہ ۲/ ۲۹۴، مقالہ مولانا سراج الدین قاسمی)، مولانا اختر امام عادل کے بقول شافعیہ میں سے شیخ تقی الدین سبکی شافعی بھی حنفیہ کے ہم خیال ہیں (العرف الشذی ۱/ ۲۱۲)، حنابلہ میں سے امام ابن تیمیہ اور امام

ابن القیم بھی اس معاملہ میں حنفیہ سے اتفاق کرتے ہیں (نیل الاوطار ۶/۱۲۱)۔

☆ احناف اور ائمہ ثلاثہ اس امر میں متفق ہیں کہ عاقل بالغ لڑکے پر کسی کو ولایت حاصل نہیں ہے، اور نابالغ لڑکے پر اس کے ولی کو ولایت حاصل ہے، احناف کے یہاں یہی حکم لڑکی کا بھی ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ نے اس معاملہ میں لڑکی اور لڑکے کے درمیان فرق کیا ہے، ولایت اجبار کے معیار میں احناف اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان پائے جانے والے اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ صغیرہ باکرہ پر بالاتفاق ولایت اجبار حاصل ہوگی اور کبیرہ ثیبہ پر بالاتفاق ولایت اجبار نہ ہوگی، اور کبیرہ باکرہ پر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولایت اجبار ہوگی اور صغیرہ ثیبہ پر احناف کے نزدیک ولایت اجبار ہوگی، حاصل یہ کہ چار صورتوں میں سے دو صورتیں اتفاقی ہیں اور دو صورتیں اختلافی (بدائع الصنائع ۲/۲۴۱) (مقالہ مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا جمال الدین قاسمی)۔

ائمہ ثلاثہ نے ابن عباسؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ قال: الأيم أحق بنفسها من وليها والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها (ابوداؤد ۱/۲۸۶، مقالہ مولانا اختر امام عادل)۔

ائمہ ثلاثہ کا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث میں ''ایّم'' سے مراد ثیبہ ہے، کیونکہ باکرہ کا ذکر اس روایت میں آگے مستقلاً آیا ہے یعنی ''**والبكر تستأذن**''، اور جب ''ایّم'' سے مراد ثیبہ ہوئی تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ باکرہ ولی کے مقابلہ میں اپنے نفس کی زیادہ حقدار نہیں ہے اور اس پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے، البتہ حدیث کی وجہ سے اجازت لے لینا مستحب ہے (المجموع ۱۷/۳۳۳، مقالہ مولانا جمال الدین قاسمی)۔

مولانا اختر امام عادل کے بقول ائمہ ثلاثہ عقلی طور پر یہ استدلال کرتے ہیں کہ کنواری لڑکی خواہ بالغ ہو یا نابالغ، نکاح کا کوئی تجربہ نہیں رکھتی، اس لئے اس کا معاملہ اس کے حوالہ کردینا مناسب نہیں، اس لئے مدار کنوارپن پر رکھا جائے (ہدایہ ۲/۲۹۴) اور چونکہ ان کے نزدیک اصل چیز تجربہ ہے، امام شافعی اس تجربہ کو عرفی بنیاد کے بجائے حقیقی بنیاد پر دیکھتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی

لڑکی زنا کی مرتکب ہوجائے تو وہ ان کے نزدیک حقیقی تجربہ حاصل ہونے کی بنا پر ثیبہ کے حکم میں ہے، چاہے عرف میں وہ کنواری سمجھی جاتی ہو، یہی وجہ ہے کہ نکاح کے تعلق سے استزاج کے وقت ایسی لڑکی کا محض سکوت کافی نہیں بلکہ زبان سے اظہار ضروری ہے (ہدایہ ۲/۲۹۵)۔

حنفیہ نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

۱۔عن بریدۃؓ قال: جاء ت فتاۃ إلی النبي ﷺ فقالت: إن أبي زوّجني ابن أخيه ليرفع بي خسته، قال: فجعل الأمر إليها، فقالت: قد أجزت ما صنع أبي ولكن أردت أن تعلم النساء أن ليس إلی الآباء من الأمر شيً (ابن ماجہ/ ۱۳۵، مقالہ جناب شمس پیرزادہ، مولانا جمال الدین قاسمی)۔وجہ استدلال یہ ہے کہ اس لڑکی نے یہ اعلان مطلق الفاظ میں کیا جس میں باکرہ اور ثیبہ کی کوئی تفریق نہیں ہے اور آپ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، جس سے معلوم ہوا کہ لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اگر وہ عاقلہ بالغہ ہے تو خود اپنے نفس کی مالک ہے، دوسرے کو اس پر ولایت اجبار حاصل نہیں (المبسوط ۵/۲، مقالہ مولانا جمال الدین قاسمی)۔

۲۔ إن جارية بكراً أتت النبي ﷺ فذكرت أن أباها زوّجها وهي كارهة فخيّرها النبي ﷺ (ابن ماجہ/ ۱۳۵، مقالہ مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا اختر امام عادل)۔یحیٰی بن سعید قطان نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ عینی فرماتے ہیں: ''**وابن قطان صحّحه**'' (عمدۃ القاری ۲/ ۱۰۳، مقالہ مولانا جمال الدین قاسمی) اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے ''**ورجاله ثقات**'' (فتح الباری ۹/ ۱۹۶، مقالہ سابق)۔

۳۔ لا تنكح الأيم حتی تستأمر ولا تنكح البكر حتی تستأذن (بخاری ۲/ ۷۷۱، مقالہ مولانا شمس پیرزادہ)۔

مولانا اختر امام عادل اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ الأیم کے معنی اگر ثیبہ کے لیے جائیں جیسا کہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی آیا ہے، تو مطلب یہ ہوگا کہ ثیبہ کے نکاح میں استیمار اور باکرہ میں استیذان کی ضرورت ہے، استیمار کے معنی مشورہ کے ہیں اور مشورہ

میں زبانی اظہار ضروری ہوتا ہے، اور استیذان کے معنی اجازت لینے کے ہیں اور اجازت ولالت حال سے بھی ممکن ہے، بہر صورت حدیث اس باب میں بالکل صریح ہے کہ ثیبہ اور باکرہ کسی پر بھی اجبار درست نہیں ہے، اس حدیث سے بکارت کو بنیاد بنانے کا تصور رد ہو جاتا ہے (مشکوۃ مع مرقاۃ ۲۰۲/۶۔۲۰۹، مقالہ مولانا اختر امام عادل)۔

۴۔عن خنساء بنت خذام الأنصارية أن أباها زوّجها وهي ثيّب فكرهت ذلک فأتت رسول الله ﷺ فردّ نكاحها (بخاری ۷۷۱/۲، مقالہ مولانا اختر امام عادل)، اس حدیث کے بارے میں مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں کہ اگرچہ نسائی وغیرہ کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خنساء بھی باکرہ تھیں، مگر محققین نے بخاری کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے خنساء کو ثیبہ قرار دیا ہے (مرقاۃ ۲۰۸/۶)۔

مولانا شمس پیرزادہ صاحب حدیث "لا تنكح الأيم حتى تستأمر الخ" کے ذیل میں لکھتے ہیں: "جب باکرہ کی اجازت ضروری قرار پائی تو ولی کی رضامندی کہاں لازم قرار پائی؟ اگر ولی کی رضامندی بھی لازم قرار دی جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر باکرہ کو ایک رشتہ پسند ہو اور ولی اس پر رضامند نہ ہو تو کیا اس کو نکاح سے روک دیا جائے گا؟ اگر روک دیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ولی کی رضامندی کے بغیر باکرہ کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا، ایسی صورت میں باکرہ کی اجازت یا رضامندی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، مؤطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے: "الأيم أحقّ بنفسها من وليها الخ" یہ حدیث صراحت کرتی ہے کہ ثیبہ کو نکاح کے معاملہ میں اختیار رہے اور وہ ولی کی رضامندی کی پابند نہیں ہے، رہی باکرہ تو وہ زیادہ شرمیلی ہوتی ہے، اس لئے اس کی خاموشی کو اس کی اجازت پر محمول کیا گیا، جس سے واضح ہے کہ ولی کو اپنی مرضی اس پر تھوپنے کا اختیار نہیں۔

مولانا جمال الدین قاسمی حنفیہ کی طرف سے حدیث ابن عباسؓ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ "ایّم" سے مراد بے شوہر عورت ہے اور اس کا اطلاق باکرہ و ثیبہ دونوں پر ہوتا ہے (لسان

العرب ۱۲/۳۹)۔البتہ بکر کا ذکر الگ سے اس لئے فرمایا کہ اس کا طریقہ اجازت دوسرا تھا،اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ایّم سے مراد ثیبہ ہے تو کہا جائے گا کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے جو ہمارے نزدیک درست نہیں،بالخصوص جبکہ وہ منطوق کے خلاف نہ ہو(نورالانوار ۱۵۳)۔اور یہاں منطوق "البكر تستأذن في نفسها" ہے۔

مولانا اختر امام عادل امام شافعی کے عقلی استدلال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ تجربہ بھی موقوف ہے بلوغ اور ثیوبت پر، بلوغ سے قبل شادی اور شوہر سے ملاقات کی صورت میں تجربہ حاصل نہیں ہوتا،اس لئے جب بات تجربہ کی آئے گی تو بھی بکارت وثیوبت کے بجائے بلوغ وعدم بلوغ کو بنیاد بنانا ہوگا۔

ان تفصیلات کا ماحصل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک لڑکا اور لڑکی کی ولایت میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کا حکم ایک ہے،بلوغ دونوں کے لئے حد ولایت ہے،البتہ جن فقہاء کے نزدیک معیار ولایت بکارت ہے،ان کے نزدیک لڑکے پر بلوغ تک ولایت حاصل رہے گی، اور لڑکی پر ثیبہ ہونے تک،خواہ لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ،لیکن استحبابی صورت احناف کے نزدیک بھی یہی ہے کہ عورت اپنے نکاح کا معاملہ اولیاء کے سپرد کردے(بدائع الصنائع ۲/۲۴۷،مقالہ مولانا جلال الدین قاسمی)۔

☆ مولانا شاہد قاسمی کے نزدیک درج ذیل صورتوں میں ولی کی ولایت ختم ہوجاتی ہے:

۱۔جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں عدم شفقت اور مسامحت یقینی ہوجائے۔

۲۔ولی فاتر العقل اور مجنون الحواس ہو(ہندیہ ۲/۳۰۲)۔

۳۔غبن فاحش اور غیر کفو میں نکاح کیا گیا ہو۔

مولانا اختر امام عادل کے بقول فقہاء نے ایسے ولی کی ولایت ساقط قرار دی ہے جس کے بارے میں خاص معاملۂ نکاح میں خیانت یا فسق کا ثبوت مل جائے۔حنفیہ کے نزدیک زندگی

کے عام معاملات میں فسق وخیانت ولایت کے لئے نقصان دہ نہیں ہے، لیکن خاص معاملۂ نکاح میں اگر بددیانتی یا طمع وسفاہت کا ثبوت مل جائے تو اس کی ولایت ساقط مانی جائے گی اور اس کا کیا ہوا نکاح نافذ نہیں ہوگا، اس معاملہ میں باپ کا بھی استثناء نہیں ہے (ہدایہ ۲/ ۳۰۲)۔

البتہ ولی عام معاملات میں متہتک، خائن اور بددیانت مشہور ہونے کے باوجود خاص معاملہ نکاح میں کفاءت اور مصالح کا لحاظ کرے تو اس حد تک اس کی ولایت معتبر ہوگی اور نکاح درست ہوگا (شامی ۲/ ۴۱۸)۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی کے بقول جہاں تک ولایت کے بارے میں ذکور واناث کے درمیان فرق کرنے کا سوال ہے تو یہ معروف کے مطابق کیا جائے گا، ان کے بقول احادیث سے اشارہ ملتا ہے کہ ثیبہ کو کافی آزادی حاصل ہے، جبکہ باکرہ کے سلسلہ میں ولی کو فعال ہونا چاہئے، ہمارے ہندوستانی معاشرہ میں ثیبہ بھی اسی طرح ولی کی محتاج ہے جس طرح باکرہ بلکہ اس سے زیادہ، لڑکوں کے سلسلہ میں اس طرح کا فرق نہیں ہے۔

(ب) نکاح کے بارے میں عاقلہ بالغہ لڑکی کے خود اپنے نفس پر کیا اختیارات ہیں؟ ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح وہ خود کرسکتی ہے یا نہیں؟ ولی کی مرضی کے بغیر اگر لڑکی نے ازخود اپنا نکاح کرلیا تو شرعاً منعقد ہوا یا نہیں؟ ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار ہوئی یا نہیں؟

☆ بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک اگر عاقلہ بالغہ لڑکی نے (جسے فقہ حنفی کے مطابق ازخود اپنا نکاح کرنے کا اختیار رہے) ازخود ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح کفو میں کرلیا تو نکاح صحیح ولازم ہوجائے گا اور عورت گنہگار بھی نہ ہوگی، اس لئے کہ عورت نے اپنے اختیار کا استعمال کیا ہے اور یہ اختیار اسے شریعت نے عطا کیا ہے (مولانا اختر امام عادل، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا محمد امین، مولانا روح الامین، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا مصلح الدین قاسمی وغیرہ)۔

اور اگر عاقلہ بالغہ لڑکی نے ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر

کیا تو بیشتر مقالہ نگار حضرات کے بقول مفتیٰ بہ قول کے مطابق نکاح منعقد نہ ہوگا اور عورت گنہگار ہوگی (مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبد القیوم قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی وغیرہ، ہدایہ مع الفتح ۲۴۶/۳، عالمگیری ۱/ ۲۱۴ طبع قدیم)۔

غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر نکاح کی صورت میں نکاح کے منعقد نہ ہونے کی بنیاد امام ابوحنیفہ سے مروی حسن بن زیاد کی روایت ہے، اگر چہ انہیں حضرات کے بقول امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایسا نکاح منعقد تو ہوجاتا ہے البتہ ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہوتا ہے، اور یہی ظاہر الروایہ ہے، مگر فتویٰ حسن بن زیاد کی روایت پر ہے۔

کفو میں نکاح کی صورت میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات کے نزدیک ولی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔

مولانا ظفر الاسلام کے نزدیک کفو کی صورت میں اگر ولی انکار کرے تو قاضی کے لئے مناسب ہے کہ اس نکاح کی تجدید کردے (مبسوط ۱۰/۵) مولانا اختر امام عادل کی رائے یہ ہے کہ نکاح سے قبل حسن بن زیاد کی روایت پر اور نکاح کے بعد ظاہر الروایہ پر فتویٰ دیا جانا چاہئے، تا کہ بے اعتدالیوں پر قابو بھی پایا جاسکے اور قانونی حیثیت بھی برقرار رہے، مولانا عبد القیوم قاسمی و مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری کے بقول اگر عاقلہ بالغہ لڑکی نے ولی کی مرضی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کیا تو یہ نکاح باطل ہی رہے گا، چاہے نکاح کے بعد ولی اجازت دے دے (الدر المختار علی ہامش رد المختار ۳/ ۵۵-۵۶) اور اگر عاقلہ بالغہ لڑکی نے ولی کی مرضی کے بغیر کفو میں مہر مثل سے کم پر نکاح کیا ہے تو یہ نکاح صحیح تو ہوجائے گا لازم نہ ہوگا، ولی عصبہ کو اعتراض کا حق حاصل رہے گا، یہاں تک کہ مہر مثل کی تکمیل نہ کردی جائے یا قاضی فسخ نکاح نہ کردے (رد المحتار ۳/ ۹۴)۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی اور مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری کے نزدیک اگر عاقلہ بالغہ لڑکی کا کوئی ولی نہیں ہے اور وہ غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر نکاح کرتی ہے تو وہ نکاح صحیح اور لازم

ہوگا (عالمگیری ار ۲۹۲)۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی کے بقول بالغہ دوشیزہ لڑکیوں کے نکاح میں مسلک حنفی پورا اختیار دیتا ہے اور اولیاء کے مفاد کی رعایت کے لئے ان کو اعتراض کا حق عطا کرتا ہے، دوسری طرف دوسرے علماء دوشیزہ بالغہ لڑکیوں کے عقد نکاح کو اولیاء کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں، البتہ وہ اولیاء کے دائرہ کو بالکل تنگ کردیتے ہیں، اور یہ حق صرف باپ کو یا زیادہ سے زیادہ دادا کو دیتے ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ وہ معاملہ فہم ہوں، ان کے بقول ابن رشد نے سب کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ رشتہ ازدواج کے سلسلہ میں بالغہ لڑکیوں کی رائے کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں، ابن القیم کا بھی یہی خیال ہے، اور موجودہ دور کے علماء نے بھی کثرت سے اس خیال کی وکالت کی ہے، لیکن ان کے نزدیک امام محمد کی یہ رائے زیادہ مناسب ہے کہ لڑکی کا کیا ہوا عقد اولیاء کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور اگر ابوثور کی یہ رائے اختیار کرلی جائے کہ لڑکی اگر دوشیزہ ہے تب بھی اس کی رائے لے کر ہی اولیاء اس کا عقد کریں (بدایۃ المجتہد) تو پھر سارے نصوص پر عمل بھی ہوجائے گا اور ہر ایک کے جذبات کی رعایت بھی۔

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی کے بقول اگر سماجی قدریں اجازت دیتی ہوں تو عاقلہ بالغہ کو اصلاً اختیار رہے کہ اپنا نکاح خود کرے، جیسا کہ مغربی معاشرہ میں ہے، ان کے بقول مشرقی معاشرہ میں یہ چیز کراہت سے خالی نہیں ہوگی، تاہم شرعاً نکاح ہوجائے گا۔

مولانا مصطفی قاسمی نے طبرانی کی روایت "**للمرأة ستران ، الزوج والقبر، أسترهما القبر** " سے استدلال کیا ہے کہ اگر عورت اپنی عصمت وعفت کی خاطر ولی کی مرضی کے بغیر شادی کرلے تو عند اللہ ماجور ہوگی۔

(ج) بیشتر مقالہ نگار حضرات کے بقول کفو میں نکاح کی صورت میں ولی کے اتفاق یا رد سے صحت نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، البتہ غیر کفو میں نکاح کی صورت میں ولی کو قضاء قاضی سے نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہوگا اور مفتی بہ قول کے مطابق بلا قضاء قاضی ہی نکاح فسخ ہوجائے گا،

(مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا سراج الدین قاسمی، مفتی شیر علی وغیرہ)۔

☆ مولانا شمس پیرزادہ، مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی اور ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی کے نزدیک ولی کی اجازت یا رد کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، مولانا سراج الدین قاسمی کے بقول اگر ولی نے اتفاق کیا خواہ صراحۃً یا دلالۃً تو اب نکاح لازم ہو جائے گا، اگر علم ہونے کے بعد ولی خاموش رہے تو اجازت شمار نہ ہوگی اور نہ نکاح لازم ہوگا،، کیونکہ مرد کی خاموشی کو شریعت نے رضا شمار نہیں کیا ہے، مولانا اختر امام عادل کے بقول غیر کفو میں نکاح کی صورت میں حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق قبل از نکاح علم ہونا اور صراحۃً یا دلالۃً رضامندی ظاہر کرنا ضروری ہے، محض سکوت کافی نہیں، اسی طرح قبل از نکاح سکوت اور بعد از نکاح اظہار رضامندی بھی کافی نہیں (فتاویٰ شامی: باب الولی ۲/ ۳۳۲)۔

☆ مفتی محبوب علی وجیہی کے بقول اگر لڑکی نے اپنی مرضی سے غیر کفو میں نکاح کیا اور ولی نے اتفاق نہیں کیا تو کفاءت کے قائلین کے نزدیک نکاح درست نہیں ہوگا اور عدم کفاءت کے قائلین کے نزدیک درست ہوگا۔

☆ مولانا خورشید احمد اعظمی کے بقول اگر عورت نے بلا اجازت ولی غیر کفو میں نکاح کیا اور مرد دیندار رہے، نسب اور پیشہ کے لحاظ سے کفاءت نہیں ہے، تو پھر اس صورت میں اولیاء کا نکاح فسخ کرانا کلام سے خالی نہیں، کیونکہ اب انتظامی امور ان ہی حالات میں استوار ہو سکتے ہیں جن کا انتخاب عورت نے اپنے لئے کیا ہے، اور اس کا یہ فعل شریعت کے منافی بھی نہیں ہے۔

☆ مولانا جمال الدین قاسمی کے نزدیک اگر ولی علم کے بعد اجازت دے دے تو اس کا اثر صرف "رفع اثم" میں ظاہر ہوگا، یعنی بغیر اجازت ولی نکاح کرنے کی وجہ سے امام محمد کے نزدیک عورت گناہ کی مرتکب ہوئی تھی (فتاویٰ تاتارخانیہ ۳/ ۲۱، معارف القرآن ۶/ ۴۰۹) لیکن ولی کی رضامندی حاصل ہونے کے بعد وہ گنہگار نہیں رہے گی۔

۳-عاقلہ بالغہ لڑکی کے ازخود نکاح کر لینے کی صورت میں اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ کیا اولیاء اس نکاح کو بذریعہ قاضی فسخ کرا سکتے ہیں؟

☆ بیشتر مقالہ نگار حضرات کے مطابق عاقلہ بالغہ لڑکی نے اگر اپنا نکاح کفو میں کیا ہے تو ولی کو فسخ کا حق نہیں ہے، البتہ اگر غیر کفو میں کیا ہو تو ظاہر الروایہ کے مطابق اسے اعتراض کرنے اور نکاح فسخ کرانے کا حق ہے، اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق غیر کفو میں نکاح منعقد نہ ہوگا، لہذا فسخ کرانے کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوگی اور یہی روایت مفتیٰ بہ ہے (ہدایہ ۳/ ۱۵۸-۱۶۰، البحر ۳/ ۱۱۰، ہندیہ ۱/ ۲۸۷، فتاویٰ قاضی خاں ۱/ ۳۵۱)۔

(مولانا راشد حسین ندوی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا شاہد قاسمی وغیرہ)۔

مولانا ظفر عالم ندوی کے بقول جہاں نظام قضاء موجود ہو وہاں غیر کفو کی صورت میں قاضی کے ذریعہ فسخ نکاح کرایا جائے گا اور جہاں نظام قضاء موجود نہ ہو وہاں نکاح منعقد ہی نہ ہوگا یا نکاح غیر معتبر سمجھا جائے گا (ردالمحتار ۳/ ۲۲۶، بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۷، المفصل فی أحکام المرأۃ للدکتور عبد الکریم زیدان ۶/ ۴۳۰)۔

مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا محبوب علی وجیہی، مفتی شیر علی، مولانا ظفر عالم ندوی اور مولانا عبداللطیف پالنپوری نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ لڑکی کے ازخود غیر کفو میں نکاح کر لینے کی صورت میں ولی کو تولد سے پہلے تک ہی نکاح فسخ کرانے کا حق ہے، تولد کے بعد نہیں، تا کہ بچہ ضائع نہ ہو (عنایہ علی الفتح ۳/ ۱۶۰)۔

مولانا محبوب علی وجیہی کی رائے ہے کہ اعتراض کی صورت میں ولی قاضی سے رجوع کرے گا اور قاضی حالات زمانہ کے پیش نظر فیصلہ کرے گا، اس لئے کہ بسا اوقات محض ضد اور انا کی خاطر اولیاء اعتراض کرتے ہیں جبکہ زوجین کے حق میں نکاح مناسب ہوتا ہے، ان کے نزدیک "لا نكاح إلا بولي" اور اس قسم کی دوسری روایات یا تو ضعیف ہیں یا مؤوّل ہیں، اور

حضرت حسن بن زیاد کی روایت سے انہیں اتفاق نہیں ہے، کیونکہ جن آیات قرآنیہ میں عورت کو حق دیا گیا ہے اس سے یہ بات موافقت نہیں رکھتی ہے۔

☆ مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا اسعد اللہ قاسمی اور مولانا شمس پیرزادہ کے نزدیک عاقلہ بالغہ لڑکی کے از خود کفو یا غیر کفو میں نکاح کر لینے کی صورت میں اولیاء کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ وہ بذریعہ قاضی اس نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں، مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی نے مسئلہ کفاءت میں مالکیہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے، مولانا شمس پیرزادہ کے بقول جن فقہاء نے کفاءت یا مہر کی کمی کی وجہ سے اولیاء کے اعتراض کے حق کو تسلیم کیا ہے، انہوں نے قرآن وسنت کی کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے، کفاءت تو فقہاء کا اجتہاد ہے اور مہر عورت کا حق ہے، اگر وہ کم مہر پر راضی ہے تو کسی کو اس پر اعتراض کا کیا حق؟

مولانا اسعد اللہ قاسمی نے تقویۃ الایمان (ص ر ۱۵۱ مطبوعہ دارالکتاب دیوبند)، کے حوالہ سے حضرت شاہ اسماعیل شہید کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر عورت بالغہ اپنا نکاح کسی غیر کفو سے آپ کر لے تو اس پر کسی کو اختیار نہیں کہ فسخ کرے، ان کے بقول شاہ صاحب کی بات موجودہ دور کے اعتبار سے لائق عمل ہے، کیونکہ اولیاء کو حق فسخ ہونے کی وجہ سے، بہت سی لڑکیاں اور بہت سے لڑکے اپنی پیاری زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، ان کے مطابق اگر دفع ضرر و عار ہی کو علت قرار دیا جائے تو یہ علت اس صورت میں بھی ہوگی جبکہ لڑکی کسی ہم کفو کے ساتھ گھر سے بھاگ جائے اور نکاح کر لے، اس لئے کہ یہ بھی عار کی بات ہے بلکہ شرفاء کی نظر میں اشد عار ہے، مگر اس صورت میں کسی نے بھی حق اعتراض کی بات نہیں کہی۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی کی رائے یہ ہے کہ کسی زمانہ کی قدریں اولیاء کو اس طرح کے نکاح پر اعتراض اور قاضی کے ذریعہ فسخ کی اجازت دیتی رہی ہوں، فی زمانہ اس میں خیر کی بہ نسبت شر کا پہلو غالب ہے۔

مولانا محمد احسان صاحب کی رائے یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ خود مختار ہے اگر وہ اپنا نکاح خود

بھی کرلے اور نباہ ہوسکتا ہوتو اولیاء کو بھی اس پر راضی ہو ہی جانا چاہئے۔

۴- زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں کردیا، لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو وہ نکاح فسخ کراسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں باپ اور دادا کے کئے ہوئے نکاح اور دوسرے اولیاء کے کئے ہوئے نکاح کے حکم میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

☆ بیشتر مقالہ نگار حضرات نے باپ اور دادا اور دیگر اولیاء کے کئے ہوئے نکاح میں لزوم اور عدم لزوم کا فرق کیا ہے (الحیلۃ الناجزۃ/۹۹، مقالہ مولانا عطاء اللہ قاسمی)۔

اگر باپ اور دادا نے نابالغہ کا نکاح کیا تو نکاح صحیح اور لازم ہے، یعنی بلوغ کے بعد لڑکی کو فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہوگا، خواہ کفو میں کیا ہو یا غیر کفو میں، اور مہر مثل پر نکاح کیا ہو یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ، لیکن باپ اور دادا کے نکاح کے صحیح و لازم ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ باپ دادا نے نشہ کی حالت میں نکاح نہ کیا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ باپ یا دادا معروف بسوء الاختیار نہ ہوں۔ ان دو شرطوں میں سے اگر کوئی ایک بھی شرط باپ یا دادا میں نہیں پائی گئی تو ان کا کیا ہوا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، بلکہ باطل ہے۔ باپ یا دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء اگر نابالغہ یا نابالغ کا نکاح غیر کفو میں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کردیں تب تو نکاح بالکل ہی نہیں ہوتا، خواہ انہوں نے نہایت ہی خیر خواہی کے ساتھ ایسا کیا ہو، اور اگر کفو کے ساتھ مہر مثل پر کیا ہو تو نکاح صحیح تو ہوجاتا ہے لیکن لازم نہیں ہوتا، یعنی لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار رہتا ہے کہ اس نکاح کو باقی رکھیں یا فسخ کرالیں (الحیلۃ الناجزۃ/۱۹۵-۱۹۶، الفتاویٰ الشامیہ ۳/۶۵، عالمگیری ۱/۲۸۵، ہدایہ ۲/۲۹۷، البحر الرائق ۳/۱۲۰، شرح وقایہ ۲/۲۳، فتح القدیر ۳/۲۹۶، فقہ السنۃ ۲/۱۱۴)۔

(مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد روح الامین، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا محمد امین، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر ظفر الاسلام، مولانا عبدالقیوم قاسمی وغیرہ)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے بقول امام احمد بن حنبل اور امام مالک کے نزدیک باپ کے سوا کوئی بھی نابالغ لڑکی کا نکاح نہیں کرسکتا، اور امام شافعی کے نزدیک نابالغہ کے نکاح کا اختیار صرف باپ اور دادا کو ہے (المغنی ۷/ ۸۲ ۳، ہدایہ مع الفتح ۱۷۱/۳، بدایۃ المجتہد/ ۸۲، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا مصلح الدین قاسمی وغیرہ)۔

مولانا مصلح الدین قاسمی، مولانا سراج الدین قاسمی اور مولانا اختر امام عادل کے بقول حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اولیاء کے درمیان ولایت ملزمہ وغیر ملزمہ کا فرق تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک نابالغی کا کیا ہوا نکاح خواہ کسی ولی نے کیا ہو بہرصورت لازم ہوگا اور لڑکا یا لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا، مگر امام ابوحنیفہ و محمد نے بچے کے ساتھ باپ دادا اور دیگر اولیاء کی محبتوں اور شفقتوں میں جو مبینہ فرق پایا جاتا ہے اس کا لحاظ کیا ہے (ہدایہ ۲۹۷/۲)۔

مولانا مصلح الدین قاسمی کے بقول امام ابو یوسف اور امام محمد نے تزویج صغار کی صحت و جواز کے لئے کفاءت اور مہر مثل کو شرط قرار دیا ہے، کیونکہ ولایت مصلحت پر مبنی ہے، اور غیر کفو میں یا غیر مہر مثل میں کیا جانے والا نکاح کسی صورت میں خیر خواہی پر مبنی نہیں ہوسکتا۔

مولانا اختر امام عادل اور مولانا مصلح الدین قاسمی کے بقول مالکیہ کہتے ہیں کہ قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ تزویج صغار جائز نہ ہو، مگر آثار مرویہ کی بنا پر باپ کے حق میں قیاس کو ترک کردیا گیا، لہذا باپ کے علاوہ کا حکم قیاس کے تقاضہ پر برقرار رہے گا۔ حنابلہ نے دیکھا کہ تزویج صغار کے سلسلہ میں احادیث باپ پر مقصور ہیں۔ شافعیہ نے احادیث سے استدلال کیا مگر انہوں نے دادا کو باپ پر قیاس کیا۔ حنفیہ نے آیات قرآنیہ جن میں یتامی کی تزویج کا اولیاء کو حکم دیا گیا ہے، ان کے عموم کو تزویج صغار کے بارے میں اختیار کیا ہے۔ مولانا اختر امام عادل شافعیہ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ تزویج صغار کے حق کو صرف باپ اور دادا میں محصور کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ نابالغی کے زمانہ میں نکاح کی حاجت صرف جنسی اغراض کے لئے نہیں ہوتی ہے، بلکہ کفاءت اور اس جیسے دوسرے مصالح بھی مقتضی ہوتے ہیں کہ آئے ہوئے رشتہ کو ضائع نہ

کیا جائے، ایسے موقع پر اگر لڑکی کے باپ اور دادا موجود نہ ہوں تو مذکورہ مصالح کی حفاظت کس طرح ہوگی؟ رہی یہ بات کہ باپ اور دادا کو جو قرابت اور شفقت حاصل ہے وہ دوسرے اولیاء کو حاصل نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کمی کا ازالہ ولایت غیر ملزمہ کے ذریعہ ممکن ہے۔

مولانا جمال الدین قاسمی نے لکھا ہے کہ باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ حاصل نہ ہونے کی دلیل امام سرخسی نے امام ابوحنیفہ کی طرف سے دی ہے کہ اگر باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ حاصل ہوتا تو آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کو مطلع فرمادیتے کہ تم کو تمہارے باپ کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار ہے (جبکہ حضرت عائشہؓ کا نکاح صغر سنی میں ہوا تھا اور ان کا نکاح ان کے والد نے کرایا تھا) جیسا کہ آپ ﷺ نے آیت تخییر "فتعالين أمتعكنّ وأسرّحكنّ سراحاً جميلا" (سورہ احزاب/۲۸) کے موقعہ پر حضرت عائشہؓ کو اطلاع دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں تمہارے سامنے ایک چیز پیش کرتا ہوں، تم اس بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا جب تک کہ تم اپنے باپ سے مشورہ نہ کرلو، اور یہ کہنے کے بعد آپ ﷺ نے مذکورہ آیت تخییر حضرت عائشہؓ کے سامنے پڑھی (مبسوط ۴/۲۱۳) لیکن رخصتی کے بعد آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا، تو قاعدۂ شرعی بن گیا کہ اگر باپ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کردے تو اس کو بالغ ہونے پر خیار بلوغ حاصل نہیں ہے۔

☆ ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ارشاد احمد اعظمی اور مولانا فیاض عالم قاسمی کے نزدیک باپ اور دادا اور دیگر اولیاء کے کئے ہوئے نکاح کے درمیان فرق نہیں کیا جانا چاہئے، بلکہ دونوں کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ مطلقاً حاصل ہونا چاہئے، مولانا ارشاد احمد اعظمی نے مولانا صدر الدین اصلاحی کی کتاب ''نکاح کے اسلامی قوانین'' (صفحہ ۶۰) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس استثناء کی بنیاد کسی آیت یا کسی صحیح حدیث یا کسی مسلمہ شرعی اصول پر نہیں ہے بلکہ اس کا تمام تر دارومدار صرف اس خیال پر ہے کہ باپ دادا ایک طرف تو اپنی اولاد کے حق میں انتہائی شفیق ہوتے ہیں اور

دوسری طرف پختہ کار اور صاحب نظر بھی، اس لئے ان سے یہی توقع رکھی جاسکتی ہے کہ انہوں نے مخلصانہ ذمہ داری کا حق پوری طرح ادا کیا ہوگا، مگر آج کتنے ہی افراد ایسے ہیں جو اپنی نابالغ لڑکی کو نکاح کے نام پر فی الواقع فروخت کر رہے ہیں، پھر یہ پہلو بھی پیش نظر ہے کہ سن رسیدہ سرپرستوں اور نوخیز اولاد دونوں کی پسند کا معیار کچھ نہ کچھ مختلف ہوسکتا ہے۔

مولانا فیاض عالم قاسمی اور مولانا جمال الدین قاسمی کا خیال ہے کہ جو حضرات اس سلسلہ میں فرق کے قائل ہیں، ان کے پاس کوئی نص نہیں ہے صرف زمانہ کے حالات ہیں۔

مولانا جمال الدین قاسمی کے بقول ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم خیال فقہاء کے زمانہ میں یہی بات ہو کہ باپ اپنی نابالغ اولاد کی مصلحت کے خلاف کام نہ کرتا ہو، لیکن اگر کسی زمانہ یا ملک میں پیش آمدہ حالات اس کے برخلاف ہوں تو نتیجہ اس سے مختلف ہوگا، خود فقہاء سے یہ امکانی صورت حال پوشیدہ نہ تھی، اسی لئے انہوں نے باپ اور دادا کے کئے ہوئے نکاح کے لازم ہونے کے لئے یہ شرطیں لگائی ہیں کہ باپ، دادا مالی معاملات میں غیر امین نہ ہوں، فاسق اور لاپرواہ نہ ہوں جسے فقہاء کی اصطلاح میں معروف بسوء الاختیار، فاسق متہتک اور ماجن سے تعبیر کیا جاتا ہے (شامی ۴/ ۳۳۰) حضرت عائشہؓ کے نکاح سے استدلال کرنے کو کمزور بتاتے ہوئے مولانا جمال الدین قاسمی نے لکھا ہے کہ خیار بلوغ ایک اختیاری فعل ہے، اس بات کا کہیں ثبوت نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ خیار بلوغ کا استعمال کرنا چاہتی تھیں، لیکن چونکہ نکاح ان کے والد کا کیا ہوا تھا اس لئے انہوں نے اس حق کا استعمال نہیں کیا۔

۵- خیار بلوغ کا حق لڑکی کو کب تک حاصل ہوتا ہے اور کب ساقط ہوجاتا ہے؟ قریب تر ولی زندہ ہو اور رشتۂ دور کے ولی نے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردیا تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا یا نہیں؟

☆ بیشتر مقالہ نگار حضرات کے مطابق خیار بلوغ دو شکلوں میں ہوتا ہے: ایک تو یہ کہ لڑکی کو بالغ ہونے کے وقت یا بالغ ہونے سے پہلے ہی اپنے نکاح کا علم ہو، دوسری شکل یہ ہے کہ بالغ ہونے تک اس کو اپنے نکاح کا علم ہی نہیں ہے۔ پہلی شکل میں خیار بلوغ بالغ ہونے پر لڑکی کو

حاصل ہوگا، دوسری شکل میں علم ہونے کے بعد لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہوگا، خواہ بالغ ہونے کے بعد کتنا ہی زمانہ کیوں نہ گذر جائے، کیونکہ جب تک کسی چیز کا علم نہ ہو تو اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا (ہدایہ ۲/ ۲۹۷، تنویر الابصار مع رد المحتار ۲/ ۳۰۶، شامی ۲/ ۵۰۱)۔

(مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا عبد الحنان، مولانا محمد امین، مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا ضیاء الحق قاسمی، مولانا جمال الدین قاسمی وغیرہ)۔

عام طور پر مقالہ نگار حضرات نے خیار بلوغ کے ساقط ہونے کے دو اسباب بیان کئے ہیں:

ایک نص، دوسرے دلالت۔ نص کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی اپنی زبان سے یا اپنے کسی عمل سے نابالغی کے نکاح کو باقی رکھنے پر رضامندی ظاہر کردے، اور دلالت کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی بالغ ہونے کے بعد سکوت اختیار کرے۔ زبان یا عمل سے کچھ نہ کرے۔ ان دو اسباب میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے خیار بلوغ ساقط ہوجائے گا (بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۶، مقالہ مولانا سراج الدین قاسمی)۔

دوسرے سبب کا اعتبار صرف باکرہ کے سلسلہ میں کیا جائے گا، ثیبہ کے حق میں نہیں، یعنی جس طرح نکاح میں باکرہ کا سکوت اجازت تصور کیا گیا ہے، اسی طرح یہاں بھی اس کے سکوت کو رضامندی تصور کیا جائے گا، برخلاف ثیبہ کے کہ جس طرح نکاح میں اس کیلئے زبان سے اجازت ضروری ہے، اسی طرح خیار بلوغ میں بھی صاف طریقہ سے عمل سے یا زبان سے اس کا اظہار ضروری ہے (شرح وقایہ ۲/ ۲۴، عنایہ علی الفتح ۳/ ۱۷۸، بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۶، عالمگیری ۱/ ۲۸۶، شامی ۲/ ۵۳۳، مقالہ مولانا شیر علی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا سراج الدین قاسمی)۔

☆ بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک خیار بلوغ کے استعمال کے تین مرحلے ہیں:

۱۔ جس وقت بھی بالغ ہو، فوراً کہے کہ میں اپنے نکاح کو رد کرتی ہوں، اگر باکرہ نے خاموشی اختیار کرلی تو چاہے ابھی بلوغ کی مجلس ختم نہ ہوئی ہو، باکرہ کا خیار بلوغ ساقط ہوجائے گا، کیونکہ باکرہ کا خیار بلوغ مجلس کے آخر تک باقی نہیں رہتا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۶، مقالہ

مولانا سراج الدین قاسمی)۔

مولانا اسعد فلاحی، مولانا ظفر عالم ندوی اور مولانا مصطفیٰ قاسمی کے بقول ابو بکر خصاف کی رائے ہے کہ خیار بلوغ مجلس کے اختتام تک رہے گا (شرح وقایہ ۲/۲۹۷) مولانا عبد الرشید قاسمی کے بقول امام محمد کے نزدیک خیار ممتد ہوگا یعنی وہ لڑکی جان لے کہ اس کے لئے خیار ہے۔

۲۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ عورت فوراً دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں تلاش کرے اور ان کو گواہ بنا کر ان کے سامنے کہے کہ میں بالغ ہوئی ہوں اور تم کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں اپنی نابالغی کا نکاح رد کرتی ہوں (فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۸۳، مقالہ مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبدالحنان وغیرہ)۔

۳۔ تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ عورت قاضی سے رجوع کرے، پھر قاضی فیصلہ کرے گا اور اس طرح یہ نکاح ختم ہو جائے گا۔

مولانا محمد احسان اور مولانا راشد حسین ندوی نے وضاحت کی ہے کہ اگر لڑکی نے بالغہ ہونے پر سابقہ نکاح کو رد کر کے اس پر گواہ بنالئے لیکن قاضی کے یہاں مرافعہ میں تاخیر ہوگئی تو بھی خیار بلوغ ساقط نہ ہوگا (البحر الرائق ۳/۱۲۲، ہدایہ مع الفتح ۳/۱۷۷) البتہ مولانا محمد احسان کے مطابق شرط یہ ہے کہ اس درمیان وہ لڑکی صراحۃً یا دلالۃً اس نکاح پر اپنی رضا کا اظہار نہ کر دے (الفتاویٰ الہندیہ ۱/۲۸۶)۔

مولانا راشد حسین ندوی کے بقول صراحۃً رضامندی سے مراد زبان سے رضامندی کا اظہار ہے، اور دلالۃً رضامندی یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز پائی جائے جو رضامندی پر دلالت کرتی ہو، مثلاً:

۱۔ برضا و رغبت وطی پر قابو دینا، ۲۔ نفقہ یا مہر کا مطالبہ کرنا، ۳۔ بوسہ وغیرہ لینا۔

مجلس سے اٹھ جانے یا شوہر کا کھانا کھا لینے سے عورت کا خیار باطل نہ ہوگا، (البحر الرائق ۳/۱۲۳، فتح القدیر ۳/۱۷۹) اگر عورت کہے کہ وطی جبراً کی گئی تھی تب بھی اسی کی تصدیق کی جائے گی (مصادر مذکورہ)۔

☆ مولانا محمد احسان صاحب اور مولانا اختر امام عادل کے بقول فقہاء کے نزدیک خیار بلوغ کے مسئلہ سے عورت کا ناواقف ہونا عذر نہیں ہے، لہذا بعد میں مسئلہ معلوم ہونے پر عورت کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا (فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۸۶)، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد احسان اور مولانا اختر امام عادل کے نزدیک فقہاء کا قول راجح ہے اور جہل عذر نہیں ہے، مولانا اختر امام عادل نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ آزاد مسلم گھرانوں میں بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم وتربیت مامور بہ ہے۔

☆ مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا جمال الدین قاسمی اور مولانا فیاض عالم قاسمی کے نزدیک آج کے دور میں جہالت عام ہونے کی وجہ سے خیار بلوغ کے علم نہ ہونے کو بھی عذر میں شمار کرنا چاہئے اور علم کے بعد خیار بلوغ کا استعمال معتبر قرار دینا چاہئے۔ مولانا ظفر عالم ندوی کا استدلال یہ ہے کہ اگر فقہاء کی رائے اور دلائل کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ اس مسئلہ کی بنیاد کوئی نص نہیں ہے، بلکہ یہ محض اجتہادی رائے ہے جو عرف اور حالات پر مبنی ہے، صاحب ہدایہ نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے دار یعنی دار الاسلام میں جہل عذر نہیں ہے، (ہدایہ ۲/۲۱۷) اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر دار الاسلام نہ ہو تو جہل کو عذر مانا جائے گا۔ مفتی جمیل احمد نذیری کا رجحان بھی اسی کی طرف ہے۔

☆ مولانا ظفر عالم ندوی کا کہنا ہے کہ خیار بلوغ کے استعمال کے طریقہ کے سلسلہ میں فقہاء کا یہ قول کہ باکرہ اگر بلوغ کے بعد خموشی اختیار کر لے تو اسے رضامندی قرار دیا جائے گا، اور اس کے برخلاف ثیبہ کے لئے زبان سے اظہار ضروری ہے محض سکوت کافی نہیں، نص پر مبنی نہیں ہے بلکہ محض اجتہادی ہے۔ ان کے بقول موجودہ دور میں باکرہ کے لئے بھی رضامندی پر صریح قول یا عمل آجانے کے بعد ہی خیار بلوغ ساقط ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی کے نزدیک خیار بلوغ کا حق لڑکی کو علامت بلوغ یعنی پہلی بار رؤیت دم کے وقت حاصل ہوتا ہے اور دوسرے حیض کے آنے تک رہنا چاہئے، یا یہ کہ اس سے

پہلے اس کے کسی عمل سے قبولیت اور موافقت کا اظہار ہوجائے۔ جناب شمس پیرزادہ کے نزدیک خیار بلوغ کا حق لڑکی کو اس وقت تک حاصل ہوتا ہے جب تک کہ وہ معاملہ کو اچھی طرح سمجھ نہ لے یا جب تک شوہر اس سے مباشرت نہ کرلے۔ مولانا سراج الدین قاسمی نے صراحت کی ہے کہ خیار بلوغ لڑکی کو بالغ ہونے سے پہلے نہیں ملے گا، مثلاً وہ نکاح پر رضامندی ظاہر کرے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بلوغ سے پہلے اس کے اندر رضا و عدم رضا کی اہلیت ہی نہیں ہے (بدائع الصنائع ۳۱٦/۲)۔

☆ بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک اگر ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد نابالغہ کا نکاح کردے تو ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہتا ہے کہ اس کو باقی رکھے یا رد کردے، ہاں اگر ولی اقرب غیبت منقطعہ کے ساتھ غائب ہو تو ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح جائز ہے، (عالمگیری ۲۸۵/۱، درمختار مع ردالمحتار ۳۱۵/۲، ہدایہ ۳۱۹/۲، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عبدالحنان، مولانا ابوالحسن علی، مفتی شیر علی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا اختر امام عادل وغیرہ)۔

غیبت منقطعہ کی حد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں مولانا ظفر الاسلام صاحب لکھتے ہیں:

تجرید میں مرقوم ہے کہ قافلے جہاں سے ان کے وطن میں سال میں ایک سے زائد بار پہنچ سکتے ہوں تو وہ غیبت منقطعہ نہیں ہے، غیبت منقطعہ کی تحدید ایک سال کی مسافت سے اور بعضوں نے ایک ماہ کی مسافت سے کی ہے۔

صاحب کنز نے قصر کی مسافت کو معیار قرار دیا ہے (کنز الدقائق علی البحر الرائق ۱۲٦/۳)۔

مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ضیاء الحق قاسمی، مولانا اختر امام عادل اور مولانا شیر علی کے نزدیک اگر ولی اقرب غائب ہو یا ایسے مقام پر ہو کہ اس کی رائے سے استفادہ وقت کے اندر ممکن نہ ہو اور اس کی آمد یا منظوری حاصل کرنے کے انتظار میں کفو اور مناسب رشتہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ولی ابعد کو نابالغہ

کے نکاح کا اختیار رہوگا اور اس کا کیا ہوا نکاح منعقد ہوگا۔ مولانا اختر امام عادل کے نزدیک غیبت منقطعہ کی راجح تعریف یہی ہے، ان کے مطابق مسافت قصر کو اس کی حد قرار دینے کا قول محققین کے نزدیک مرجوح ہے (رد المحتار: باب الولی ۲/ ۳۳۳) ۔ مولانا راشد حسین ندوی کے بقول اس (قول اول) کو ہدایہ میں اقرب إلی الفقہ کہا گیا ہے، ابن فضل نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، مبسوط، ذخیرہ، اور مجتبیٰ میں اس کو اصح قرار دیا گیا ہے۔ (البحر الرائق ۳/ ۱۲۶، المغنی ۷/ ۳۷۰) میں امام احمد کی طرف سے بھی ایسا قول نقل کیا گیا ہے۔

☆ قاضی خاں نے مشائخ کے قول کو ترجیح دی ہے اور اس پر ایک جزئیہ کی تفریع کی ہے کہ ولی ابعد اگر اسی شہر میں اس طرح چھپ جائے کہ اس سے رابطہ قائم کرنا مشکل ہو رہا ہو تو یہ غیبت منقطعہ مانی جائے گی (البحر الرائق ۳/ ۱۲۶، رد المحتار ۲/ ۳۱۵) ۔ مولانا راشد حسین ندوی کے بقول آج کے ترقی یافتہ دور میں مشائخ کا فتوی مناسب ہے، اس لئے کہ کبھی آدمی ایک ہی شہر میں اس طرح لاپتہ ہوجاتا ہے کہ اس کی رائے لینا ممکن نہیں ہوتا، جبکہ کبھی دوردراز مقام مثلاً یورپ و امریکہ میں رہتے ہوئے بھی اس کا مواصلاتی رابطہ اپنے اعزہ سے قائم رہتا ہے اور چند لمحات میں ان سے مشورہ لینا اور رائے جاننا آسانی سے ممکن ہوتا ہے، لہذا پہلی صورت میں یہ کہہ کر کہ مسافت قصر نہیں پائی جارہی ہے ولایت تفویض نہ کرنا، اور دوسری میں مسافت قصر پائے جانے کی وجہ سے ولایت ابعد کو تفویض کردینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ مولانا اسعد اللہ قاسمی کے بقول اگر ولی کا اتا پتا نہ ہو تب تو ولی ابعد نابالغہ کا نکاح کرسکتا ہے لیکن اگر اس کا پتہ ہو تو موجودہ دور میں خواہ کتنا ہی دور ہو فوری طور پر فون یا فیکس کے ذریعہ رائے معلوم ہوسکتی ہے، اس لئے ایسی صورت میں ولی اقرب موجود ہے تو محض اس کا سکوت کافی نہیں ہوگا بلکہ جب زبان سے یا دلالت سے (مثلاً شوہر سے مہر کی رقم وصول کرنا) اجازت دے گا تو نکاح صحیح ہوگا (درمختار ۳/ ۶۹-۷۰)۔

مولانا ظفر الاسلام کے بقول قریب تر ولی کی موجودگی میں کئے ہوئے نکاح کے سلسلہ میں امام مالک کے تین اقوال ہیں، بشرطیکہ یہ نکاح باپ کے علاوہ کسی اور نے کیا ہو: قول اول فسخ

نکاح ،قول ثانی جواز نکاح اور قول ثالث یہ کہ اقرب کی صوابدید پر محمول ہوگا۔حضرت امام شافعی کے نزدیک یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، باکرہ کا نکاح ہو یا ثیبہ کا(بدایۃ المجتہد للقرطبی ۱۵/۲)۔مولانا جمال الدین قاسمی کے بقول امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اگر ولی اقرب نہ ہو تو مولی علیہ کا نکاح حاکم وقت کرے گا، کیونکہ ولی ابعد کے لئے اقرب کی موجودگی میں اپنے حق ولایت کا حصول ممکن ہے، اس لئے ولایت حاکم وقت کو دفع ظلم کی غرض سے حاصل ہوجاتی ہے اور وہ نکاح صغیر وصغیرہ کا مجاز ہے، مگر مولانا جمال الدین قاسمی کا خیال یہ ہے کہ یہ رائے حدیث ’’النكاح إلى العصبات‘‘ (بدائع الصنائع ۲۴۰/۲) نیز آپ ﷺ کے عمل یعنی آپ ﷺ نے اپنے چچا کی صاحبزادی کا نکاح عصبہ ہونے کے ناطے کرایا (فتح القدیر ۴۰۶/۲) کے خلاف ہے، اس لئے ان کے نزدیک یہ محل نظر ہے۔

مولانا محمد احسان کے نزدیک اگر ولی اقرب ہم کفو رشتہ ملنے پر لڑکی کا نکاح نہ کرے اور ضرورت کے باوجود ٹال مٹول سے کام لے تو ولی ابعد کو نکاح کی ولایت حاصل ہوجائے گی ،الا یہ کہ ولی اقرب کے سامنے کوئی دوسرا ابھی ہم کفو رشتہ موجود ہو (ردالمحتار ۸۳/۳)، لیکن ولایت ولی ابعد کے بجائے صحیح اور مفتی بہ قول کے مطابق قاضی کی طرف منتقل ہوگی (البحر ۱۳۶/۳)، البتہ جس مقام پر نظام قضاء موجود نہ ہو تو بلاوجہ رد کرنے کی صورت میں ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہوگی، مگر اس صورت میں ولی ابعد کی طرف سے مکرر اجازت شرط ہے (البحر ۱۳۶/۳)۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں کہ ایک قابل لحاظ صورت یہ ہے کہ ولی کی غیبت منقطعہ کی صورت میں اگر ولی ابعد نابالغہ کا نکاح کردے اور دوسری طرف ولی اقرب بھی اپنے مقام پر اس کا نکاح دوسرے سے کردے تو اس صورت میں کس کا نکاح نافذ ہوگا؟ بعض فقہاء نے اس صورت میں دونوں کو ولی مساوی کے درجہ میں رکھا ہے، اس لئے کہ ایک کو قرب ولایت اور بُعد تدبیر حاصل ہے تو دوسرے کو قرب تدبیر اور بُعد قرابت حاصل ہے، اس لئے اس صورت میں جس کا نکاح تاریخی طور پر پہلے واقع ہوگا اس کا نکاح نافذ ہوگا، اگرچہ بہت سے فقہاء کو اس سے

اختلاف ہے،ان کے نزدیک غیبت منقطعہ کی صورت میں ولی اقرب معدوم کے حکم میں ہےاور مکمل ولایت نکاح اس کے بعد والے ولی کو حاصل ہوتی ہے،اس لئے ولی اقرب کا اپنے مقام پر کیا ہوا نکاح کسی صورت میں نافذ نہ ہوگا،صاحب ہدایہ وغیرہ کا رجحان اسی قول کی طرف ہے۔

۶-اگر ولی اپنے کسی مفاد کی خاطر نا مناسب جگہ لڑکی کی شادی کردے تو قاضی ثبوت کے بعد اس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے یا نہیں؟

☆ صورت مسئولہ میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات کے بقول قاضی اس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے، کیونکہ ولایت مشتمل ہوتی ہے خیر خواہی پر، جب خیر خواہی مفقود ہے تو ولایت بھی مسلوب ہے،لہذا قاضی اس نکاح کو فسخ کرنے کا مجاز ہے (درمختار مع رد المحتار ۳/ ۶۶-۶۷، فتاویٰ خیریہ ۱/ ۳۳، احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۰۵، ہدایہ ۲/ ۳۰۱، الحیلۃ الناجزۃ/ ۹۶، امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۲۷، البحر الرائق ۳/ ۱۳۵، جامع الرموز ۲/ ۲۵۷، در المنتقی شرح الملتقی / ۳۳۸، بوادر النوادر ۲/ ۹۶، جواہر الفقہ ۲/ ۱۱۵، فقہ السنۃ ۲/ ۲۳۹)۔

(مقالہ مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوالحسن علی، مولانا محمد امین، مولانا ظفر الاسلام، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی وغیرہ)۔

مولانا شمس پیرزادہ، مولانا عطاء اللہ قاسمی اور مولانا عبد الحنان کے نزدیک قضائے قاضی کی ضرورت ہی نہیں ہے،لڑکی از خود مذکورہ نکاح کو فسخ کرسکتی ہے۔

مولانا محمد روح الامین اور مولانا عبد اللطیف پالنپوری کے نزدیک یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔

مولانا ضیاء الحق کہتے ہیں کہ اگر ولی کی یہ حالت (یعنی لالچ، آوارگی، ناعاقبت اندیشی وغیرہ) چھپی ہوئی ہے تب تو کوئی بات نہیں، ورنہ لڑکی بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ کراسکتی ہے۔

☆ بیشتر مقالہ نگار حضرات نے ولی کے معروف بسوء الاختیار، ماجن اور متہتک ہونے

کی وضاحت اس طرح کی ہے: **الظاهر أن المراد أنهما لا يحسنان التصرف إما لطمع أو سفه أو غير ذلک** (طحطاوی ۲/۳۴)۔ یہ بات ظاہر ہے کہ باپ دادا کے معروف بسوء الاختیار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی طمع یا نا عاقبت اندیشی وغیرہ کی وجہ سے ٹھیک طور پر تصرف نہ کرسکتے ہوں۔ مولانا سید اسرار الحق سبیلی کے بقول معروف بسوء الاختیار کے لئے پچھلا تجربہ ضروری نہیں بلکہ ایسا شخص مراد ہے کہ اس کی بے وقوفی یا لالچ کی بنا پر اس کی ناپسندیدگی لوگوں میں مشہور ہوجائے (کتاب التعریفات للجرجانی / ۲۲۵ طبع دارالرشاد قاہرہ)۔

فاسق متہتک کی تشریح علامہ ابن عابدین نے قاموس کے حوالہ سے یہ بیان کی ہے:

في القاموس رجل منهتک و منتهک ومستهتک لا يبالي أن يهتک ستره (شامی ۲/۳۲۱)۔

یعنی جو فسق میں مبتلا ہونے کے ساتھ بے باک اور بے غیرت ہو، فسق میں اتنا ڈھیٹ ہوچکا ہو کہ اپنی عزت کا اسے بالکل خیال نہ ہو۔

ماجن کا مفہوم علامہ ابن عابدین نے ''مغرب'' کے حوالہ سے یہ بیان کیا ہے کہ جو اپنی عزت کی طرف سے غافل ہو، اور اتنا بے حیا ہو کہ لوگوں کے کچھ کہنے سننے کا بھی اس پر اثر نہ ہوتا ہو (منحۃ الخالق علی البحر ۳/۱۳۵، مقالہ مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبدالقیوم قاسمی وغیرہ)۔

☆ بیشتر مقالہ نگار حضرات نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ کیا مذکورہ عیوب میں ولی کا معروف ومشہور ہونا ضروری ہے یا کہ ان عیوب کا محض تحقق وتیقن ہی کافی ہے؟

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک صرف ان عیوب کا تحقق کافی ہے، ان میں مشہور ہونا ضروری نہیں، اس کی دلیل ان حضرات نے یہ دی ہے کہ یہ دونوں چیزیں (ان عیوب کا تحقق اور ان میں شہرت) لازم وملزوم ہیں، یعنی جس شخص میں یقینی طور پر یہ عیوب پائے جاتے ہیں وہ عموماً ان عیوب میں معروف ومشہور بھی ہوتا ہے، اس لئے ان کے ساتھ شہرت کا اطلاق کردیتے

ہیں، ورنہ ان عیوب کا صرف تحقق ہی کافی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان تینوں سوء اختیار، مجون، فسق وتہتک میں سے صرف سوء اختیار کے ساتھ عرف یا معروف کا لفظ آیا ہے، ماجن اور فاسق متہتک میں عرف یا معروف کی قید بالاتفاق نہیں ہے، تو جس طرح ان دو اوصاف مجون اور فسق میں صرف تحقق کافی ہے اسی طرح اس میں بھی صرف تحقق کافی ہونا چاہئے (مقالہ مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا اسعد فلاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی وغیرہ)۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی مزید لکھتے ہیں کہ منحۃ الخالق میں خیر الدین رملی سے "إن علم سوء تدبیرہ" منقول ہے، اس سے بھی صرف تیقن وتحقق ثابت ہوتا ہے، شہرت نہیں۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ شامی نے معروف بسوء الاختیار کی یہ تشریح کی ہے کہ باپ کو معروف بسوء الاختیار اس صورت میں قرار دیا جائے گا جبکہ ایک مرتبہ اس سے پہلے بھی وہ ایک لڑکی کا نکاح جان بوجھ کر اس کے مصالح کے خلاف کر چکا ہو، اس لئے کہ اس کے بغیر اس کی غلط ذہنیت کا اندازہ لگانا اور اس کا معروف بسوء الاختیار ہونا بہت مشکل ہے، لہذا سوء اختیار سے کیا ہوا پہلا نکاح اس لئے درست ہو جائے گا کہ اس تعلق سے اس کی کوئی شہرت نہیں، لیکن دوسری لڑکی کا نکاح صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ اب وہ معروف بسوء الاختیار ہو چکا ہے (رد المحتار ۲؍ ۳۲۰، مقالہ مولانا خورشید انور اعظمی)۔

مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عبد القیوم قاسمی اور مولانا مصلح الدین قاسمی نے شامی کی اس تشریح کو ترجیح دی ہے، لیکن مولانا اختر امام عادل، مولانا ابو الحسن علی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد احسان، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا اسعد فلاحی کے نزدیک علامہ شامی کی یہ تشریح جمہور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہونے کی وجہ سے محل نظر ہے۔ مولانا اختر امام عادل اور مولانا ابو الحسن علی کے بقول علامہ شامی نے اس کی توجیہ یہ نقل کی ہے کہ اگر فقہاء کے نزدیک محض تحقق کافی ہوتا اور شہرت کی ضرورت نہ ہوتی تو وہ یہ مسئلہ ہرگز بیان نہ کرتے کہ اگر باپ یا دادا اپنی زیر ولایت لڑکی کا نکاح غیر

کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ کردے تو بھی وہ نکاح لازم ہوگا، حالانکہ عدم کفاءت یا غبن فاحش کی بنا پر سوء اختیار متحقق ہے، مولانا ابو الحسن علی اور مولانا اختر امام عادل نے اس توجیہ کا جواب یہ دیا ہے کہ عدم کفاءت یا غبن فاحش کی ہر صورت کو یقینی طور پر سوء اختیار قرار دینا زیادتی ہے، بعض اوقات ایک شفیق باپ مہر کی کمی یا غیر کفو ہونے پر اس لئے راضی ہوجاتا ہے کہ دوسرے مصالح اس میں محسوس کرتا ہے، مثلاً ایک عالم صالح غیر کفو ہے اور مہر بھی مہر مثل سے کم دے رہا ہے، مگر وہ ایسا معروف بالصلاح عالم ہے کہ اس کے ساتھ لڑکی کی زندگی دینی و دنیوی دونوں اعتبار سے خوشگوار رہنے کی قوی امید ہے، تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو میں عقد کرنے سے سوء اختیار متحقق ہوگیا، یہ سوء اختیار نہیں بلکہ عین خیر خواہانہ اختیار ہے۔

مولانا ابو الحسن علی، مولانا اختر امام عادل، مولانا اسعد فلاحی، مولانا محمد احسان، مولانا شاہد قاسمی اور مولانا فیاض عالم قاسمی کے نزدیک فقہاء نے معروف کی قید اس لئے لگائی ہے تاکہ سوء اختیار میں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے، یہ مطلب نہیں کہ اشتہار شرط ہے (کشف الغبار عن مسئلۃ سوء الاختیار ملحق بہ احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۲۔ ۱۳، جواہر الفقہ ۲/ ۱۱۷۔ ۱۱۸)۔

مولانا اختر امام عادل، مولانا محمد احسان اور مفتی جمیل احمد نذیری کے خیال میں جب باپ، دادا کا سوء اختیار غیر مشتبہ ہوجائے تو اب ان کے کئے ہوئے نکاح کو لازم قرار دینے کی وہ علت باقی نہیں رہی جس کی بنا پر باپ یا دادا کے کئے ہوئے نکاح کو دوسرے اولیاء سے امتیاز دیا گیا ہے یعنی وفور شفقت، لہٰذا ایسی صورت میں لڑکی کو قاضی کے یہاں دعویٰ پیش کرکے نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہونا چاہئے۔

مولانا ابو الحسن علی اور مولانا محمد احسان کے نزدیک اگر علامہ شامی کی تشریح اختیار کی جائے تو تجربہ کے لئے ہر جگہ پہلی لڑکی کو قربان کرنا ہوگا، جو ظلم ہے اور تفقہ سے بھی بعید ہے۔

☆ مولانا ظفر الاسلام اور مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں کہ کتب فقہ کی بعض عبارتوں میں ہے کہ نکاح باطل ہوجاتا ہے، جس سے بظاہر لگتا ہے کہ نکاح کا انعقاد ہی نہیں ہوتا، مگر یہ صحیح

نہیں، زیادہ محقق اور راجح قول یہ ہے کہ نکاح تو ہو جاتا ہے مگر سوء اختیار کی بنا پر باطل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ لڑکی بعد بلوغ اپنی ناراضگی کا اظہار کرے اور عدالت سے رجوع کرے (فتاوٰی خیریہ ۱/ ۲۳، شامی ۲/ ۴۱۸)۔ مولانا ظفر الاسلام کے بقول ظہیریہ میں ہے کہ قاضی دونوں میں تفریق کرا دے گا، ان کے بقول ذخیرہ میں مذکور ہے کہ باطل کا معنی ''سیبطل'' ہے اور یہی ان کے نزدیک راجح ہے (البحر الرائق ۳/ ۱۳۵)۔

مولانا اختر امام عادل کے بقول یہ بات (بعد بلوغ لڑکی کے اظہار ناراضی اور عدالت سے رجوع کی صورت میں بطلان نکاح) اس لئے بھی قرین قیاس ہے کہ فسق ولا پرواہی کی بنا پر انسان کی ولایت بالکلیہ ساقط نہیں ہو جاتی بلکہ اس کا نفاذ ولزوم ساقط ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی فاسق و متہتک شخص کفو میں مہر مثل کے عوض لڑکی کا نکاح کر دے تو وہ نکاح درست اور نافذ ہوگا (شامی ۲/ ۳۰۳) غالباً اسی بنا پر علامہ ابن ہمام نے بزازیہ کے اس جزئیہ کو جس میں ولی کے فاسق ہونے کی صورت میں قاضی کو نکاح کا اختیار دیا گیا ہے، مذہب کا غیر معروف قول بتایا ہے (حوالہ سابق)۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی کی رائے ہے کہ اگر قاضی اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ ولی نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اور نکاح میں لڑکی کے مصالح کا لحاظ نہیں کیا ہے تو اس نکاح کو فسخ کرنے کا اسے اختیار ہونا چاہئے۔

☆ مولانا خورشید احمد اعظمی لکھتے ہیں کہ یہ بات کچھ عجیب سی لگتی ہے کہ نکاح میں انتظام مصالح کو اہمیت دی گئی ہے بلکہ اسے بنیاد بنایا گیا ہے، پھر بھی لڑکی اپنے انتخاب سے عرفی غیر کفو میں نکاح کر لے تو عورت کے اولیاء کو اعتراض وفسخ کا حق حاصل ہو، اور اگر باپ دادا صغیرہ کا نکاح غیر کفو میں کر دیں تو وہ نافذ ہو، عورت جسے شوہر کے ساتھ نباہ کرنا یا نہ کرنا ہے اسے کوئی اختیار حاصل نہیں۔ اسی طرح اگر باپ یا دادا سے سوء اختیار بالکل ظاہر ہوا گرچہ پہلی ہی مرتبہ کیوں نہ ہو تو بھی وہ نکاح نافذ رہے اور عورت کو اس بات کا خیار نہ ہو کہ وہ شوہر کے شرابی اور فاسق

ہونے پر نکاح کو فسخ کراسکے، ان کے نزدیک اگر ولی نے کسی عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح کسی نامناسب جگہ کردیا اور عورت کو حالات کا علم نہیں ہے تو حالات کا علم ہونے پر عورت کو خیار فسخ حاصل ہونا چاہئے۔

اس ضمن میں انہوں نے اور مولانا مصطفیٰ قاسمی نے (نسائی ۲/ ۷۷، ابن ماجہ ۱/ ۱۳۵، ترمذی ۱/ ۲۰۱، بخاری ۲/ ۱۷۷۔ ۷۷۲، مشکوۃ ۲۷۰۔ ۲۷۱ کے حوالہ سے) حضرت خنساء بنت خذام رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباسؓ کی دو روایتیں نقل کی ہیں جو سوال نمبر (۴) کے تحت ذکر کی جاچکی ہیں۔

۷-ولی کون لوگ ہیں اور اولیاء میں باہم ترتیب کیا ہے؟

☆ اس سلسلہ میں بیشتر مقالہ نگار حضرات نے ائمہ اربعہ کے مندرجہ ذیل مسالک ذکر کیے ہیں:

امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک صرف باپ کو ولایت حاصل ہے۔ امام شافعی کے نزدیک باپ کے ساتھ دادا کو بھی ولایت حاصل ہے۔ احناف کے نزدیک ولایت فی النکاح کی ترتیب وراثت کی ترتیب کے مطابق ہے۔

عصبہ کی تین قسمیں ہیں: عصبہ بنفسہ، عصبہ بغیرہ، عصبہ مع غیرہ۔ پھر عصبہ بنفسہ کی چار جہتیں ہیں:

۱۔بنوۃ (بیٹا ہونا)، ۲۔ابوۃ (باپ ہونا) ۳۔اخوۃ (بھائی ہونا)، ۴۔عمومۃ (چچا ہونا)۔

مولانا جمال الدین قاسمی کے بقول اگر ان عصبات میں سے کوئی ایک ہی فرد ہو تو ولایت اسی کو حاصل ہوگی، دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا، اور اگر عصبہ بنفسہ کئی ہوں اور ان کی جہتیں الگ الگ ہوں تو جو جہت کے اعتبار سے زیادہ قریب ہوں انہیں حق تقدم حاصل ہوگا، اور اگر ایک ہی جہت کے کئی ایک ہوں تو قریب ترین درجہ کو حق تقدم حاصل ہوگا، مثلاً باپ دادا ہوں تو باپ کو، بیٹا پوتا ہوں تو بیٹا کو حق تقدم حاصل ہے، اور اگر جہت اور درجہ دونوں یکساں ہوں تو جو قرابت میں ماں و باپ دونوں کی طرف منسوب ہوں ان کو ایسے حضرات پر حق تقدم حاصل ہے

جو صرف باپ یا صرف ماں شریک ہوں (الأحوال الشخصیۃ ر ۴۵۹)، اور اگر درجہ اور قوت قرابت میں سب یکساں ہوں تو ہر ایک کو علی وجہ الکمال ولایت حاصل ہوگی (تاتارخانیہ ۳ر ۲۲)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے ان لوگوں کی تفصیلی فہرست بھی پیش کی ہے جن کو درجہ بدرجہ اپنے زیر ولایت لڑکے یا لڑکی پر حق تصرف حاصل ہوگا (مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا عبدالحنان، مولانا ابوسفیان مفتاحی وغیرہ)۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی کے بقول ولایت کا سب سے زیادہ حقدار باپ ہے، اس کے بعد شریعت نے اولیاء کی کوئی ترتیب مقرر نہیں کی ہے، ماں کی غیر موجودگی میں خاندان کے بڑے بوڑھوں (جن کی امارت سب تسلیم کرتے ہوں اور جو گھر کا خرچ چلاتے ہوں) کو ولایت حاصل ہوگی۔

۸-اگر متعدد مساوی اولیاء ہوں تو کسی ایک کی اجازت کافی ہوگی یا تمام اولیاء کا اتفاق ضروری ہوگا؟

☆ تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات کے نزدیک اگر کسی لڑکی کے یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں تو اس کے نکاح کی صحت کے لئے کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی اور تمام مساوی اولیاء کا اتفاق ضروری نہیں ہوگا، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا اختر امام عادل اور مولانا راشد حسین ندوی نے ترمذی اور سنن ابی داؤد کی یہ روایت بطور دلیل پیش کی ہے:

عن سمرة بن جندب أن رسول الله ﷺ قال: أيما امرأة زوّجها وليان فهي للأول منهما (تحفۃ الأحوذی مع جامع الترمذی ۲۴۸/۴، عون المعبود شرح سنن أبی داؤد ۱۱۱/۶)۔

مولانا ظفر عالم ندوی کے بقول امام ترمذی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے اور یہ بھی وضاحت کی ہے کہ علماء کا اس سلسلہ میں کوئی اختلاف معروف نہیں۔

مولانا اختر امام عادل کے بقول شارحین نے یہاں "ولیان" سے "ولیان متساویان" مراد لیا ہے، ان کے بقول اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک نکاح کے معاملہ میں

خودمختار ہے اور صحت نکاح کے لئے ایک کی اجازت بھی کافی ہے، دونوں کا اتفاق ضروری نہیں (ہدایہ ۲/۲۹۹)۔

☆ مولانا جمال الدین قاسمی کے بقول طرفین، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک ہے، اور امام مالک، امام ابو یوسف اور امام زفر کے نزدیک سب کی رضامندی ضروری ہے (بدائع الصنائع ۲/۲۵۱، فتح القدیر ۲/۴۱۹، البحر الرائق ۳/۱۱۹، مبسوط ۴/۲۱۸، المجموع ۱۷/۳۱۵، المغنی ۷/۴۰۵)۔

مولانا عبدالرشید قاسمی کے بقول سوریا کے قانون میں بھی یہی ہے کہ جب ایک ہی درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں تو ان میں سے جو ولی بھی شرائط نکاح کا لحاظ کر کے نکاح کر دے گا تو جائز ہو جائے گا (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۷/۲۰۰)۔

مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی اور مولانا حبیب اللہ قاسمی نے امام ابو یوسف اور ان کے ہم خیال فقہاء کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ ولایت تزویج کا سبب چونکہ قرابت ہے اور قرابت تمام مساوی اولیاء کے درمیان مشترک ہے، لہذا ولایت بھی مشترک ہوگی (بدائع الصنائع ۲/۲۵۱، فتح القدیر ۲/۴۱۹، البحر الرائق ۳/۱۱۹)۔

اور طرفین اور ان کے ہم خیال علماء کی دلیل بقول مولانا جمال الدین قاسمی یہ ہے کہ ولایت کا سبب واقعتہً قرابت ہے، لیکن ولایت ایک ایسا حق ہے جس میں تجزی نہیں ہوسکتی، کیونکہ حق جس سبب (قرابت) سے حاصل ہوتا ہے، خود اس میں بھی تجزی نہیں ہوتی، اور قاعدہ یہ ہے کہ جس شئی میں تجزی نہ ہوتی ہو جب وہ ایک سے زائد لوگوں کے لئے ثابت ہوتی ہے تو ہر ایک کے لئے علی وجہ الکمال ثابت ہوتی ہے، ان کے بقول یہ مسئلہ ولایت امان کے مشابہ ہے کہ امن دینے کی جن لوگوں میں اہلیت ہے ان میں سے کسی ایک کے بھی امن دینے سے امن حاصل ہو جاتا ہے، دوسرا اسے کالعدم قرار نہیں دے سکتا (مبسوط ۴/۲۱۹)۔

مولانا سراج الدین قاسمی کے بقول ایسی چیز کہ جس کی تقسیم نہ ہوسکتی ہو، اگر اس کے

ایک جز کو ساقط کردیا جائے تو وہ سارا ہی ساقط ہوجاتا ہے، لہٰذا جب بعض اولیاء نے اجازت دے کر اپنا حق ساقط کردیا تو اب سب کا حق ساقط ہوجائے گا اور سب ہی کی طرف سے اجازت شمار ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قصاص، کہ چند آدمیوں کا کسی پر قصاص واجب ہو اور ان میں سے بعض ساقط کردیں تو سارا ہی قصاص ساقط ہوجاتا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۸)۔

☆ بیشتر مقالہ نگار حضرات کے مطابق اگر دو یا اس سے زائد مساوی اولیاء نے علیحدہ علیحدہ شخص سے لڑکی کا نکاح کرایا تو اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ اگر دونوں نے تقدم و تأخر کے ساتھ نکاح کرایا ہے تو جو نکاح پہلے ہوگا وہ صحیح ہوگا اور بعد کا کیا ہوا نکاح باطل ہوگا (بدائع الصنائع ۲/ ۲۵۱، درمختار ۲/ ۲۴۱)۔

۲۔ اگر دونوں نے تقدم و تأخر کے ساتھ نکاح کرایا ہے اور تقدم و تأخر کا علم نہیں ہے تو دونوں کا کیا ہوا نکاح باطل ہوگا۔

مولانا جمال الدین قاسمی نے ایک تیسری صورت یہ ذکر کی ہے کہ اگر دو یا اس سے زائد مساوی اولیاء میں سے ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ شخص سے آن واحد میں نکاح کرادیا ہو تو سب کا کیا ہوا نکاح باطل ہوگا۔

☆ جناب شمس پیرزادہ کا خیال ہے کہ جب شرعاً ولی کی اجازت بالغہ کے لئے شرط نہیں ہے تو یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی یا تمام مساوی اولیاء کا اتفاق ضروری ہوگا۔

مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی کا خیال ہے کہ اگر ایک درجہ کے اولیاء کے درمیان اتفاق رائے نہ ہوسکے تو ان اولیاء کی رائے اور تصرف کو (بطور خاص) مدنظر رکھا جائے گا جن کی رائے اور عمل لڑکی کے حق میں موزوں اور مناسب ہو۔

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی کا خیال ہے کہ جس طرح کسی جماعت کے ایک سے زیادہ امام نہیں ہوسکتے، اسی طرح برابر درجہ کے کئی ولی نہیں ہوسکتے خواہ وہ رشتہ میں برابر ہوں، کیونکہ

معاملہ فہمی، خاندان میں اثر و رسوخ، لڑکی لڑکے پر خرچ کرنے اور توجہ دینے میں سب برابر نہیں ہوسکتے، ان معیارات پر جو پورا اترتا ہو وہی ولی قرار پانا چاہئے، اس کے طے کرنے میں معروف کو بھی کافی دخل ہوگا، کیونکہ شریعت میں اس جانب کوئی مخصوص رہنمائی نہیں کی گئی ہے۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

نکاح میں ولایت کے مسائل

سوال نمبر-۱

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی ☆

گیارہواں فقہی سمینار کے موضوع ''ولایت'' کے پہلے نمبر کا عرض مسئلہ میرے ذمہ کیا گیا ہے، قبل اس کے کہ میں اس سلسلہ کی تفصیلات پیش کروں، موصول ہونے والے مقالات کے مرتبین کے نام ذکر کردیتا ہوں تا کہ معلوم ہوسکے کہ کتنے حضرات کے مقالے میرے سامنے ہیں۔ان حضرات کے نام درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا نظام الدین صاحب، مولانا عبدالحنان صاحب، جناب شمس پیرزادہ صاحب، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا ظفر الاسلام، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا اختر امام عادل، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی اسماعیل بھدکوروی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی سید مصلح الدین، مولانا ابوالحسن علی، مفتی شیر علی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا یعقوب اسماعیل منشی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا

☆ استاذ حدیث وفقہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، لکھنؤ

روح الامین، مولانا شاہد قاسمی، مولانا محسن ربانی ایران، مولانا فیاض عالم قاسمی، مفتی محمد احسان، مولانا سراج الدین قاسمی، مفتی ضیاء الحق قاسمی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مفتی جمال الدین قاسمی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا محمد امین بنگلہ دیش، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولوی محمد اسعد، مولوی نوشاد عالم ندوی۔

مذکورہ تمام حضرات کے مقالے میں جو آراء اور تحقیقات ہیں ان میں سے میرے ذمہ صرف پہلے نمبر کا عرض مسئلہ ہے، جس میں دو شق ہیں: ایک ولایت کا مفہوم، دوسرے ولایت علی النفس کی شرائط۔ ان دونوں شقوں کے سلسلہ میں مقالہ نگاروں کی جو تحقیقات ہیں ان کا خلاصہ مختصراً پیش کر رہا ہوں۔

ولایت کے مفہوم میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے سوائے چند حضرات کے لغوی و اصطلاحی معانی لکھے ہیں، اکثر مقالہ نگاروں نے ولایت کے درج ذیل لغوی معنی کا ذکر کیا ہے: محبت، نصرت، سلطان وقدرت، ذمہ داری وسرپرستی اور تصرف۔

تقریباً تمام حضرات نے لغت کی کتابوں کے علاوہ کتب فقہ کے حوالہ سے یہ معانی بیان کئے ہیں، کتب فقہ میں رد المحتار اور البحر الرائق کا حوالہ تقریباً سبھوں نے پیش کیا ہے، بعض نے بدائع الصنائع اور المغنی سے بھی مدد لی ہے، مذکورہ معانی کے علاوہ جناب اسعد اللہ قاسمی صاحب نے المنجد کے حوالہ سے چند اور معانی بھی ذکر کئے ہیں: وہ یہ ہیں، حلیف، پڑوسی، تابع اور داماد۔

جہاں تک اصطلاحی مفہوم کی بات ہے تو اس سلسلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے الفاظ وتعبیرات کے فرق کے ساتھ ایک ہی مفہوم کو ذکر کیا ہے، یعنی: ''**تنفيذ القول على الغير شاء أم أبى**''۔ سب کے حوالے بھی تقریباً ملتے جلتے ہیں، ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اس مفہوم کو امام نووی کی کتاب ''**التوقيت على مهمات التعاريف**'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، اسی سے قریب تر مفہوم دوسری عبارت میں یوں بیان کیا ہے: ''**القدرة على مباشرة التصرف من**

غير توقف على إجازة أحد"۔

بعض حضرات نے ولایت کے اس مفہوم کا بھی تذکرہ کیا ہے جو صوفیاء کے یہاں رائج ہے، جناب اسعد اللہ قاسمی نے شرح عقائد نسفی کے حوالہ سے صوفیاء کی اس اصطلاح کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "والولي هو العارف بالله تعالى وصفاته حسب ما يمكن، المواظب على الطاعات، المجتنب عن المعاصي، المعرض عن الانهماك في اللذات والشهوات"۔ اسی عبارت کو جناب ابراہیم فلاحی صاحب نے درمختار مع ردالمحتار سے نقل کیا ہے، ان کے علاوہ جناب مفتی جمیل احمد نذیری صاحب، جناب اختر امام عادل صاحب، مولانا عبدالحنان صاحب و مفتی ابوالحسن علی گجراتی نے بھی درمختار کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ولی، لغت میں دوست، عرف میں عارف باللہ، اور شرع میں عاقل، بالغ اور وارث کے لئے مستعمل ہے۔

اس سلسلہ میں ایک بات جناب مولانا مفتی نظام الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے فرمائی ہے کہ ولایت کے بیسیوں معانی شریعت میں آئے ہیں، سب کا حاصل یہ ہے کہ صاحب اختیار فی الجملہ ہو۔

عرض مسئلہ کی دوسری شق ہے: ولایت علی النفس کی شرائط۔ اس بارے میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے عقل، بلوغ، اسلام اور حریت کو شرط قرار دیا ہے، بعض حضرات نے اتحاد دین کو، بعض نے قدرة على التربية اور بعض نے وراثت کو شرائط میں داخل کیا ہے، کچھ مقالہ نگاروں نے عدالت، ذکورة اور رشد کو بھی ولایت علی النفس کی شرائط میں شامل کیا ہے، اور کچھ نے ملکیت اور قرابت کو شرائط کے ذیل میں بیان کیا ہے۔

مقالات پڑھنے سے محسوس ہوا کہ شرائط متعین کرنے میں کچھ مقالہ نگار حضرات بعض اجزاء میں کافی انتشار کے شکار ہیں۔ اس لئے راقم مناسب سمجھتا ہے کہ بجائے اس کے کہ ہر ایک کی بحثوں کو الگ الگ ذکر کیا جائے، خود ہی مسئلہ کو واضح کر دے تا کہ بعض اجزاء میں جو اختلاف

نظر آتا ہے وہ ختم ہو جائے۔

دراصل ولایت انسان کو مال پر بھی حاصل ہوتی ہے اور نفس پر بھی، بایں تفصیل کہ کبھی صرف مال پر حاصل ہوتی اور کبھی صرف نفس پر اور کبھی نفس اور مال دونوں پر۔ زیر بحث مسئلہ میں ولایت نکاح سے بحث کرنا مطلوب ہے جو ولایت نفس سے متعلق ہے، اس لئے یہاں ولایت علی النفس ہی کی شرائط دریافت طلب ہیں۔

ولایت علی النفس جو نکاح سے متعلق ہو، اس کے لئے احناف کے نزدیک چار شرطیں ہیں: عقل، بلوغ، حریت اور اتحاد دین۔

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ان چاروں کے علاوہ مزید دو شرطیں عدالت اور رشد بھی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک شرط ذکورۃ ہے جو سوائے احناف کے دیگر تمام فقہاء کے نزدیک شرط ہے۔ احناف نے ذکورۃ کو ولایت کے لئے شرط قرار نہیں دیا ہے، بلکہ بعض صورتوں میں ان کے نزدیک عورتوں کو بطور ولایت یا وکالت نکاح کرانے کا حق حاصل ہے، حاصل یہ کہ احناف کے نزدیک ولایت علی النفس کے لئے چار شرطیں ہیں: عقل، بلوغ، حریت اور اتحاد دین، ان کے نزدیک ذکورۃ، عدالت اور رشد شرائط میں شامل نہیں ہیں۔

راقم کا اندازہ ہے کہ مذکورہ بالا تفصیل سے مسئلہ ایک حد تک واضح ہو گیا ہے، اسی لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱- ڈاکٹر وہبہ الزحیلی: حنفیہ کے نزدیک چار شرائط ہیں: عقل، بلوغ، حریت، اتحاد دین۔ عدالت اور رشد ان کے نزدیک نہیں، یہ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک ہیں۔

۲- مولانا سید مصلح الدین: ان کے نزدیک بھی چار ہیں: عقل، بلوغ، حریت، اتحاد دین۔

۳- مولانا ظفر عالم ندوی: ان کے نزدیک بھی چار ہیں: عقل، بلوغ، حریت، اتحاد دین۔

۴- مفتی عبد الرحمٰن پالنپوری: آزاد، عاقل، بالغ۔

۵- مولانا شاہد قاسمی: آزاد، مکلف، مسلم۔

۶- مفتی جمیل احمد نذیری: عاقل، بالغ، وارث۔

۷- مولانا ابوالحسن علی گجرات: عاقل، بالغ، وارث۔

۸- مولانا خورشید انور اعظمی: آزاد، عاقل، بالغ۔

۹- مولانا شمس پیرزادہ: عاقل، بالغ ہونا کافی (نادر قول)۔

۱۰- مولانا ابوسفیان مفتاحی: عقل، بلوغ، ملک مطلق (نادر قول)۔

۱۱- مولانا جمال الدین قاسمی: بلوغ، عقل، وراثت۔

۱۲- مولانا خورشید احمد اعظمی: عقل، بلوغ، حریت۔

۱۳- مولانا عبدالرشید قاسمی کورنی: عقل، بلوغ، مقدرت علی التربیۃ، مسلمان ہو۔

۱۴- مفتی حبیب اللہ قاسمی: عاقل، بالغ، آزاد، وارث۔

۱۵- مفتی محبوب علی وجیہی: عاقل، بالغ ہونا کافی (نادر قول)۔

۱۶- مولانا عبدالقیوم پالنپوری: عاقل، بالغ، وارث یا حاکم ہو۔

۱۷- عبدالعظیم اصلاحی: ولایت کے لئے اسلام، بلوغ اور ذکورۃ کی شرائط پر اتفاق ہے، ان کے علاوہ حریت، رشد اور عدالت جیسی صفات بھی شرط ہیں یا نہیں، اس میں اختلاف ہے۔

۱۸- مولانا ارشاد احمد اعظمی ندوی: حنفیہ کے نزدیک ولایت ایجاب کے لئے شرط یہ ہے کہ ولی عاقل، بالغ، حق وراثت سے جڑا ہوا ہو، جو فاسق، متہتک اور اپنے اختیارات کے استعمال میں بدنام نہ ہو، اور نہ نشہ کی حالت میں اپنی اولاد کا رشتہ نامناسب جگہ اور غیر معقول مہر پر کر رہا ہو۔

۱۹- مولانا راشد حسین ندوی: ولی عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہو۔

۲۰- ڈاکٹر ظفر الاسلام: ستة شروط: العقل والحرية والإسلام والذكورية والبلوغ والعدالة على اختلاف۔ گویا ذکوریت اور عدالت مختلف فیہ، بقیہ متفق علیہ۔

۲۱- مولانا عبدالحنان: وارث، عاقل، بالغ اور مسلمان ہو۔

۲۲- مولانا محمد اسعد پالنپوری: عاقل، بالغ، آزاد، قادر علی تربیۃ الاولاد، امانت دار، اتحاد دین۔

عندالاحناف صرف عقل، بلوغ، حریت اوراتحاددین ہی ہیں۔

۲۳- مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی: صرف عقل وبلوغ۔

۲۴- مولانا روح الامین بنگلہ دیش: عاقل، بالغ، آزاد، ہم مذہب، اور یہ بھی ہے کہ مرتد نہ ہو(بحوالہ فتاویٰ عالمگیری، بحر، بدائع)۔

۲۵- مولانا اختر امام عادل: مکلّف ہو(یعنی عاقل، بالغ)، وارث، آزاد، اتحاددین، ولی باشعور، معاملہ فہم اور ہمدرد ہو، ائمہ ثلاثہ(ابوحنیفہ)ولی مرد ہو، عادل بھی ہو۔

۲۶- مفتی ضیاءالحق قاسمی: ولی عصبہ ہو۔

۲۷- مولانا ابراہیم فلاحی: ولی عاقل، بالغ اور وارث ہو۔

۲۸- مولانا عبداللطیف پالنپوری: عقل، بلوغ، قدرۃ علی تربیۃ الولد، اسلام، امانت علی اخلاق۔

۲۹- مولانا مصطفےٰ قاسمی: مسلمان ہو، بالغ وعاقل ہو، آزاد ہو۔

۳۰- مولانا نوشاد عالم ندوی: عقل، بلوغ، حریت، اتحاددین(متفق علیہ)۔ذکوریت وعدالت (مختلف فیہ)۔

۳۱- مفتی شیر علی: ولایت علی النفس کے لئے عقل، بلوغ اور حریت شرط ہے۔ولایت علی الغیر کے لئے عقل، بلوغ اور حریت کے بعد قرابت، ملک، ولاء، اور امامت میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔

۳۲- ڈاکٹر اسرارالحق سبیلی: عقل، بلوغ، قرابت، قدرۃ علی التربیۃ، مسلمان اور امانت۔

۳۳- فیاض عالم قاسمی: عاقل، بالغ، آزاد اور مسلم ہو۔

۳۴-مفتی ثناءالہدیٰ قاسمی: اسلام، عقل، بلوغ، ذکوریت اور حریت ہونا ضروری ہے(بدایۃ المجتہد)۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

نکاح میں ولایت کے مسائل

سوال نمبر ۲-۳

مولانا بدر احمد مجیبی ندوی ☆

مسئلہ ولایت سے متعلق سوالنامہ کے دو سوالوں نمبر ۲ و ۳ کے عرض کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی ہے۔ ان دونوں سوالوں سے متعلق مقالہ نگار حضرات نے جو تفصیلات پیش کی ہیں اور جو دلائل دیئے ہیں ان کا اختصار پیش خدمت ہے:

سوال نمبر ۲ یہ ہے کہ اسلامی شریعت نے کن لوگوں کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے اور کن کے نکاح کا اختیار اولیاء کے حوالہ کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں بیشتر مقالہ نگار حضرات نے احناف کا مسلک یہ بتایا ہے کہ عاقل و بالغ آزاد مرد و عورت کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار ہے، اگرچہ بہتر اور مستحب طریقہ یہی ہے کہ نکاح کا معاملہ اولیاء کی نگرانی میں انجام دیا جائے۔

نابالغ بچے بچیاں، مخبوط العقل اور مجنون مرد و عورت اور غلام اور باندی کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ایسے افراد ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتے، ان کے ولی ہی ان کی شادی انجام دے سکتے ہیں۔

☆ استاذ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار۔

پہلی صورت میں اولیاء کو اپنے ماتحتوں پر ولایت استحباب حاصل ہوگی ،اور دوسری صورت میں ولایت اجبار حاصل ہوگی،تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے تحریر کیا ہے کہ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ولایت استحباب میں بھی عورتیں اپنا نکاح خودنہیں کرسکتیں،عورتوں کی عبارت سے نکاح منعقد نہیں ہوتا،ولی کا واسطہ ہونا ضروری ہے،ائمہ ثلاثہ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

وأنكحوا الأيامىٰ منكم(سورہ نور/۳۲)۔

ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا (سورہ بقرہ/۲۲۱)۔

فانكحوهنّ بإذن أهلهنّ(سورہ نساء/۲۵)۔

ان آیات کریمہ میں نکاح سے متعلق خود عورتوں سے خطاب نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان کے اولیاء سے خطاب کیا گیا ہے،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو خود اپنے نکاح کا حق نہیں ہے،یہ اولیاء کی ذمہ داری ہے،اسی لئے ان کو مخاطب کیا گیا ہے۔

لا نكاح إلا بولي (ترمذی/۲۰۸)۔

لا تزوج المرأة المرأة ولا تزوج المرأة نفسها الخ (ابن ماجہ/۱۳۵)۔

أيما امرأة نكحت نفسها بغير إذن وليها فنكاحها باطل الخ (ترمذی/۲۰۸)۔

دلیل عقلی:عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں اس لئے نکاح کا معاملہ ان کے سپرد کردینا خطرے سے خالی نہیں۔مردوں کے اندر فہم وفیصلہ کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے،وہی اس معاملہ کو صحیح طور سے انجام دے سکتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے تمام دلائل مختصر طور سے یہی ہیں۔اب احناف کے دلائل پر ایک نگاہ ڈال لی جائے۔

حنفیہ کے دلائل:

فإن طلّقها فلا تحلّ له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره (سورہ بقرہ/۲۳۰)۔

وإذا طلّقتم النساء فبلغن أجلهنّ فلا تعضلوهنّ أن ينكحن أزواجهنّ (سورہ بقرہ ۲۳۲)۔

فإذا بلغن أجلهنّ فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهنّ بالمعروف (سورہ بقرہ ۲۳۴)۔

ان آیات کریمہ میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے۔اور اسناد میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ فاعل حقیقی کی طرف نسبت ہو، اس بنا پر عورتوں کی عبارت سے نکاح منعقد ہو جانا چاہئے، ایسا تسلیم نہ کریں تو عورتوں کی طرف فعل نکاح کی نسبت بے معنی ہو جائے گی۔

الأيّم أحقّ بنفسها من وليها (مسلم ۱/ ۴۵۵)۔

حدیث نبوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا جبکہ ان کا کوئی ولی موجود نہیں تھا (طحاوی ۲/ ۸)۔

ائمہ ثلاثہ کی پیش کردہ آیات کریمہ سے استدلال کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ یہ تمام مسلمانوں سے خطاب ہے، اولیاء کے لئے خاص نہیں ہے، کیونکہ ان آیات کے سیاق وسباق میں کہیں پر اولیاء کا تذکرہ یا ان کی تفصیل و وضاحت موجود نہیں ہے، اس لئے یہ اولیاء سے خطاب ہی نہیں ہے۔

حدیث "**لا نكاح إلا بولي**" کے بارے میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر کرتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف و مضطرب ہے۔متعدد مقالہ نگار نے اس حدیث میں نفی کو نفی کمال پر محمول کیا ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث "**لا تزوج المرأة المرأة**" کے بارے میں حافظ ابن حجر نے درایہ میں تحریر فرمایا ہے کہ **و أسانيدها واهية**۔

تیسری حدیث "**أيما امرأة نكحت نفسها**" بھی ضعیف و منقطع ہے۔مزید یہ کہ اس عبارت نساء سے نکاح کے بطلان پر استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس میں "**بغير إذن وليها**" کے الفاظ ہیں، جن کا تقاضا یہ ہے کہ اگر عورت ولی کی اجازت لے لے تو اس کی

عبارت سے نکاح منعقد ہو جائے گا۔ باطل کے ایک معنی ناپائیدار کے بھی آتے ہیں۔ ألا كل شيئ ماخلا الله باطل۔ اور خود اس کی راوی حضرت عائشہؓ کا عمل اس کے خلاف ہے، انہوں نے اپنی بھتیجی کی شادی ان کے والد کی عدم موجودگی میں اپنی عبارت یا اپنی توکیل سے کر دی تھی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک نکاح کی صحت کے لئے ولی کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے، ولی کے بغیر بھی عورت خود سے اپنا نکاح کر سکتی ہے اور دوسرے کا نکاح بھی کرا سکتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ میں احناف کا مسلک مستحکم اور دلائل سے مضبوط ہے۔

سوال نمبر ۲ کے بعض اجزاء اس طرح ہیں:

(الف) ولایت کے بارے میں لڑکی اور لڑکے میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ لڑکے پر ولی کی ولایت کب ختم ہوتی ہے اور لڑکی پر ولی کی ولایت کب ختم ہوتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگار حضرات نے ولایت اجبار کی بنیاد پر روشنی ڈالی ہے اور تحریر کیا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولایت اجبار کی بنیاد باکرہ ہونے پر ہے۔ باکرہ پر ولایت اجبار حاصل ہوگی ثیبہ پر ولایت اجبار حاصل نہ ہوگی۔ احناف کے نزدیک ولایت اجبار کی بنیاد صغر پر ہے۔ صغیرہ پر ولایت اجبار ہوگی، بالغہ پر نہیں ہوگی۔

احناف کے نزدیک ولایت اجبار میں لڑکے اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نابالغ پر ولایت اجبار ہے، لڑکا ہو یا لڑکی۔ بالغ پر ولایت اجبار نہیں ہے، وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس معاملہ میں لڑکی اور لڑکے میں فرق ہے۔ لڑکے میں ولایت اجبار بلوغ سے ختم ہو جاتی ہے اور لڑکی میں ثیبہ ہونے سے ولایت اجبار ختم ہوگی۔

اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کی دلیل حدیث نبوی ﷺ ہے: الأيم أحق بنفسها من وليها (مسلم ۱/۴۵۵) ان کے نزدیک "ایّم" سے مراد ثیبہ ہے۔ جب ثیبہ ولی کے مقابلہ میں اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ باکرہ اپنے نفس کی حقدار نہیں ہے، اس لئے

اس پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہوگی۔ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کنواری لڑکی خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ نکاح کا کوئی تجربہ نہیں رکھتی، اس لئے نکاح کا معاملہ اس کے حوالہ کردینا مناسب نہیں ہے، چنانچہ ولایت کا دارومدار اس کے باکرہ ہونے پر ہونا چاہئے۔

حنفیہ مفہوم مخالف کے قائل نہیں ہیں، اس لئے اس حدیث کے مفہوم مخالف سے استدلال کو درست نہیں سمجھتے۔

حنفیہ کی دلیل:

إن جارية بكرا أتت النبي ﷺ فذكرت أن أباها زوّجها وهي كارهة فخيّرها النبي ﷺ (ابن ماجہ/۱۳۵)۔

یہ صحابیہ باکرہ تھیں، ان کے والد نے ان کی ناپسندیدگی کے باوجود ان کی شادی کردی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو اختیار دے دیا۔اس سے معلوم ہوا کہ باکرہ اگر بالغ ہو تو اس پر ولی کو ولایت اجبار حاصل نہ ہوگی۔

لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن (بخاری۲/۷۷۱)۔

استیمار کے معنی مشورہ لینے کے ہیں جس میں زبانی اظہار خیال ضروری ہوتا ہے، اور استیذان کے معنی اجازت لینے کے ہیں جو دلالت حال سے بھی ممکن ہے۔بہرصورت باکرہ اور ثیبہ دونوں سے استیذان یا استیمار ضروری ہے۔ولی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ان کی مرضی کے بغیر ان کی شادی کردے۔اس حدیث سے باکرہ ہونے کو ولایت کی بنیاد بنانے کا تصور رد ہوجاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی کی ولایت میں کوئی فرق نہیں ہے۔بلوغ حد فاصل ہے، بلوغ سے قبل ولی کو اس پر ولایت اجبار حاصل ہوگی، بلوغ کے بعد ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی۔

(ب،ج) عاقلہ و بالغہ لڑکی ولی کی مرضی کے بغیر خود اپنا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر

اس نے خود اپنا نکاح کرلیا تو یہ شرعاً منعقد ہوا یا نہیں، ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار ہوگی یا نہیں، اور بعد میں ولی کی اجازت یا رد کا اس پر کیا اثر پڑے گا؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح خود کرسکتی ہے۔ اگر اس نے ولی کی مرضی کے بغیر کفو میں مہر مثل کے مطابق اپنا نکاح کرلیا تو نکاح صحیح و لازم ہوجائے گا۔ بعد میں ولی کی اجازت یا رد کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اس فعل سے یہ لڑکی گنہگار بھی نہیں ہوگی، اس لئے کہ شریعت کے عطا کردہ اختیار کو اس نے استعمال کیا ہے، کوئی ناجائز کام نہیں کیا ہے۔

بنیادی بات یہ ہے کہ عقل اور بلوغ کے بعد اپنے نفس کے تمام اختیارات کی وہ مالک ہوجاتی ہے، اپنے مال میں وہ اپنے اختیار سے تصرف کرسکتی ہے۔ اپنے شوہر کے انتخاب کا بھی اس کو حق حاصل ہے۔ اسی طرح وہ ولی کی مرضی کے بغیر بھی اپنے حسب خواہش اپنا نکاح کرسکتی ہے۔ یہ نکاح شرعاً درست ہوجائے گا اگر کفو میں مہر مثل کے مطابق ہوا ہو۔ اور ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار بھی نہیں ہوگی۔ البتہ بہتر اور مستحب طریقہ یہی ہے کہ اپنے ولی کو یہ معاملہ سپرد کردے اور ولی اس کی مرضی کے مطابق یہ کام انجام دے۔

سوال نمبر ۳: عاقلہ بالغہ لڑکی کے از خود نکاح کرلینے کی صورت میں اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ کیا اولیاء اس نکاح کو بذریعہ قاضی فسخ کراسکتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی نے ولی کی مرضی کے بغیر مہر مثل کے مطابق کفو میں اپنا نکاح کیا ہے تو ولی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے، البتہ غیر کفو میں کیا ہے یا مہر مثل سے کم میں کیا ہے تو اس میں فقہاء احناف کے متعدد اقوال ہیں، جن کا خلاصہ دو قول کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے:

پہلا قول جو ظاہر الروایہ بھی ہے، یہ ہے کہ اس نکاح پر اولیاء کو اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ قضاء قاضی کے ذریعہ ایسے نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں، کیونکہ غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم میں شادی کا ہونا ان کے لئے باعث عار ہے، البتہ اعتراض کا یہ حق اس وقت تک ہے جب تک لڑکی کو اس کے شوہر سے بچہ تولد نہ ہو جائے یا اس کا حمل ظاہر نہ ہو جائے۔ بچہ تولد ہونے یا حمل ظاہر ہونے کے بعد ولی کو اعتراض کا حق نہیں رہے گا، کیونکہ ایسی صورت میں بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوگا۔

دوسرا قول جو امام ابوحنیفہ سے حسن بن زیادؒ کی روایت ہے، یہ ہے کہ غیر کفو میں کیا ہوا ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا، لہذا فسخ کی ضرورت ہی نہیں ہے، اسی روایت پر فتوی ہے۔

تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے دونوں قول نقل کئے ہیں۔ بعض مقالہ نگار نے اس سلسلہ میں اپنی رائیں علیحدہ سے بھی دی ہیں جو درج ذیل ہیں:

مولانا ظفر عالم ندوی لکھتے ہیں کہ جہاں نظام قضاء موجود ہو وہاں غیر کفو کی صورت میں ظاہر الروایہ پر عمل ہونا چاہئے، اور جہاں نظام قضاء موجود نہیں ہے وہاں حسن بن زیادؒ کی روایت پر عمل ہونا چاہئے۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں کہ نکاح سے قبل حسن بن زیاد کی روایت پر فتوی دینا چاہئے اور نکاح کے بعد ظاہر الروایہ کے مطابق فتوی دینا چاہئے۔

مولانا مفتی محبوب علی وجیہی صاحب کی رائے ہے کہ اعتراض کی صورت میں قاضی حالات زمانہ کے مطابق فیصلہ کرے گا، اس لئے کہ بسا اوقات محض ضد اور انا کی خاطر اولیاء اعتراض کرتے ہیں جبکہ زوجین کے حق میں نکاح مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حسن بن زیادؒ کی روایت سے ان کو اتفاق نہیں ہے، کیونکہ جن آیات قرآنیہ میں عورت کو خود نکاح کرنے کا حق دیا گیا ہے ان سے یہ بات موافقت نہیں رکھتی ہے۔

مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا اسعد اللہ قاسمی اور جناب شمس پیرزادہ کے

نزدیک غیر کفو میں نکاح کی صورت میں اولیاء کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ وہ قاضی کے ذریعہ اس کو فسخ کرا سکتے ہیں، یہ حضرات کفاءت کا اعتبار نہیں کرتے۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی کی رائے یہ ہے کہ کسی زمانہ کی قدریں اولیاء کو اس طرح کے نکاح پر اعتراض اور قاضی کے ذریعہ فسخ کی اجازت دیتی رہی ہوں لیکن فی زمانہ اس میں خیر کی بہ نسبت شر کا پہلو غالب ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ غیر کفو میں شادی کی صورت میں فقہاء حنفیہ کے دو قول ہیں: پہلا قول ظاہر الروایہ ہے کہ اس صورت میں ولی کو حق فسخ حاصل ہوگا، وہ قاضی کے ذریعہ اس کو فسخ کرا سکتا ہے۔ دوسرا قول حسن بن زیادؒ کی روایت ہے جس پر فتوی بھی ہے کہ ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا، اس لئے ولی کو فسخ کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

نکاح میں ولایت کے مسائل

سوال نمبر ۴و۶

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی ☆

مسئلہ ولایت فی النکاح کے سوال نمبر ۴و۶ کے متعلق احقر کو عرض مسئلہ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

سوال نمبر ۴ کی تقریر یوں ہے: زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں کر دیا، لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو نکاح وہ فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں باپ و دادا کے کئے ہوئے نکاح اور دوسرے اولیاء کے کئے ہوئے نکاح کے حکم میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

اس سوال سے متعلق کل ۴۵ حضرات کے مقالات موصول ہوئے جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا اختر امام عادل، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ظفر عالم ندوی، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا

☆ پرنسپل وشیخ الحدیث، جامعہ دار العلوم مئو، مئو۔

عبدالرحمٰن پالنپوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا عبدالحنان، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا سید مصلح الدین، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا ابوالحسن علی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا شیر علی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ارشاد احمد مدنی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا روح الامین، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا مفتی محمد احسان، مولانا سراج الدین قاسمی، مفتی ضیاء الحسن قاسمی، مولانا محسن ربانی، مولانا قدرت اللہ باقوی، مفتی جمال الدین قاسمی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا محمد امین، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، ظفر الاسلام قاسمی، مولوی محمد اسعد، مولوی نوشاد عالم ندوی۔

مقالات کی فہرست میں مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب کا نام بھی ہے، مگر احقر کو وہ مقالہ موصول نہیں ہوا۔

بادیٔ النظر میں سوال نمبر ۴ کی پانچ شقیں نکلتی ہیں:

اول : باپ دادا کا کیا ہوا نکاح غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر۔

دوم: باپ دادا کا کیا ہوا نکاح جبکہ وہ سیئ الاختیار رہوں مہر مثل پر اور کفو میں۔

سوم: باپ دادا کا کیا ہوا نکاح جبکہ وہ معروف بسوء الاختیار رہوں مہر مثل سے کم پر اور غیر کفو میں۔

چہارم: باپ دادا کے علاوہ کا کیا ہوا نکاح مہر مثل اور کفو میں۔

پنجم: باپ دادا کے علاوہ کا کیا ہوا نکاح مہر مثل سے کم پر اور غیر کفو میں۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات اس پر متفق ہیں کہ پہلی اور دوسری صورت میں نکاح لازم اور نافذ ہو جائے گا، اسے خیار بلوغ نہ ملے گا، لیکن ایک اور رائے مولانا اسعد اللہ قاسمی صاحب کی بھی ہے، وہ یہ کہ انہیں بلوغ کے بعد خیار بلوغ تو نہ ملے گا لیکن اگر وہ اس نکاح سے مطمئن نہیں ہیں تو خلع یا طلاق علی المال کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ ارباب حل وعقد کو اس عدم اطمینان کی وجہ معلوم کرنی ہوگی، اگر عدم اطمینان کی وجہ یہ ہے کہ شوہر دیندار ہے اور وہ آوارہ ہے تو اس صورت

میں خلع وغیرہ کی گنجائش نہ ہوگی، ورنہ خلع کا چوپٹ دروازہ کھل جائے گا جو شرعی مقتضا کے خلاف ہے۔

تیسری صورت میں بعض نے باطل کہا ہے اور بعض نے فسخ نکاح کا قول کیا ہے۔ چوتھی صورت میں بالاتفاق خیار بلوغ کے قائل ہیں، جیسا کہ پانچویں صورت میں بالاتفاق بطلان نکاح کے قائل ہیں۔

جن حضرات نے باپ و دادا کے کیے ہوئے نکاح میں بھی خیار بلوغ کا حق دیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: بالکل فسخ کرا سکتی ہے، مگر موصوف نے اس پر کوئی دلیل نہیں دی۔ اصلاحی صاحب نے ایک اور مسئلہ اٹھایا ہے یعنی وہ ولایت کے سلسلہ میں ایسی گفتگو کر رہے ہیں جس سے ڈاکٹر صاحب کا ولایت کے متعلق کوئی واضح نظریہ معلوم نہیں ہوتا، آپ لکھتے ہیں: "نکاح کے لئے ولایت کو شرط قرار دیئے جانے کے سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ کوئی براہ راست نص نہیں ہے، بلکہ کوئی ایسی آیت یا کوئی صحیح حدیث بھی نہیں ہے جو اس بات پر بالکل ظاہر ہو، جن آیات و احادیث سے اس سلسلہ میں استدلال کیا جاتا ہے ان کے اندر عدم اشتراط کے معنی کا پورا پورا احتمال ہے، یہ صحیح ہے کہ بعض احادیث ولایت کے معنی میں ہیں لیکن ان کی صحت کے بارے میں کلام کیا گیا ہے"۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ "مندرجہ بالا تمہید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ولایت کا نظام غیر شرعی یا غیر مفید ہے، بیشک اس کی ضرورت کے لئے شرعی و عقلی دلائل ہیں"۔ موصوف اگر شرعی کی وضاحت کر دیتے تو اچھا ہوتا اور ممکن تھا کہ اس کی سرحدیں جمہور کی سرحدوں سے جا ملتیں، نیز اگر "ویستفتونک في النساء قل الله یفتیکم فیھنّ" (سورۂ نساء: ۱۲۷) کا شان نزول دیکھا جائے تو ولایت کا ثبوت ہو جاتا ہے، پھر یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول "النکاح إلی العصبات"، بھی تو اسی کا مؤید ہے، پھر یہ کہ "فلا تعضلوھنّ" سے خطاب اولیاء ہی کو تو ہے،

تفسیر ابی سعود میں ہے: "المراد المنع والخطاب، إما للأولياء إنها نزلت في معقل بن يسار حين عضل أخته أن ترجع إلى زوجها الأول بالنكاح" (تفسیر ابی سعود علی تفسیر کبیر ۱/ ۴۶۴)۔ تفسیر مظہری (۱/ ۲۴۶) میں ہے: "المخاطب به الأولياء"۔ نیز تفسیر معالم التنزیل (۱/ ۲۱۰۔۲۱۱) میں ہے: لا تمنعوهنّ عن النكاح........وفي الآية دليل على أن المرأة لا تلي عقد النكاح ......ولا لنهي الولي عن العضل معنى ۔معلوم ہوا کہ اسے ولایت کا حق حاصل تھا جب ہی تو اسے منع کیا جا رہا ہے، اگر یہ حق حاصل نہ ہوتا اور پھر رد کیا جاتا تو یہ نفی ہوتی نہ کہ نہی۔

اسی طرح مولانا فیاض عالم صاحب قاسمی اور شمس پیرزادہ صاحب نے بھی خیار بلوغ دیئے جانے کا قول کیا ہے مگر اپنے مدعا پر کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ شمس پیرزادہ صاحب نے ایک اور مسئلہ اٹھایا ہے، لکھتے ہیں: "اول تو نابالغہ کا نکاح کرنے کے لئے ہی کوئی وجہ جواز نہیں"۔

مولانا ارشاد احمد مدنی صاحب بھی خیار بلوغ کے قائل ہیں، آپ لکھتے ہیں: "خیار بلوغ کے بارے میں اس استثناء کی بنیاد کسی آیت یا کسی صحیح حدیث یا کسی مسلمہ شرعی اصول پر نہیں ہے، اس کا تمام تر مدار اس خیال پر ہے کہ باپ دادا ایک طرف اپنی اولاد کے حق میں انتہائی شفیق اور سچے خیر خواہ ہوتے ہیں اور دوسری طرف جہاندیدہ، پختہ کار اور صاحب نظر بھی ہوتے ہیں۔ بلاشبہ اس میں خاصا وزن ہے لیکن یہ وزن اتنا زیادہ بھی نہیں کہ اس خیال یا رائے کو ایک مسلمہ اور دائمی کلیہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے"۔

مولانا جمال الدین قاسمی صاحب بھی مذکورہ حضرات ہی کی تائید کرتے ہیں، اور اب و جد اور غیر اب وجد میں کوئی تمیز نہیں کرتے، وہ صرف یہ کہہ کر گذر گئے ہیں کہ جو حضرات اس میں فرق کے قائل ہیں ان کے پاس نص نہیں، صرف زمانے کے حالات ہیں۔ موصوف نے نص و صحیح حدیث نہ ہونے کی بنیاد پر جمہور فقہاء وائمہ مجتہدین کے اقوال کو درخور اعتنا نہیں سمجھا، حالانکہ ان کے دعوی کی تائید بھی تو کسی نص اور صریح حدیث سے نہیں ہوتی۔

مولانا خورشید احمد اعظمی کی ابتدائی تحریر تو اس کی جانب مشیر ہے کہ باپ و دادا کے بحالت نابالغی کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا لیکن دوسرے صفحہ پر یہ تحریر بھی موجود ہے: ''ورنہ یہ بات کچھ عجیب سی لگتی ہے کہ نکاح میں انتظام مصالح کو اہمیت بلکہ بنیاد بنایا گیا ہے، پھر بھی لڑکی اپنے انتخاب سے عرفی غیر کفو میں نکاح کرلے تو عورت کے اولیاء کو اعتراض و فسخ کا حق حاصل ہو، اور اگر باپ دادا صغیرہ کا نکاح غیر کفو میں کردیں تو وہ نافذ ہو''۔ اس سے تو اولاً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ موصوف کی تحریر میں اضطراب ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ کی نگاہ شاید اس پر نہیں گئی کہ کفو کس کا حق ہے۔ ظاہر ہے جس کا حق ہوگا وہی اعتراض بھی کرے گا، اور اگر اعتراض نہیں کرتا تو وہ اپنے حق سے دستبردار ہورہا ہے۔

والدليل عليه ثبوت حق الاعتراض للأولياء إذا وضعت نفسها في غير كفء (مبسوط للسرخسی ۱۱/۵)۔

وإذا زوّجت نفسها من غير كفء فقد ألحقت الضرر بالأولياء، فيثبت لهم حق الاعتراض لدفع الضرر عن أنفسهم (مبسوط للسرخسی ۱۳/۵)۔

مولانا سراج الدین قاسمی صاحب بھی خیار بلوغ دیئے جانے کے قائل نہیں، اور اپنے مدعا پر قاضی شریح کے اس فتوے کا سہارا لیا ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ (۱۱۴/۴) میں بایں الفاظ ''**إذا زوّج الرجل ابنه أو ابنته فالخيار لهما إذا شبّا**'' ہے۔ نیز قاضی صاحب کی تائید میں مولانا مذکور نے ایک حدیث پیش کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی حضرت امامہؓ کا نکاح نابالغی کے زمانہ میں کیا اور جب وہ بالغ ہوئیں تو ان کے لئے خیار بلوغ باقی رکھا، **وجعل لها الخيار إذا بلغت** (فقہ السنۃ ۱۳۰/۲)۔

احقر کے خیال میں قاضی شریح کا فتوی تو صرف ان کے لئے مؤید بن سکتا ہے نہ کہ مخالف پر حجت۔ نیز نقل کردہ حدیث ان کے دعوی کا ساتھ نہیں دے رہی ہے، یہ تو جمہور فقہاء ومجتہدین کی مؤید ہے۔

مولانا اختر امام عادل صاحب، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مفتی اسماعیل بھدکوروی صاحب نے اپنی کوئی رائے نہیں دی۔ان کے علاوہ تمام مقالہ نگاروں نے خیاربلوغ نہ دیئے جانے کا قول کیاہے، بندہ کی بھی یہی رائے ہے۔

مولانا محسن ربانی صاحب ایران تحریر فرماتے ہیں "روایات خاصة فقد ذكرت صحيحة عن عبد الله بن الصلت، قال: سألت الصادق ﷺ عن الجارية يزوجها أبوها: لها امر إذا بلغت؟ قال: لا" (حضرت عبد اللہ بن الصلتؓ نے حضور ﷺ سے اس صغیرہ کو خیاربلوغ دیئے جانے کے متعلق دریافت کیا جس کا نکاح اس کے باپ نے بحالت نابالغی کیا تھا تو آپ نے فرمایا: نہیں)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب تحریر فرماتے ہیں وليس للصغيرة حق الاعتراض والمطالبة بفسخ الزواج حتى ولو كان بمهر فيه غبن فاحش.....ولا يثبت فيه خيار لأن الأب والجد كامل الرأى، وافر الشفقة، فيلزم العقد بمباشرتهما إذا باشراه برضا الصبي والصبية بعد البلوغ۔تقریباً سارے ہی مانعین خیار حضرات نے فقہاء ومجتہدین کے اقوال وآراء پر جو عالمگیری، درمختار، ردالمحتار، قاضی خاں وغیرہ میں موجود ہیں، اپنے اس دعوی کی بنیاد رکھی ہے۔

اگر "إن رجلا زوّج ابنته بكرا فكرهت فأتت النبي ﷺ فردّ نكاحها"۔ یا "إن جارية بكرا أتت النبي ﷺ فقالت: إن أبي زوّجني وهي كارهة فردّ نكاحها" کو مسلک احناف پر رد قرار دیا جائے تو اولاً صغر سنی ثابت کرنی ہوگی، صرف لفظ باکرہ سے اس پر دلالت نہ ہوگی، کیوں کہ باکرہ بلوغ وعدم بلوغ دونوں کی صفت بن سکتی ہے۔نیز مشکوۃ شریف میں جہاں یہ حدیث منقول ہے، بین السطور میں بکراً کے لفظ پر وھی بالغة بھی موجود ہے، نیز اس کا حاشیہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔بذل المجہود (۱۰/۱۰۲) میں بھی بکراً کے بعد بالغة کی صراحت ہے۔

ثیبہ کے خیار میں اب وغیر اب کے حکم پر اس حدیث کو حجت بنایا جاسکتا ہے جو آپ ﷺ سے اس طرح ثابت ہے: " أنت ومالك لأبيك" ۔ ابن قدامہ حنبلی اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں: **وإثبات ولاية الموهوب له على الهبة أولى من العكس** (المغنی لابن قدامہ ۷/۳۴۶)۔ نیز جمہور علماء کا اجماع اس بات پر ہے کہ باپ کا حکم واجب الاتباع اور قابل عمل ہوگا، بشرطیکہ اس سے کوئی نص یا سنت مطہرہ متعارض نہ ہو۔ خیار بلوغ ملنے پر اس باپ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے یا اس باپ کی تکلیف کا کیا مداوا ہوسکتا ہے جس باپ کے لئے نص " **ولا تقل لهما أف ولا تنهرهما**" وارد ہوئی ہے، اور یہ تکلیف خیار بلوغ کے بعد بدر جہا بڑھی ہوئی ہے۔

اگر خیار مل جائے تو بہت سارے مفاسد کا باب کھل جائے گا، ان میں سے ایک یہ کہ وہ لڑکی مغربی تہذیب کی دلدادہ ہو کر صرف اپنی ہوس پوری کرنے کی خاطر کسی اور سے شادی رچالے گی، نیز لڑکے کو اس خیار سے مادی فائدہ بایں طور پہنچ سکتا ہے کہ کوئی صرف اس بنیاد پر کہ اسے خیار بلوغ مل چکا ہے لالچ دے کر اپنی لڑکی کا رشتہ کر ڈالے گا، یا وہ خود اپنی حرص و لالچ کے باعث اس طرح کا اقدام کر بیٹھے گا، پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زوجۂ اولی کو **کالمعلقة** بنا ڈالے، یا پھر اس پر فتن دور میں وہ بچی جو اپنے میکے سے کافی ساز و سامان لے کر آئی ہو اس کی موجودگی میں زوجۂ اولی کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ اس صورت میں زوجین کے بیچ دن بدن اختلافات کشیدہ ہوتے چلے جائیں گے، اور معلوم نہیں کس حد تک جا پہونچیں گے جو سماجیات کے ماہرین پر مخفی نہیں۔ ساری وصیتیں، سارے حقوق جو اپنے مفاد میں ہوں وہ تو لڑکا حاصل کرے اور تسلیم کرے اور باپ کا یہ حق ختم کردے جو ولایت کا ہے، جس باپ کی ابوۃ ثابت کرنے کے لئے شریعت نے استبراء رحم ضروری قرار دیا تاکہ اختلاط الماء بالماء کی صورت میں اشتباہ فی النسب نہ ہو۔

ایک بہت بڑا مسئلہ یہ پیدا ہو جائے گا کہ باپ باپ ہوتے ہوئے مسلوب الولایۃ ہے جسے ولایت جبر و استبداد حاصل تھی، دوسری پریشانی یہ کہ ایسے زوجین کے درمیان جن کے ذہنوں میں یہ بات رچ بس چکی ہے کہ بلوغ کے بعد تو خیار ملنا ہی ہے، ایسے پاکیزہ رشتے میں کون سی

خیرخواہی پیدا ہوگی، یا دونوں ایک دوسرے کے کتنے خیرخواہ ہوسکتے ہیں؟
خیار بلوغ ملنے کی صورت میں باپ کو اس کے حق سے گھٹانا اور صغیر وصغیرہ کو ان کے حق سے بڑھانا لازم آئے گا۔
میری ناقص رائے میں جب باپ نے نکاح کیا تھا تو اس صغیر وصغیرہ کو کچھ بھی اختیار نہ تھا، اس کے سبھی قائل ہوں گے، تو پھر کیوں نہ ایسا ہو کہ متقدمین احناف مثلاً ابومنصور ماتریدی، ابوزید دبوسی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی نے جسے حجت قرار دیا ہے اور بہت سارے فقہی اصول کی بنیاد بھی اسی پر ہے، اسے اپنا لیا جائے، اور وہ ہے استصحاب جس کی تعریف بحوالہ ''کشف الأ ستار'' یوں ہے: **الحکم بثبوت أمر في الزمان الثاني بناء علی أنه کان ثابتاً في الزمان الأول** (موجودہ زمانہ میں کسی امر کے ثبوت کا حکم اس لئے دینا کہ زمانہ ماضی میں یہ امر ثابت تھا)، لہذا نابالغ ونابالغہ کو بعد البلوغ صرف اس وجہ سے کہ یہ رشتہ اس کے باپ یا دادا کا کیا ہوا ہے خیار بلوغ ملنا چاہئے، احقر اس کے حق میں نہیں۔ہاں جہاں گنجائش مل سکتی ہے شریعت نے تو خود ہی اس میں توسع رکھی ہے جیسا کہ جواب نمبر ۲ سے ظاہر ہے۔
سوال نمبر ٦ کے بھی ۴۵ جوابات موصول ہوئے جن میں مولانا اخلاق الرحمٰن صاحب، شمس پیرزادہ، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی نے ماجن فاسق معتک کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے، بقیہ سارے مقالہ نگار حضرات نے اس کی تشریح کی ہے۔
جن حضرات نے معروف بسوء الاختیار کے لئے پہلے ایک بے جوڑ رشتہ ہونا ضروری قرار دیا ہے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:
مولانا سید مصلح الدین بڑودوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد احسان، مولانا اختر امام عادل، مولانا خورشید احمد اعظمی، اور مولانا اسعد اللہ قاسمی، مفتی ضیاء الحسن قاسمی صاحب نے سکوت فرمایا ہے۔
مذکورہ حضرات کے علاوہ سبھی مقالہ نگار حضرات معروف بسوء الاختیار کے اثبات کے

لئے صرف تحقق سوء اختیار کے قائل ہیں، یہ تحقق جس طرح بھی ہو جائے۔ راقم سطور کا بھی رجحان اسی جانب ہے کیوں کہ معروف بسوء الاختیار کا تحقق تو اول وہلہ میں بھی بایں طور ہو سکتا ہے کہ کسی کا کوئی رشتہ دار جیل میں ہے اور باپ نے اپنے اس رشتہ دار کو جیل سے رہا کرانے کی خاطر اپنی لڑکی کا نکاح دانستہ کسی شرابی جواری یا ظالم سے کر دیا تا کہ اس کے مہر سے اس رشتہ دار کو چھڑا لے، تو یہاں اول وہلہ ہی میں معروف بسوء الاختیار بن گیا جبکہ اس کے قبل اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا جس کی بنیاد پر اب اسے معروف بسوء الاختیار کہا جائے۔

مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مفتی محمد احسان، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوالحسن علی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا جمال الدین قاسمی صاحب نے معروف بسوء الاختیار کے کئے ہوئے نکاح کو باطل قرار دیا ہے، جبکہ بیشتر مقالہ نگار حضرات نے فسخ نکاح کا قول کیا ہے۔ احقر کے خیال میں معروف بسوء الاختیار کی صورت میں اگر نکاح کو باطل قرار دے دیا جائے تو فریقین میں سے کوئی ایک بلا ضرورت شرعی فائدہ حاصل کر سکتا ہے، نیز لامرکزیت اور انتشار کے بھی پائے جانے کا وہم ہے، اس لئے جن حضرات نے جن میں خود راقم بھی ہے فسخ نکاح کا قول کیا ہے اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ قاضی مرافعہ کے بعد ثبوت وشہادت لے کر اس نکاح کو فسخ کر دے گا، نیز اس کی تائید ذخیرہ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے جس میں باطل بمعنی "سیبطل" کہا گیا ہے، فتاویٰ ظہیریہ میں بھی اسی طرح ہے، لیکن یہ جواب تو وہاں درست ہو سکتا ہے جہاں نظام قضاء یا شرعی پنچایت کا نظم ہو۔ لیکن جہاں اس طرح کا کوئی نظم نہ ہو اس حقیر کی رائے یہ ہے کہ زوجین کے خاندان کے کچھ ایسے افراد کو جو متدین اور صائب الرائے ہوں حکم بنا کر یہ کام لیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

نکاح میں ولایت کے مسائل

سوال نمبر ۵

مولانا اختر امام عادل☆

سوال نمبر ۵ کے تحت بنیادی طور پر دو مسائل زیر بحث ہیں:

۱-ایک مسئلہ یہ ہے کہ خیار بلوغ کا حق لڑکی کو کب تک حاصل رہتا ہے اور کب ساقط ہوجاتا ہے؟

۲-اور دوسرا مسئلہ ہے قریب تر ولی کی زندگی اور موجودگی میں نسبۃً دور کا ولی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردے تو کیا حکم ہے؟

پھر ان میں سے ہر مسئلہ کئی بحث طلب نکات رکھتا ہے، جن پر مقالہ نگاروں نے گفتگو کی ہے، اس لئے ان دونوں مسئلوں کو الگ الگ پیش کیا جاتا ہے۔

۱-خیار بلوغ کی توقیت:

مسئلہ ولایت پر ۴۴ علماء اور دو طلباء نے اپنے مقالات تحریر کئے ہیں۔ ان میں سے اکثر مقالہ نگاروں نے اس سوال پر بھی اظہار خیال کیا ہے، البتہ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اور مفتی محمد اسماعیل صاحب نے اس سوال سے تعرض نہیں کیا ہے، بلکہ مسئلہ ولایت پر

☆ بانی و مہتمم جامعہ ربانی، منوروا شریف، سمستی پور۔

صرف اصولی اور بنیادی گفتگو پر اکتفا کیا ہے۔

اسی طرح جناب مولانا حسن محمد تقی الجواہری کے یہاں بھی یہ مسئلہ زیر بحث نہیں آیا، اس لئے کہ ان کے نزدیک باپ اور دادا کے علاوہ کسی کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہے، اور باپ دادا کا کیا ہوا نکاح ان کے نزدیک لازم اور نا قابل فسخ ہے، اس لئے خیار بلوغ کا مسئلہ ان کے نزدیک موضوع بحث بنتا۔

حنفیہ کے یہاں بھی یہ مسئلہ باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح سے نہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر اولیاء کے نکاح سے متعلق ہے، اس طرح اس مرحلے میں دونوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

جناب مولانا یعقوب اسماعیل منشی کا مقالہ مجھے دستیاب نہ ہو سکا۔

اس مسئلہ میں بنیادی طور پر تین نکات بحث طلب ہیں:

الف: خیار بلوغ کے معاملہ میں لڑکا اور لڑکی اور باکرہ اور ثیبہ کے درمیان فرق ہے یا نہیں؟

ب: باکرہ لڑکی کو خیار بلوغ کا حق کب تک حاصل ہے؟

ج: ہندوستان میں کسی لڑکی کے لئے مسئلہ خیار بلوغ سے ناواقفیت عذر شرعی بن سکتی ہے یا نہیں؟

(الف) لڑکا اور لڑکی اور باکرہ اور ثیبہ کے درمیان فرق:

مقالہ نگاروں کی اکثریت فرق کو تسلیم کرتی ہے، لڑکا اور ثیبہ لڑکی کے بارے میں اکثر مقالہ نگاروں نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ان کا خیار بلوغ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ وہ صراحۃً یا دلالۃً اظہار رضامندی نہ کر دیں، خواہ مجلس بلوغ وعلم میں ہو یا اس کے بعد، باکرہ لڑکی کے حکم میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، مگر اکثریت کے درمیان یہ قدر مشترک ہے کہ اس کا حکم لڑکا اور ثیبہ لڑکی سے الگ ہے۔

صرف تین مقالہ نگار جناب مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، اور ڈاکٹر

ظفر الاسلام صاحبان نے اس فرق کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، مؤخر الذکر ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب کے نزدیک تو لڑکا اور لڑکی میں بھی فرق نہیں ہے، اور دونوں کا خیار بلوغ، سکوت یا رضامندی پر دلالت کرنے والے کسی عمل سے باطل ہو جاتا ہے۔

مولانا فیاض عالم قاسمی اور مولانا ظفر عالم ندوی باکرہ اور ثیبہ میں فرق کے قائل نہیں ہیں، اور دونوں کے خیار بلوغ کے سقوط کے لئے صراحۃً یا دلالۃً اظہار رضامندی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ کی بنیاد کسی نص پر نہیں بلکہ محض قیاس واجتہاد پر ہے، یعنی عرف وحالات کے مطابق یہ امتیاز قائم کیا گیا ہے، لیکن آج عرف اور حالات متغیر ہو چکے ہیں، اس لئے آج کے تناظر میں لڑکا، لڑکی، باکرہ اور ثیبہ سب کے حق میں خیار بلوغ کے سقوط کے لئے صراحۃً یا دلالۃً اظہار رضامندی ضروری ہے۔

مگر جمہور کے خیال کی بنیاد درج ذیل چیزیں ہیں:

۱- اس مسئلہ کی بنا اگر چہ براہ راست نص پر نہیں ہے، مگر نص سے الگ بھی نہیں ہے، نکاح ہی کے ابتدائی مراحل میں نص کے ذریعہ عورت، مرد اور باکرہ و ثیبہ کے مزاج کا جو فرق سمجھ میں آتا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ یہ فرق دیگر مواقع پر بھی ملحوظ ہو، بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن، قالوا: كيف إذنها، قال: أن تسكت (بخاری ۲؍۷۷۱) (ثیبہ عورت کا نکاح نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس سے مشورہ نہ کرلیا جائے اور باکرہ عورت کا نکاح نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس سے اجازت نہ لی جائے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی اجازت کیسی ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے)۔

ایک روایت حضرت عائشہؓ کی ہے:

قالت: يا رسول الله! إن البكر تستحيي، قال: رضاها صمتها(بخاری ۲/۱۰۷۷)(حضرت عائشہؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ باکرہ لڑکی تو اپنی پسند بتانے میں شرمائے گی، تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اس کی خاموشی اس کی پسند ہے)۔

اس نص میں پسند و ناپسند اور رد و قبول کے طریقۂ اظہار میں ثیبہ و باکرہ کے درمیان فرق کیا گیا ہے، اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ اس فرق کی بنیاد کسی نص پر نہیں ہے۔

۲- ابتدائے نکاح میں پسند و ناپسند کا طریقۂ اظہار منصوص اور متفق علیہ ہے، اس لئے خیار بلوغ کے مرحلے کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے، شامی لکھتے ہیں:

وغاية الأمر كون هذه الحالة كحالة ابتداء النكاح(شامی ۲/۳۳۵)۔

کیونکہ خیار بلوغ کا مرحلہ اگرچہ بقاء نکاح کا مرحلہ ہے، لیکن اگر نکاح کی حقیقت، مقاصد اور زوجین کی حیثیت پر نگاہ کی جائے تو نکاح کا حقیقی آغاز زوجین کے بلوغ کے بعد ہی ہوتا ہے، اس طرح اس حقیقی آغاز کو عرفی آغاز سمجھا جاسکتا ہے۔

۳- ماضی میں کسی فقیہ کے یہاں یہ تصور نہیں ملتا، جس میں مرد و عورت اور باکرہ و ثیبہ کا فرق بالکل مٹا دیا گیا ہو۔

۴- علاوہ ازیں عرف میں اس درجہ تبدیلی کی بات بھی خلاف واقعہ ہے، ممکن ہے کسی خاص عرف میں ایسی بات ہو، مگر عرف عام میں آج بھی ایک عورت مرد کے مقابلے میں، اور ایک باکرہ ثیبہ کے مقابلے میں زیادہ حیادار اور کم سخن سمجھی جاتی ہے، اور مسائل و احکام میں عرف خاص کے بالمقابل عرف عام زیادہ قابل لحاظ ہوتا ہے۔

ان وجوہ کے پیش نظر جمہور کا موقف زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔

ب- باکرہ کے لئے خیار بلوغ:

بحث کا دوسرا معرکۃ الآراء نکتہ یہ ہے کہ باکرہ لڑکی کو خیار بلوغ کا حق کب تک حاصل رہے گا؟

مقالات میں اس کے تعلق سے پانچ رائیں ملتی ہیں:

۱-ایک رائے جس کو اکثر مقالہ نگاروں نے اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ باکرہ لڑکی کو اگر نکاح کا علم ہے تو بلوغ کے فوراً بعد تک، اور علم نہیں ہے تو علم ہونے کے فوراً بعد تک خیار بلوغ کا حق رہے گا، بلوغ یا علم کے بعد تھوڑا بھی توقف وسکوت اس کے حق خیار کو ساقط کردے گا، بشرطیکہ اس کو بولنے اور رد کرنے کا اختیار حاصل ہو، اگر اختیار حاصل نہ ہو اور بولنے اور رد کرنے سے مانع کوئی عذر در پیش ہو، تو عذر کے ختم ہونے اور اختیار کے حاصل ہونے تک اس کو خیار بلوغ حاصل رہے گا، اسی طرح نکاح سے متعلق ضروری تحقیقات سے بھی خیار باطل نہ ہوگا۔

اس رائے کی بنیاد فقہاء کی تصریحات پر ہے، عام طور پر کتب فقہیہ میں اس قسم کی عبارتیں ملتی ہیں:

وبطل خيار البكر بالسكوت لو مختارة عالمة بأصل النكاح، فلو سألت عن قدر المهر قبل الخلوة أو عن الزوج أو سلّمت على الشهود لم يبطل خيارها.... ولايمتد إلى آخر المجلس، وإن جهلت به لتفرغها للعلم (درمختار مع رد المحتار ۲/ ۳۴۱-۳۴۲ ،وکذا فی الہدایہ ۲/ ۲۹۷،عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۳/ ۲۷۲)۔

فقہاء حنفیہ کے یہاں اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ خصاف کے نزدیک باکرہ لڑکی کا خیار بلوغ اختتام مجلس تک باقی رہتا ہے (شرح وقایہ ۲/ ۲۹۷)۔

دوسری بنیاد یہ ہے کہ خیار بلوغ کو ابتداء عقد نکاح پر قیاس کیا گیا ہے، اس لئے کہ جس طرح بالغ افراد کی پسند وناپسند ابتدائے عقد میں اہمیت رکھتی ہے اسی طرح نابالغ افراد کی پسند وناپسند بعد بلوغ اہمیت رکھتی ہے، اس لئے پسند وناپسند جاننے کا جو معیار ابتدائے عقد کے وقت منصوص ہے وہی معیار خیار بلوغ کے وقت بھی برقرار رہے گا، اور بالغہ باکرہ لڑکی کی پسند آغاز عقد میں محض اس کی خاموشی مانی گئی ہے، اس لئے خیار بلوغ کے مرحلے میں بھی اس کی بلاعذر خاموشی اس کی رضامندی مانی جائے گی، اور خیار باطل قرار پائے گا، ابن عابدین کی اس عبارت میں اسی

کاخلاصہ پیش کیا گیا ہے:

وغاية الأمر كون هذه الحالة كحالة ابتداء النكاح (ردالمحتار ۲/۳۳۵)۔

۲-دوسری رائے یہ ہے کہ ثیبہ نابالغہ کی طرح باکرہ نابالغہ کو بھی خیار بلوغ اس وقت تک حاصل رہے گا، جب تک کہ وہ صراحت سے یا دلالت حال سے اپنی رضامندی کا اظہار نہ کردے، مجلس کی کوئی قید نہیں ہے، اس رائے کو مولانا فیاض عالم قاسمی اور مولانا ظفر عالم ندوی نے اختیار کیا ہے۔

اس رائے کی بنیاد دراصل اس تصور پر ہے کہ یہ مسئلہ منصوص نہیں ہے، بلکہ محض قیاسی اور عرفی ہے، اس لئے آج کے بدلے ہوئے عرف میں باکرہ اور ثیبہ کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں کیا جاسکتا۔

مگر اس تصور کی کمزوری اس سے قبل بیان کی جاچکی ہے۔

۳- تیسری رائے جناب شمس پیرزادہ صاحب کی ہے، ان کے نزدیک خیار بلوغ کا حق لڑکی کو اس وقت تک حاصل ہوتا ہے، جب تک کہ وہ معاملہ کو اچھی طرح نہ سمجھ لے، یا جب تک شوہر اس سے مباشرت نہ کرلے۔

مگر اس خیال میں بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں ابہام ہے، معاملہ کو اچھی طرح سمجھنے کی کیا حد ہوگی؟ اور اس کے لئے کتنی مدت درکار ہوگی؟ ''شوہر سے مباشرت'' کو حد مقرر کرنا بھی کافی وسعت رکھتا ہے، اگر کسی لڑکی کو مہینوں برسوں اس کی نوبت نہ آئے تو اس کے مطابق خیار کی گنجائش رہے گی؟ دراصل اس طرح کے معاملات کو توسیع دینا نکاح کے دائرے کو تنگ کرنا ہے، اصولی طور پر جب ایک چیز ضرورت یا مجبوری کی بناپر وجود میں آگئی تو اس کا موجود رہنا ہی اصل ہے، اور اس کے فسخ کا اختیار احتمال نقص کی بناپر ہے۔لیکن اس احتمال کو اس قدر اہمیت دینا کہ اصل ہی کمزور پڑجائے ''قلب موضوع'' ہے۔

۴-چوتھی رائے جناب عبدالعظیم اصلاحی صاحب کی ہے، ان کے نزدیک خیار بلوغ کا

حق لڑکی کو علامت بلوغ یعنی پہلی بار رؤیت دم کے وقت حاصل ہوتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ دوسرے حیض کے آنے تک رہنا چاہئے، یا اس سے پہلے اس کے کسی عمل سے قبولیت وموافقت کا اظہار ہوجائے۔

لیکن یہ بھی محض ایک خیال ہے، جس کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ کی حد دوسرا حیض مقرر کرنے کی بنیاد کیا ہے؟ تیسرا یا چوتھا حیض کیوں نہیں ہوسکتا؟ یا پہلے حیض ہی کا اختتام، یا پہلے حیض کے متصل طہر کے چند ایام کیوں حد نہیں بن سکتے؟

غرض اصلاحی صاحب نے اپنے خیال سے جو حد مقرر کی ہے، اس کی نہ کوئی ٹھوس بنیاد ہے اور نہ اس کی کوئی نظیر ماضی کے کسی مستند فقیہ کے یہاں ملتی ہے۔

مذکورہ بالا تمام آراء اور ان کے دلائل کے تجزیے سے جمہور کی بات ہی مضبوط نظر آتی ہے، جو نمبر ا پر بیان کی گئی۔

ج- ہندوستان میں کسی لڑکی کے لئے مسئلہ خیار بلوغ سے ناواقفیت عذر شرعی بن سکتی ہے یا نہیں؟

یہ اس بحث کا تیسرا اور آخری نکتہ ہے، بسا اوقات نابالغ لڑکیوں کو یہ علم نہیں ہوتا کہ بلوغ کے بعد ان کو خیار بلوغ بھی حاصل ہے، بالخصوص ان گھرانوں میں جہاں علم دین کی بو باس نہیں ہوتی، تو اگر اس جہالت کی بنا پر کوئی لڑکی اپنا حق خیار استعمال نہ کرسکے، تو یہ ان کے حق میں عذر شرعی قرار پائے گا یا نہیں؟ اور اس کا خیار بلوغ باقی رہے گا یا ساقط ہوجائے گا؟

مقالات میں اس سلسلہ میں دو نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں:

۱- ایک مشہور نقطۂ نظر جس کو زیادہ تر علماء، فقہاء اور مقالہ نگاروں نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ آزاد مسلم گھرانوں میں یہ کوئی عذر شرعی نہیں ہے، اور اس کی بنا پر لڑکی کا خیار بلوغ باقی نہیں رہے گا، بشرطیکہ دار، دار العلم ہو، یعنی ایسا ملک ہو جہاں علم دین کا چرچا ہو، اور علماء وفقہاء اور مسائل جاننے اور بتانے والے بآسانی میسر ہوں، اس لحاظ سے ہمارا ملک ہندوستان دار العلم

ہے، اس لئے کہ صدیوں یہاں اسلامی حکومت رہی ہے، اور آج بھی اسلامی حکومت کے آثار یہاں باقی ہیں، بیشمار مدارس، علماء اور نشریاتی ادارے یہاں قائم ہیں، اردو، ہندی، انگریزی، اور دیگر مقامی زبانوں میں مسائل و احکام کی کتابیں دستیاب ہیں، مسلم پرسنل لاء جیسی حکومت کی اجازت یافتہ تنظیم قائم ہے، مختلف ریاستوں میں امارات، دار القضاء، دارالافتاء اور محکمہ جات شرعیہ کا نظام موجود ہے، غرض ہر جانب علم کا چرچا ہے، ایسے ماحول اور حالات میں بھی کوئی گھرانہ یا لڑکی علم دین کی نعمت سے محروم ہو تو اسے مجرمانہ غفلت و کوتاہی ہی قرار دیا جاسکتا ہے، اور اس کی بنا پر مسائل میں کوئی رعایت نہیں مل سکتی۔

مقالہ نگاروں نے اگرچہ اتنی وضاحت سے کام نہیں لیا ہے، مگر ان کا مقصد اور بحث کی روح اور خلاصہ یہی ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تائید فقہاء کی ان تصریحات سے ہوتی ہے، جن میں کسی مملکت کے اسلامی یا علمی مملکت ہونے کی صورت میں آزاد عورتوں کی جہالت کو عذر تسلیم نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ دار العلم میں آزاد عورتیں طلب علم کے لئے وقت نکال سکتی ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

"ولم يشترط العلم بالخيار، لأنها تتفرغ لمعرفة أحكام الشرع، والدار دارالعلم فلم تعذر بالجهل" (ہدایہ ۲/۳۱۷)۔

تقریباً تمام ہی کتب فقہیہ میں اس طرح کی عبارتیں موجود ہیں، اگر ان تمام عبارتوں کا پوری گہرائی اور حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو جہالت کے عذر نہ قرار پانے کی علت دار الاسلام نہیں بلکہ دار العلم ہونا قرار پاتی ہے، اور جن فقہاء کے یہاں دار الاسلام کی تعبیر آئی ہے، ان کی غرض بھی یہی دار العلم ہے، اس لئے کہ اسلامی مملکت میں علوم اسلامیہ کا حصول کسی غیر مسلم مملکت کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے، آج اس ہندوستان کو دیکھئے کہ کیا یہاں طلب علم کے امکانات و مواقع کسی مسلم مملکت سے کم ہیں؟ اور کیا ایسی صورت میں یہاں جہالت عذر قرار پاسکے گی؟

۲- دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہندوستان دار الکفر ہے، اور یہ حکم دار الاسلام کے لئے

ہے، اس لئے ہندوستان میں مسئلہ سے ناواقفیت کوعذر قرار دینا چاہئے۔اور اگر کوئی کنواری لڑکی اپنی جہالت کی بنا پر حق خیار کا بروقت استعمال نہ کرسکے، یا لاعلمی میں کوئی ایسا عمل کرلے جس سے خیار باطل ہوجاتا ہو، تو اس کو معذور قرار دیتے ہوئے اس کا خیار بلوغ باقی ماننا چاہئے، اس نقطۂ نظر کے حامل مقالہ نگاروں کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا جمال الدین قاسمی، مولوی نوشاد عالم ندوی۔

مفتی جمیل احمد نذیری نے کوئی قطعی رائے پیش کرنے کے بجائے اس تعلق سے علماء و فقہاء کوغور کرنے کی دعوت دی ہے، اس نقطۂ نظر کے حامل علماء کا استدلال یہ ہے کہ فقہاء نے جہالت ولاعلمی کو عذر تسلیم کرنے سے انکار دار الاسلام میں کیا ہے، اسی لئے بہت سی کتابوں میں ''دارالاسلام'' کی تعبیر صراحت کے ساتھ کی ہے، جبکہ موجودہ ہندوستان دار الکفر ہے۔

مگر مولانا نذیری نے اس معاملے کو صرف دار الکفر تک محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ ان تمام احوال وظروف کو بھی اس میں شامل کرلیا ہے جن میں والدین کی مجبوری یا غفلت کے سبب لڑکیاں دینی تعلیم سے محروم رہ جاتی ہیں۔ دراصل مولانا نذیری کے پیش نظر فقہاء کی وہ عبارتیں ہیں جن میں احکام شرع جاننے کی فرصت وفراغت کو علت کے طور پر بیان کیا گیا ہے، مثلاً ہدایہ کے الفاظ:

''**ولم يشترط العلم بالخيار لأنها تتفرغ لمعرفة أحكام الشرع**'' (ہدایہ ۲/۳۱۷)۔

اس لئے جن حالات میں یہ فرصت وفراغت حاصل نہ ہو، وہ معذور سمجھی جائے گی۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں بنیادیں کمزور ہیں، اس لئے کہ:

۱- جہاں تک دار الاسلام کی بات ہے تو عرض کیا جاچکا ہے کہ دار الاسلام کی قید بھی دار العلم ہی کی غرض سے ہے، ورنہ فی نفسہ یہ قید مقصود نہیں ہے، اگر کوئی دار الکفر یا اس کا کوئی خاص حصہ دار الکفر ہونے کے باوجود دار العلم ہو، اور علم کے تمام مواقع وہاں موجود ہوں، تو پھر کسی

کو طلب علم سے کیا عذر ہو سکتا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء نے زیادہ تر جس قید پر زور دیا ہے وہ یہی دار العلم کی قید ہے، دار الاسلام کا ذکر محض ایک اتفاقی، یا توضیحی قید ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے فقہاء نے صرف دار العلم پر اکتفا کیا ہے۔

۲- رہی علم دین کے لئے فرصت و فراغت کی بات، تو یہ بھی محض ایک نتیجہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے، قید احترازی نہیں ہے، مقصد یہ ہے کہ جس ملک یا علاقے میں علمی ماحول اور مواقع ہوں وہاں آزاد لڑکی طلب علم کیلئے موقع نکال سکتی ہے، اور جہاں ماحول یا مواقع میسر نہ ہوں وہاں کسی لڑکی کے لئے اس کے واسطے موقع نکالنا مشکل ہے۔

اور اگر یہ قید احترازی بھی ہو تو یہ قید باندیوں کے مقابلے میں ہے، کہ باندیاں پابند ہیں، ان کو اپنے آقاؤں کی خدمت سے ہی فرصت نہیں ہے، جبکہ آزاد عورتوں پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے، ان کے پاس طلب علم کے لئے پوری فراغت موجود ہے، ورنہ اگر اس قید کو اتنی ہی وسعت دے دی جائے تو خود ''دارالاسلام'' اور ''دار العلم'' میں بھی ان مسلم گھرانوں کو معذور قرار دینا پڑے گا، جو اپنی ہوس پرستی، دنیا طلبی، دین بیزاری، یا مجرمانہ غفلت ولاپرواہی کے باعث علم دین سے دور ہیں، اس لئے کہ ان کو ان کے خیال میں فرصت وفراغت ہی میسر نہیں آسکی۔

غرض فقہاء نے جس پس منظر اور ماحول میں بات کی ہے اور جو ان کے استدلال کی روح ہے اس کے لحاظ سے جمہور علماء کا نقطۂ نظر درست محسوس ہوتا ہے۔

ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کا نکاح:

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قریب تر ولی کی زندگی اور موجودگی میں نسبۃً دور کا ولی لڑکا یا لڑکی کا نکاح کردے تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا یا نہیں؟

اس مسئلہ میں بنیادی طور پر دو امور قابل بحث ہیں:

۱- قریب تر ولی کی زندگی اور موجودگی میں نسبۃً دور کے ولی کے نکاح کرنے کا حکم۔

۲- غیبت منقطعہ کی حقیقت اور اس کا حکم۔

۱- اگر قریب تر ولی کی زندگی اور موجودگی میں بعید تر ولی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دے جبکہ قریب تر ولی میں ولایت کی اہلیت اور مطلوبہ تمام شرائط موجود ہوں اور اس کی ولایت میں عمل نکاح کی تکمیل ہو سکتی ہو۔

اس سلسلہ میں مقالات کے اندر تین نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں:

۱۔ ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی صاحب کی رائے یہ ہے کہ نکاح ہو جائے گا مگر ولی ابعد گنہگار ہوگا، اس لئے کہ اس نے حق ولایت بالجبر حاصل کیا، البتہ ولی اقرب کو فسخ کرانے کا اختیار ہوگا، قاضی اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس رائے کا کوئی ماخذ تحریر نہیں کیا ہے، البتہ کسی درجہ میں اس کی بنیاد فقہ مالکی میں ملتی ہے قرطبی نے اس سلسلہ میں امام مالک کے تین اقوال کا ذکر کیا ہے:

☆ نکاح درست نہیں۔

☆ نکاح درست ہے۔

☆ ولی اقرب کو نکاح کے باقی رکھنے اور ختم کرانے کا اختیار رہے۔

یہ اقوال اس صورت سے متعلق ہیں جبکہ باپ کے علاوہ کسی اور ولی نے لڑکی کا نکاح کرایا ہو۔

”فاختلف فيها قول مالك فمرّة قال: إن زوّج الأبعد مع حضور الأقرب فالنكاح مفسوخ، ومرة قال: النكاح جائز، ومرة قال: للأقرب أن يجيز أو يفسخ، وهذا الخلاف كله فيما عدا الأب في ابنته“ (بدایۃ المجتہد للقرطبی ۲/۱۵)۔

مگر پریشانی یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی رائے میں امام مالک کے دو اقوال کو جمع کر دیا ہے، کیونکہ امام مالک کی تیسری رائے کا مطلب نکاح موقوف ہے، اسی لئے ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رکھا گیا ہے، اور دوسری رائے قطعی جواز کی ہے، ڈاکٹر صاحب نے دونوں کو جمع کر کے یہ رائے قائم کی کہ جائز بھی ہے، موقوف بھی ہے۔ ہاں اگر ڈاکٹر صاحب کا مطلب جواز

سے جواز موقوف ہوتو پھر یہ مسلک حنفی اور امام مالک کے قول ثالث کے مطابق ہوسکتا ہے، اور قاضی کے فسخ کی بات ڈاکٹر صاحب نے شاید اس لئے کہی ہو کہ یہ معاملہ عدالت ہی کے ذریعہ حل ہوسکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حنفیہ کے ماسوا دیگر ائمہ کے نزدیک باپ دادا کے سوا دیگر اولیاء کی ولایت ہی مشتبہ یا معدوم ہے، قول مشہور کے مطابق امام مالک کے یہاں باپ کے سوا، اور امام شافعی کے یہاں باپ اور دادا کے سوا کسی کو ولایت اجبار حاصل نہیں (شرح مہذب ۷/ ۳۲۳)۔

جبکہ خیار بلوغ کا مسئلہ ہی باپ اور دادا کے سوا دیگر اولیاء کا ہے، اس لئے اس مقصد سے فقہ حنفی کے سوا کسی دوسرے مسلک میں اس کی بنیا دتلاش کرنا یا اس کو نمونہ عمل بنانا مشکل ہے۔

۲- دوسرا نقطۂ نظر جناب عبدالعظیم اصلاحی اور مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی صاحب کا ہے، اس کے مطابق ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نابالغ کا نکاح کردے تو نکاح درست نہ ہوگا، مگر یہ قول بھی فقہ حنفی کے مطابق نہیں ہے، بلکہ فقہ مالکی یا فقہ شافعی سے ہم آہنگ ہے۔ اور زیر بحث مسئلہ میں خروج عن المذہب کی ضروری شرائط موجود نہیں ہیں۔

زیادہ سے زیادہ فقہاء حنفیہ میں امام زفرؒ کے یہاں اس کا سراغ ملتا ہے، ان کے یہاں اس سلسلہ میں بڑی شدت ہے، ان کے نزدیک ولی اقرب کی زندگی میں کسی صورت میں ولی ابعد نکاح نہیں کرا سکتا، غیبت منقطعہ کی صورت میں بھی نہیں، جب تک کہ موت کا یقین نہ ہوجائے، وہ اس کو میراث پر قیاس کرتے ہیں، کہ جس طرح وراثت میں اقرب کی زندگی میں ابعد محجوب ہوتا ہے، خواہ اقرب حاضر ہو یا غیر حاضر، اسی طرح اقرب کی زندگی میں ابعد کی ولایت محجوب رہے گی، امام زفر اس باب میں مالکیہ اور شافعیہ سے بھی زیادہ سخت ہیں، کیونکہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک (مالکیہ کے عدم جواز والے قول کے مطابق) ولی اقرب کی عدم موجودگی میں کم از کم حاکم کو نکاح کرانے کا حق حاصل ہے، امام زفر اس کی بھی اجازت نہیں دیتے، وہ کہتے ہیں کہ حاکم کی ولایت ولی ابعد کی ولایت سے بھی بعید تر ہے (المبسوط ۴/ ۲۲۱)۔

مگر ظاہر ہے کہ یہ ولایت نظری ہے، جس کی بنیاد مصلحت، شفقت اور ہمدردی پر ہے، اس لئے اس میں امام زفر کی شدت کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں ہے۔

۳-تیسرا نقطۂ نظر جس کو مذکورہ بالا حضرات کے سوا تمام ہی حضرات نے اختیار کیا ہے، وہ یہ کہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا اور ولی اقرب کا محض سکوت کافی نہ ہوگا، خود مجلس عقد میں ولی اقرب کی خاموشی کے ساتھ موجودگی بھی اجازت متصور نہ ہوگی، بلکہ صحت نکاح کے لئے اس کی جانب سے صراحۃً یا دلالۃً اجازت دینا ضروری ہوگا۔

مذکورہ بالا دونوں نقطہائے نظر کے مقابلے میں یہ نقطۂ نظر زیادہ معتدل اور مناسب ہے کئی وجوہ سے:

ایک تو اس لئے کہ یہ فقہ حنفی کے مطابق ہے، فتاوی شامی میں ہے:

"فلو زوّج الأبعد حال قیام الأقرب توقف علی إجازته(درمختار) **فلم یجعلوا سکوته إجازته والظاهر أن سکوته هنا کذلک، فلا یکون سکوته إجازة لنکاح الأبعد وإن کان حاضرا في مجلس العقد مالم یرض صریحا أو دلالة"** (ردالمحتار، باب الولی ۲/۴۳۲)۔

دوسرے اس لئے کہ یہ قول دو انتہاؤں کے درمیان ہے، پہلا قول جواز کا ہے اور دوسرا عدم جواز کا، ایک میں افراط ہے تو دوسرے میں تفریط، اس لئے کہ اس ولایت کی بنیاد شفقت وہمدردی پر ہے، اور اس لحاظ سے ولی اقرب کے بالمقابل ولی ابعد یقینی طور پر کمتر ہے، اور قرابت کی دوری اور نظر وشفقت کی کمی کی بنا پر رشتہ میں کمزوری یا ناموافقت کا امکان بہر حال موجود ہے، اس لئے مناسب ہے کہ نفس ولایت وقرابت کے لحاظ سے نکاح اصل جائز ہو، البتہ دفع مضرت کے لئے ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہو، اس طرح اس نقطۂ نظر میں دونوں جانب کی رعایت ہو جاتی ہے۔

۲-غیبت منقطعہ کی حقیقت اور اس کا حکم:

دوسرا مسئلہ دراصل مسئلہ مذکورہ ہی کی دوسری شکل ہے، وہ یہ کہ اگر ولی اقرب موجود نہ

ہو، اور نابالغ لڑکی یا لڑکے کا کوئی مناسب رشتہ آجائے تو ولی ابعد نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ امام زفرؒ کے سوا تقریباً تمام ہی فقہاء کے نزدیک غیبت منقطعہ کی صورت میں ولی اقرب کی ولایت ساقط ہوجاتی ہے، اور یہ ولی ابعد یا حاکم وقت کی طرف (علی اختلاف الاقوال) منتقل ہوجاتی ہے (مغنی المحتاج فی فقہ الشافعیہ ۳/ ۱۵۴، شامی ۲/ ۳۳۴، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۳۷۔۴۱)۔

مقالہ نگاروں میں بھی اس سلسلہ میں اتفاق نظر آتا ہے۔

البتہ فقہاء کی طرح مقالہ نگاروں کے درمیان بھی یہ بات مختلف فیہ ہے کہ غیبت منقطعہ کا اطلاق کس حد پر ہوگا؟ فقہ حنفی میں اس سلسلہ میں تین روایات ملتی ہیں:

۱- مسافت سفر۔

۲- اتنی دوری کہ قافلے سال میں صرف ایک بار پہونچ سکیں۔

۳- ایسے مقام پر ہونا کہ ولی اقرب سے وقت کے اندر نکاح کے بارے میں مشورہ کرنا ممکن نہ ہو (ہدایہ ۲/ ۳۱۹، عالمگیری ۱/ ۲۸۵)۔

یہ تینوں روایات مقالہ نگاروں میں تین رائیں بن گئی ہیں:

۱- تین مقالہ نگار حضرات نے مسافت قصر کی رائے اختیار کی ہے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: ڈاکٹر ظفر الاسلام، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی اور مفتی حبیب اللہ صاحب۔ ان حضرات نے اپنے رجحان کے اسباب پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے، لیکن جہاں تک روایات اور آراء کے تجزیہ سے سمجھ میں آتا ہے، اس ترجیح کے دو اہم اسباب ہوسکتے ہیں:

(الف) ایک اس بنا پر کہ اس قول میں ایک معینہ حد قائم ہوجاتی ہے جو لوگوں کے لئے باعث سہولت ہے، دیگر اقوال میں دوسروں کی رائے جاننے اور اس سلسلے میں تحقیقات کی ضرورت پڑتی ہے جو ہر ایک کے لئے آسان نہیں۔

(ب) دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر متاخرین نے اس روایت کو اختیار کیا ہے، اور کتب فقہیہ میں اس کے لئے ''وعلیہ الفتوی'' کی تصریح آئی ہے، مگر اس رائے میں دقت یہ ہے کہ یہ آج

کے حالات پر منطبق نہیں ہے، اس لئے کہ مسافت سفر (۴۸ میل) کا فاصلہ آج کے ترقی یافتہ اور تیز رفتار دور میں گھنٹوں بلکہ منٹوں کا ہے، جس میں ولی اقرب سے مشورہ و ملاقات مشکل نہیں۔

۲- شیخ وہبہ زحیلی نے دوسری روایت کو پسند کیا ہے، یعنی ولی اقرب ایسے مقام پر ہو کہ قافلے وہاں تک سال میں صرف ایک بار پہنچ سکیں، شیخ نے بھی اپنی پسندیدگی کی کوئی وجہ نہیں تحریر کی ہے، لیکن لگتا ہے کہ وہ قدوری کے رجحان سے متاثر ہوئے ہیں۔

مگر اس قول میں بھی مشکل یہ ہے کہ آج معلوم دنیا میں کوئی ایسا مقام نہیں رہ گیا جہاں قافلوں کو پہنچنے میں ایک سال کا عرصہ لگ جائے، مواصلات اور رابطوں کے اس جدید دور میں یہ بالکل عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔

۳- مذکورہ بالا چار اصحاب کے سوا بقیہ تمام مقالہ نگاروں نے تیسری روایت کو اپنا نقطۂ نظر بنایا ہے، یعنی ولی اقرب ایسے مقام پر ہو کہ رشتہ کے بارے میں وقت کے اندر کوئی استصواب رائے ممکن نہ ہو، اور اس کے انتظار میں کفو کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق فاصلے کی بھی قید نہیں ہے، بلکہ خود شہر یا کسی قریبی مقام پر بھی ولی اقرب اگر اس طرح روپوش یا لاپتہ ہو جائے کہ اس تک رسائی یا استصواب رائے ممکن نہ رہے، تو بھی غیبت منقطعہ قرار پائے گی۔

یہی نقطۂ نظر سب سے زیادہ متوازن اور قابل اعتماد معلوم ہوتا ہے، جس کے کئی اسباب ہیں:

(الف) یہ ہر دور پر منطبق ہو سکتا ہے، بالخصوص آج کے دور میں تو اس کے سوا کسی دوسرے نقطۂ نظر کا انطباق ہی ممکن نہیں۔

(ب) اکثر مشائخ متقدمین نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے، ''المجتبی'' اور ''المبسوط'' میں اسی کو ''الاصح'' کہا گیا ہے، ''الفتح'' میں اس کو ''اشبہ بالفقہ'' کہا گیا ہے، شرح الملتقی میں اس کو ''اصح الاقاویل'' قرار دے کر یہ فیصلہ سنایا گیا ہے کہ ''وعلیہ الفتوی''۔ ''الاختیار'' ''النقایہ''

اور ''المنہر'' جیسی کتب فقہیہ میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے۔ ''البحر'' میں ہے کہ مشائخ متقدمین کی رائے پر فتوی دینا زیادہ بہتر ہے (ردالمحتار باب الولی ۲/ ۴۳۳) صاحب ہدایہ نے اس کو اقرب الی الفقہ کہا ہے (۲/ ۳۱۹)۔

علامہ سرخسی اور محمد بن الفضل نے اس کو ''الاصح'' کہا ہے، ''التبیین'' میں اس کے لئے "**ھذا احسن**" اور جواہر الاخلاطی میں "**وعلیہ الفتوی**" کی تعبیر آئی ہے (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۸۵)۔

(ج) المغنی میں امام احمدؒ کا بھی ایک قول اسی کے قریب قریب موجود ہے۔

''**ففي قول الخرقي هي من لا يصل إليه الكتاب أو يصل فلا يجيب عنه الخ**'' (المغنی ۷/ ۳۷۰)۔

(د) سقوط ولایت کا مقصد اور غیبت منقطعہ کا حاصل بھی اسی روایت سے زیادہ اچھی طرح حاصل ہوتا ہے۔

(ھ) یہ روایت بقیہ دونوں روایتوں کو جامع ہے، کیونکہ مسافت سفر میں بھی اگر یہ صورت حال پیدا ہو جائے کہ استصواب رائے ممکن نہ رہے تو یہ غیبت منقطعہ قرار پائے گی، یہی حال اس مقام کا ہے جہاں قافلے سال میں صرف ایک بار پہنچ سکتے ہوں، اس لئے ایسی روایت کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے جس میں زیادہ توسع، جامعیت اور حالات پر کامل انطباق ہو۔

غیبت منقطعہ کی ایک صورت:

یہاں ایک ممکنہ صورت یہ ہے کہ ولی اقرب موجود ہو مگر اس پوزیشن میں نہ ہو کہ اس کی رائے سے فائدہ اٹھایا جاسکے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟

مقالہ نگاروں نے اور فقہاء نے اس صورت سے تعرض نہیں کیا ہے، لیکن آخری روایت کی جو روح ہے اس کے پیش نظر خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ صورت بھی غیبت منقطعہ میں داخل ہونی چاہئے۔

سقوط ولایت کی ایک اور صورت:

یہاں ایک صورت یہ بھی قابل غور ہے کہ اگر ولی اقرب کسی مناسب رشتہ کو بلا وجہ رد کر

دے تو اس صورت میں اس کی ولایت ساقط مانی جائے گی یا نہیں؟

اکثر مقالہ نگار اس سلسلے میں خاموش ہیں، البتہ جناب مولانا مفتی محمد احسان صاحب، مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا ثناء الہدی ویشالوی، مفتی مصلح الدین بڑودوی، مولانا حسن محمد تقوی الجواہری، اور راقم الحروف نے اپنے مقالات میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔ دراصل یہ عضل کی بحث ہے کہ عضل کی صورت میں ولی کی ولایت ساقط ہوجاتی ہے، مگر عضل کا اطلاق اس وقت ہوگا جبکہ ولی اقرب بلا وجہ کسی مناسب رشتہ کو رد کردے، لیکن اگر اس کے رد کے پیچھے کوئی مصلحت ہو مثلاً کوئی اور مناسب رشتہ اس کے پیش نظر ہو، تو یہ عضل قرار نہیں پائے گا، فقہاء کے یہاں یہ تمام تفصیلات مذکور ہوئی ہیں (دیکھئے: رد المحتار ۲/۳۴۱، حاشیہ بحر ۳/۱۳۶، فتاوی ہندیہ ۱/۲۸۵، بدائع الصنائع ۲/۲۵۰)۔

البتہ ولایت ولی ابعد کے بجائے مفتی بہ قول کے مطابق قاضی کی طرف منتقل ہوگی۔

"واذا خطبها كفوء وعضلها الولي تثبت الولاية للقاضي نيابة عن العاضل" (البحر الرائق ۲/۱۳۶)۔

لیکن جس جگہ نظام قضاء موجود نہ ہو تو وہاں ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہوگی، مگر اس صورت میں ولی ابعد کی طرف سے مکرر اجازت شرط ہوگی۔

"ولو تحالت الولاية إليه يعنى الأبعد لم يجز إلا بإجازته بعد التحول" (درمختار ۲/۳۴۱، باب الولي)۔

شامی بحر کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

"ويمكن أن يجاب أن يحمل ما في الخلاصة على ما إذا لم يكن قاض" (البحر الرائق ۲/۱۳۶)۔

مقالہ نگاروں کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات:

دوسرا باب

تمہیدی مقالات

ولایت

مفتی نظام الدین اعظمیؒ ☆

ولایت کا مفہوم:

ولایت کے بیسیوں معنی شریعت میں آتے ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ صاحب اختیار فی الجملہ ہو، مثلاً مرنے سے پہلے کوئی آدمی بچوں میں انتظام کے لئے وصی مقرر کرتا ہے تو اسے بھی محض اختیار فی الجملہ کا اختیار رہتا ہے، اور اگر اس نے وصی مقرر نہیں کیا تو بالغ وارث کو نابالغین کی حضانت وتربیت کا اختیار فی الجملہ حاصل ہوتا ہے۔

اس جگہ ایک اور چیز ذہن میں آگئی، اس کا لکھنا بھی مفید معلوم ہوتا ہے، اس لئے عرض ہے کہ طلاق دینے کا حق اللہ تعالی نے محض مردوں کو دیا ہے عورتوں کو نہیں دیا ہے، اس سلسلہ میں متعدد نصوص موجود ہیں، مثلاً:

"**يا أيها النبي إذا طلّقتم النساء فطلّقوهن لعدّتهن**" (سورہ طلاق/۱) اور مثلاً "**والمطلّقات يتربّصن بأنفسهن ثلاثة قروء**" (سورہ بقرہ/۲۲۸) اور "**السكوت في معرض البيان**" بیان کے اصل شرعی سے بطور اشارۃ النص معلوم ہو گیا کہ اگر عورتوں کو بھی طلاق دینے کا حق ہوتا تو کسی نہ کسی انداز میں طلاق دینے کا اختیار مل جاتا بلکہ "**يتربّصن بأنفسهن ثلاثة قروء**" میں بطور اشارۃ النص یہ حکم نکل آیا کہ نکاح نہ کرنے کا حکم اگرچہ تبریۂ رحم کے لئے

☆ سابق مفتی دار العلوم دیوبند، دیوبند، ضلع سہارنپور، یوپی۔

بھی ہوتا ہے مگر یہ تربص مردوں کا حق ہے، اور یہ شرعی حکم ہے کہ جو شخص جس کے حق میں محبوس ہوتا ہے اس کا نفقہ اسی حبس کرنے والے پر ہوتا ہے، اس لئے کہ "ثلاثة قروء" میں جس میں بحق شوہر محبوس رہے گی اس کا نفقہ بذمہ شوہر رہے گا، اور اس تربص کی مدت ختم ہوجانے کے بعد حکم شرعی یہ ہے کہ اگر عورت نکاح کی خواہش یا ضرورت محسوس کرتی ہو تو حکم دیا جائے گا کہ نکاح کرلے ورنہ صبر کرے، یا اپنا کوئی ذریعہ معاش جو جائز ہو اختیار کرلینا چاہئے، اور بصورت مجبوری اس کا نفقہ اس کے عصبات پر درجہ بدرجہ حسب تصریح حکم شرع لازم ہوگا۔ اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ قانون کہ تا نکاح ثانی یا تا عمر نفقہ شوہر کے ذمہ رہے گا، یہ حکم سراسر خلاف حکم شرع اور نا جائز ہے، اور قرآن پاک میں ہے:

"الرجال قوّامون علی النساء بما فضّل الله بعضهم علی بعض وبما أنفقوا من أموالهم، فالصّالحات قانتاتٌ حافظاتٌ للغيب بما حفظ الله واللّاتي تخافون نشوزهنّ فعظوهنّ واهجروهنّ في المضاجع واضربوهنّ فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهنّ سبيلا إن الله كان عليّاً كبيراً" (سورہ النساء/ ۳۴)۔

یہ آیت بھی جوامع الکلم میں سے ہے اور موجزات ومعجزات کے قبیل سے ہے، اس آیت میں اللہ تعالی نے مردوں میں ایک جائز اور خاص فضیلت رکھی ہے جس کی وجہ سے مردوں کو عورتوں پر حکم ومنتظم ونگراں بنایا ہے۔

اور عام طور سے عورتیں علم وعمل میں نیز تشریعیات میں تکوینیات میں مردوں کے برابر نہیں ہوتیں بلکہ ماتحت وتابع اور نیچے ہوتی ہیں، اور یہ فضیلت خاص اللہ تعالی نے محض مردوں کو اس وجہ سے بھی دی ہے کہ مرد عورتوں پر مال خرچ کرتا ہے، مہر دیتا ہے اور دیگر نفقات بھی دیتا ہے، اور مردوں کے ذمہ عورتوں کو عموماً کھانا کپڑا و مکان اور سکنی بھی دینا پڑتا ہے، اور یہ سب چیزیں مردوں پر لازم ہیں۔ اور جو عورتیں دیندار رہوتی ہیں وہ سب مردوں کے تابع ہوتی ہیں اور یہ سب امور بیان فرما کر اللہ تعالی نے ان سب باتوں میں اپنا علم والا ہونا اور حکمت والا ہونا بتا کر

اشارہ فرما دیا کہ ان باتوں میں کسی کو اپنی عقل وفہم اور قوت کو مقدم اور راجح نہ ماننا ضروری ہے، اور اس فضیلت خاصہ کی جانب بخاری شریف کے اس ارشاد میں بھی اشارہ ہے فرمایا گیا:

''لن یفلح قوم ولّوا أمورھم امرأۃ"۔

اور اس کے علاوہ بہت سی روایات کثیرہ شہیرہ ہیں جن میں ان تمام مذکورہ بالا باتوں کا ذکر ہے جس کا انکار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ان باتوں کے ماننے کا حکم قرآن پاک میں صراحۃً منصوص ہے فرمایا گیا ہے:

''وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا'' (سورہ حشر/۷)۔

اور اسی طرح اشارہ اس آیت کریمہ میں بھی ہے:

''وما ینطق عن الھویٰ إن ھو إلا وحي یوحیٰ'' (سورہ النجم/۳-۴) اسی طرح اشارہ اس آیت کریمہ میں بھی ہے: ''إنہ لحق مثل ما أنکم تنطقون'' (سورہ الذاریات/۲۳) لہٰذا ان آیات کا انکار کرنا بھی کفر ہوجائے گا، کیونکہ اشارۃ النص عبارۃ النص سے کسی طرح کمزور نہیں ہوتا۔ اللھم احفظنا من الضلال والھویٰ۔

اتنی گفتگو سے سوال نمبر ۳ کے اہم اور بنیادی امور کے احکام کا ذکر بھی آ گیا ہے، اس لئے اب سوال ۳ کے جواب کی حاجت نہیں رہی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

ولایت۔تشریح وتجزیہ

مولانا شمس پیرزادہؒ☆

ولایت کے اقسام اوران کے شرائط:

یہاں ولایت نکاح سے بحث ہے، اس لئے ولایت کی دیگر اقسام کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

۱۔ قرآن کریم میں نکاح کے تعلق سے ولی کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے،لیکن متعدد آیات میں خطاب کا رخ عورتوں کے اولیاء کی طرف ہے جوان کے اقرباء ہوتے تھےاوراس وقت کے معاشرہ میں عرفاً اور عادۃً عورتوں کا نکاح کردیا کرتے تھے۔ولایت علی النفس کے لئے عاقل اور بالغ ہونا کافی ہے۔

۲۔ شریعت نے ہر عاقل وبالغ کوخواہ وہ مردہو یا عورت اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے۔

فقہاء کے نزدیک نابالغ لڑکی اور لڑکے کے نکاح کا اختیار اولیاء کو ہے،لیکن قرآن وسنت کی اس پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔قرآن کی آیت "**حتى إذا بلغوا النكاح**" (سورۂ نساء/۶) (یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں)اس معاملہ میں صریح ہے کہ نکاح کی عمر بلوغت ہے، اور نکاح کی ضرورت بالغ مرداورعورت ہی کو ہوتی ہے،اس لئے نابالغ مردوعورت کے نکاح کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔رہا حضرت عائشہ کی کم سنی میں نکاح سے استدلال تو اولاً حضرت عائشہ کی

☆ سابق بانی ادارہ دعوۃ القرآن،۵۹ محمد علی روڈ،ممبئی۔

نکاح کے وقت عمر کیا تھی، یہ مسئلہ متنازع فیہ ہے۔ثانیاً یہ معاملہ نبی ﷺ سے متعلق تھا جو آپ کے لئے خصوصی طور پر جائز رہا ہوگا۔ ثالثاً یہ سورۂ نساء کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے جس میں بلوغ کو نکاح کی عمر قرار دیا گیا ہے۔

رہا سورہ طلاق کی آیت "و اللائي لم يحضن" (جن کو حیض نہ آیا ہو) سے نابالغہ کے نکاح پر استدلال تو یہ صحیح نہیں، کیونکہ اس میں ایسی مطلقہ عورتوں کی عدت بیان کی گئی ہے جن کو حیض نہ آیا ہو، اور حیض کا نہ آنا بیماری وغیرہ کی وجہ سے ہوسکتا ہے، لہذا اس سے مطلقہ کا نابالغ ہونا ثابت نہیں ہوتا، اور بالفرض اگر کسی نے نابالغ لڑکی سے نکاح کرلیا تو اس سے مباشرت تو وہ کر نہیں سکے گا، کیونکہ اس کی اجازت نہ شریعت دیتی ہے اور نہ عقل وفطرت۔ پھر اگر وہ اس نابالغہ کو طلاق دیتا ہے تو مباشرت نہ کر سکنے کی بنا پر اس کی کوئی عدت نہ ہوگی جیسا کہ سورہ احزاب میں بیان کیا گیا ہے:

"إذا نكحتم المؤمنات ثم طلّقتموهن من قبل أن تمسّوهن فما لكم عليهنّ من عدّة تعتدّونها" (الاحزاب/۴۹)۔

(جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت واجب نہیں ہے جس کو تم شمار کرو)۔

جب کہ سورۂ طلاق کی مذکورہ بالا آیت میں ان عورتوں کی عدت جن کو حیض نہ آیا ہو تین ماہ بیان کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کا تعلق نابالغہ سے نہیں ہے، لہذا یہ آیت نابالغہ کے نکاح کے لئے حجت نہیں بن سکتی۔

(الف) ولایت کے بارے میں لڑکی اور لڑکے میں یہ فرق ہے کہ بالغ لڑکا اپنا نکاح ولی کے توسط کے بغیر کرسکتا ہے، اور لڑکی بھی اپنا نکاح ولی کے توسط کے بغیر کرسکتی ہے، لیکن لڑکی کی غیرت کی وجہ سے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے، اور عرف بھی یہی ہے کہ لڑکی کا ولی اس کی اجازت سے اس کا نکاح کردے۔

(ب) نکاح کے بارے میں عاقلہ بالغہ لڑکی کو خود اپنے نفس پر اختیار ہے، وہ اپنی مرضی سے نکاح کرسکتی ہے، ولی کی اجازت ضروری نہیں۔ اگر ولی کی مرضی کے بغیر لڑکی نے از خود اپنا نکاح کرلیا تو شرعاً منعقد ہوگا اور لڑکی گنہگار نہیں ہوگی، البتہ ولی کو بالکل نظر انداز کردینا کوئی مناسب بات نہیں ہے۔ قرآن وسنت سے اس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

"فإذا بلغن أجلهن فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهن بالمعروف" (البقرہ/ ۲۳۴) (پھر جب وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو معروف طریقہ پر وہ جو کچھ اپنے لئے کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں)۔

اس آیت سے عورت کا خود اپنا نکاح کرنے کا حق ثابت ہوتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: **"فإن طلّقها فلا تحلّ له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره"** (البقرہ/ ۲۳۰) (پھر اگر اس نے (دوبارہ کے بعد) طلاق دے دی تو اب یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے)۔

اس آیت میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے جو اس بات کی صریح دلیل ہے کہ عورت کو اپنا نکاح کرنے کا اختیار ہے۔

تیسری جگہ ارشاد ہوا ہے: **"فإن طلّقها فلا جناح عليهما أن يتراجعا إن ظنّا أن يقيما حدود الله"** (البقرہ/ ۲۳۰) (پھر اگر وہ بھی اس کو طلاق دے دے تو ان دونوں پر مراجعت کرنے (پھر سے نکاح کرنے) میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ یہ خیال کرتے ہوں کہ وہ اللہ کے حدود کو قائم رکھیں گے)۔

یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مرد وعورت ولی کے بغیر ایجاب وقبول کرسکتے ہیں، چنانچہ چوتھی جگہ فرمایا گیا: **"وإذا طلّقتم النساء فبلغن أجلهنّ فلا تعضلوهنّ أن**

ینکحن أزواجهنّ إذا تراضوا بینهم بالمعروف" (البقرہ ۲۳۲)(اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو پھر انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ معروف طریقہ پر باہم رضامندی سے معاملہ طے کریں)۔

اس آیت میں بھی نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے، اور اولیاء کو جو عرفاً اور عادۃً عورتوں کے نکاح کردیا کرتے تھے، منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو اپنے نکاح سے نہ روکیں جب کہ وہ معروف طریقہ پر اپنے سابق شوہروں سے باہمی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں۔

اس پر یہ معارضہ کیا جاتا ہے کہ ان آیتوں میں ثیبہ (مطلقہ یا بیوہ) عورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے، مگر اول تو شان نزول سے حکم کی عمومیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مزید یہ کہ باکرہ عورتوں کے نکاح کا حکم علیحدہ سے بیان نہیں ہوا ہے، اس لئے عورت خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اس کی اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرنے کا اختیار ہے، اور ولی کو اس پر نہ جبر کرنے کا اختیار ہے اور نہ اسے اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرنے سے روکنے کا۔

ولی کے حق میں سورہ نور کی آیت نمبر ۳۲ "**وأنکحوا الأیامیٰ منکم**" (اور تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں ان کے نکاح کردو) بھی پیش کی جاتی ہے، لیکن ایامی (مجرد) میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں، تو کیا مرد ولی کے بغیر اپنا نکاح نہیں کرسکتا؟ اگر کرسکتا ہے تو عورت کیوں نہیں کرسکتی؟ پھر اس آیت میں خطاب معاشرہ سے ہے نہ کہ صرف اولیاء سے، مزید برآں یہ آیت ولی کو نہ جبر کرنے کا اختیار دیتی ہے اور نہ عورت کے حق نکاح کو ولی کی طرف منتقل کرتی ہے۔

اور جہاں تک حدیث کا تعلق ہے اس میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔

"**لا تنکح الأیم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن**" (مسلم: کتاب النکاح)۔
(ثیبہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہ کیا جائے اور باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے)۔

اور جب باکرہ کی اجازت ضروری قرار پائی تو ولی کی رضامندی کہاں لازم قرار پائی؟

اگر ولی کی رضامندی کو بھی لازم قرار دیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر باکرہ کو ایک رشتہ پسند ہو اور ولی اس پر رضامند نہ ہو تو کیا اس کو نکاح سے روک دیا جائے گا؟ اگر روک دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ولی کی رضامندی کے بغیر باکرہ کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسی صورت میں باکرہ کی اجازت یا رضامندی ہی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، کیونکہ کبھی ولی راضی ہوگا تو باکرہ راضی نہیں ہوگی، اور اگر باکرہ راضی ہو تو ولی راضی نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے اسلام عورتوں کے لئے ایسی مشکلات پیدا کرنا نہیں چاہتا جس کے نتیجہ میں وہ شادی سے محروم رہیں، اور اس محرومی کی مثالیں موجودہ معاشرہ میں دیکھنے میں آتی ہیں، اس لئے ولی کی رضامندی کو شرط قرار دینا خلاف مصلحت ہے۔

مؤطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**الأ یّم أحق بنفسها من ولیها والبکر تستأذن فی نفسها واذنها صماتها**" (المؤطا: کتاب النکاح) (ثیبہ اپنے معاملہ میں ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور بکر (کنواری) سے اس کے معاملہ میں اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے)۔

یہ حدیث صراحت کرتی ہے کہ ثیبہ کو نکاح کے معاملہ میں اختیار رہے اور وہ ولی کی رضامندی کی پابند نہیں ہے۔ رہی بکر (کنواری) تو وہ زیادہ شرمیلی ہوتی ہے، اس لئے اس کی خاموشی کو اس کی اجازت پر محمول کیا گیا، جس سے واضح ہے کہ ولی کو اپنی مرضی اس پر تھوپنے کا اختیار نہیں ہے۔

واقعات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ بخاری کی روایت ہے:

"**عن خنساء بنت خذام أن أباها زوّجها وهي ثیبّ فکرهت ذلک فأتت رسول الله ﷺ فردّ نکاحه**" (البخاری: کتاب النکاح)۔

(خنساء بنت خذام سے روایت ہے کہ وہ ثیبہ تھیں اور ان کے والد نے ان کا نکاح

کردیا جوانھیں پسند نہیں تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے ان کا نکاح رد کردیا)۔

دوسرا واقعہ وہ ہے جسے نسائی نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے:

(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کردیا تاکہ میرے ذریعہ اس کی خست کو دور کرے جبکہ میں اسے پسند نہیں کرتی۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: نبی ﷺ کے تشریف لانے تک بیٹھی رہو، پھر جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو اس نے آپ ﷺ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ ﷺ نے اس کے والد کو بلا بھیجا اور عورت کو اختیار دیا۔ عورت نے کہا: یا رسول اللہ! میرے والد نے میرا جو نکاح کر دیا ہے اسے میں برقرار رکھتی ہوں، میں دراصل یہ جاننا چاہتی تھی کہ کیا عورتوں کو اپنے نکاح کا حق ہے؟) (النسائی: کتاب النکاح)۔

یہ واقعہ باکرہ سے تعلق رکھتا ہے، چنانچہ امام نسائی نے باب باندھا ہے "باکرہ کا نکاح اس کا باپ اس کی نارضامندی کے باوجود کردے"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر باپ (ولی) نے باکرہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کردیا ہو تو باکرہ کو اس بات کا اختیار رہے کہ وہ اس نکاح کو فسخ کردے۔

ان حدیثوں کے مقابلے میں کچھ ایسی حدیثوں کو پیش کیا جاتا ہے جو ان کی معارض ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک حدیث ترمذی کی ہے:

"قال رسول الله ﷺ: لا نكاح إلا بولي" (الترمذی: ابواب النکاح) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولی کے بغیر نکاح نہیں)۔

اس کے ایک راوی ابو اسحاق ہیں جو مدلس ہیں (تہذیب ۸/۹۶) اور اس کے دوسرے راوی شریک بن عبد اللہ کے بارے میں متعدد محدثین نے کہا ہے کہ وہ سیئ الحفظ ہیں اور بکثرت

غلطیاں کرتے ہیں۔نسائی اور دارقطنی کہتے ہیں: وہ قوی نہیں ہیں (تہذیب ۴/ ۳۳۳)۔

اس حدیث کی اسناد دوسرے طریقہ پر بھی ہے جس کے ایک راوی اسرائیل ہیں جن کے بارے میں محدثین کی مختلف رائیں ہیں، بعض محدثین نے انہیں ضعیف کہا ہے، اور ابن حزم نے ان کی کئی حدیثیں رد کردی ہیں (تہذیب ۱/ ۲۹۰)۔

تیسرے طریقہ کی اسناد میں ابوعوانہ ہیں جن کا اصل نام وضاح بن عبد اللہ یشکری ہے، ان کے بارے میں متعدد محدثین کی رائے یہ ہے کہ وہ جب لکھی ہوئی حدیث پیش کرتے ہیں تو صحیح ہوتی ہے لیکن جب یادداشت سے بیان کرتے ہیں تو بکثرت غلطیاں کرتے ہیں۔ابو حاتم کی یہی رائے ہے۔ابن مدینی کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں عجیب وغریب باتیں ہوتی ہیں (تہذیب ۱۱/۱۱۶)۔

چوتھے طریقہ کی اسناد میں یونس بن ابی اسحاق ہیں جن کے بارے میں محدثین کی رائیں مختلف ہیں۔علی ابن المدینی سے منقول ہے کہ وہ شدید غفلت برتتے ہیں۔امام احمد بن حنبل ان کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ابو حاتم کہتے ہیں: وہ سچے ہیں لیکن ان کی حدیث کو حجت کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا (تہذیب ۱۱/ ۴۳۳)۔

ان تمام طریقوں سے اسناد امام ترمذی نے "باب ماجاء لا نکاح الابولی" میں بیان کردی ہیں اور حدیث کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کو بھی نقل کردیا ہے۔جن صحابہ سے یہ روایت بیان کی گئی ہے اس میں حضرت عائشہؓ کا نام بھی ہے جب کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجی کا نکاح اس کے باپ عبدالرحمٰن کی غیر موجودگی میں کردیا تھا، (تحفۃ الاحوذی ۴/ ۲۲۹) اگر وہ اس حدیث کی راوی ہوتیں کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں تو اپنے بھائی کا انتظار کیے بغیر اس کی لڑکی کا نکاح کیسے کردیتیں؟ علاوہ ازیں اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا اطلاق ثیبہ پر بھی ہوگا کیونکہ ''ولی کے بغیر نکاح نہیں'' میں بکر کی کوئی قید نہیں ہے جبکہ ثیبہ کے بارے میں بدلائل واضح

ہو چکا کہ اس کو اپنے نفس پر اختیار رہے۔

دوسری حدیث جس سے نکاح کے لئے ولی کو شرط کے طور پر پیش کیا جاتا ہے ترمذی کی درج ذیل حدیث ہے:

(حضرت ابن ابی عمرؓ نے ہم سے بیان کیا، ہمیں سفیان بن عیینہ نے خبر دی، وہ جریج سے اور وہ سلیمان سے اور وہ زہری سے اور وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس عورت نے اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، پھر اگر اس سے (مرد نے) مباشرت کی تو اس مباشرت کو حلال کر دینے کی بنا پر عورت کے لئے مہر ہے، اور اگر اولیاء کے درمیان نزاع ہو جائے تو سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں) (الترمذی: ابواب النکاح)۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، مگر ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں متعدد پہلوؤں سے کلام کی گنجائش ہے:

اولاً: یہ حدیث عنعنہ کے ساتھ مروی ہے جس کے ایک راوی زہری ہیں، اور جب زہری سے اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے انکار کیا (تحفۃ الاحوذی ۴/۲۲۸۔۲۳۱)، اس لئے زہری کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔

ثانیاً: اس کے ایک راوی سلیمان بن موسیٰ اموی ہیں جن کے بارے میں محدثین کے مختلف اقوال ہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں: "ان کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔ نسائی کہتے ہیں: وہ فقیہ ہیں لیکن حدیث میں قوی نہیں۔ ابن مدینی کہتے ہیں: ان کا حافظہ موت سے پہلے خراب ہو گیا تھا (تہذیب ۴/۲۲۶۔۲۲۷)۔

ثالثاً: اس کے ایک راوی ابن جریج ہیں جو مشہور ثقہ راوی ہیں لیکن تدلیس کیا کرتے تھے اور انہوں نے ستر عورتوں سے متعہ کیا تھا اور وہ اس کو جائز سمجھتے تھے۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں:

ابن جریج کی بعض مرسل حدیثیں موضوع ہوتی ہیں (میزان الاعتدال ۲/۶۵۹)۔ امام مالک کہتے ہیں: ابن جریج حاطب اللیل ہیں۔ دار قطنی کہتے ہیں: وہ بری طرح تدلیس کرتے تھے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے (تہذیب ۶/۴۰۲)۔

رابعاً: یہ روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جب کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجی کا نکاح ولی کی غیر موجودگی میں کر دیا تھا جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس لئے اس حدیث کی نسبت حضرت عائشہؓ کی طرف صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

خامساً: اس حدیث میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ایسے نکاح پر مہر کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اگر نکاح ہی سرے سے باطل ہوا تو اس پر مہر کا کیا سوال؟ اور ایسی صورت میں تو تعزیر لازم آجاتی مگر حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

سادساً: اس حدیث میں باکرہ کی کوئی صراحت نہیں ہے، اس لئے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے باطل ہونے کا اطلاق ثیبہ پر بھی ہوگا جب کہ بدلائل واضح ہو چکا کہ ثیبہ کو اپنے نفس پر اختیار ہے۔

سابعاً: حدیث میں اولیاء کے تنازع کا ذکر ہے اور پھر اس کا حل یہ پیش کیا گیا کہ سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں، حالانکہ یہاں اولیاء موجود ہیں، اس لئے اس کے متن کو حدیث رسول باور کرنا مشکل ہے۔

ان وجوہ سے یہ حدیث ضعیف حجت نہیں ہوتی، لہٰذا اس حدیث کو بلا اجازت ولی باکرہ کے نکاح کو باطل قرار دینے کی دلیل بنانا صحیح نہیں۔

تیسری حدیث ابن ماجہ کی ہے جس کو ولی کی شرط کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

"حدثنا جميل بن الحسن العتكي، ثنا محمد بن مروان العقيلي، ثنا هشام بن حسان عن محمد بن سيرين عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: لا تزوج المرأة المرأة ولا تزوج المرأة نفسها، فإن الزانية هي التي

تزوج نفسھا" (ابن ماجہ:کتاب النکاح)۔

(جمیل بن حسن عتکی نے ہم سے بیان کیا، ہم سے محمد بن مروان عقیلی نے بیان کیا، ہم سے ہشام ابن حسان نے بیان کیا، وہ محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں، وہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **عورت عورت کا نکاح نہ کرے اور عورت خود اپنا نکاح بھی نہ کرے کیونکہ زانیہ اپنا نکاح خود کرتی ہے**)۔

اس حدیث کے راوی جمیل بن حسن عتکی ہیں جن کے بارے میں ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے کوئی روایت نہیں لکھی۔عبدان کہتے ہیں کہ وہ کذاب اور فاسق ہے۔اور ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ غیر مانوس روایتیں بیان کرتے ہیں (تہذیب ۱۱۳/۲)۔اس حدیث کے دوسرے راوی محمد بن مروان عقیلی ہیں جن کے بارے میں بھی محدثین کے اقوال مختلف ہیں۔عبداللہ بن احمد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے انہیں دیکھا وہ حدیثیں بیان کررہے تھے،لیکن میں نے ان کو نہیں لکھا اور دانستہ ان کو ترک کردیا(تہذیب ۴۳۵/۹) مطلب یہ کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک وہ ضعیف راوی ہیں۔اس طرح اسناد کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے جو حجت نہیں بن سکتی،علاوہ ازیں اس حدیث کا مطلب اس کے آخری فقرہ سے واضح ہے ایسی کوئی عورت زانیہ کی طرح اپنا نکاح نہ کرے۔ظاہر ہے زانیہ بغیر گواہوں کے اپنا نکاح کرتی ہے اور اس کا کوئی اعلان نہیں ہوتا لیکن شرعی نکاح میں گواہوں کا اور اعلان کا ہونا ضروری ہے،اور مذکورہ حدیث میں اس کے بغیر نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔اور زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عورت اپنا نکاح از خود نہ کرے بلکہ کسی مرد کو مقرر کرے جو اس کا نکاح پڑھائے۔بہر صورت اس حدیث میں ولی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جہاں تک فقہاء کی آراء کا تعلق ہے امام ابو حنیفہؒ ولی کو بالغہ کے نکاح کے لئے شرط نہیں قرار دیتے،لیکن امام شافعی کے نزدیک ولی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔امام مالک ولی کی اجازت کو اتمام نکاح کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں نہ کہ صحت نکاح کے لئے۔امام احمد بن حنبل

کے نزدیک ولی نکاح کے لئے شرط ہے۔اور جہاں تک مسلم پرسنل لاء کا تعلق ہے عورت کے نکاح کے اختیار کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

23. (3) (a) Under Hanafi and Ismaili Shite law she becomes competent when being of sound mind she attains puberty.

(b) Under the Shafii and Malki law, a 'thayyiba' is competent so to contract but not a woman who is a virgin; the marriage of an adult virgin governed by the Shafii law, contracted by her father without her consent, has however been held not to be valid (Muslim Law by Tayabji P.47)

ولایت نکاح کے مسئلہ پر ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے مجموعہ قوانین اسلامی میں تفصیلی اور مدلل بحث کی ہے اور اخیر میں اپنا یہ تجزیہ پیش کیا ہے کہ:

''مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ معاہدہ نکاح کے اصل فریق مرد اور عورت ہیں نہ کہ ان کے ولی۔اس لئے ایک بالغ اور عاقل عورت کو یہ حق ہونا چاہئے کہ وہ بلا وساطت ولی اپنا نکاح کرنے پر قادر ہو (مجموعہ قوانین اسلامی، مطبوعہ پاکستان ۱/۱۰۰)۔

بالغہ کے نکاح کے لئے ولی کو شرط قرار دینے والے کہتے ہیں کہ اگر یہ اختیار باکرہ کو حاصل ہو تو وہ الٹے سیدھے فیصلے کرے گی، مگر موجودہ زمانہ میں تو لڑکی کے باپ کے بارے میں بھی یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو بیچ دیتے ہیں، اور کتنے ہیں جو اپنی برادری کے باہر نکاح کر دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے جس کی وجہ سے عورتوں کی شادیاں نہیں ہو پاتیں۔ لہذا اولیاء کو اختیار دے کر لڑکیوں کو بے بس کرنا ہوگا، اور شریعت کا یہ منشا ہرگز نہیں ہوسکتا۔شریعت

نے جس طرح مرد کو اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے اسی طرح عورت کو بھی اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے، اور ولی کو یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی اس پر تھوپے، البتہ مناسب اور پسندیدہ بات عورت کے حق میں یہ ضرور ہے کہ وہ ولی کے توسط سے یا کسی مرد کو اپنا وکیل بنا کر نکاح کرے۔ عورت کی غیرت اور حیاداری کا یہ تقاضا ضرور ہے کہ وہ براہ راست اپنا نکاح نہ کرے۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنا نکاح کرلیا اور جب ولی کو اس نکاح کا علم ہوا تو اس نے اس نکاح سے اتفاق کیا یا اسے رد کردیا تو شرعاً دونوں صورتوں میں اس کا نکاح منعقد ہو گیا۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی کے از خود نکاح کر لینے کی صورت میں اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے اور اولیاء اس نکاح کو بذریعہ قاضی فسخ نہیں کراسکتے۔ جن فقہاء نے کفاءت یا مہر میں کمی کی وجہ سے اولیاء کے اعتراض کے حق کو تسلیم کیا ہے انہوں نے قرآن وسنت کی کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے۔ کفاءت تو فقہاء کا اجتہاد ہے، اور مہر عورت کا حق ہے، اگر وہ کم پر راضی ہے تو کسی کو اس پر اعتراض کا کیا حق؟

۴- زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں کردیا لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو وہ اس نکاح کو یقیناً فسخ کراسکتی ہے۔ اول تو نابالغہ کا نکاح کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا، اور جب بالغہ کی اجازت کو شریعت نے ضروری قرار دیا ہے تو نابالغہ کو اس کے بالغ ہونے کے بعد بے اختیار قرار دینا کیا معنی؟ اگر باپ دادا نے بھی نابالغہ کا نکاح کردیا ہو تو اس کے بالغ ہوجانے کے بعد اس نکاح کو رد کرنے کا اختیار لڑکی کو ہے اور باپ دادا کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی اس پر تھوپیں۔ نکاح کے بعد نباہ لڑکی کو کرنا ہے نہ کہ باپ یا دادا کو، پھر اس کی مرضی کے علی الرغم اسے کس طرح کسی کے نکاح میں دیا جاسکتا ہے؟

۵- خیار بلوغ کا حق لڑکی کو اس وقت تک حاصل ہوتا ہے جب تک کہ وہ معاملہ کو اچھی طرح سمجھ نہ لے یا جب تک شوہر سے مباشرت نہ کر لے۔

۶- اگر ولی نے لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کر دیا تو عورت اس نکاح کو خود رد کر سکتی ہے۔قاضی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔

۷- ولی عورت کے اقرب لوگ ہیں جن کو عصبات کہتے ہیں۔ باپ پھر بیٹا پھر بھائی وغیرہ۔

۸- جب شرعاً ولی کی اجازت بالغہ کے لئے شرط نہیں ہے تو یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی یا تمام مساوی اولیاء کا اتفاق ضروری ہوگا۔

☆☆☆

ولایت کے احکام

مفتی مصلح الدین احمد ☆

انعقاد وصحت نکاح کے لئے زوجین کا عاقل وبالغ ہونا شرط ہے یا نہیں؟ ابن شبرمہ، ابوبکر اصم اور عثمان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نابالغ بچوں کا نکاح قبل از بلوغ نہ کرایا جائے، ارشاد خداوندی ہے: ”**حتی إذا بلغوا النکاح**“ (سورۂ نساء:٦)، پس اگر قبل از بلوغ درست ہو تو بلوغ کی قید کا کوئی فائدہ نہیں۔

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ نابالغ لڑکی کا نکاح تو آثار مرویہ کی بنا پر جائز ہے اور نابالغ لڑکے کا نکاح جائز نہیں۔

لیکن جمہور فقہائے امت کے نزدیک جواز وصحت نکاح کے لئے بلوغ اور عقل شرط نہیں، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ صغیر ومجنون کا نکاح صحیح ہے۔

صغر:

ائمہ اربعہ وجمہور فقہاء کے نزدیک نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح کرا دیا جائے تو درست ہو جاتا ہے، بلکہ ابن منذر نے تو نابالغ بچی کا کفو میں نکاح کر دیا جاوے تو اس نکاح کے جواز پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، نابالغ کے نکاح کو فقہائے امت نے درج ذیل دلائل کی بنیاد پر جائز قرار دیا ہے:

☆ جامعہ تعلیم الاسلام، ڈیوزبری، برطانیہ۔

۱- "واللائي يئسن من المحيض من نساء كم إن ارتبتم فعدتهن ثلاثة أشهر واللائي لم يحضن" (سورہ طلاق:۴)، آیت کریمہ میں نابالغہ بچی کی عدت عورت کی طرح تین ماہ بیان کی گئی ہے، اور ظاہر ہے کہ عدت نکاح وفراق کے بعد ہی واجب ہوا کرتی ہے۔

۲-" وأنكحوا الأيامىٰ منكم" (سورہ نور:۳۲) بے نکاحوں کا نکاح کرادیا کرو، جس میں بے خاوند عورت بھی داخل ہے، اور بے خاوند عورت مطلق ہے اس میں بالغہ کی قید نہیں۔اسی طرح بے نکاح کے اطلاق میں بالغ مرد اور نابالغ بچہ دونوں شامل ہیں۔

۳- عن عائشة تزوجني النبي وأنا بنت ست وبنى بي وأنا بنت تسع (بخاری ومسلم) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام سے میرا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا اور نو سال کی عمر میں میری رخصتی ہوئی، حضور علیہ السلام نے حضرت حمزہ کی بیٹی کا نکاح ابن ابی سلمہؓ سے کیا حالانکہ اس وقت دونوں نابالغ تھے۔

۴- آثار صحابہ: بہت سے صحابہ کرامؓ سے نابالغ لڑکے ولڑکی کا نکاح کرادینا ثابت ہے۔

تزویج صغار کا حق کس کو ہے؟

جمہور فقہاء امت جو تزویج صغار کے جواز کے قائل ہیں وہ اس بارے میں مختلف ہیں کہ تزویج صغار کا حق کس کو حاصل ہے؟

مالکیہ وحنابلہ کہتے ہیں کہ صرف باپ، باپ کا وصی، حاکم، ان تینوں ہی کو تزویج صغار کا حق ہے کیونکہ اولاد پر باپ کی شفقت کامل ہے، بچوں کی خیر خواہی اور ان کے مصالح وغیرہ کی حقیقی دلچسپی باپ ہی کو ہوتی ہے، اور باپ کا وصی اور حاکم باپ کے حکم میں ہوا کرتے ہیں (المغنی ۶/۴۸۹ وغیرہ)۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ باپ اور دادا اور ان کے علاوہ دیگر عصبات کو صغیر وصغیرہ کا نکاح

کرانے کا حق ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے: "وإن خفتم أن لا تقسطوا في اليتامیٰ فانكحوا ما طاب لكم الخ" (سورہ نساء:۳) یعنی یتامی کے نکاح کے سلسلہ میں جب ظلم کا اندیشہ ہو تو آیت کریمہ میں اولیاء یتامی کو ان کے نکاح کا حکم دیا گیا ہے، اور ایک روایت میں تو امام ابو حنیفہؒ نے صاحبینؒ کے برخلاف عصبہ رشتہ داروں کے نہ ہونے کی صورت میں غیر عصبہ رشتہ داروں (ماں، بہن، خالہ وغیرہ) کو تزویج صغار کی اجازت دی ہے، اور اس کی دلیل ارشاد خداوندی: "وأنكحوا الأيامىٰ منكم" (سورہ نور:۳۲) کا عموم ہے کہ آیت کریمہ میں عصبہ وغیر عصبہ کی تفریق کے بغیر نکاح کرا دینے کا حکم دیا ہے (بدائع ۲/۲۴۰، مبسوط ۴/۲۱۳ وغیرہ)۔

شافعیہ کے نزدیک باپ اور دادا کے علاوہ اور کسی کو تزویج صغار کا حق نہیں۔ "الثيب أحق بنفسها من وليها والبكر يزوجها أبوها" (دار قطنی) ثیبہ اپنے ولی کی بہ نسبت اپنے نکاح کی زیادہ حقدار ہے اور باکرہ (کنواری) کا نکاح اس کا باپ کرائے، نیز مسلم شریف کی روایت میں ہے: "والبكر يستأمرها أبوها" یعنی باکرہ سے اس کا باپ اجازت نکاح لے، اور باپ کی غیر موجودگی میں ولایت وعصوبت کے اندر دادا باپ کے قائم مقام ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مالکیہ یوں کہتے ہیں کہ قیاس اس بات کا مقتضی ہے کہ تزویج صغار جائز نہ ہو، مگر آثار مرویہ کی بنا پر باپ کے حق میں قیاس کو ترک کر دیا گیا، لہذا باپ کے علاوہ کا حکم قیاس کے تقاضہ پر برقرار رہا۔

حنابلہ نے دیکھا کہ تزویج صغار کے سلسلہ میں احادیث باپ پر مقصور ہیں۔

شافعیہ نے احادیث سے استدلال کیا مگر انہوں نے دادا کو باپ پر قیاس کیا۔

حنفیہ نے آیات قرآنیہ کہ جن میں یتامی وغیر یتامی کی تزویج کا اولیاء کو حکم دیا گیا ہے، ان کے عموم کو تزویج صغار کے بارے میں اختیار کیا ہے۔

البتہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے تزویج صغار کی صحت و جواز کے لئے کفاءت اور مہر

مثل کو شرط قرار دیا ہے، کیونکہ ولایت مصلحت پر مبنی ہے اور غیر کفو یا غیر مہر مثل میں کیا جانے والا نکاح کسی صورت میں مصلحت وخیر خواہی پر مبنی نہیں ہوسکتا۔

عقلی دلیل: صحت نکاح کے لئے زوجین کا عاقل ہونا بھی بالاتفاق شرط نہیں، لہذا ولی کا مجنون اور مجنونہ، اسی طرح معتوہ اور معتوہہ (مغلوب العقل اور ناقص العقل کو معتوہ کہتے ہیں) کا نکاح کرادینا صحیح ہے، بالغ ہوں یا نابالغ، باکرہ ہوں یا ثیبہ (بدائع ۲/۲۴۱)۔

ولایت نکاح:

بہ اتفاق فقہاء نکاح کی صحت وانعقاد کے لئے ولایت انشاء ضروری ہے، یا تو بذات خود یا بالغیر۔ پس اگر یہ ولایت انشاء پائی جائے گی تو عقد نکاح صحیح اور نافذ ہوجائے گا ورنہ جمہور کے نزدیک باطل اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک موقوف رہے گا۔

اب ولایت کے بارے میں درج ذیل امور بحث طلب ہیں: ولایت کے معنی، ولایت کی انواع، عورت کے نکاح میں ولایت کی شرط، ولی کی شرائط، ولایت نکاح کس کو حاصل ہے؟ ولایت کس پر ثابت ہوگی؟ اولیاء کی ترتیب، عورت کی اجازت نکاح کی کیفیت، عضل ولی یعنی ولی کا روکنا، ولی کا غائب یا مفقود یا قید ہونا۔

ولایت کے معنی:

ولایت کے لغوی معنی محبت ونصرت کے ہیں "**ومن یتولّ الله ورسوله والذین آمنوا فإن حزب الله هم الغالبون**" (سورۂ مائدہ:۵۶)، "**والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض**" (سورۂ توبہ:۷۱)۔ ولایت کے معنی قوت اور غلبہ کے بھی آتے ہیں، اسی معنی کے اعتبار سے صاحب غلبہ واقتدار کو والی کہا جاتا ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں: **القدرة علی مباشرة التصرف من غير توقف علی إجازة أحد**۔ یعنی دوسرے کی اجازت پر توقف کے بغیر کسی تصرف پر بذات خود قادر ہونا۔ ایسا

تصرف کرنے والے کو متولی عقد (یعنی ولی) کہا جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: **فلیملل ولیہ بالعدل۔**

مشروعیتِ ولایت کا سبب: نابالغ اور مجنون کی مصلحتوں کی رعایت اور ان کے حقوق کی حفاظت، تا کہ ان کے عاجز وضعیف ہونے کی بنا پر ان کے حقوق ضائع نہ ہونے پاویں۔

ولایت کے اقسام:

حنفیہ کے یہاں ولایت کی تین قسمیں ہیں: ولایت علی النفس، ولایت علی المال، نفس اور مال دونوں پر ولایت۔

ولایت علی النفس: شخصی اور ذاتی ضرورتوں سے قاصر وعاجز کے حالات کی طرف توجہ کرنا، مثلاً نکاح، تعلیم وتربیت، دوا وعلاج وغیرہ۔

ولایت علی المال: تصرفات مالیہ (جیسے کہ مال کو بڑھانا، اس میں تصرف کرنا، مال کی حفاظت، مال خرچ کرنا وغیرہ) سے عاجز وقاصر کے حالات کی تدبیر کرنا۔ باپ اور دادا، باپ اور دادا کا وصی، قاضی کا وصی، ان کو ولایت علی المال حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی النفس والمال: شخصی اور مالی ضرورتوں کو شامل ہے۔ یہ صرف باپ اور دادا کو حاصل ہے۔ نکاح کے سلسلہ میں زیر بحث ولایت علی النفس ہوا کرتی ہے۔

پھر ولایت کی دو قسمیں ہیں: ولایت اجبار اور ولایت اختیار۔

۱۔ ولایت اجبار: **ھي تنفیذ القول علی الغیر** (دوسرے پر اپنی بات کو نافذ کرنا)۔ اس عام معنی کے اعتبار سے ولایت اجبار کے چار اسباب ہیں: قرابت، ملکیت، ولاء اور امامت۔

ولایت قرابت: صاحب قرابت (رشتہ دار) کو اپنے مولی علیہ پر یا تو قریبی رشتہ داری کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے جیسے کہ باپ، دادا، بیٹا، یا دور کی رشتہ داری کی وجہ سے حاصل ہوتی

ہے جیسے کہ چچازاد بھائی وغیرہ۔

ولایت ملک: یہ ولایت آقا کو بشرط عقل وبلوغ اپنے مملوک پر حاصل ہوتی ہے، لہذا آقا اپنے غلام یا باندی کا نکاح جبراً کرا سکتا ہے، اور غلام یا باندی کا نکاح (اگر وہ از خود کرلیں) آقا کی اجازت پر موقوف رہتا ہے۔

ولاء الموالاة: دو شخصوں کے درمیان یہ عقد (عہد) ہو کہ ایک دوسرے کی مدد کرے گا اور جنایت کرنے کی صورت میں تاوان ادا کرے گا اور موت کی صورت میں وارث ہوگا، چنانچہ اس عقد سے ولایت انکاح حاصل ہوگی بشرطیکہ ولی عاقل بالغ آزاد ہو اور مولی علیہ کا کوئی نسبی یا عصبۂ سببی وارث نہ ہو۔

ولایت امامت: امام عادل اور اس کے نائب کی ولایت جیسے کہ سلطان اور قاضی۔ پس جس شخص کے اندر نکاح کی اہلیت معدوم ہو یا ناقص ہو، ایسے شخص پر امام عادل اور اس کے نائب کو ولایت نکاح حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ اس شخص کا کوئی ولی قریب موجود نہ ہو، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **السلطان ولي من لا ولي له** (ترمذی وغیرہ) (بادشاہ ایسے شخص کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو)۔

ولایت اجبار بمعنی خاص: یہ ولی کا حق ہے کہ وہ اپنے علاوہ جس کے ساتھ چاہے نکاح کردے۔

ولایت اجبار بمعنی خاص حنفیہ کے نزدیک نابالغہ (اگر چہ ثیبہ ہو) معتوہہ، مجنونہ پر ولی کو حاصل ہوتی ہے، اور ایسی ولایت اجبار جس کو حاصل ہو اس کو ولی مجبر کہتے ہیں۔

۲۔ ولایت اختیار: یہ ولی کا حق ہے، اپنے مولیٰ علیہ کا نکاح وہ اپنی مرضی واختیار سے کرسکتا ہے اور ایسے شخص کو ولی مخیّر یعنی اختیاری ولی کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عاقلہ بالغہ آزاد عورت کے نکاح کے سلسلہ میں خواہ یہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ، ولایت اختیار مستحب ہے۔ عاقلہ بالغہ عورت اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرسکتی ہے

مگر نا تجربہ کاری کی وجہ سے عورت اپنے مصالح پر کما حقہ نظر نہیں کر سکتی، لہذا اس کے لئے مستحب یہی ہے کہ وہ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی کے حوالہ کر دے اور اسی کے ذریعہ اپنا نکاح کرائے۔

عورت کے نکاح کے لئے ولایت شرط ہے یا نہیں؟

بغیر ولی کے عورتوں کی عبارت سے نکاح کے منعقد ہونے کے بارے میں فقہائے امت کی دو رائیں ہیں:

حنفیہ کے نزدیک عورتوں کی عبارت سے نکاح منعقد اور صحیح ہو جاتا ہے، اور دیگر ائمہ کے نزدیک عورت کا نکاح بغیر ولی کے صحیح نہیں ہوتا بلکہ باطل ہے (فتح القدیر ۲/ ۳۱۹، درمختار ۲/ ۴۰۷، المہذب ۲/ ۳۵، المغنی ۶/ ۴۴۹ وغیرہ)۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ ظاہر روایت میں فرماتے ہیں کہ آزاد بالغ عاقل عورت کا نکاح اس کے ولی کی مرضی کے بغیر صحیح و نافذ ہو جاتا ہے۔

ولی عصبہ کی موجودگی میں عاقلہ بالغہ آزاد عورت کا نکاح اپنی مرضی سے صحیح ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ نکاح کفو میں ہو اور مہر مثل سے کم پر نہ ہو، پس اگر وہ غیر کفو میں نکاح کرے گی تو اس کے ولی کو اس نکاح پر اعتراض کر کے قاضی کے ذریعہ نکاح کو فسخ کرانے کا حق حاصل ہے۔

ولی عصبہ کی موجودگی میں کسی عورت نے غیر کفو میں نکاح کیا اور اس نکاح سے اس کو بچہ پیدا ہو گیا، یا اس نکاح سے اس کو حمل قرار پایا اور وہ حمل ظاہر ہے۔ ان دونوں صورتوں میں بچہ کی تربیت وحفاظت کے پیش نظر ولی کا حق اعتراض اور قاضی کے ذریعہ فسخ نکاح کا حق ساقط ہو جاتا ہے، کیونکہ ماں باپ کی تفریق کی صورت میں بچہ ضائع ہو جائے گا اور دونوں کا اکٹھا رہنا بلاشبہ بچہ کے حق میں قرین مصلحت ہے۔

حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے: "**الأیم أحق بنفسها من ولیها والبکر تستأمر وإذنها صماتها**" (بے نکاحی عورت اپنی ذات کی اپنے ولی کی بہ نسبت زیادہ حقدار ہے، اور

کنواری سے اجازت لی جائے گی اور خاموشی اس کی اجازت قرار دی جائے گی)، "**الأيم**" بے نکاحی اور بے خاوند عورت کو کہا جاتا ہے خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔علاوہ ازیں عورت جب تمام تصرفات بیع، رہن، اجارہ وغیرہ کی اہلیت کاملہ رکھتی ہے تو اپنا نکاح کرنے کی بھی اہل قرار دی جائے گی کیونکہ یہ خالص اپنی ذات میں تصرف ہے۔

ولی کی شرائط:

حنفیہ کے نزدیک ولی کے اندر چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: **عقل، بلوغ، حریت، اتحادِ دین** (بدائع الصنائع ۲/ ۲۳۹)۔

کمال اہلیت بلوغ، عقل اور حریت پر موقوف ہے، لہٰذا نابالغ، مجنون، معتوہ (ضعیف العقل)، نشہ والا، بوڑھاپے کی وجہ سے مختل العقل اور غلام کو ولایت حاصل نہ ہوگی، کیونکہ قصور ادراک اور عاجز ہونے کی بنا پر ان کو اپنے نفس پر ولایت حاصل نہیں تو دوسرے پر ان کو کیسے ولایت حاصل ہوسکتی ہے؟

ولی اور زیر ولایت شخص کا دین کے اعتبار سے متحد ہونا بھی شرط ہے، لہٰذا غیر مسلم کو مسلم پر اور مسلم کو غیر مسلم پر ولایت حاصل نہ ہوگی "**ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا**" (سورۂ نساء:۱۴۱)۔ اور حدیث میں ہے: **الإسلام يعلو ولا يُعلىٰ**۔ اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا، اس شرط کا سبب یہ ہے کہ تحقیق مصلحت اسی میں ہے۔

حنفیہ کے یہاں ولایت کے لئے مرد ہونا شرط نہیں، لہٰذا ان کے نزدیک عاقلہ بالغہ آزاد عورت بطور ولایت یا بطور وکالت دوسرے کا نکاح کراسکتی ہے، اسی طرح ولایت کے لئے عدالت (احکام شرعیہ کی تعمیل، کبیرہ گناہ سے بچنا، صغیرہ گناہ پر اصرار نہ کرنا) بھی ضروری نہیں، لہٰذا ولی (عادل ہو یا فاسق) کو نکاح کرانا جائز ہے کیونکہ فسق، شفقت اور اپنے رشتہ دار کی رعایت مصلحت کے منافی اور مانع نہیں، نیز اس لئے بھی کہ حق ولایت عام ہے، اور عہد نبوی و خیر القرون

کے دور میں کہیں کسی ولی کو اس کے فسق کی بنا پر تزویج سے منع کیا جانا منقول نہیں۔

اولیاء کی ترتیب:

حنفیہ کے نزدیک ولایت سے صرف ولایت اجبار مراد ہے۔ عصبہ میت کے اس مذکر (مرد) رشتہ دار کو کہتے ہیں جس کی نسبت میت کی طرف کسی عورت کے واسطہ سے نہ ہو، ولایت اجبار عصبہ رشتہ داروں کو الأقرب فالأقرب کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے، یعنی جو عصبہ جتنا زیادہ قریبی رشتہ دار ہوگا اسی کے مطابق اس کو ترجیح ہوگی (بدائع ۲/ ۲۴۰، فتح القدیر ۲/ ۴۰۵، ۴۱۳، ۴۱۶، درمختار ۲/ ۴۲۹، ۴۳۱)۔

اس لئے کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: **النکاح إلى العصبات**، یعنی نکاح کا حق واختیار عصبات کو ہے۔

ولایت اجبار کی ترتیب: یہ ولایت درج ذیل ترتیب سے حاصل ہوتی ہے، بنوۃ، أبوۃ، أخوۃ، عمومۃ، معتق، امام وحاکم، (۱) بیٹا، پوتا اور نیچے تک، (۲) باپ، جد عصبی اور اوپر تک، (۳) حقیقی بھائی اور علاتی (باپ شریک) بھائی، ان کے بیٹے اور نیچے تک، (۴) حقیقی چچا، علاتی چچا، ان کے بیٹے اور نیچے تک (۵) معتق یعنی آزاد کرنے والا پھر معتق کے عصبہ نسبی، (۶) سلطان اور اس کا نائب یعنی قاضی۔

قول معتمد کے مطابق باپ کے وصی کو صغیر اور صغیرہ کا نکاح کرانا درست نہیں اگرچہ باپ نے اس وصی کو وصیت کی ہو۔

ولی اقرب (قریب تر) کی موجودگی میں ولی ابعد (نسبۃً دور) نے نکاح کرا دیا تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا، مگر یہ کہ قریب تر ولی نابالغ یا مجنون ہو تو ایسی صورت میں ولی ابعد کا نکاح نافذ ہو جائے گا۔

کسی لڑکی کے مساوی درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں اور ان میں سے کسی ایک نے

کفو میں مہر مثل وغیرہ شرائط کی رعایت کے ساتھ نکاح کرادیا تو یہ نکاح درست ہوجائے گا۔سب اولیاء کی اجازت واتفاق ضروری نہیں۔" **وذلک فیما قاله هذا إذا اجتمع في الصغير والصغيرة والمجنون الكبير والمجنونة الكبيرة وليان أحدهما أقرب والآخر أبعد، فأما إذا كانا في الدرجة سواء كالأخوين والعمين ونحو ذلک فلكل واحد منهما على حياله أن يزوج رضي الآخر أو سخط بعد أن كان التزويج من كفوء بمهر وافر وهذا قول عامة العلماء**" (بدائع ۲/۲۵۱) اولیاء کی مذکورہ بالا باہمی ترتیب صاحبین کی رائے کے مطابق ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عصبہ رشتہ داروں کے نہ ہونے کی صورت میں غیر عصبہ رشتہ داروں کو ولایت نکاح حاصل ہے، یعنی ذوی الارحام کو الأ قرب فالأ قرب کی بنیاد پر نکاح کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

چنانچہ عصبات نہ ہونے کی صورت میں ماں، پھر دادی، پھر نانی کو ولایت تزویج ہوگی اور اصول کے نہ ہونے کے وقت یہ ولایت فروع کی طرف منتقل ہوجائے گی۔ پس بیٹی، پوتی پر قرب کی وجہ سے، اور پوتی، نواسی پر قوت قرابت کی وجہ سے مقدم اور راجح ہوگی۔اس کے بعد جد غیر صحیح یعنی نانا اور دادی کا باپ، پھر بہنیں، پھر اخیافی چچا، پھر مطلقاً پھوپھیاں، پھر ماموں اور خالائیں اور ان کی اولاد۔ اگر ذوی الارحام میں سے بھی کوئی رشتہ دار نہ ہو تو پھر حاکم، یعنی قاضی کی طرف ولایت تزویج منتقل ہوجائے گی۔

کسی مجنون (پاگل) عورت کا باپ اور بیٹا دونوں موجود ہوں تو اس پاگل عورت کی ولایت نکاح امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مجنونہ کے بیٹے کو ہوگی، کیونکہ وہ عصبہ ہونے میں مقدم ہے، اور زیادتی شفقت کا اعتبار نہیں اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ولایت تزویج مجنونہ کے باپ کو حاصل ہوگی کیونکہ بیٹے کی بہ نسبت باپ زیادہ شفیق ہوتا ہے۔

حنفیہ اور دیگر ائمہ مجتہدین کا باہمی فرق یہ ہے کہ دیگر ائمہ مجتہدین باپ اور دادا کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کے لئے ثبوت ولایتِ تزویج کے قائل نہیں، اور حنفیہ باپ اور دادا کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کے لئے بھی ثبوت ولایتِ تزویج کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم سے ابن العم یعنی چچازاد بھائی کے لئے تزویج ثابت ہے "**ويستفتونک في النساء قل الله يفتيكم فيهن**......" (سورہ نساء:۱۲۷) بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ آیت کا شان نزول وہ یتیم بچی ہے جو اپنے کسی ولی کی زیر ولایت ہو اور وہ خود اس یتیم بچی سے نکاح کرنا چاہتا ہو، لیکن اس کے مہر کی مقدار میں ناانصافی کر رہا ہو، یعنی اس بچی کے مہر مثل سے کم پر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ولی متصور ابن العم یعنی بچی کا چچازاد بھائی ہی ہو سکتا ہے، اور جب چچازاد بھائی کو ولایت حاصل ہے تو اس سے قریب تر رشتہ دار مثلاً بھائی اور چچا کو تو بطریق اولی ولایت تزویج حاصل ہوگی۔ علاوہ ازیں حضرت علیؓ کا قول "**النكاح إلى العصبات**" میں لفظ عصبات کے عموم میں باپ کے علاوہ دیگر عصبی رشتہ دار بھی داخل ہیں۔

اسی طرح حنفیہ دیگر ائمہ مجتہدین کے برخلاف اسی قولِ علیؓ کی بنا پر فرماتے ہیں کہ باپ کے وصی کو ولایت تزویج اس لئے حاصل نہیں کہ وہ عصبہ رشتہ داروں میں سے نہیں۔

فقہائے امت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کا کوئی ولی نہ ہو یا وہ اس عورت کو نکاح سے روکتا ہو، ایسی صورت میں سلطان کو ولایت تزویج ہوگی کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث ہے: **السلطان ولي من لا ولي له**۔ سلطان سے مراد امام یا حاکم یا ان کا مقرر کردہ قاضی ہے۔

انعقاد ولزوم نکاح کی شرائط وتفصیل:

عاقلہ بالغہ آزاد نے اجازت ولی کے بغیر کسی سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اور ولی کو حق اعتراض اور حق فسخ نکاح ہے یا نہیں؟

فقہاء احناف ظاہر روایت میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ عاقل وبالغ آزاد عورت کو خود اپنے نکاح اور اپنی نابالغہ بیٹی کے نکاح اور دوسرے کی طرف سے وکیل بالنکاح بننے کا حق حاصل ہے، لیکن غیر کفو میں اپنا نکاح کرنے کی صورت میں اس کے اولیاء کو حق اعتراض اور قاضی کے ذریعہ فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا (بدائع الصنائع ۲/۲۴۷)، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں تاوقتیکہ ولی یا حاکم اجازت نہ دیدے، لہذا معلوم ہوا کہ ولی کی اجازت کے بغیر کفو اور مہر مثل کے ساتھ عورت کا یہ نکاح درست قرار پائے گا اور وہ عورت گنہگار نہ ہوگی۔

لزوم نکاح کی شرائط:

لزوم عقد کے معنی یہ ہیں کہ نکاح کے بعد زوجین یا ان کے علاوہ اور کسی کو فسخ نکاح کا حق باقی نہ رہے۔ لزوم نکاح کی چار شرطیں ہیں:

۱۔ عدیم الاہلیۃ: جیسے کہ مجنون ومعتوہ، یا ناقص الاہلیۃ جیسے کہ نابالغ لڑکا یا نابالغ لڑکی، ان میں سے کسی کا نکاح اس کا باپ یا دادا کردے، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شرط ہے، چنانچہ باپ یا دادا کے علاوہ اور کسی ولی جیسے کہ بھائی، چچا وغیرہ نے نکاح کرایا اگرچہ کفو اور مہر مثل کے ساتھ ہو، تو یہ نکاح لازم نہ ہوگا بلکہ جنون سے افاقہ اور بلوغ کے بعد ان کو فسخ نکاح کا حق حاصل رہے گا، کیونکہ اصول وفروع کے علاوہ کی قرابت کمال شفقت ورعایت مصالح میں اصول وفروع کے برابر نہیں ہوسکتی۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل وہ روایت ہے کہ قدامہ ابن مظعونؓ نے اپنی بھتیجی کا نکاح عبداللہ بن عمرؓ سے کردیا تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو بلوغ کے بعد فسخ نکاح کا اختیار دیا اور انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے اپنا نکاح فسخ کرلیا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ باپ اور دادا کے علاوہ کا کرایا ہوا نکاح بھی لازم ہوجاتا ہے اور زوجین کو فسخ نکاح کا حق نہیں رہتا۔

اسی طرح حاکم وقت نے کسی مجنون یا نابالغ کا نکاح کرادیا، تو افاقہ اور بلوغ کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کو فسخ نکاح کا حق نہیں رہتا (برخلاف امام محمدؒ کے) کیونکہ حاکم کی ولایت بھائی اور چچا کی ولایت کی بہ نسبت عام و تام ہے کیونکہ حاکم کو نفس اور مال دونوں میں تصرف کا حق ہے، لہذا اس کی ولایت باپ اور دادا کی ولایت کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ولایت ملزمہ ہوگی۔

۲۔ خاوند بیوی کا کفو ہو، مرد کا بہ وقت نکاح دین، آزادی، مال، پیشہ وصنعت، مہر مثل وغیرہ صفات میں بیوی کے مساوی اور برابر ہونے کو اصطلاح شریعت میں ''کفو ہونا'' کہتے ہیں۔

کفاءت شرط لزوم ہے صحت نکاح کی شرط نہیں، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فاطمہ بنت قیسؓ کو اسامہ بن زیدؓ سے نکاح کا حکم دیا اور فاطمہ بنت قیسؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن عقبہ بن ربیعہؓ نے حضرت سالم کو متبنّیٰ (منہ بولا بیٹا) بنا کر اپنی بھتیجی سے ان کا نکاح کردیا، حالانکہ سالمؓ آزاد کردہ غلام ہیں۔

۳۔ عاقلہ بالغہ عورت نے مہر مثل سے کم پر نکاح کیا، اس صورت میں بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ولی کو حق اعتراض ہے، وہ قاضی سے فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتا ہے، مگر یہ کہ خاوند اضافہ کرکے اس کو مہر مثل کے برابر کردے تو پھر ولی کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق نہیں رہے گا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مہر مثل کی مماثلت لزوم نکاح کے لئے شرط نہیں، اس کے بغیر بھی نکاح لازم ہوجائے گا۔

۴۔ خاوند مجبوب (مقطوع الذکر) یا عنین (نامرد) نہ ہو اور بیوی اس کے ساتھ رہنے پر رضامند نہ ہو۔ اور اگر بیوی رضامند ہو تو اس کو حق فسخ نہ رہے گا۔

ایک عورت نے اجازت ولی کے بغیر نکاح کرلیا اور اس کے متعدد اولیاء میں سے کسی

ایک ولی نے اجازت دیدی تو بقیہ اولیاء کا حق فسخ نکاح امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ساقط ہوجائے گا، اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں دیگر اولیاء کا حق فسخ ساقط نہ ہوگا۔

کسی عورت کے متعدد اولیاء میں سے کسی ایک ولی نے عورت کی رضامندی سے اس کا نکاح غیر کفو میں کردیا اور دیگر اولیاء راضی نہیں تو عام علماء امت کے نزدیک وہ نکاح صحیح ہوجائے گا (بدائع الصنائع ۳۱۸/۲)۔

عورت کی اجازت نکاح کی کیفیت:

"**الثيب تعرب عن نفسها والبكر رضاها صمتها**" (ابن ماجہ وغیرہ) ثیبہ اپنی رائے صراحۃً ظاہر کرے کہ وہ اس نکاح پر راضی ہے یا ناراض، اور کنواری عورت کی خاموشی رضامندی نکاح سمجھی جائے گی۔ "**الثيب أحق بنفسها من وليها والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها**" (ترمذی شریف وغیرہ) ان روایات کی بنا پر باکرہ کی خاموشی رضامندی کی دلیل سمجھی جائے گی۔ اسی طرح ہر وہ امر جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو، مثلاً بغیر استہزاء کے ہنسنا، تبسم، بغیر چلائے رو دینا وغیرہ اجازت و رضامندی قرار دیا جائے گا۔

ثیبہ کی اجازت کے لئے قول صریح ضروری ہے کہ وہ اپنی زبان سے کہے کہ میں راضی ہوں، میں نے اجازت دی وغیرہ۔

ولی کا نکاح کرانے سے انکار کرنا:

عاقلہ بالغہ آزاد عورت کو کفو میں نکاح کرنے سے اس کے مطالبہ کے باوجود اور ہونے والے زوجین کی باہمی رغبت و رضامندی کے باوجود ولی کے منع کرنے اور نکاح کرانے سے انکار کرنے کو شریعت میں عضل کہا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے "**وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن**" (سورۂ بقرہ: ۲۳۲) اس آیت کریمہ میں عورت کے اولیاء کو اس طرح منع کرنے اور انکار کرنے سے روکا ہے۔

مہر مثل سے کمی کی بنا پر شافعیہ، حنابلہ اور صاحبین کے نزدیک ولی کو نکاح سے روکنے کا حق حاصل نہیں، کیونکہ مہر خالص عورت کا حق ہے، نیز وجوب مہر کے بعد جب وہ کل مہر معاف وساقط کر سکتی ہے تو شروع میں کچھ کمی کر دینے کا بھی اس کو حق ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر مثل سے کمی کی بنا پر اولیاء کو منع کرنے کا حق حاصل ہے، کیونکہ یہ کمی اولیاء کے حق میں عار ہے، نیز اولیاء کے خاندان کی دوسری عورتوں کا اس میں ضرر ہے، ان کا مہر مثل کم ہو جانے کی وجہ سے۔

تحقق عضل کا معیار:

باپ اپنی بیٹی کا پیغام صرف رد کر دینے کی وجہ سے عاضل و مانع نہیں قرار پائے گا، مگر یہ کہ اس سے ضرر پہنچانا متحقق ہو جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ محض اپنی خدمت کے لئے یا اپنی بیٹی کی آمدنی و دولت کسی اور جگہ نہ چلی جائے، اس بنا پر اس کا نکاح نہیں کر رہا ہے اور انکار کر رہا ہے تو اب عضل متحقق ہو جائے گا۔

امام مالکؒ کے متعلق منقول ہے کہ صالح خاوندوں کے انتظار میں انہوں نے اپنی صاحبزادیوں کو نکاح سے منع فرمایا تھا، اسی طرح حضرت سعید بن مسیّبؒ وغیرہ دیگر فقہاء کے متعلق یہ منقول ہے، اور ظاہر ہے کہ ان کا مقصد اپنی بیٹیوں کو ضرر پہنچانا نہ تھا، لہٰذا ان میں سے کسی کو بھی عاضل نہیں قرار دیا گیا۔

عضل و منع کا حکم:

نقصان پہنچانے کی نیت سے تکرار عضل کی بنا پر وہ ولی فاسق قرار پائے گا کیونکہ عضل صغیرہ گناہ ہے۔

عضل ولی کی بنا پر امام احمدؒ کے نزدیک ولی اقرب سے ولی ابعد کی طرف ولایت منتقل ہو جاتی ہے، اور جب تمام اولیاء منع کر دیں تو حاکم وقت اس کا نکاح کرائے گا۔

حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ کے یہاں اس صورت میں ولی ابعد کے بجائے حاکم وقت کی طرف ولایت منتقل ہوجاتی ہے کیونکہ حدیث میں ہے: "**فإذا اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له**"۔ یعنی اولیاء باہم جھگڑیں تو بادشاہ وقت ہر ایسے شخص کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ عضل کی بنا پر وہ ولی نہیں رہا بلکہ ظالم بن گیا، اور رفع ظلم قاضی کے فرائض میں سے ہے۔

ولی کی غیبوبت:

حنفیہ کے نزدیک ولی اگر غائب بہ غیبت منقطعہ ہو اور اس نے کسی کو تزویج کا وکیل نہ بنایا ہو، ایسی صورت میں عصبات میں سے جو ولی ابعد (بعید تر) ہو اس کی طرف ولایت منتقل ہوجاتی ہے، چنانچہ باپ کے غائب ہونے کی صورت میں دادا نکاح کرائے گا، اس صورت میں سلطان وقت کی طرف ولایت منتقل نہیں ہوتی، کیونکہ حدیث میں ہے: **السلطان ولي من لا ولي له**۔ اور یہاں پر اس عورت کا ولی موجود ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ ولایت نظر و مصلحت پر مبنی ہے، اور عورت جس کی رائے سے منتفع نہ ہو سکے اس کو تفویض نکاح کرنے میں خیر خواہی اور بہبودی نہیں، لہذا خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبہ و تقاضہ کے پیش نظر ولی ابعد کو نکاح کرانے کا حق ملے گا، اور وہ سلطان پر مقدم ہے، جیسے کہ ولی اقرب کی موت کی صورت میں ولی ابعد کو ولایت نکاح حاصل ہوجاتی ہے۔

غیبت منقطعہ کی حد:

صاحب قدوری کے قول مختار کے مطابق یہ ہے کہ ولی اتنی مسافت بعیدہ پر ہو کہ جہاں قافلے سال میں ایک ہی مرتبہ پہنچ سکتے ہوں، اور بعض متاخرین فقہاء احناف کہتے ہیں کہ ادنیٰ مسافت قصر اڑتالیس میل (۸۹ کیلومیٹر) ہے۔ امام ابوبکر محمد بن فضل بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ولی اقرب اتنے فاصلہ پر ہے کہ اس کی رائے معلوم کرنا بسہولت ممکن نہ ہو تو غیبت منقطعہ ہے ورنہ

غیبت منقطعہ نہیں۔صاحب بدائع علامہ کاسانی نے اس قول کو اقرب اِلی الفقہ کہا ہے (بدائع الصنائع ۲/۲۵۰۔۲۵۱، فتح القدیر ۲/۱۵۴ و مابعدہا)۔

ولی کے کرائے ہوئے نکاح کو فسخ کرانے کا حق:

باپ، اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں دادا کو اپنے نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کا نکاح کسی جگہ جبراً کرانے کا حق حاصل ہے، اور یہ نکاح صحیح ولازم بھی ہوجائے گا۔لزوم نکاح کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے بعد زوجین یا ان کے علاوہ اور کسی کو فسخ نکاح کا حق باقی نہ رہے، باپ اور دادا نے غیر کفو میں نکاح کردیا تب بھی نکاح صحیح اور لازم ہوجائے گا۔

باپ اور دادا نے غبن فاحش (یعنی صغیرہ کا نکاح اس کے مہر مثل سے کم پر کردینا یا صغیر کا نکاح مہر مثل سے زیادہ مقدار پر کرنا) کے ساتھ کردیا تب بھی یہ نکاح صحیح اور لازم ہوجائے گا۔

باپ اور دادا کے علاوہ اور کسی ولی نے صغیر یا صغیرہ کا نکاح غیر کفو میں کیا یا غبن فاحش کے ساتھ کیا تو بہرصورت یہ نکاح قطعاً صحیح نہ ہوگا بلکہ باطل ہوگا۔

باپ اور دادا کے علاوہ کا کرایا ہوا نکاح کفو میں مہر مثل پر صحیح تو ہوجائے گا لیکن صغیر اور صغیرہ کو بلوغ کے بعد یا بعد از بلوغ نکاح کا علم ہونے کے بعد قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کر کے قاضی کے ذریعہ فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، بغیر قضاء قاضی کے وہ از خود اپنا نکاح فسخ نہیں کرسکتے۔

علامہ شامیؒ بحوالہ شرح مجمع فرماتے ہیں کہ غیر کفو اور غبن فاحش کے ساتھ باپ کے لئے تزویج صغیر وصغیرہ کا جواز امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک باپ کو بھی غیر کفو میں اور غبن فاحش کے ساتھ نکاح کرانا جائز نہیں، ان کے نزدیک یہ نکاح ہی صحیح نہ ہوگا۔

ولی کا معروف بسوء اختیار وفاسق وغیرہ ہونا:

سوء اختیار اور سوء رائے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص (ولی) فاسق یا ماجن ہو، یعنی اس کو اپنے

کام کی کوئی پرواہ اور خیال نہ ہو، یا وہ سفیہ (ضعیف العقل) طماع (لالچی) ہو، باپ اور دادا کے عدم کفو اور عدم مہر مثل میں کرائے ہوئے نکاح کی صحت ونفاذ کے لئے فقہاء کرام کے یہاں یہ شرط ہے کہ وہ باپ یا دادا سوء اختیار کے ساتھ معروف ومشہور نہ ہو یعنی ماجن (بے پرواہ) و فاسق نہ ہو۔

شرح مجمع میں ہے کہ باپ سفاہت یا طمع کی بنا پر معروف بسوء اختیار ہو تو اس کا کرایا ہوا نکاح بالاجماع جائز نہیں۔

اس قسم کے نکاح کے باطل ہونے کے لئے صرف سوء اختیار کا تحقق اور پایا جانا کافی نہیں بلکہ ولی کا سیئ الاختیار رہنا قبل از عقد لوگوں کے اندر معروف ومشہور ہونا ضروری ہے، چنانچہ سوء اختیار کی شہرت سے پہلے کسی سیئ الاختیار ولی یعنی باپ نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کسی فاسق سے کردیا تو یہ نکاح صحیح قرار پائے گا۔

عدم کفاءت کے مفہوم میں خاوند کا فاسق وفاجر ہونا یا فسق وفجور کے علاوہ اور کسی وجہ سے کفو (مساوی) نہ ہونا دونوں شامل ہیں حتی کہ باپ نے اپنی صغیرہ بیٹی کا نکاح کسی فقیر سے کردیا، یا کسی حقیر پیشہ والے سے کردیا جو اس لڑکی کا کفو نہیں، تو یہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

ماقبل میں مذکور ہوا کہ لڑکی کو بعد از بلوغ نکاح فسخ کرانے کا حق ہوگا، یہ نابالغ لڑکی کے سلسلہ میں ہے، لیکن اگر اولیاء نے کسی بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت سے کسی شخص کو کفو سمجھ کر اس کے ساتھ کرایا، پھر نکاح کے بعد اس شخص کا غیر کفو ہونا ظاہر ہوا، تو اس صورت میں خود عورت یا اس کے ولی وغیرہ کو یہ نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل نہ ہوگا (درمختار وردالمحتار ۲/۶۶-۶۸)۔

☆☆☆

عقد نکاح اور شرط ولایت

شیخ وہبہ مصطفیٰ زحیلی ☆

الحمدلله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على أفضل الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين۔ امابعد

یہ ایک حقیقت ہے کہ زندگی میں باہمی عہد و پیمان کا نظام معاشرتی روابط کو منظم اور استوار کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے، معاملات میں سب سے نازک اور اہم معاملہ نکاح کا ہوتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ ایک ایسے نئے خاندان کی تشکیل ہوتی ہے جسے پوری زندگی کے لئے بقاء اور استحکام حاصل ہوتا ہے، اسی بنیاد پر فریقین کے حقوق اور فرائض کا تعین ہوتا ہے، لہذا اسلام کی طرف سے اس پر توجہ دیا جانا ضروری اور واضح تھا، فقہ میں اس کے احکام اور اس کے ضمن میں پیدا شدہ فسخ یا طلاق کے احکام ذکر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر اس پہلو کی اجمالاً اور تفصیلاً وضاحت ہو جائے جس کا اس سے کسی بھی طرح کا تعلق ہو۔

اس سلسلہ میں رہنمائی کرنے والے قرآن وسنت سے ثابت شرعی نصوص زیادہ تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں بہ نسبت ان دوسرے تشریعی احکام کے جو عبادات اور خاندان کے احکام یعنی وراثت و وصیت کے علاوہ ہیں۔

عقد نکاح کے احکام و شرائط میں سے ایک ولایت بھی ہے، جو عقد اور کفاءت کے سلسلے

☆ دمشق یونیورسٹی، شام۔

میں اس لئے حاصل ہوتی ہے تا کہ رشتہ مستحکم ہو، اس کا باہمی رابطہ مضبوط ہو اور تا عمر برقرار رہے۔

ولایت کے اثبات یا نفی کے سلسلہ میں فقہاء کے نقطہائے نظر یا تو حق آزادی اور عورت کی کامل اہلیت کو ملحوظ رکھنے سے متاثر ہیں، جیسا کہ حنفیہ کا نقطۂ نظر ہے، یا اس کا مقصد زیادہ باخبر اور واقف ولی کے ذریعہ عورت کے مفاد کا حصول ہے، جیسا کہ جمہور فقہاء کا رجحان ہے۔

عملی زندگی کا تقاضا ہے کہ مندرجہ ذیل سوالات کی روشنی میں اس موضوع پر گفتگو کی جائے۔

۱- نکاح میں ولایت سے کیا مراد ہے، اور ولایت علی النفس کی شرطیں کیا ہیں؟

ولایت کے لغوی معنی یا تو محبت اور نصرت کے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی کے ارشاد "**والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض**" (توبہ/۷۱) میں ہے، یا اس کے معنی اقتدار اور قدرت کے ہیں، کہا جاتا ہے: "**صاحب الولاية على القطر الفلاني يا الوالي**"، یعنی صاحب اقتدار و اختیار۔ ولایت، وَلْیٌ بمعنی قرب سے مشتق ہے۔

ولایت شرعاً جیسا کہ امام نووی نے اپنی کتاب "**التوقيف على مهمات التعاريف**" میں ذکر فرمایا ہے، یہ ہے: "**تنفيذ القول على الغير، شاء الغير أم أبى**"، یعنی دوسرے پر قول کو نافذ کرنا، دوسرا چاہے یا نہ چاہے۔ یا اس کا مفہوم ہے: "**القدرة على مباشرة التصرف من غير توقف على إجازة أحد**" یعنی دوسرے کی اجازت پر توقف کے بغیر کسی تصرف پر قادر ہونا۔

عقد کرانے والے کو ولی کہتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالی کا فرمان ہے: "**فليملل وليّه بالعدل**" (بقرہ/۲۸۲)۔ چھوٹوں اور پاگلوں کے نکاح کے سلسلے میں ولایت (بالاتفاق ولایت اجبار) کی مشروعیت کا سبب ان کے مفادات کی رعایت اور ان کے حقوق کا تحفظ ہے، تا کہ عاجز اور کمزور ہونے کی بنا پر ان کے حقوق ضائع نہ ہوں۔

ولایت نکاح کی دو قسمیں ہیں: ولایت اجبار، ولایت اختیار۔

ولایت اجبار کا مفہوم یہ ہے کہ دوسرے کی رضا یا اس کا انتخاب معلوم کئے بغیر اس پر قول کو نافذ کیا جائے ،اس کا ثبوت یا تو قرابت کے سبب ہوتا ہے، ایسی صورت میں اسے ولایت قرابت کہتے ہیں، یا اس کا ثبوت امامت کے سبب ہوتا ہے، ایسی صورت میں اسے ولایت امامت کہتے ہیں۔

ولایت قرابت کا اثبات ولی کے لئے مولی علیہ(زیر ولایت شخص) سے قرابت کے سبب ہوتا ہے تو یہ قرابت یا تو قریب کی ہوگی جیسے باپ، دادا اور بیٹا، یا دور کی ہوگی جیسے ماموں زاد اور چچا زاد بھائی۔

ولایت امامت سے مراد امام عادل اور اس کے نائب، مثلاً سلطان اور قاضی کی ولایت ہے، لہذا ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ اہلیت سے عاری یا ناقص اہلیت والے کا نکاح کرائے، بشرطیکہ اس شخص کا کوئی ولی قریب موجود نہ ہو، سلطان اور قاضی کا یہ عمل حدیث نبوی ﷺ "السلطان ولي من لا ولي له" (سلطان اس شخص کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو) کے مطابق ہوگا (اس حدیث کی تخریج سنن اربعہ کے مصنفین نے سوائے نسائی کے حضرت عائشہؓ سے کی ہے، اور ابو عوانہ، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

خلاصہ یہ کہ نکاح میں ولایت اجبار اپنے مخصوص مفہوم کے اعتبار سے ولی کا وہ حق ہے جس کی بنیاد پر اسے اختیار ہے کہ دوسرے کا نکاح جس سے چاہے کر دے۔

رہا ولایت اختیار تو اس سے مراد ولی کا وہ حق ہے جو مولی علیہ(زیر ولایت شخص) کے انتخاب اور اس کی مرضی کے مطابق نکاح کرانے کے سلسلے میں اسے حاصل ہوتا ہے، ایسی ولایت کے حامل شخص کو ولی مختار کہتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام زفرؒ کے نزدیک آزاد، عاقلہ، بالغہ عورت کے نکاح میں یہ ولایت مستحب ہے، خواہ وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ، اس طرح ان روایات اور طریقوں کے محاسن کی رعایت ہو جاتی ہے جنہیں اسلام نے ملحوظ رکھا ہے، کیونکہ مذہب حنفی کے مطابق عورت اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے اپنا نکاح خود کر سکتی ہے، لیکن اس کے لئے

بہتر یہی ہے کہ نکاح کا معاملہ اپنے ولی کے سپرد کردے۔ ولایت اختیار کے اثبات کے لئے صرف مولی علیہ (زیرولایت شخص) کی رضامندی شرط ہے، کسی اور کی نہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ولی صرف ولی مجبر ہے جس کی ولایت نابالغوں، پاگلوں اور معتوہین پر ہوتی ہے، اور ولایت اجبار صرف نابالغہ پر ہوتی ہے خواہ وہ ثیبہ اور معتوہہ ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح نابالغ اور مجنون کے نکاح میں ولی کی موجودگی شرط ہے، لیکن مکلفہ (عاقلہ، بالغہ) کے نکاح میں یہ شرط نہیں ہے (درمختار مع ردالمحتار ۲/ ۲۰۷ طبع الامیریہ)۔

عورت کے نکاح میں ولایت کی شرط سے متعلق فقہاء کے نقطہائے نظر:

عورت کے نکاح کے سلسلے میں ولایت کی شرط یا عبارت نساء کے ذریعہ انعقاد نکاح سے متعلق مسلم فقہاء کی دو رائیں ہیں: ایک رائے حنفیہ کی ہے جس کے مطابق اگر ایک عورت بغیر ولی کے عقد نکاح کے دو اجزاء (ایجاب وقبول) میں سے کسی ایک کو استعمال کرتی ہے تو اس کی عبارت سے نکاح صحیح ہو جائے گا، دوسری رائے جمہور (بقیہ ائمہ) کی ہے جس کی رو سے ولی کے بغیر عقد ہی باطل ہو جائے گا (فتح القدیر ۲/ ۳۹۱ اور بعد کے صفحات، درمختار ۲/ ۴۰۷ اور بعد کے صفحات، الشرح الصغیر وحاشیۃ الصاوی ۲/ ۳۵۳، مغنی المحتاج ۳/ ۱۴۷ اور بعد کے صفحات، المغنی ۶/ ۴۴۹)۔

جہاں تک پہلی رائے کا تعلق ہے تو ظاہر الروایہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ آزاد مکلفہ (عاقلہ بالغہ) کا نکاح بغیر ولی کی رضامندی کے نافذ ہو جائے گا، لہذا عاقلہ بالغہ عورت کو اختیار ہے کہ اپنا اور اپنے علاوہ دوسرے کا نکاح کرائے، لیکن اگر عورت اپنا نکاح خود کرائے اور اس کا ولی عصبہ موجود ہو تو اس کے نکاح کی صحت اور لزوم کے لئے شرط یہ ہے کہ شوہر کفو ہو، اور مہر، مہر مثل سے کم نہ ہو، لہذا اگر اس نے غیر کفو میں نکاح کرلیا تو ولی کو اس نکاح پر اعتراض کا حق حاصل ہوگا اور قاضی ایسے نکاح کو فسخ کردے گا، لیکن اگر ولی خاموش رہا یہاں تک کہ عورت کو بچہ پیدا ہو گیا یا اسے حمل قرار پا گیا اور وہ حمل ظاہر ہے، تو ایسی صورت میں بچہ کی پرورش

کے پیشِ نظر ولی کا حق اعتراض ومطالبہ تفریق ساقط ہوجائے گا، کیونکہ ماں باپ کی تفریق سے بچہ ضائع ہوجائے گا، اور دونوں کا ساتھ رہنا بلاشبہ بچہ کی تربیت کے لئے قرین مصلحت ہے۔

مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرلے تو عقد فاسد ہوجائے گا لہٰذا اگر ولی ایسے عقد سے اتفاق بھی کرلے تب بھی عقد صحیح نہیں ہوگا، یہ حکم حضرت حسن کی روایت کے مطابق ہے، اور یہی مختار ہے، لیکن ظاہر الروایہ کے مطابق کفاءت کا اعتبار لزوم نکاح کے لئے ہوگا، کفاءت کے اعتبار کے سلسلے میں امام مالک، ثوری اور حنفیہ میں سے امام کرخی کا مسلک اس کے خلاف ہے (رد المحتار علی الدر المختار ۲/ ۲۳۷)۔

کفاءت کی شرط لزوم ہونے کے سلسلے میں فقہاء کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حدیث "**الأيم أحق بنفسها من وليّها، والبكر تستأمر في نفسها وإذنها صماتها**" (اس حدیث کی تخریج مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے کی ہے، اور امام مالکؒ نے اسے موطا میں نقل فرمایا ہے) (ثیبہ اپنے نفس کے سلسلے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، اور کنواری سے اس کے معاملہ میں رائے معلوم کی جائے گی، اور اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے) اور "أيم" کا معنی ہے: وہ عورت جس کا کوئی شوہر نہ ہو، خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور "أحق" سے معلوم ہوا کہ عورت اور ولی میں سے ہر ایک کو ایک قسم کا حق حاصل ہے، یہ بھی واضح رہے کہ اگر عورت راضی ہو تو ولی کو صرف نکاح کرانے کا حق ہے، جبکہ اس حدیث نے عورت کو ولی سے زیادہ نکاح کا حقدار بنایا ہے۔

۲۔ عورت تمام مالی تصرفات بیع، اجارہ، رہن وغیرہ کی کامل اہلیت رکھتی ہے، لہذا وہ اپنا نکاح خود کرنے کی بھی اہل قرار پائے گی، کیونکہ تصرف کرنا خالص اس کا حق ہے، جہاں تک دوسری رائے کا تعلق ہے جو جمہور کی رائے ہے، تو وہ یہ ہے کہ نکاح بغیر ولی کے درست نہیں ہوگا،

عورت اپنا یا دوسرے کا نکاح کرانے کی اہلیت نہیں رکھتی ہے، اسی طرح وہ اپنے نکاح کے سلسلے میں ولی کے سوا دوسرے کو وکیل بھی نہیں بنا سکتی ہے، لہٰذا اگر وہ عاقلہ بالغہ ہونے کی صورت میں بھی ایسا کرے گی تو اس کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

یہی رائے بیشتر صحابہؓ کی بھی ہے، جیسے ابن عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، اور عائشہؓ۔ سعید بن المسیب، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، جابر بن زید، ثوری، ابن أبی لیلی، ابن شبرمہ، ابن المبارک، عبیداللہ العنبری، اسحاق اور ابوعبیدہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عائشہؓ، حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث: **"لا نكاح إلا بولي"** (اسے امام احمدؒ اور سنن اربعہ کے مصنفین نے روایت کیا ہے) (بغیر ولی کے نکاح درست نہیں)۔ نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث: **أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها، فنكاحها باطل باطل باطل، فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها، فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له** (اس حدیث کی تخریج امام احمد اور سوائے نسائی کے سنن اربعہ کے مصنفین نے کی ہے، ابوعوانہ، ابن حبان، حاکم اور ابن معین اور دیگر حفاظ حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اس حدیث کی تخریج گذر چکی ہے) (جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے، تو اگر مرد نے اس عورت سے مباشرت کرلی تو اس کی شرمگاہ کو حلال کرنے کی بنا پر اس کے لئے مہر ہے، اور اگر اولیاء کے درمیان نزاع پیدا ہوجائے تو سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں)۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث: **"لاتزوج المرأة نفسها، فإن الزانية هي التي تزوج نفسها"** (اس حدیث کی تخریج دارقطنی نے کی ہے، اس کی سند میں کلام ہے) (کوئی عورت اپنا نکاح خود نہ کرے، کیونکہ زانیہ ہی اپنا نکاح خود کرتی ہے)۔

۲۔ شادی ایک اہم، پائیدار اور کثیر المقاصد معاملہ ہے، ایک خاندان کی تشکیل،

اطمینان کا حصول اور استحکام اور اس طرح کے دوسرے امور نکاح کے خاص مقاصد ہیں، مرد امور زندگی کا وسیع تجربہ رکھنے کی بنیاد پر ان مقاصد کو ملحوظ رکھنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے، رہی عورت تو اس کا تجربہ محدود ہوتا ہے اور وہ وقتی حالات سے متأثر ہو جاتی ہے، لہذا اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنا نکاح خود نہ کرے بلکہ یہ معاملہ اپنے ولی کے سپرد کر دے۔

ولایت علی النفس کی شرطیں:

اس سوال کے دوسرے جز کا تقاضا یہ ہے کہ ولایت علی النفس کے سلسلہ میں مطلوب معروضی شرطوں کو بیان کیا جائے، چنانچہ ولایت یا تو صرف نفس پر ہوتی ہے، یا صرف مال پر، یا دونوں پر۔

ولایت علی النفس سے مراد نابالغ کے شخصی امور کی سرپرستی ہے، جیسے شادی کرانا، تعلیم دلانا، دوا علاج کرانا اور برسر روزگار بنانا۔ یہ ولایت باپ، دادا اور دیگر تمام اولیاء کو حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی المال سے مراد نابالغ کے مالی امور کی تدبیر کرنا ہے، مثلاً مال میں سرمایہ کاری، اس میں تصرف، اس کی حفاظت اور اسے خرچ کرنا۔ یہ ولایت باپ، دادا، ان دونوں کے علاوہ وصی اور قاضی کے وصی کو حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی النفس والمال: یہ ولایت شخصی اور مالی دونوں ضرورتوں کو شامل ہے، اور یہ صرف باپ اور دادا کو حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی النفس کے سلسلے میں فقہاء نے پانچ شرطیں بیان کی ہیں، ان میں سے دو شرائط متفق علیہ ہیں اور یہ اول اور دوم ہیں، اور تین شرائط مختلف فیہ ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ کمال اہلیت: بلوغ، عقل اور حریت کی بنا پر (البدائع ۲/ ۲۳۹، الشرح الصغیر للدردیر ۲/ ۳۶۹ اور بعد کے صفحات، مغنی المحتاج ۳/ ۱۵۴ اور بعد کے صفحات، کشاف القناع ۵/ ۵۵ اور بعد کے صفحات)، لہذا بچہ، مجنون، معتوہ (ضعیف العقل) اور نشہ میں مبتلا شخص کو ولایت حاصل نہیں ہے،

اسی طرح درازی عمر یا فساد عقل کی وجہ سے کمزور فکر ونظر والے شخص اور غلام کو ولایت حاصل نہیں ہے، کیونکہ نقص ادراک اور عجز کی وجہ سے ان میں سے کسی کو اپنے اوپر ولایت حاصل نہیں، لہذا دوسرے پر بھی ولایت حاصل نہ ہوگی، اس لئے کہ ولایت کمال حال کا تقاضا کرتی ہے۔ اور جہاں تک غلام کا تعلق ہے تو چونکہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے اس لئے وہ دوسرے کے معاملات کو سمجھنے کے لئے فارغ نہیں ہوسکتا۔

۲۔ ولی اور مولی علیہ (زیر ولایت شخص) کے دین میں یکسانیت: لہذا غیر مسلم کو مسلم پر اور مسلم کو غیر مسلم پر ولایت حاصل نہیں ہے، یعنی فقہاء حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک کوئی کافر کسی مسلمان عورت کا نکاح نہیں کرسکتا، ایسا ہی حکم اس کے برعکس صورت میں بھی ہے۔ شافعیہ کا خیال ہے کہ کافر کافرہ کا نکاح کرسکتا ہے، خواہ کافرہ کا شوہر کافر ہو یا مسلمان ہو۔ اور مالکیہ کا خیال ہے کہ ایک مسلمان کافرہ کتابیہ کا نکاح کرسکتا ہے۔ مرتد کو مسلمان یا کافر کسی پر ولایت حاصل نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض**" (توبہ/۷۱)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "**والذين كفروا بعضهم أولياء بعض**" (الانفال/۷۳)۔ اسی طرح ارشاد ہے: "**ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا**" (النساء/۱۴۱)۔ اسی طرح حدیث نبوی ﷺ ہے: "**الإسلام يعلو ولايعلى**" (دارقطنی نے اس حدیث کو اپنی سنن میں اور رویانی نے اپنی مسند میں عائذ بن عمرو مزنی سے مرفوعاً بیان کیا ہے، طبرانی نے اسے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل میں حضرت عمرؓ سے اور اسلم بن سہل نے تاریخ واسط میں معاذ بن جبلؓ سے مرفوعاً بیان کیا ہے، اور بخاری نے اپنی صحیح میں اسے تعلیقاً بیان کیا ہے) (اسلام غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں)۔ اتحاد دین کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ مصالح کے حصول میں نقطۂ نظر یکساں ہو، کیونکہ مسلمان پر کافر کو ولایت حاصل ہونے کا مطلب کافر کی طرف سے مسلمان کی تحقیر کرنا ہے۔ امام یا اس کا نائب اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ ان کو تمام مسلمانوں پر ولایت عامہ حاصل ہے۔

۳۔ذکورت: یہ حنفیہ کے سوا جمہور فقہاء کے نزدیک شرط ہے، لہذا عورت کو ولایت نکاح حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ عورت کو خود اپنے اوپر ولایت حاصل نہیں ہوتی تو اسے دوسرے پر بدرجہ اولی ولایت حاصل نہیں ہوگی۔ حنفیہ کا خیال ہے کہ ولایت کے ثبوت کے لئے ذکورت (مرد ہونا) شرط نہیں، لہذا ان کے نزدیک عاقلہ بالغہ عورت کو ولایت یا وکالت کے طور پر دوسروں کا نکاح کرنے کا اختیار ہے۔

فقہاء کا یہ اختلاف عبارت نساء سے انعقاد نکاح کے سلسلے میں ان کے سابقہ اختلاف سے متفرع ہے۔

۴۔عدالت سے مراد: دینی فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ دین پر قائم رہنا، اور کبائر مثلاً زنا، والدین کی نافرمانی وغیرہ سے اجتناب اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرنا۔

عدالت شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے، لہذا غیر عادل یعنی فاسق کو ولایت حاصل نہیں، کیونکہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے: "لا نكاح إلا بشاهدي عدل وولي مرشد" (امام احمد فرماتے ہیں: اس باب میں اصح قول ابن عباسؓ کا ہے جو مرفوعاً مروی ہے: "لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل، وأيما امرأة نكحها ولي مسخوط عليه، فنكاحها باطل"، اور برقانی نے اسے اپنی سند سے حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: "لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل") (دو عادل گواہوں اور ولی مرشد کے بغیر نکاح نہیں ہوتا) اور اس لئے بھی کہ ولایت میں غور و فکر اور مصلحت بینی کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا ولایت مال کی طرح اس کا اختیار فاسق کو نہیں ہوگا۔

ظاہری عدالت کافی ہے، چنانچہ مستور الحال ہونا بھی کافی ہے، کیونکہ ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی عدالتوں کی شرط لگانے میں حرج اور مشقت ہے، اور اس کے نتیجہ میں بیشتر نکاحوں کو باطل قرار دینا لازم آئے گا۔

اس شرط سے سلطان مستثنی ہے، چنانچہ سلطان اس کا نکاح کرائے گا جس کا کوئی ولی نہیں ہوگا، لہذا عملی ضرورت کے پیش نظر اس کی عدالت شرط نہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کا خیال ہے کہ ثبوت ولایت کے لئے عدالت شرط نہیں، لہذا ولی خواہ عادل ہو یا فاسق، اپنی بیٹی یا بھتیجی کی شادی کرسکتا ہے، کیونکہ اس کا فسق اس کی شفقت کے پائے جانے اور راپنے رشتہ دار کی مصلحت کو ملحوظ رکھنے سے مانع نہیں، اور اس لئے بھی کہ ولایت عام ہے، اور عہد رسالت اور بعد کے ادوار میں کسی کو فسق کی بنا پر شادی کرانے سے منع کیا جانا منقول نہیں۔

یہی رائے راجح ہے، کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث ضعیف ہے، اور اس لئے بھی کہ "مرشد" کے معنی عادل کے نہیں ہیں، بلکہ مرشد وہ ہوتا ہے جو مصلحت کے مقامات کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، اور فاسق اس کی اہلیت رکھتا ہے۔

۵۔ رشد: فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس کا مفہوم ہے: کفو اور مصالح نکاح کی معرفت، نہ کہ مال کی حفاظت، کیونکہ ہر موقع کا رشد اس کے اعتبار سے ہے۔ شوافع کے نزدیک اس کا مفہوم ہے: مال کا عدم اسراف۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ثبوت ولایت کے لئے رشد شرط ہے، کیونکہ جس شخص پر سفاہت کی بنا پر پابندی ہوتی ہے وہ اپنی شادی خود نہیں کرسکتا، لہذا وہ دوسرے کا کام بھی انجام نہیں دے سکتا، لیکن اگر سفیہ مجور علیہ نہ ہو تو شافعیہ کے معتمد قول کے مطابق اس کے لئے دوسرے کی شادی کرانا جائز ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا خیال ہے کہ رشد بمعنی مال میں بطریق احسن تصرف، ثبوت ولایت کے لئے شرط نہیں ہے، لہذا سفیہ مبذر (فضول خرچ کم عقل) خواہ وہ مجور علیہ ہی کیوں نہ ہو اسے دوسرے کی شادی کرانے کا اختیار ہے، لیکن مالکیہ کے نزدیک بھی مستحب یہ ہے کہ اگر شادی ذی الرائے سفیہ کرا رہا ہو تو ولی اور مولیہ (زیر ولایت لڑکی) کی اجازت ہی سے کرائے، لہذا اگر مثال کے طور پر اس نے اپنی لڑکی کی شادی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کردی تو مستحب ہے کہ ولی اس

نکاح کی مصلحت پر غور کرلے، اگر وہ نکاح قرین مصلحت ہو تو اسے برقرار رکھے ورنہ اسے رد کردے، اور اگر اس نے مصلحت نکاح پر غور نہ کیا تو نکاح نافذ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک شرائط ولی چار ہیں: **عقل، بلوغ، آزادی، اتحاد دین۔** عدالت اور رشد شرط نہیں ہیں۔

۲- شریعت نے کن لوگوں کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار دیا ہے، اور کن کے نکاح کا اختیار ان کے اولیاء کے حوالہ کیا ہے؟

شادی بھی دیگر تمام معاملات کی طرح ایک معاملہ ہے جس کو ہر وہ شخص انجام دے سکتا ہے جو اسے انجام دینے کی کامل اہلیت رکھتا ہو، یعنی عاقل بالغ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، لہذا جن کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار ہے وہ ہیں: عاقل بالغ مرد اور عورتیں، چنانچہ فقہاء حنفیہ کی کتابوں میں مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے:

"وعبارة النساء معتبرة في النكاح حتى لو زوّجت الحرة العاقلة البالغة نفسها جاز، وكذلك لو زوّجت غيرها بالولاية أو الوكالة، وكذا إذا وكّلت غيرها في تزويجها أو زوّجها غيرها فأجازت" (کتاب الاختیار شرح المختار از علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلی الحنفی ۲/ ۵۲ طبع دار البشائر، دمشق)۔

(نکاح میں عورتوں کی عبارت معتبر ہے، لہذا اگر آزاد عاقلہ بالغہ عورت نے اپنا نکاح خود کرلیا تو جائز ہے، اسی طرح اگر اس نے ولایت یا وکالت کے طور پر دوسرے کا نکاح کردیا تو بھی جائز ہے، اسی طرح اگر اس نے دوسرے کو اپنے نکاح کا وکیل بنادیا یا دوسرے نے اس کا نکاح کردیا اور اس نے اجازت دے دی تو بھی جائز ہے)۔

"ولا يجوز للولي إجبار البالغة على النكاح لأنها حرة مخاطبة بالتكاليف الشرعية بالغة فلا يكون للغير عليها ولاية" (ہدایہ مع فتح القدیر وعنایہ ۲/ ۳۹۵،

طبع المکتبۃ التجاریہ، مصر)۔

(ولی کے لئے جائز نہیں کہ بالغہ کو نکاح پر مجبور کرے، کیونکہ وہ آزاد تکالیف شرعیہ کی مخاطب اور بالغہ ہے، لہذا دوسرے کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہوگی)۔

شامی پرسنل لاء قانون دفعہ نمبر ۲۰ میں ہے: "بالغہ لڑکی جس کی عمر سترہ سال ہوچکی ہو اگر نکاح کرنا چاہے تو قاضی ایک متعینہ مدت کے اندر اس لڑکی کے ولی سے اس کی رائے معلوم کرے گا، اگر ولی کو کوئی اعتراض نہ ہو یا اس کا اعتراض قابل اعتناء نہ ہو تو قاضی کفاءت کی شرط کے ساتھ اس کی شادی کی اجازت دے گا"۔

یہ واضح رہے کہ فقہی اعتبار سے بلوغ کی پہچان اس کی طبعی علامتوں کے ظہور سے ہوتی ہے (لڑکے میں اس کی علامت انزال ہے، اور لڑکی میں حیض یا حمل) اس کے لئے کسی متعین عمر کی قید نہیں، اور اگر بلوغ کا عمل تاخیر سے ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لڑکوں کے سلسلے میں اٹھارہ سال ہوجانے پر اور لڑکیوں کے سلسلے میں سترہ سال ہوجانے پر بلوغ کا حکم لگایا جائے گا، صاحبین اور جمہور کے نزدیک پندرہ سال کی تکمیل پر لڑکے اور لڑکی دونوں پر بلوغ کا حکم لگا دیا جائے گا، حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ رائے یہی ہے۔

رہے وہ لوگ جن کے نکاح کا اختیار شریعت نے ان کے اولیاء کے حوالہ کیا ہے تو وہ ہیں: نابالغی یا جنون یا کم عقلی کے سبب اہلیت نہ رکھنے والے یا ناقص اہلیت والے، کم عقل اگرچہ وہ بالغ ہوں، نشہ میں مبتلا شخص، درازی عمر یا فساد عقل کے سبب غور وفکر میں کوتاہی کرنے والا اور غلام، کیونکہ بصیرت کی کمی اور عاجز ہونے کی بنا پر اور غلام کے اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو خود اپنے اوپر ولایت حاصل نہیں ہے (البدائع ۲/ ۲۳۹، الدر المختار ورد المختار ۲/ ۴۱۷)۔ یعنی ولی (جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک عصبہ ہوتا ہے) جن لوگوں کا نکاح کرائے گا وہ ہیں: نابالغ لڑکا اور لڑکی خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، حنفیہ کے مطابق۔

مالکیہ نے حق تزویج کو باپ میں محدود کردیا ہے، اور شافعیہ نے باپ اور دادا میں، کیونکہ ان کے علاوہ میں شفقت کی کمی اور قرابت کی دوری پائی جاتی ہے۔ شافعیہ نے ثیبہ صغیرہ سے صراحتاً اجازت حاصل کرنے کو واجب قرار دیا ہے، جہاں تک باکرہ کا تعلق ہے تو ولی کے لئے مستحب ہے کہ اس سے اجازت لے لے، اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے، اور ولی کو اختیار ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کردے چاہے وہ بالغہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن ثیبہ کا نکاح ولی اس کی اجازت سے کرے گا، اور باپ کی ولایت کے ساقط ہونے کی وجہ سے ثیبہ صغیرہ کا نکاح بلوغ سے قبل نہیں کیا جائے گا۔

اس سوال کا تقاضا ہے کہ مندرجہ ذیل تین مسائل پر تفصیلی گفتگو کی جائے:

(الف) کیا ولایت کے بارے میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان کچھ فرق ہے؟ لڑکے پر ولی کی ولایت کب ختم ہوتی ہے؟ اور لڑکی پر ولی کی ولایت کب ختم ہوتی ہے؟

نکاح میں ولایت اجبار کے بارے میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان کوئی فرق نہیں، لہذا حنفیہ کی رائے کے مطابق ولی عصبہ کے لئے جائز ہے کہ وہ صغیر وصغیرہ، مجنون ومجنونہ، معتوہ ومعتوہہ اور غلام کا نکاح کرائے، نابالغہ لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، ان کے نزدیک مکلفہ (یعنی عاقلہ بالغہ) خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، کے نکاح میں ولی کی موجودگی شرط نہیں ہے، لیکن باکرہ کے لئے بہتر یہی ہے کہ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی کے سپرد کردے۔

عاقل ہونے کی صورت میں مرد یا عورت پر بلوغ سے ولایت ختم ہوجاتی ہے، مجنون، مجنونہ، معتوہ، معتوہہ پر عقل آجانے سے ولایت ختم ہوجاتی ہے، نشہ میں مبتلا شخص پر نشہ ختم ہونے یا افاقہ سے اور غلام پر آزادی سے ولایت ختم ہوجاتی ہے۔ درمختار کے مصنف لکھتے ہیں: بالغہ باکرہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ بلوغ سے اس پر ولایت ختم ہوجاتی ہے (درمختار ۲/۴۱۰)۔

(ب) نکاح کے بارے میں عاقلہ بالغہ لڑکی کے خود اپنے نفس پر کیا اختیارات ہیں، کیا وہ ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح خود کر سکتی ہے؟ ولی کی مرضی کے بغیر لڑکی نے اگر خود اپنا نکاح کر لیا تو شرعاً منعقد ہوا یا نہیں، ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار ہوئی یا نہیں؟

عاقلہ بالغہ عورت کے لئے اپنا نکاح خود کرنا اور دوسرے کو اپنے نکاح کا وکیل بنانا درست ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے ظاہر الروایہ میں مروی قول اور امام زفر کے قول کے مطابق یہ نکاح اگر چہ ولی کی مرضی کے بغیر ہو مطلقاً صحیح ہوگا، کیونکہ اصل یہ ہے کہ "جس شخص کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے اسے اپنے نفس میں بھی تصرف کا حق ہے، اور جس کو اپنے مال میں تصرف کا حق نہیں اس کو اپنی ذات میں بھی تصرف کا حق نہیں"۔ اس نکاح پر طلاق و میراث وغیرہ کے احکام مرتب ہوں گے، لیکن نکاح لازم نہ ہوگا، لہذا ولی عصبہ خواہ وہ غیر محرم ہی کیوں نہ ہو، جیسے اصح قول کے مطابق چچا زاد بھائی کو غیر کفو میں نکاح کی صورت میں اعتراض کا حق حاصل ہوگا بشرطیکہ عورت کو بچہ پیدا نہ ہوا ہو، یا اس کا حمل ظاہر نہ ہوا ہو، ایسی صورت میں قاضی نکاح کو فسخ کردے گا اور تجدد نکاح سے ولی کا اعتراض متجدد ہوگا، مثال کے طور پر اپنی زیر ولایت لڑکی کی شادی ولی نے اس کی اجازت سے غیر کفو میں کر دی، اور شوہر نے اسے طلاق دے دی، پھر اس لڑکی نے دوبارہ اسی شوہر سے اپنا نکاح از خود کر لیا تو ولی کو تفریق کا حق حاصل ہوگا، اور نکاح اول سے رضامندی نکاح ثانی پر رضامندی نہیں قرار پائے گی، الا یہ کہ ولی اس عورت کے بچہ پیدا ہونے تک خاموش رہے، ایسا اس لئے تا کہ بچہ ضائع نہ ہو اور حمل ظاہر کو ولادت سے ملحق کیا جاسکے۔ فساد زمان کی وجہ سے غیر کفو میں نکاح کی صورت میں عدم جواز کا قول ہی مفتی بہ ہے، اسی طرح ولی کی اجازت کے بغیر عورت کے خود سے کئے ہوئے نکاح کے لزوم کے لئے شرط یہ ہے کہ مہر مہر مثل سے کم نہ ہو۔

بنابریں عورت کو حق ہے کہ اپنا نکاح ولی کی رضامندی کے بغیر کر لے، اور اگر اس نے ایسا اقدام کیا تو عقد منعقد اور صحیح ہوگا اور عورت ایسا کرنے سے گنہگار نہ ہوگی، لیکن ایسی صورت میں اس نے سنت نبوی ﷺ کی مخالفت کی، کیونکہ سنت نبوی ﷺ میں نکاح کو ولی کی رضا سے مربوط کر دیا گیا ہے، لہٰذا ولی ہی سے نکاح کرانے کا مطالبہ کیا جائے گا تا کہ عورت بے شرم نہ سمجھی جائے۔

حنفیہ کے دلائل کتاب وسنت اور عقل کی روشنی میں:

جہاں تک کتاب اللہ کی بات ہے تو قرآن کی متعدد آیات میں صراحتاً نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے، اور اسناد میں اصل یہ ہے کہ وہ فاعل حقیقی کی طرف ہو، چنانچہ اللہ تعالی کا قول ہے: "فإن طلّقها فلا تحلّ له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره" (بقرہ ۲۳۰)۔ ایک جگہ ارشاد ہے: "وإذا طلّقتم النساء فبلغن أجلهنّ فلا تعضلوهنّ أن ينكحن أزواجهنّ" (بقرہ ۲۳۲)۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہے: "فإذا بلغن أجلهنّ فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهنّ بالمعروف" (بقرہ ۲۳۴)۔ ان آیات کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورت کا نکاح، اس کی مراجعت اور جو کچھ وہ اپنے سلسلے میں معروف کے مطابق کرے، سب کا صدور اسی سے ہوتا ہے اور اس سے صادر ہونے والے عمل پر اس کا اثر مرتب ہوتا ہے، یہ عمل ولی کی اجازت یا اس کی انجام دہی پر موقوف نہیں۔

جہاں تک سنت کی بات ہے تو بخاری کے علاوہ تمام محدثین نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: قال رسول الله ﷺ: "الثيب أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأذن في نفسها، وإذنها صماتها"۔ اور ایک روایت میں ہے: "الأيم أحق بنفسها"۔

ایّم کا مفہوم ہے: جس عورت کا کوئی شوہر نہ ہو، خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ ابوداؤد اور نسائی

کی روایت ہے:" **ليس للولي مع الثيب أمر واليتيمة تستأمر وصمتها إقرارها**"
(ثیبہ کے ساتھ ولی کا کوئی اختیار نہیں، یتیم عورت سے اس کی رائے معلوم کی جائے گی، اور اس کی خاموشی اس کا اقرار ہے)۔

درحقیقت ثیبہ اور باکرہ کے درمیان فرق صرف اتنا ہے کہ باکرہ پر عموماً حیا غالب ہوتی ہے، جو اس کے لئے نکاح کی صراحت سے مانع ہوتی ہے، لہٰذا شریعت نے اسے رخصت عطا کرتے ہوئے صرف ایسے عمل پر اکتفاء کیا جو اس کی رضا پر دلالت کرے، یہ چیز اہلیت کے عام ضوابط سے ہم آہنگ ہے۔ ایک حدیث وہ ہے جو نبی ﷺ کے ام سلمہؓ سے شادی کرنے کے سلسلے میں مروی ہے کہ جب آپ نے ﷺ ان کے پاس ان ہی سے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا تو انہوں نے کہا: "میرے اولیاء میں سے کوئی موجود نہیں ہے" تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "**ليس أحد من أوليائك شاهد ولا غائب يكره ذلك**" (سبل السلام ۳ر ۱۲۰)
(تمہارے اولیاء میں سے کوئی حاضر اور غائب ایسا نہیں جو اسے ناپسند کرتا ہو) اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کو کراہت کی جگہ کے علاوہ میں کراہت کے اظہار کا حق نہیں ہے۔

جہاں تک عقل کا تعلق ہے تو یہ بات واضح ہے کہ عقد نکاح کے اولین مقاصد عورت کے ساتھ مخصوص ہیں، ان مقاصد میں کوئی ولی اس کا شریک نہیں، مثلاً جماع کی حلت، نفقہ اور سکنی کا وجوب، اور اس طرح کے دوسرے مخصوص حقوق جو اس عقد کے نتیجہ میں عورت کو حاصل ہوتے ہیں، اس قسم کے معاملات میں اصل یہ ہے کہ ان کو وہ شخص انجام دے جو اس کے اصلی مقاصد سے متعلق ہو، دوسرے کے ثانوی حق کو ملحوظ رکھنے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ اسے عقد پر اعتراض کرنے کا حق دے دیا جائے بشرطیکہ ان فوائد کے حصول کی توقع نہ ہو جو اس کی طرف راجع ہوتے ہوں۔

دیگر مذاہب کے دلائل:

حنفیہ کے سوا جمہور کے نزدیک نکاح کے منعقد ہونے کے لئے ولی کا ہونا شرط ہے، اس

پر کتاب وسنت اور مندرجہ ذیل عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے۔

کتاب اللہ سے استدلال:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"وأنكحوا الأيامى منكم والصالحين من عبادكم وإمائكم"** (النور/۳۲) ایک موقع پر ارشاد ہے: **"ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا"** (بقرہ/۲۲۱)، مذکورہ دونوں آیتوں میں خطاب اولیاء سے ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ نکاح کی ذمہ داری ان کے سپرد ہے نہ کہ عورتوں کے ذمہ، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"وإذا طلّقتم النساء فبلغن أجلهنّ فلا تعضلوهنّ أن ينكحن أزواجهنّ"** (بقرہ/۲۳۲)۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ اولیاء عورتوں کو شوہروں کے انتخاب سے روکتے ہیں، اور روکنا اسی کی طرف سے ممکن ہے جس کے اختیار میں شئی ممنوع ہو، اس طرح اس آیت سے معلوم ہوا کہ عقد نکاح کا اختیار ولی کو ہے نہ کہ عورت کو۔

جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں چند احادیث ہیں، ایک حدیث ہے: **"لانكاح إلا بولي"** (اس روایت کو امام احمد اور نسائی کے علاوہ تمام اصحاب سنن نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے نقل کیا ہے)۔ یہ حدیث اس باب میں صریح ہے کہ نکاح بغیر ولی کے درست نہیں ہوتا۔ ایک حدیث ہے: **"أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل۔ قالها ثلاثا۔ فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها فإن تشاجروا فالسلطان ولي من لا ولي له"** (اسے ائمہ خمسہ (امام احمد اور نسائی کے علاوہ اصحاب سنن) نے حضرت عائشہؓ سے نقل فرمایا ہے)۔ ایک حدیث میں ہے: **"لاتزوّج المرأة المرأة، ولا تزوّج المرأة نفسها، فإن الزانية هي التي تزوج نفسها"** (اسے ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے)۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ ولی کے تجربہ سے عورت کے حق میں مقاصد نکاح یعنی محبت اور بقائے معاشرت کی تکمیل ہوتی ہے، جبکہ عورت عموماً جذبات کے فیصلے سے مغلوب ہو جاتی ہے۔

حنفیہ نے مندرجہ ذیل پہلوؤں سے ان دلائل پر بحث کی ہے:

پہلی اور دوسری دونوں آیتوں میں مسلمانوں سے عام خطاب ہے، اولیاء سے خاص خطاب نہیں۔ تیسری آیت کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ اس میں مردوں کو اس بات سے روکا گیا کہ وہ عورتوں کو عقد نکاح کرنے سے منع کریں، بلکہ اس میں تو خطاب شوہروں سے ہے، جس کو فخر الدین رازیؒ نے بھی اختیار کیا ہے۔

رہ گئی بات حدیث "لانكاح إلا بولي" کی تو وہ ضعیف ہے اور اس کی سند میں اضطراب ہے، اسی طرح حدیث "أيما امرأة" بھی منقطع ہے، اور اس کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا نکاح اس کے ولی کی اجازت سے درست ہے، اور یہ مفہوم جمہور کی رائے کے خلاف حجت ہے۔ رہا سوال حدیث "لاتزوج المرأة المرأة" کا تو جیسا کہ ابن کثیر نے اس کے بارے میں فرمایا ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ پر موقوف ہے۔ اس حدیث کا مقصد عقد نکاح کے اختیار میں عورت کے خودسر ہونے سے نفرت دلانا ہے، لیکن اس میں ایسا کوئی اشارہ نہیں کہ اگر عورت از خود عقد نکاح کر لے تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ پھر یہ احادیث آپ ﷺ کے قول: "الأيّم أحقّ بنفسها من وليّها" (اسے مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی نے اور امام مالک نے مؤطا میں بیان کیا ہے، جیسا کہ گذر چکا) سے متعارض ہیں، اور ایّم کا مطلب جیسا کہ گذر چکا، وہ عورت ہے جس کا کوئی شوہر نہ ہو، خواہ وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ عورت کے تصرفات کی صحت کو ثابت کرنے والی اہلیت ہی عورت کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ دیگر معاملات کی طرح عقد نکاح کو بھی انجام دے سکے، لیکن اسلامی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہتر ہے کہ ولی کی رائے یا اس کی اجازت لے لی جائے اور ولی ہی عقد نکاح کو انجام دے تاکہ عورت بے حیائی کی طرف منسوب نہ کی جائے اور عرف و دستور کے خلاف بھی نہ ہو۔

(ج) عورت نے ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنا نکاح کرلیا، اور جب ولی کو اس نکاح کا علم ہوا تو اس نے اس نکاح سے اتفاق کیا یا اسے رد کر دیا، تو شرعاً اس اجازت اور رد کا اس نکاح پر کیا اثر ہوگا؟

اگر ولی نے عورت کی اپنی پسند سے کی گئی شادی سے اتفاق کیا تو سنت نبوی ﷺ کا تحقق ہوگیا اور عقد صحیح اور بابرکت ہوا، کیونکہ اس میں نکاح کے تمام ارکان، شرائط اور آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہے، لیکن امام محمد بن الحسن (جن کے نزدیک ولی کی موافقت شرط ہے) کی رائے کے مطابق اس اتفاق سے نقص ختم ہوجائے گا، کیونکہ ولی کی اجازت متحقق ہوگئی (فتح القدیر ۲/ ۳۹۲)۔

لیکن اگر ولی نے نکاح کو رد کر دیا تو اس سے عقد کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور عقد صحیح، نافذ اور لازم ہوگا، الا یہ کہ نکاح غیر کفو میں ہو یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ ہو (الدر المختار ۲/ ۴۱۹، نیز دیکھئے حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث جسے احمد، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور ارسال کی بنا پر معلول قرار دیا ہے (سبل السلام ۲/ ۱۲۲-۱۲۳)۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی کے از خود نکاح کر لینے کی صورت میں اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کا حق ہے یا نہیں؟ اور کیا اولیاء اس نکاح کو بذریعہ قاضی فسخ کرا سکتے ہیں؟

فقہاء مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے کہ عقد نکاح میں کفاءت شرط لزوم ہے نہ کہ شرط صحت عقد، لیکن حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ یہی ہے کہ یہ صحت نکاح کے لئے شرط ہے، چنانچہ اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرلے تو عقد صحیح ہوگا، اور اولیاء کو اس پر اعتراض کرنے اور اسے فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

حنفیہ فرماتے ہیں (فتح القدیر ۲/ ۳۹۳، ۴۱۹، الدر المختار ۲/ ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۸-۴۱۹): ولی کو

غیر کفو کی صورت میں اعتراض کا حق ہوگا، لہٰذا اگر عورت نے اپنا نکاح غیر کفو میں کرلیا تو اولیاء اگر چہ وہ محارم نہ ہوں جیسے چچا زاد بھائی کو اپنی طرف سے عار کو دفع کرنے کے لئے زوجین کے درمیان تفریق کرانے کا حق ہے، اسی طرح انہیں اس میں بھی اعتراض کا حق ہے جب مہر میں غبن فاحش پایا جائے، لہذا اگر کوئی ولی عصبہ غیر کفو میں نکاح کی صورت میں قاضی کے سامنے اعتراض کرے تو قاضی کو فسخ نکاح کا حق ہوگا، بشرطیکہ ولی عورت کے بچہ ہونے یا اس کے حمل ظاہر ہونے تک خاموش نہ رہے، یہ حکم ظاہر الروایہ کے مطابق ہوگا تا کہ بچہ ضائع اور مجہول النسب نہ ہو، یہ تفریق قضاء قاضی سے ہی ممکن ہے، کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔

صاحب درمختار نے ذکر کیا ہے کہ شوہر کے غیر کفو ہونے کی صورت میں فساد زمانہ کی بنا پر عدم جواز ہی مفتیٰ بہ ہے، لہذا ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کے ذریعہ اس کے ولی کے علم میں آنے کے بعد مطلقہ ثلاثہ حلال نہیں ہوگی۔

ابن عابدین کے مذکورہ قول کے بارے میں شمس الائمہ فرماتے ہیں: یہ احتیاط سے قریب تر ہے۔ علامہ قاسم کی تصحیح میں بھی اسی طرح ہے، کیونکہ ہر ولی مقدمہ کو اچھی طرح نہیں پیش کرسکتا اور نہ ہر قاضی عدل کرتا ہے، اور اگر ولی مرافعت اچھی طرح کر بھی لے اور قاضی انصاف بھی کرے پھر بھی ہوسکتا ہے کہ ولی بار بار حکام کے دروازے پر آنے سے غیرت محسوس کرتے ہوئے اور مقدمہ کو گراں بار سمجھ کر اعتراض ہی ترک کردے۔ ایسی صورت میں ضرر متحقق ہے، لہذا ولی کا روکنا اس ضرر کو دفع کرنا ہے۔ فتح القدیر سے یہی منقول ہے (فتح القدیر ۲/ ۴۱۹)۔

۴- ولی نے زیر ولایت لڑکی کا نکاح اس کی نابالغی کے زمانہ میں کردیا، لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو اس نکاح کو وہ فسخ کراسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں باپ اور دادا کے کئے ہوئے نکاح اور دوسرے اولیاء کے

کئے ہوئے نکاح کے حکم میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں حنفیہ کے نزدیک اختلاف وتفصیل ہے (درمختار وردالمحتار ۲/ ۴۱۸ -۴۱۹، فتح القدیر ۲/ ۴۰۷ -۴۰۸، ۴۲۵، البدائع ۲/ ۳۱۵، الاختیار ۲/ ۱۵۶)۔ اگر صغیر یا صغیرہ خواہ وہ ثیبہ ہو، کا غیر کفو میں نکاح کرانے والا باپ یا دادا ہو، اور ان میں سے کوئی مجون یا فسق کے سبب سوء اختیار میں معروف نہ ہو، تو ایسی صورت میں نکاح صحیح اور لازم ہوگا اور صغیرہ کو اعتراض اور فسخ نکاح کا حق حاصل نہ ہوگا، خواہ وہ نکاح مہر میں غبن فاحش (جس میں لوگ غبن کا تحمل نہ کرسکتے ہوں) کے ساتھ ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔

لزوم نکاح کا مفہوم یہ ہے کہ نکاح کسی کی اجازت پر موقوف نہ ہوگا، اور نہ اس میں خیار ثابت ہوگا، کیونکہ باپ اور دادا پختہ رائے اور بھرپور شفقت والے ہیں، لہذا ان دونوں کے نکاح کردینے سے عقد اسی طرح لازم ہوجائے گا جیسا کہ بلوغ کے بعد بچہ اور بچی کی مرضی سے ان دونوں کا کرایا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے۔ لیکن اگر باپ یا دادا فسق یا مجون کے سبب سوء اختیار میں معروف ہوں یا نشہ کی حالت میں انہوں نے نابالغہ لڑکی کا نکاح فاسق یا شریر یا فقیر یا کمتر پیشہ والے سے کردیا، یا اس کی شادی مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کردی، تو نکاح سوء اختیار کے ظاہر ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوگا، اور ایسی صورت میں اس کی متوقع شفقت اس کے معارض نہیں ہوگی۔

اور اگر نابالغہ لڑکی کی شادی کرانے والے باپ یا دادا کے علاوہ ہوں، خواہ ماں ہو یا قاضی یا باپ کا وکیل، تو غیر کفو یا مہر میں غبن فاحش کی صورت میں سرے سے نکاح ہی صحیح نہ ہوگا، اور اگر کفو میں اور مہر مثل کے ساتھ ہو تو صحیح ہوگا، لیکن بلوغ کے بعد یا نکاح کا علم ہونے کے بعد صغیر اور صغیرہ کو خیار فسخ حاصل ہوگا اگرچہ دخول کے بعد ہی ہو، اگر چاہیں تو نکاح کو باقی رکھیں اور چاہیں تو فسخ کرالیں، کیونکہ شفقت کی کمی ہے اور زوجین کے درمیان بشرط قضاء فسخ کے ذریعہ

تفریق کرادی جائے گی۔حاصل یہ کہ اگر صغیر وصغیرہ کا نکاح کرانے والے اب وجد کے علاوہ ہوں تو انہیں بلوغ یا علم نکاح سے خیار بلوغ حاصل ہوگا، کیونکہ اختیار فسخ بشرط قضاء مثبت فسخ ہے، ثبوت فسخ سے پہلے اس نکاح میں زوجین کے درمیان وراثت کا عمل جاری ہوگا اور شوہر پر پورا مہر لازم ہوگا، کیونکہ پورا مہر جس طرح دخول سے لازم ہوتا ہے اگر چہ وہ دخول حکما ہی ہو مثلاً خلوت صحیحہ، اسی طرح دخول سے پہلے ان میں سے کسی ایک کی موت سے بھی مہر لازم ہوگا۔یہی راجح رائے ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے بھی ہے، لہذا عقد کے بموجب بلوغ کے بعد خیار حاصل ہوگا۔

اور جب عورت نے خیار بلوغ میں فسخ کو اختیار کیا اور قاضی نے دونوں کے درمیان تفریق کرادیا تو یہ تفریق بغیر طلاق ہوگی، کیونکہ یہ ایسا فسخ ہے جو دفع لزوم کے نتیجہ میں ثابت ہوا، لہذا اس کی حیثیت طلاق کی نہ ہوگی، اور اسی لئے اس کا ثبوت عورت کے حق میں ہوگا اور اگر یہ فسخ دخول سے پہلے ہوا تو عورت کے لئے مہر نہیں ہوگا، کیونکہ فسخ کا مطلب عقد کے تقاضوں کو زائل کرنا ہے، اور اگر دخول کے بعد ہو تو عورت کو مہر مسمی (متعین کردہ مہر) ملے گا، کیونکہ شوہر نے معقود علیہ (جس پر معاملہ طے پایا ہے) کو حاصل کرلیا۔

امام ابو یوسف کا خیال ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ دیگر اولیاء کا کیا ہوا نکاح بھی لازم ہوگا، لہذا نابالغوں کو بلوغ کے بعد خیار حاصل نہیں ہوگا۔

۵-خیار بلوغ کا حق لڑکی کو کب تک حاصل ہوتا ہے اور کب ساقط ہوجاتا ہے؟ قریب تر ولی زندہ ہو اور نسبۃً دور کے ولی نے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردیا تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا یا نہیں؟

یہ سوال دو شقوں پر مشتمل ہے:

پہلی شق: باکرہ لڑکی کے حق میں خیار بلوغ فوری ہوگا، مجلس میں محض اس کے سکوت

سے ہی اس کا خیار باطل ہو جائیگا، لہذا مجلس (مجلس بلوغ) میں اس کا سکوت ہی اس کی رضا ہے، مثلاً اسے نکاح کی خبر مل چکی تھی، اس کے بعد کسی مجلس میں حائضہ ہوئی، اور یا یا کرہ بالغہ ہو چکی تھی، اس کے بعد کسی مجلس میں نکاح کی خبر پہونچی، بہر حال یہ خیار آخر مجلس تک باقی نہیں رہے گا اور یہ عورت حکم خیار سے ناواقفیت کی بنیاد پر معذور نہیں سمجھی جائے گی، کیونکہ اس کی پرورش دارالاسلام میں ہوئی ہے۔

جہاں تک اس ثیبہ کی بات ہے جو حالت ثیوبت میں (یعنی بلوغ سے قبل شوہر اس سے مباشرت کر چکا ہو) بالغ ہوئی ہو تو اس کا خیار تمام عمر ہے، کیونکہ اس کا سبب عدم رضا ہے، لہذا وہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک نکاح سے رضامندی پر دلالت کرنے والا کوئی عمل ظاہر نہ ہو جائے، اور مجلس سے اٹھ جانے پر اس کا خیار باطل نہیں ہوگا۔

اسی طرح لڑکے کا خیار اس وقت تک باطل نہیں ہو گا جب تک وہ یہ نہ کہے: رضیت (میں راضی ہوں)، یا جب تک اس کی طرف سے کوئی ایسا عمل ظاہر نہ ہو جائے جس سے معلوم ہو کہ وہ راضی ہے، یعنی ثیبہ کی طرح اس کا بھی خیار بلوغ تمام عمر ہے، اور مجلس سے اٹھ جانے سے اس کا خیار ساقط نہیں ہوگا۔

حاصل یہ کہ باکرہ کا خیار مجلس بلوغ میں یا خبر نکاح ملنے کی مجلس میں اس کے سکوت سے باطل ہو جائے گا۔ رہے ثیبہ اور لڑکا تو ان کا خیار بلوغ اس سے باطل نہیں ہوگا، ان کے خیار کی مدت پوری عمر ہے تاوقتیکہ ان میں سے کوئی یہ نہ کہے: رضیت (میں راضی ہوں) یا ان دونوں کی طرف سے ایسا عمل صادر ہو جو رضامندی پر دلالت کرے (فتح القدیر مع عنایہ ۲/ ۴۰۹-۴۱۱)۔

اس سوال کی دوسری شق ہے: ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کا نکاح کرانا۔

حنفیہ کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر ولی اقرب کے ہوتے ہوئے کوئی ولی اپنے مرتبہ کے پیش نظر نکاح کر دے تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا، الا یہ کہ ولی

اقرب نابالغ یا مجنون ہوتو ولی ابعد کا کیا ہوا عقد نافذ ہوگا (فتح القدیر ۲/ ۴۱۳-۴۱۶، الدر المختار ۲/ ۴۰۹ اور بعد کے صفحات)۔

ولی اقرب کو اس صورت میں فسخ کا حق حاصل ہوگا جب وہ لڑکے یا لڑکی کے شہر میں موجود ہو، لیکن اگر ولی اقرب غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہو تو ولی ابعد کے لئے نکاح کرانا جائز ہے۔

غیبت منقطعہ: یہ ہے کہ وہ کسی ایسے شہر میں ہو جہاں قافلے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ پہنچتے ہوں، قدوری نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

یہ واضح رہے کہ ولایت اجبار کے سلسلے میں اولیاء کی ترتیب عصبات میں سے الأقرب فالأقرب کے اعتبار سے ہوگی، کیونکہ حضرت علیؓ سے مروی ہے: ''النکاح إلی العصبات'' (نکاح کا اختیار عصبات کو ہے) اور اس کی ترتیب حسب ذیل ہے:

بنوۃ (بیٹا ہونا)، اُبوۃ (باپ ہونا)، اُخوۃ (بھائی ہونا)، عمومۃ (چچا ہونا)، معتق (آزاد کرنے والا)، امام اور حاکم۔

امام ابوحنیفہؒ کا خیال ہے کہ عصبات اقرب کی عدم موجودگی میں ولایت تزویج استحساناً غیر عصبات کو حاصل ہوگی، کیونکہ ولایت نظری (جس میں حصول مصلحت کا لحاظ کیا جاتا ہے) ہوتی ہے، اور نظر کا تحقق اس صورت میں ہوگا جب ولایت اس شخص کو حاصل ہوگی جو شفقت پر آمادہ کرنے والی قرابت سے متصف ہو۔ صاحبین نے حضرت علیؓ کی مذکورالصدر روایت پر عمل کرتے ہوئے اس سے اختلاف کیا ہے، اور اس لئے بھی کہ ولایت قرابت کو غیر کفو سے بچانے کے لئے ثابت ہوتی ہے، اور قرابت کا تحفظ عصبات ہی سے ممکن ہے، اور یہی قیاس کا بھی تقاضا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق ولایت الأقرب فالأقرب کے اعتبار سے ذوی الارحام کو حاصل ہوگی، اگر عصبہ نہ ہو تو ولایت ماں کو حاصل ہوگی، پھر دادی کو، پھر نانی کو، اگر اصول میں سے کوئی نہ پایا جائے تو ولایت فروع کو حاصل ہوگی، اس طور پر کہ بیٹی کو پوتی پر قرب کی

وجہ سے مقدم رکھا جائے گا، اور پوتی کو نواسی پر قوت قرابت کی وجہ سے مقدم کیا جائے گا، پھر نانا کو اور دادی کے باپ کو، پھر بہنوں کو پھر ماں شریک چچا کو، پھر علی الاطلاق پھوپھیوں کو، پھر ماموؤں کو، پھر خالاؤں اور ان کی اولاد کو، اگر ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ولایت حاکم کی طرف لوٹ جائے گی، اور حاکم کی جگہ اس وقت قاضی ہے۔

اور اگر دو ولی قرب اور درجہ میں برابر ہوں تو ان میں سے کوئی ایک نکاح کرا دے گا، شامی قانون (م ۲۲/۲) میں اس کی صراحت موجود ہے کہ اگر دو ولی قرب میں مساوی ہوں تو ان میں سے جو بھی اپنی شرائط کے ساتھ نکاح کرا دے، جائز ہے۔

۶- اگر ولی نے زیر ولایت لڑکی کے نکاح میں اس کے مصالح اور مفادات کا لحاظ نہیں کیا، بلکہ بالجبر یا اپنے کسی مفاد کی خاطر نامناسب جگہ لڑکی کی شادی کر دی، لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے اور قاضی کے پاس فسخ نکاح کا دعوی لے کر آئی ہے، گواہوں کی بات سننے کے بعد قاضی کے سامنے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ولی نے اس نکاح میں لڑکی کے مفادات کا سرے سے کوئی لحاظ نہیں کیا ہے تو کیا قاضی اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے یا نہیں؟ ولی کے معروف بسوء الاختیار، ماجن اور فاسق متہتک ہونے سے کیا مراد ہے؟

جہاں تک اس سوال کی پہلی شق کا تعلق ہے تو فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفاءت جو کہ زوجین کے درمیان عقد نکاح میں شرط ہے، عورت اور اس کے اولیاء کا حق ہے، لہذا اگر کوئی عورت غیر کفو میں نکاح کر لے تو اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے، اور اگر ولی نے اس کا نکاح غیر کفو میں کر دیا تو اسے بھی فسخ کا حق حاصل ہے، کیونکہ یہ خیار معقود علیہ (جس پر معاملہ طے ہوا ہو) میں نقص کی بنا پر حاصل ہوتا ہے، تو یہ خیار بیع کے مشابہ ہو گیا (البدائع ۳۱۸/۲، فتح

القدیر ۲/ ۴۲۴، الشرح الکبیر للدردیر ۲/ ۲۹۴، مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۴، کشاف القناع ۵/ ۶۷)۔ اور اس لئے بھی کہ پہلے گذر چکا ہے کہ ایک لڑکی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے عرض کیا: میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے تا کہ میرے ذریعہ اپنی پستی کو دور کرے، راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کو اختیار دے دیا، تو اس نے کہا: میں اپنے والد کے کئے ہوئے نکاح کو برقرار رکھتی ہوں، لیکن میں عورتوں کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ باپ کو کچھ اختیار نہیں (اس حدیث کو امام احمد، ابن ماجہ اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ کے واسطے سے بیان کیا ہے (منتقی الأخبار مع نیل الأوطار ۶/ ۱۲۷)۔

حاصل یہ کہ اگر عورت نے کفاءت کو ترک کیا تو ولی کا حق باقی رہے گا، اسی طرح اس کے برعکس صورت میں۔ اس شق کا جواب یہ ہے کہ عورت کو قاضی سے واقعہ کی تحقیق کے بعد فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل ہے، لہٰذا اگر ولی نے عورت کے مفادات کا لحاظ نہیں کیا تو قاضی اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔

جہاں تک دوسری شق کا تعلق ہے تو سوء اختیار کا مفہوم ہے: فسق یا مجون میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یا سفاہت یا طمع کی بنا پر شرعی آداب اور اسلامی اخلاق کی پرواہ نہ کرنا۔ المغرب میں ہے: ماجن وہ ہے جسے اپنے فعل کی یا دوسرے اسے کیا کہتے ہیں، اس کی پرواہ نہ ہو۔

شرح مجمع الأنہر میں ہے: "حتی لو عرف من الأب سوء الاختیار لسفهه، أو لطمعه، لایجوز عقده إجماعا" (یہاں تک کہ اگر باپ کی طرف سے سفاہت یا طمع کی وجہ سے سوء اختیار معروف ہو تو اس کا کیا ہوا عقد بالاتفاق جائز نہیں)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سوء اختیار یا تو سفہ کی بنا پر ہوگا یعنی اسراف اور نا سمجھی کی وجہ سے، یا حرص وطمع اور اپنے مصالح کو عورت کے مصالح پر ترجیح دینے کی وجہ سے، یا فسق میں مبتلا ہونے کی وجہ سے، اور امام راغب اصفہانیؒ کے قول کے مطابق فسق سے مراد: ارتکاب گناہ کے ذریعہ خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، اللہ کی اطاعت سے نکل جانا، لیکن اس میں معروف اس صورت

میں ہوگا جب کہ وہ کبیرہ ہو اور عموماً فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو حکم شرعی کو مانتا ہو لیکن اس کے احکام پر عمل کرنے میں کوتاہی کرتا ہو، اسی طرح سوء اختیار مجون کی وجہ سے بھی ہوتا ہے، اور مجون جیسا کہ مختار الصحاح اور دیگر معاجم میں ہے، یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کی پروانہ کرے۔

حاصل یہ کہ یہ امور ولی کی ولایت میں قادح ہیں، اگر چہ وہ باپ و دادا ہوں، اور جو اس میں معروف ہو اس کے لئے بالاتفاق اپنی زیر ولایت لڑکی کا نکاح کرانا درست نہ ہوگا، اسی طرح اگر ولی نشہ میں مبتلا ہو اور اس نے لڑکی کی شادی فاسق یا شریر یا فقیر یا کم تر پیشہ والے سے کر دی تو بھی اس کا نکاح کرانا درست نہ ہوگا، کیونکہ اس کا سوء اختیار ظاہر ہو گیا، لہذا اس کی متوقع شفقت اس کے منافی نہیں ہوگی (الدر المختار ۲/ ۴۱۸-۴۱۹، ۴۳۶)۔

۷-ولی کون لوگ ہیں اور اولیاء میں باہم کیا ترتیب ہے؟

ولی لغت کے اعتبار سے عدو کی ضد ہے، عرفاً اس سے مراد عارف باللہ ہوتا ہے، اور شرعاً اس کا مفہوم ہے: بالغ، عاقل، وارث، اگر چہ وہ فاسق ہی ہو۔ جیسا کہ مذہب ہے۔ بشرطیکہ متہتک نہ ہو، لیکن اگر وہ متہتک ہو تو مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو میں اس کی طرف سے اپنی مولیہ (زیر ولایت لڑکی) کا کیا گیا نکاح نافذ نہیں ہوگا۔

فسق اگر چہ حنفیہ کے نزدیک سلب اہلیت کا باعث نہیں ہے، لیکن اگر باپ متہتک ہو تو اس کا کیا گیا نکاح بشرط مصلحت ہی نافذ ہوگا، اور اگر ولی باپ یا دادا ہو، اور ان کا سوء اختیار معروف نہ ہو تو ان کا کیا گیا نکاح لازم ہوگا اگر چہ غبن فاحش کے ساتھ ہو یا غیر کفو میں ہو۔

اس سے ظاہر ہوا کہ فاسق متہتک (جو سیئ الاختیار کے مفہوم میں ہے) کی ولایت علی الاطلاق ساقط نہیں ہوتی، کیونکہ اگر اس نے کفو میں مہر مثل کے ساتھ نکاح کرایا تو اس کا کیا گیا نکاح درست ہوگا (الدر المختار و رد المحتار ۲/ ۴۰۶، ۴۱۷-۴۱۸)۔

جہاں تک اولیاء کی ترتیب کا تعلق ہے تو حنفیہ کے مسلک کے مطابق اس کا بیان

گذر چکا ہے، اور یہ ترتیب عصبات میں اس طرح ہے:

۱- بیٹا اور پوتا، اسی طرح نیچے تک۔

۲- باپ اور دادا، اسی طرح اوپر تک۔

۳- سگا بھائی، علاتی بھائی اور ان دونوں کے بیٹے، اسی طرح نیچے تک۔

۴- سگا چچا اور باپ شریک چچا اور ان دونوں کے بیٹے، اسی طرح نیچے تک۔

پھر سلطان، یا اس کا نائب جو قاضی ہوتا ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کی جماعت کا نائب ہے جیسا کہ حدیث گذر چکی ہے: ''السلطان ولي من لا ولي له'' سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

معتمد قول کے مطابق وصی کو نابالغ اور نابالغہ کے نکاح کا اختیار نہیں، اگر چہ باپ نے اسے اس کی وصیت کی ہو، یہ ترتیب صاحبین کے مسلک کے مطابق ہے، اور یہ گذر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا خیال ہے کہ عصبات کی عدم موجودگی میں غیر عصبہ اقارب کو نکاح کی ولایت حاصل ہوگی، ترتیب ''الأقرب فالأقرب'' کے اعتبار سے ہوگی، لہذا اگر عصبہ نہ ہو تو ولایت ماں کو حاصل ہوگی، پھر دادی کو، پھر نانی کو، اگر اصول میں سے کوئی نہ پایا جائے تو ولایت فروع کو حاصل ہوگی، جیسا کہ گذر چکا، اگر ذوی الأرحام میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ولایت حاکم کی طرف منتقل ہوجائے گی جو کہ ہمارے زمانہ میں قاضی ہے (البدائع ۲/۲۴۰ اور بعد کے صفحات، فتح القدیر ۲/۴۰۵، ۴۱۳، ۴۱۶، الدر المختار ۲/۴۲۹-۴۳۱)۔

۸- کسی لڑکی کے اگر یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں اور اجازت ولی کو شرط صحت قرار دیا جائے تو کیا نکاح کی صحت کے لئے کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی یا تمام مساوی اولیاء کا اتفاق ضروری ہوگا؟

ظاہر الروایہ کے مطابق کفاءت لزوم نکاح کی شرط ہے نہ کہ صحت نکاح کی، لہذا عقد صحیح

ہوجائے گا لیکن لازم نہیں ہوگا، یعنی ولی کو یہ اختیار رہوگا کہ قاضی کے سامنے نکاح پر اعتراض کر کے فسخ نکاح کا مطالبہ کرے، حضرت امام حسن کی مختار روایت کے مطابق جو مفتی بہ ہے، کفاءت صحت نکاح کی شرط ہے۔

اور اگر اقرب ولی کئی ہوں، اس طور پر کہ وہ قرابت میں یکساں درجہ کے حامل ہوں جیسے حقیقی بھائی، ان میں سے بعض نکاح پر راضی ہوں اور بعض راضی نہ ہوں تو امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد امام محمد کے نزدیک بعض کی رضامندی دوسروں کے حق کو ساقط کردے گی، کیونکہ یہ ایک ایسا حق ہے جس میں تجزی نہیں ہوتی، چونکہ جس سبب سے یہ حق ثابت ہوا ہے اس میں بھی تجزی نہیں ہوتی یعنی قرابت، اور یہ حق قرابت دار کے لئے مکمل طور پر ثابت ہوتا ہے، اس میں تقسیم نہیں ہوتی ہے، اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ کسی غیر متجزی چیز کے جز کا ساقط کرنا کل کا ساقط کرنا ہے، لہٰذا اگر ایک ولی نے اپنا حق ساقط کر دیا تو دیگر کا حق بھی ساقط ہوگیا، جیسے دشمنوں کے لئے ولایت امان اور ولایت قصاص، چنانچہ اگر ایک مسلمان نے کسی حربی کو امان دے دی تو دوسرے مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اس حربی یا اس کے مال سے تعرض کرے، اور اگر حق قصاص کے مالک اولیاء کی جماعت میں سے کسی ایک نے قاتل کو معاف کردیا جو ایک ناقابل تجزی حق ہے تو بقیہ کا حق ساقط ہوجائے گا اور کسی دوسرے ولی کو اس کے مطالبہ کا حق حاصل نہ ہوگا (الدر المختار ورد المحتار ۲/۲۰۹)۔

الاختیار میں ہے: اگر کئی اولیاء میں سے ایک راضی ہو تو دوسرے ولی کو جو اس کے مساوی ہو یا اس سے نیچے درجہ کا ہو، اعتراض کا حق نہیں، اور اگر کوئی ولی اس سے بھی قریب تر ہو تو اسے اس کا اختیار رہے (الاختیار ۲/ ۱۶۲)۔

امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ دیگر ائمہ مذاہب کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر یکساں درجہ کے بعض اولیاء راضی ہوں تو دوسروں کا حق اعتراض ختم نہ ہوگا، کیونکہ کفاءت ایک

مشترک حق ہے جو ہر ایک کے لئے ثابت ہوتا ہے، اگر متعدد شرکاء میں سے کوئی اپنا حق ساقط کردے تو اس کے دوسرے شریک کا حق ساقط نہیں ہوجاتا، مثلاً دَین مشترک۔

نکاح میں ولایت کی شرط سے متعلق مختلف سوالات کے یہ جوابات ہیں، علمی اور نظری اعتبار سے ایک مسلمان مرد اور ایک مسلمان عورت کے لئے ان کا جاننا ضروری ہے۔

☆☆☆

ولایت نکاح - حقائق ومسائل

مولانا اختر امام عادل ☆

رشتہ نکاح کو نتیجہ خیز اور گھریلو زندگی کو مربوط بنانے کے لئے اسلام نے جو ہدایات دی ہیں ان میں ''ولایت نکاح'' کو خاص اہمیت حاصل ہے، اسلام نے ایک طرف نکاح میں انسان کی اپنی پسند اور ذاتی دلچسپی کو اہمیت دی، تو دوسری طرف معاشرتی قدروں کے تحفظ، اندرون خانہ اخلاقی ماحول کی تعمیر، جذبات کی بیجا اشتعال انگیزیوں پر گرفت اور دور سے دور تک دیکھنے اور سوچنے کا رجحان پیدا کرنے کے لئے ''ولایت نکاح'' کی دفعہ بھی قائم کی ہے، مگر ان دونوں کے درمیان اعتدال شرط ہے، اعتدال مفقود ہوجائے تو گھریلو اور ازدواجی زندگی بحران کا شکار ہوکر رہ جائے گی۔

۱- ولایت کا مفہوم:

ولایت کے لغوی معنی ہیں تصرف کرنا، ذمہ داری اٹھانا، محبت کرنا وغیرہ۔ اسی طرح ولایت نکاح کے لغوی معنی ہوئے کسی کے نکاح کی ذمہ داری اٹھانا اور اس کو نباہنا، جس کی بنیاد محبت، خیر خواہی اور ہمدردی پر ہو۔

اور اصطلاح میں ولایت کا مفہوم ہے: **مخصوص افراد کا مخصوص حالات وظروف میں مخصوص شرائط کے ساتھ کسی کے نکاح کی ذمہ داری لینا، اور خیر خواہانہ طور پر اس کو پایۂ تکمیل تک**

☆ بانی ومہتمم جامعہ امام ربانی منورواشریف، سمستی پور۔

پہنچانا۔فقہاء نے ولایت کے مختلف پہلوؤں پر جس انداز میں بحث کی ہے اس کی روشنی میں یہی تعریف جامع لگتی ہے، یوں فقہاء نے مختصر لفظوں میں اس کو اس طرح بیان کیا ہے:

"**الولاية هي تنفيذ الأمر على الغير**" (عنایہ علی ہامش الہدایہ ۲/ ۲۹۳)، یعنی دوسرے پر تنفیذی قوت کے حصول کا نام ولایت ہے۔

علامہ شامیؒ ولی کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"**الولي هو لغةً خلاف العدو و عرفاً العارف بالله تعالى، و شرعاً العاقل البالغ الوارث ولو فاسقاً على المذهب ما لم يكن متهتكاً**" (شامی باب الولی ۲/ ۳۰۳)۔

یعنی ولی لغت میں دشمن کی ضد ہے، عرف میں عارف باللہ کو اور شریعت میں عاقل بالغ وارث کو کہتے ہیں اگرچہ وہ فاسق ہو، بشرطیکہ متہتک نہ ہو، یہی مذہب ہے۔

ولایت کی قسمیں:

ولایت نکاح کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ولایت استحباب، ۲۔ولایت اجبار۔

ولایت استحباب عاقلہ بالغہ لڑکی پر حاصل ہوتی ہے، خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، یعنی مستحب یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت اور مرضی سے ہو اور ولایت اجبار نابالغہ لڑکی پر ہوتی ہے خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اسی طرح بالغہ معتوہہ اور مرقوقہ پر بھی ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے۔

"**الولاية في النكاح نوعان: ولاية ندب واستحباب: وهو الولاية على العاقلة البالغة بكرا كانت أو ثيبا، وولاية إجبار: وهو الولاية على الصغيرة بكرا كانت أو ثيبا و كذا الكبيرة المعتوهة والمرقوقة**" (مرقاۃ شرح مشکوۃ ۶/ ۲۰۳)۔

ولایت اجبار کا مطلب یہ نہیں کہ زبردستی مارپیٹ کر نکاح کیا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے

کہ زیر ولایت لڑکی کی مرضی وعلم کے بغیر بھی ولی کو نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

"**ليس المراد بولاية الإجبار أن ينكحها جبرا و ضربا بل المراد صحة الإنكاح ونفاذه بدون الأمر**" (العرف الشذی علی الترمذی ۱/ ۲۱۲)۔

یہ تعریف حنفیہ کے نقطۂ نظر کے مطابق ہے، دیگر فقہاء کو اس کے کئی اجزاء سے اختلاف ہے جس کی تفصیل آئندہ مباحث کے ذیل میں معلوم ہوگی۔

ولایت کی روح:

شریعت میں نظریہ ولایت کے پیچھے جو روح کام کر رہی ہے وہ دراصل یہ ہے کہ شارع کو عورت کا اپنے نکاح کے تعلق سے خود معاملہ کرنا مطلوب نہیں ہے، عورت کے پاس جو فطری حیا، تستر اور تمانع ہے اس کا تقاضا ہے کہ اپنے جنسی معاملات میں وہ خود کوئی پیش رفت نہ کرے، بلکہ اپنے سرپرست مردوں کو اس کے لئے آگے بڑھائے، اسی طرح بعض دفعہ ان بچوں کے نکاح کی نوبت آجاتی ہے جو ابھی دائرہ تکلیف سے خارج ہیں، ایسے موقع پر بھی ولی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

عورت کے بارے میں اسلام کا یہی وہ عمومی مزاج ہے جو "**وأنكحوا الأيامىٰ منكم**" **الخ** (نور/ ۳۲) اور "**لانكاح إلا بولي**" (ترمذی ۱/ ۲۰۸) جیسی آیات وروایات میں بیان کیا گیا ہے۔

لیکن بعض صورتیں ایسی ممکن ہیں کہ ان میں عورت کو مردوں کی مناسب رہنمائی اور مدد حاصل نہ ہو، اور بطور خود اس کو اقدام نکاح کی واقعی ضرورت پیش آجائے، ان حالات میں عورتیں اپنا نکاح اپنی مرضی سے خود کرنے کا قانونی حق رکھتی ہیں، ان کو ہر حالت میں مردوں کا بالکلیہ اسیر بنا دینا ان کی فطری آزادی، تکلیف، اور دیگر معاملات میں ان کی مالکانہ حیثیت کے خلاف ہے، یہی وہ قانونی اختیار ہے جو "**فإذا بلغن أجلهنّ فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهنّ**

بالمعروف"(سورۂ بقرہ:۲۳۴) اور"**قد حللت فانکحی من شئت**" **الخ** (العرف الشذی ۱/۲۱۰)جیسی آیات واحادیث میں بیان کیا گیا ہے۔

عورت کی زندگی میں دونوں طرح کے حالات پیش آسکتے ہیں،اس لئے قرآن وسنت میں دونوں کے مطابق ہدایات موجود ہیں،فقہاء نے اپنے اپنے طور پر آیات اوراحادیث کا مختلف حالات پر انطباق کیا ہے،مگراس موضوع پرسب سے زیادہ توازن اوراعتدال امام ابوحنیفہ کے یہاں نظر آتا ہے۔

ولایت علی النفس کی شرطیں:

تمام فقہاء کے یہاں نکاح میں ولایت کاتصور موجود ہے مگراس ولایت نکاح یاولایت علی النفس کے لئے ولی کے لئے کچھ شرائط ضروری ہیں،جوحسب ذیل ہیں:

۱۔پہلی شرط یہ ہے کہ ولی مکلّف ہو یعنی عاقل اور بالغ ہو،اس لئے کہ بے عقل،مجنون اورنابالغ مرفوع القلم ہیں،ان کوخوداپنی ذات پر بھی ولایت حاصل نہیں ہے تودوسرے پر کیوں کر حاصل ہوگی،نیز اس ولایت کی بنیادہمدردی پر ہے،اورمعاملہ کسی مجنون یانابالغ کے حوالہ کردینا ہمدردی نہیں (ہدایہ ۲/۲۹۸)۔

بلوغ کی شرط حنفیہ،شافعیہ اورحنابلہ کے یہاں ہے،استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: "**لانكاح إلا بإذن ولي مرشد أو سلطان**" ۔

صاحب مجمع الزوائد کہتے ہیں کہ اس روایت کوطبرانی نے الاوسط میں نقل کیاہے اوراس کے رجال،صحیح کے رجال ہیں۔

ایک قول جس کی نسبت بعض حنابلہ اورمالکیہ کی طرف کی گئی ہے،یہ ہے کہ بلوغ شرط نہیں ہے،اس قول کی بنیادوہ روایت ہے جس میں ہے کہ عمر بن ابی سلمہؓ نے اپنی ماں حضرت ام سلمہؓ کانکاح حضوراکرم ﷺ سے کرایا جب کہ ان کی عمراس وقت تین سال یاچھ سال کی تھی

(مؤطاامام مالک ۲۱۶، شرح معانی الآثار ۲/۷) مگر یہ استدلال روایت میں موجود بعض احتمالات کی بنا پر محل نظر ہے، اس لئے کہ امام طحاوی نے اس کو ولایت کے بجائے وکالت قرار دیا ہے، یعنی حضرت ام سلمہؓ نے خود ایجاب کرنے کے بجائے اپنے بیٹے کو وکیل بنایا (طحاوی ۲/۷) بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عمر سے مراد عمر بن ابی سلمہ نہیں بلکہ عمر فاروقؓ ہیں، ایک قول یہ ہے کہ نکاح عمرؓ نے نہیں بلکہ ان کے بڑے بھائی سلمہؓ نے پڑھایا تھا (العرف الشذی ۱/۲۱۰)۔

علاوہ ازیں ارشاد نبوی ہے:

"رفع القلم عن ثلاثة: المجنون حتى يفيق والنائم حتى يستيقظ والصغير حتى يبلغ" (مشکوۃ)۔

تین اشخاص مرفوع القلم ہیں، مجنون افاقہ سے قبل، سویا ہوا شخص جاگنے سے قبل، نابالغ بالغ ہونے سے قبل۔

اس حدیث سے نابالغ کی جو پوزیشن واضح ہوتی ہے، اس کا بھی تقاضا ہے کہ ولایت جیسے ذمہ دارانہ منصب پر نابالغ شخص فائز نہ ہو، جبکہ بہت سے ائمہ کے نزدیک وہ خود دوسرے کی ولایت اجبار کے تحت ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ وارث ہو، عملاً اسے حصۂ وراثت ملنا ضروری نہیں، محض وہ رشتہ کافی ہے جس سے کوئی انسان مستحق وراثت ہوسکتا ہے، خواہ وہ عصبہ میں سے ہو یا ذوی الفروض یا ذوی الارحام میں سے، اور عملاً وہ وراثت کا حقدار بن سکتا ہو یا محجوب یا محروم ہو، فقہاء احناف نے اولیاء کی جو فہرست پیش کی ہے اس کے پیش نظر یہ شرط ثابت ہوتی ہے۔ شامی نے تو ولی کی تعریف ہی ان الفاظ میں کی ہے: "الولي ... شرعاً العاقل البالغ الوارث الخ" (شامی ۲/۳۰۳)۔

اس سے صرف سلطان کا استثناء کیا جاسکتا ہے جو آخری ولی کی حیثیت رکھتا ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له" (ترمذی۱/۲۰۸)۔

یعنی اختلاف کے وقت سلطان اس کا ولی ہے جسکا کوئی ولی نہیں ۔۔۔ چونکہ یہ آخری اور فیصلہ کن مرحلہ ہے، اس لئے اس کو عام قاعدہ سے الگ رکھا جاسکتا ہے۔

۳۔تیسری شرط یہ ہے کہ ولی آزاد ہو، اس لئے کہ غلام خود اپنے ذاتی تصرفات کا بھی مالک نہیں ہے، تو دوسرے کے تصرفات کا مالک کیسے ہوگا (ہدایہ ۲/۲۹۸)۔

۴۔ولی اور زیر ولایت لڑکی میں اتحاد مذہب بھی شرط ہے، کوئی کافر مسلمان عورت کا ولی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ فرمان خداوندی ہے:

"ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا"۔ اور اللہ ہرگز کافروں کو مؤمنوں پر راہ نہیں دے گا۔

ہاں کافر، کافر کا ولی ہوسکتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

"والذين كفروا بعضهم أولياء بعض"۔ اور کفار باہم ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

اس شرط سے بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں، مثلاً سلطان کی ولایت کے لئے اتحاد مذہب شرط نہیں ہے، مسلم حکمراں لاوارث ذمیہ کا ولی ہوسکتا ہے، اسی طرح مسلمان آقا اپنی غیر مسلم باندی کا اور کافر آقا اپنی نومسلم باندی کا نکاح کراسکتا ہے (نیل الاوطار ۶/۹۷)۔

۵۔پانچویں شرط یہ ہے کہ ولی معاملہ کا شعور رکھتا ہو، مصالح نکاح سے باخبر اور لڑکی کے حق میں حساس، سنجیدہ اور ہمدرد ہو، اسی لئے فقہاء نے ایسے ولی کی ولایت ساقط قرار دی ہے جس کے بارے میں خاص معاملہ نکاح میں خیانت یا فسق کا ثبوت مل جائے، حنفیہ کے نزدیک زندگی کے عام معاملات میں فسق و خیانت ولایت کے لئے نقصان دہ نہیں ہے، لیکن خاص معاملہ نکاح میں اگر بددیانتی یا طمع و سفاہت کا ثبوت مل جائے تو اس کی ولایت ساقط مانی جائے گی، اور

اس کا کیاہوا نکاح نافذ نہیں ہوگا،اس معاملے میں باپ کا بھی استثناء نہیں ہے،یوں عام حالات میں باپ طاقتور ولی مانا گیا ہے،وہ اپنی لڑکی کا نکاح غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ بھی کردے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ قابل اعتراض نہیں سمجھا جاتا، بلکہ یہ مانا جاتا ہے کہ شاید کوئی اور بڑی مصلحت پیش نظر ہوگی جس کی بنا پر کفاءت اور نفع ونقصان کو اس نے نظر انداز کردیا ہوگا (ہدایہ ۲/ ۳۰۲)۔

لیکن باپ جیسے ولی کے بارے میں بھی اگر یقین کے ساتھ ثابت ہوجائے کہ اس نے لڑکی کے نکاح میں اپنے کسی مفاد کے لئے لڑکی کے مصالح کو نظر انداز کردیا ہے اور اس نے فسق، لاپرواہی یا بد دیانتی کا مظاہرہ کیا ہے، تو اس کا کیا ہوا نکاح نافذ نہ ہوگا، فقہاء نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے (دیکھئے: شامی ۲/ ۳۰۳)۔

البتہ ولی عام معاملات میں متہتک، خائن اور بد دیانت مشہور ہونے کے باوجود خاص معاملہ نکاح میں کفاءت اور مصالح نکاح کا لحاظ کرے تو اس حد تک اس کی ولایت معتبر ہوگی، اور نکاح درست ہوگا (ملاحظہ ہو: شامی ۲/ ۳۱۸، فتاوی خیریہ ۱/ ۲۳، باب الاولیاء، نیز فتح القدیر ۳/ ۱۷۳)۔

یہاں ایک قابل وضاحت بات یہ ہے کہ اگر ولی اور زیر ولایت لڑکی کے درمیان کسی دوسرے معاملے میں کوئی مقدمہ بازی یا تحصیل حق کا نزاع چل رہا ہو تو فقہاء نے اسے باہم عداوت قرار دینے سے انکار کیا ہے جس کا مقتضا یہ ہے کہ اس سے ولایت نکاح مشتبہ نہ ہوگی، اس لئے کہ دونوں الگ الگ معاملے ہیں، صاحب درمختار عداوت کی تشریح کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

"ثم إنما يثبت العداوة بنحو قذف أو جرح أو قتل ولي لا بمخاصمة، نعم هي تمنع الشهادة فيما وقعت فيه المخاصمة۔"

اس پر شامی نے ابن وہبان کے حوالے سے لکھا ہے:

"وقد يتوهم بعض المتفقهة من الشهود أن من خاصم شخصا في حق أو ادعى عليه يصير عداوة فيشهدون بينهما بالعداوة، وليس كذلك، وإنما

يثبت بنحو... الخ" (رد المحتار کتاب القضاء ۳۳۲/۴)۔

لیکن آج ہمارے دور میں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا دونوں معاملوں کو آج واقعۃً الگ الگ رکھا جاسکتا ہے؟ اور کیا آج ایک معاملہ کی مخالفت دوسرے معاملے پر اثر انداز ہوگی؟ یہ تو ہوئی اور ہوس کا دور ہے، آج جنگ صرف حق کی نہیں بلکہ زیادہ تر ہوس کی ہوتی ہے، ایک ولی جو ایک معاملے میں زیر ولایت لڑکی سے مخالفت رکھتا ہو وہ نکاح کے معاملے میں اس مخالفت سے قطع نظر کرکے واقعی اس کا مخلص ہوگا؟ کم از کم آج کے دور میں میرے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے۔

۶۔ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد) نے ولی کے لئے مرد ہونے کی بھی شرط لگائی ہے، اس لئے کہ مرد کی نگاہ زیادہ دوررس ہوتی ہے، وہ معاملہ کے مصالح وعواقب کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے، اس سلسلہ میں بعض آیات وروایات سے استدلال کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: **الرجال قوّامون على النساء** (نساء/ ۳۴) مردوں کو عورت پر حکمرانی حاصل ہے۔

نیز ارشاد ہے: **"فلا تعضلوهنّ أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف"** (سورہ بقرہ/ ۲۳۲)۔

جب عورتیں باہمی رضامندی سے معروف طریقے پر اپنے شوہروں سے نکاح کرنا چاہیں تو ان کو نہ روکو۔

ان دونوں آیات میں عورتوں کے معاملے کا مالک مردوں کو بتایا گیا ہے۔ مگر ان دونوں آیات سے ولایت نکاح کے مسئلے کو کوئی واضح تعلق نہیں ہے، اس لئے کہ پہلی آیت میں نکاح کے بعد کی قوامیت بھی مراد ہو سکتی ہے، اسی طرح دوسری آیت میں مردوں کی اس خلل انداز طبیعت پر قدغن لگائی گئی ہے جو عام طور پر عورتوں کے معاملے میں رونما ہوتی ہے، بلکہ "**ينكحن**" سے تو

نکاح کے معاملے میں عورتوں کی خوداختیاری کا ثبوت فراہم ہوتا ہے،مگر ممکن ہے کہ سماجی برتری کی بنا پر وہ ان کے ذاتی اختیارات میں رکاوٹ ڈالیں،اس لئے مردوں کو اس سے باز رکھا گیا،اس کا ہرگز یہ معنیٰ نہیں کہ نکاح کی ولایت صرف مردوں کو حاصل ہے۔

ایک استدلال حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث مرفوع سے کیا گیا ہے،جس کو ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے: **لاتزوج المرأة المرأة ولا تزوج المرأة نفسها** (نیل الاوطار ۱۱۸/۶) کہ عورت کسی عورت کی شادی نہیں کرسکتی اور نہ عورت خود اپنی شادی کرسکتی ہے۔یہ روایت کئی طرق سے منقول ہے۔

طبرانی،دارقطنی،ابن عدی اور اسحٰق بن راہویہ نے اس کو حضرت جابرؓ،عمران بن حصینؓ،ابن عمرؓ،حضرت علیؓ،حضرت انسؓ وغیرہ صحابہ سے بھی نقل کیا ہے،مگر حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی تمام سندوں کو لغو اور واہی قرار دیا ہے(الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایہ ۲/۲۹۶،۲۹۷)۔

حنفیہ کے نزدیک ولی ہونے کے لئے مرد کی شرط نہیں ہے،بعض صورتوں میں عورتیں بھی ولی بن سکتی ہیں اور معاملہ نکاح میں وہ تصرف کرسکتی ہیں،حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجی حفصہؓ کی شادی اپنے بھائی کے غائبانے میں کرائی تھی،اس سے کچھ اس طرف رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے(طحاوی ۲/۵)۔

۷۔بعض فقہاء نے ولی کے لئے عدالت کی بھی شرط لگائی ہے،ان کا استدلال حضرت ابن عباس کی اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"**لا نكاح إلا بإذن ولي مرشد أو سلطان**"(طبرانی)۔

اس میں "ولی مرشد" کی تفسیر ان حضرات نے ولی عادل سے کی ہے،مگر یہ مفہوم متعین نہیں ہے،اس لئے کہ رشد کا استعمال عقل کے لئے بھی ہوتا ہے،رشید اسی سے آیا ہے۔

یہ رائے حنابلہ اور شافعیہ کی ہے،ان کے بالمقابل امام ابوحنیفہ اور امام مالک ولایت کے لئے عدالت کو مشروط نہیں کرتے۔

۲-کون اپنا نکاح خود کرسکتا ہے اور کون نہیں؟

جو لوگ اپنا نکاح خود کرنے کی اہلیت وصلاحیت رکھتے ہوں، شریعت اسلامی نے ان کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار دیا ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، لیکن جو اپنا نکاح خود کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کی سہولت اور مصالح کے پیش نظر ان کے نکاح کا اختیار ان کے اولیاء کے حوالہ کیا ہے۔

ولایت کے ذیل میں ان دو قسموں کے وجود سے تمام فقہاء کا اتفاق ہے، البتہ افراد کی تقسیم میں جزوی طور پر اختلاف پایا جاتا ہے۔

فقہاء احناف نے ہر عاقل، بالغ، آزاد اور مکلّف شخص کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، قسم اول میں داخل کیا ہے، اور بے عقل، مجنون، معتوہ، مرقوق اور نابالغ افراد کو قسم ثانی میں داخل کیا ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔

قسم اول کے افراد اپنے نکاح کے معاملے میں ولی کی مرضی واجازت کے پابند نہیں ہیں، وہ اپنا نکاح خود اپنی عبارت سے کرسکتے ہیں، بشرطیکہ عورت ہونے کی صورت میں وہ کفاءت اور مہر مثل کا لحاظ رکھیں، اولیاء کو اس صورت میں صرف ولایت ندب حاصل ہوتی ہے، یعنی بہتر یہ ہے کہ نکاح کا معاملہ اولیاء کی نگرانی اور سرپرستی میں انجام پذیر ہو، البتہ کفاءت کے فقدان یا مہر مثل کی کمی کی صورت میں ظاہر الروایۃ کے مطابق اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا، یعنی وہ قاضی کے ذریعہ اس نکاح کو فسخ کراسکتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ سے مروی حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق غیر کفو میں نکاح ہی منعقد نہ ہوگا (ہدایہ ۲/ ۲۹۴ شرح وقایہ ۲/ ۲۱)۔

قسم ثانی کے افراد اپنے نکاح کے باب میں ولی کی مرضی واجازت کے پابند ہیں، وہ اپنی عبارت سے اپنا نکاح نہیں کرسکتے، اگر وہ اپنا نکاح اپنی عبارت اور مرضی سے کرلیں تو ان کا نکاح اولیاء کی اجازت پر موقوف ہوگا، اولیاء کو ان افراد پر ولایت اجبار حاصل ہے، یعنی اولیاء ان

کی مرضی جانے بغیر اپنی پسند سے ان کا نکاح کر سکتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس معاملہ میں باپ اور دادا و دیگر اولیاء میں فرق ہے، کہ باپ اور دادا کا کیا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے، قابل فسخ نہیں ہوتا ہے، جبکہ دیگر اولیاء کا کیا ہوا نکاح غیر لازم اور قابل فسخ ہوتا ہے (ہدایہ ۲/ ۲۹۴۔۲۹۸)۔

دیگر ائمہ کو اس تقسیم کی بعض جزئیات سے اختلاف ہے۔

نکاح کے باب میں عورت کی خود اختیاری کا معاملہ:

مثلاً امام ابو حنیفہ کے علاوہ تمام ائمہ کے یہاں ایجاب وقبول کے باب میں عورت و مرد کے درمیان فرق کیا گیا ہے، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد کے نزدیک عورت کی عبارت سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، چاہے اس کا ولی سو بار اظہار رضامندی کرے (العرف الشذی ۱/ ۲۰۹)۔

امام ابو یوسف کی ایک روایت بھی یہی ہے، امام محمد کے نزدیک عورت کی عبارت سے نکاح تو ہو جاتا ہے مگر ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنی عبارت سے اپنا نکاح خود کر سکتی ہے، عبارت یا اجازت کے باب میں وہ ولی کی پابند نہیں ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ وہ خود نکاح نہ کرے بلکہ اولیاء کے توسط سے نکاح کا معاملہ کرے تاکہ بے حیائی کا تصور نہ ہو۔ ظاہر الروایہ میں امام ابو یوسف بھی امام ابو حنیفہ کے ہم خیال ہیں (ہدایہ ۲/ ۲۹۳۔۲۹۴)۔

ائمہ ثلاثہ کی طرف سے استدلال میں عام طور پر جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان میں ایک خاص روایت حضرت ابو موسیٰ اشعری کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا نكاح إلا بولي" (ترمذی ۱/ ۲۰۸) کہ بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوتا۔

روایت کا جائزہ:

یہ حدیث کئی طرق سے منقول ہے مگر محدثین نے اس پر کلام کیا ہے، یہ حدیث متصل ہے یا مرسل؟ اس میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے، امام طحاوی نے ارسال کے قول کو ترجیح دی ہے، اس حدیث کی متعدد اسانید پر امام طحاوی نے مفصل کلام کیا ہے، اور اپنے خاص طرز میں اس سے

استدلال کے نقائص پر روشنی ڈالی ہے(طحاوی ۲/۶۵)۔

ملا علی قاری نے بھی اس حدیث کو سنداً مضطرب قرار دیا ہے، اور اس کے بالمقابل دیگر زیادہ صحیح روایات کو ترجیح دی ہے(مرقاۃ ۶/۲۰۷)۔

اور اصولی طور پر بھی یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ایک مضطرب روایت جب صحیح ترین روایات کے بالمقابل آ جائے تو مضطرب روایت کو ترجیح حاصل نہ ہوگی۔

اس کے علاوہ یہ روایت ائمہ ثلاثہ کے بجائے زیادہ سے زیادہ امام محمد کے موقف کی دلیل بن سکتی ہے، جو اس کے قائل ہیں کہ ولی کی جانب سے عبارت شرط نہیں ہے، بلکہ صرف اجازت شرط ہے، "لا نكاح إلا بولي" کا معنی یہی ہو سکتا ہے کہ نکاح بغیر ولی کے، یعنی بغیر اس کی اجازت کے درست نہیں ہے، عورت کی عبارت کا عدم اعتبار اس کے معنی میں ایک طرح کا اضافہ ہے۔

اس کے علاوہ اس روایت کا کوئی ایک محمل متعین نہیں ہے، اس میں کئی معنی محتمل ہیں، اس لئے کہ حدیث میں نفی، نفی صحت پر بھی محمول ہو سکتی ہے اور نفی کمال پر بھی، دوسری روایات کے تناظر میں نفی کمال پر محمول کرنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ علامہ کشمیری کہتے ہیں کہ لفظ میں نہیں بلکہ مصداق لفظ میں نفی کمال مراد ہے یعنی ناقص کو معدوم کے درجہ میں فرض کیا گیا ہے، ولی کے نہ ہونے سے معاملہ میں جو نقص پیدا ہو سکتا ہے اسی کو عدم سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے نقص کو دور کرنے کے لئے ولی کی اجازت کی ضرورت ہے (العرف الشذی ۱/۲۰۹) لیکن یہاں اس نقطۂ نظر سے بھی غور کیا جائے کہ کسی عورت پر ولی کو جو ولایت حاصل ہوتی ہے وہ ولی کے حق کے طور پر یا عورت کی ہمدردی و خیر خواہی کے پیش نظر؟ شافعیہ اس کو ولی کے حق کے طور پر دیکھتے ہیں جبکہ حنفیہ اس کو عورت کے مفاد کی چیز قرار دیتے ہیں (مؤطا امام محمد/۲۴۹)۔

اس لحاظ سے اگر عاقلہ بالغہ عورت خود اپنے شوہر کا صحیح طور پر انتخاب کرے اور کفاءت

یا مہر کسی لحاظ سے اس میں نقص واقع نہ ہو تو ولایت کی علت کے لحاظ سے یہ قابل اعتراض نہیں ہونا چاہئے، امام محمد نے حضرت عمر فاروقؓ کا ایک اثر امام ابوحنیفہ کے موقف کے حق میں پیش کیا ہے، نیز اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نزاع کی صورت میں سلطان سے رجوع کا حکم دیا گیا ہے۔

"**فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له**" (ترمذی ۱/۲۰۸)۔

ظاہر ہے کہ اگر یہ ولی کا حق ہے تو سلطان کی طرف مراجعت کی حاجت کیا ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عورت کے مصالح کے پیش نظر اس مراجعت کا حکم دیا گیا ہے (العرف الشذی ۱/۲۰۹، مرقاۃ ۶/۲۰۴)۔

پھر حدیث میں ولایت عام ہے، ولایت اجبار اور ولایت استحباب دونوں مراد ہو سکتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث اپنے عموم پر باقی نہ ہو، بلکہ اس میں صرف وہ افراد داخل ہوں جو مذکورہ بالا قسم ثانی کے ذیل میں آتے ہیں، جن پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے، اس تخصیص کی بنیاد وہ دلائل ہیں جن میں نکاح کے باب میں عورتوں کو خودمختاری دی گئی ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۶/۲۰۷)۔

اسی طرح یہ قیاس بھی اس کے لئے مخصص بن سکتا ہے کہ جب عورت عقل وبلوغ کے مرحلے میں پہنچ کر بیع، اجارہ اور دیگر مالی معاملات میں خودمختار ہو جاتی ہے، تو صرف نکاح کے معاملے میں وہ ولی کی پابند کیوں رہے گی؟ رہا یہ کہ رائے سے تخصیص درست ہے یا نہیں؟ تو "**إحكام الأحكام**" میں ابن دقیق العید کی تصریح کے مطابق اگر رائے بالکل واضح اور جلی ہو تو مخصص بن سکتی ہے، جیسا کہ اخلاقیات کی بیشتر روایات میں یہ عمل ہوا ہے (العرف الشذی ۱/۲۰۹)۔

علامہ کشمیریؒ نے اس حدیث کا ایک اور معنی بتایا ہے کہ عورت اگر اپنی مرضی اور اپنی عبارت سے کفاءت اور مہر مثل کا لحاظ رکھے بغیر نکاح کر لے تب تو ظاہر ہے کہ ولی کو حق اعتراض

حاصل ہے اور وہ نکاح قابل فسخ ہے، اس لئے کہ عورت نے اپنے مصالح کا لحاظ نہیں رکھا، لیکن اگر عورت کفاءت اور مہر مثل کو ملحوظ رکھتے ہوئے نکاح کرے تو اس حدیث پر عمل کی صورت یہ ہوگی کہ ولی کو اجازت دینے پر مجبور کیا جائے گا جیسا کہ حدیث ذیل کا مقتضی ہے:

"والأيم إذا وجدت لها كفوا" الخ (ترمذی)۔ بے شوہر کی عورت کا کفو ملے تو نکاح میں تاخیر نہ کرو۔

اسی طرح آیت پاک بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے:

"ولا تعضلوهنّ أن ينكحن أزواجهنّ" الخ (سورۂ بقرہ:۲۳۲)۔ اور ان کو اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔

اسی طرح ولی اگر جبری اجازت دیدے تو "لا نكاح إلا بولي" کا منشا پورا ہو گیا، اس طرح "لا نكاح إلا بولي" کا معنی یہ ہوا کہ "لا نكاح إلا باستيذان الولي" یعنی نکاح میں ولی کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش ہونی چاہئے، خواہ وہ رضامندی نکاح سے قبل حاصل ہو یا نکاح کے بعد (العرف الشذی ۲۱۱/۱)۔

غرض ان چند در چند احتمالات و معانی کی بنا پر یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے حق میں کافی کمزور ہو جاتی ہے، مسانید ابوحنیفہ میں یہ روایت حضرت امام ابوحنیفہ کے حوالے سے بھی آئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت امام ابوحنیفہؒ کے سامنے بھی تھی، مگر اس کا مفہوم ان کے نزدیک اس سے مختلف تھا جو ائمہ ثلاثہ نے سمجھا ہے، اور اسی لئے یہ کہنا بھی صحیح نہ ہوگا کہ ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہ تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو (العرف الشذی ۲۰۹/۱)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت:

ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہ کی بھی اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہے، جس کو احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل، باطل، باطل، فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها، فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له" (مشکوۃ علی المرقاۃ ۲۰۷/۶)۔

جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے، اگر اس کے ساتھ دخول کرے تو شرمگاہ حلال کرنے کی وجہ سے اس کے لئے مہر واجب ہے، اگر ان میں باہم اختلاف ہوجائے تو سلطان اس شخص کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں۔

اس حدیث کے طرق پر بھی کلام کیا گیا ہے، مگر امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے، لیکن حدیث کو قابل استدلال تسلیم کرنے کے باوجود زیر بحث مسئلہ پر اس سے استدلال مشکل ہے، اس لئے کہ "فنكاحها باطل" کا ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "نکاح کے باطل ہونے کا امکان ہے"۔ یہ اس وقت ہے جبکہ لڑکی نے غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر شادی کرلی ہو، باطل کے معنی بے فائدہ کے بھی ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:

"ربنا ماخلقت هذا باطلا" (آل عمران: ۱۹۱) (اے پروردگار آپ نے اس کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا)۔

اگر یہ معنی ملحوظ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ولی کی مرضی کے بغیر کیا ہوا نکاح بے فائدہ اور مصالح و مفادات سے خالی ہے۔

حدیث کی یہ تخصیص یا تاویل اس لئے کی جائے گی کہ ان آیات اور روایات صحیحہ سے تعارض لازم نہ آئے، جن میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے، یا جن میں اس کی رائے اور مرضی کو خاص اہمیت دی گئی ہے، بلکہ خود زیر نظر حدیث میں بھی بعض ایسے اشارات موجود ہیں جن سے ولی کی اجازت کے بغیر کئے ہوئے نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے، مثلاً اسی حدیث کا یہ ٹکڑا ہے کہ:

"فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها"۔

دخول کے بعد وجوب مہر کا حکم اور اس کے لئے استحلال فرج کی تعلیل صحت عقد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

علاوہ ازیں اس حدیث کے دو راوی اپنے عمل وفتوی کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ کے ہم خیال نظر آتے ہیں، حضرت عائشہؓ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ انہوں نے اپنی بھتیجی حضرت حفصہؓ کی شادی اپنے بھانجے منذر بن زبیرؓ سے بطور خود کر دی تھی، جبکہ حفصہؓ کے باپ عبدالرحمٰنؓ شام میں تھے، اور حضرت عائشہؓ اصولی طور پر بھتیجی کی ولی نہیں تھیں، لیکن ولی کے بغیر انہوں نے شادی کر دی، حضرت عبدالرحمٰنؓ شام سے واپسی پر اس معاملہ پر کچھ کبیدہ خاطر ہوئے لیکن بہن کی عزت کا لحاظ کر کے اس کو رد نہیں کیا، بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایجاب وقبول دوسرے مردوں کے ذریعہ کرایا تھا، خود نہیں کیا تھا، (طحاوی ۲/۶) لیکن سوال یہ ہے کہ وہ مرد حضرات بھی تو ولی نہیں تھے، زیادہ سے زیادہ ان کو حضرت عائشہؓ کا وکیل قرار دیا جاسکتا ہے۔

غرض مذکورہ واقعہ سے کم از کم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک نکاح کی صحت کے لئے ولی کا موجود ہونا ضروری نہیں تھا، اسی طرح اسی سند کے دوسرے راوی امام زہری بھی اس معاملے میں امام ابوحنیفہ کے ہم خیال ہیں (العرف الشذی ۱/ ۲۰۹)۔

راوی کا اپنی روایت کے خلاف مسلک اختیار کرنا اس بات کی علامت ہے کہ روایت کا معنی وہ نہیں ہے جو بظاہر مفہوم ہو رہا ہے، بلکہ دوسری روایات اور خود رواۃ حدیث کے مذہب کے تناظر میں وہی تاویل یا تخصیص کرنی ہوگی جو مذکور ہوئی۔

ایک حدیث یہ پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تزوج المرأة المرأة ولا تزوج المرأة نفسها فإن الزانية هي التي تزوج نفسها" (مشکوٰۃ علی المرقاۃ ۶/ ۲۰۹)۔

مگر اس حدیث کے بارے میں ابن حجر کے حوالے سے پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اس حدیث

کی کوئی سند محفوظ نہیں، ہر سند لغو او رواہی ہے (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ۲/۲۹۶۔۲۹۷)۔

عقلی دلیل:

ائمہ ثلاثہ اپنے موقف کی تائید میں ایک بات یہ بھی کہتے ہیں کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں، اس لئے معاملۂ نکاح ان کے حوالے کرنا خطرے سے خالی نہیں، مگر اس دلیل میں کمزوری یہ ہے کہ جس خطرے کا امکان ہے وہ اولیاء کی مداخلت سے دور ہوسکتا ہے، حنفیہ بھی اس کے قائل ہیں کہ اگر عورت جذبات میں بہہ کر غیر کفو میں شادی کرے یا نکاح میں مہر مثل کا لحاظ نہ رکھے تو اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے (ہدایہ ۲/۲۹۶)۔

حنفیہ کے دلائل:

حنفیہ کی طرف سے عام طور پر وہ آیات وروایات پیش کی جاتی ہیں جن میں نکاح کی نسبت خود عورت کی طرف کی گئی ہے، اگر عورت اپنے نکاح کے باب میں خود مختار نہ ہو، اور اسے اپنی عبارت سے حق نکاح حاصل نہ ہو تو یہ نسبت بے معنی ہوجائے گی، مثلاً ارشاد باری تعالی ہے:

۱۔ ''**فإن طلّقها فلا تحلّ له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره**''(سورۂ بقرہ:۲۳۰)۔

تیسری طلاق کے بعد عورت اس وقت تک شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اس شوہر کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔

۲۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:''**فلا تعضلوهنّ أن ينكحن أزواجهنّ**'' (سورۂ بقرہ:۲۳۲) (ان کو ان کے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو)۔

۳۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:''**فإذا بلغن أجلهنّ فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهنّ بالمعروف**'' (سورۂ بقرہ:۲۳۴)۔

پھر جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے حق میں معروف طریقے پر جو بھی کریں تمہارے لئے کوئی مضائقہ نہیں۔

ان تمام آیات میں نکاح کی نسبت خود عورتوں کی طرف کی گئی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے لئے بطور خود نکاح کرنا درست ہے۔

۴۔احادیث کی طرف آیئے تو خود نبی کریم ﷺ نے ولی کی شرط کو عملاً کالعدم قرار دیا ہے، حضرت ام سلمہؓ کے شوہر ابوسلمہؓ کا جب انتقال ہوگیا تو حضور ﷺ نے ان سے نکاح کرنے کا ارادہ فرمایا، حضرت ام سلمہؓ نے اس سلسلہ میں کئی اعذار پیش کئے جس میں ایک یہ تھا کہ:

"**ليس أحد من أوليائي حاضرا** (کہ یا رسول اللہ میرا کوئی ولی موجود نہیں ہے)۔

اس پر حضور ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا کہ:

"**ليس أحد من أولياء ک حاضرا ولا غائبا إلا ويرضاني" الخ**۔

(تمہارے کسی ولی کو خواہ موجود ہو یا نہ ہو، میرے معاملے میں اعتراض نہ ہوگا)۔

اس طرح حضور ﷺ نے صاف طور پر نکاح میں ولی کی موجودگی کو غیر ضروری اور محض اس کی رضامندی کو کافی قرار دیا، اور بالآخر ایک چھ سالہ نابالغ بچے نے ایجاب کیا اور معاملہ نکاح مکمل ہوگیا (شرح معانی الآثار ۲/۷۰)۔

بعض حضرات نے اس میں یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حضور ﷺ تو خود تمام مسلمانوں کے ولی تھے، اس لئے ان کے لئے ولی کی ضرورت نہ تھی، امام طحاوی اس نکتہ آفرینی پر سخت ناراض ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسی بات تھی تو حضور ﷺ کو حضرت ام سلمہ کے ولی کی غیر موجودگی والے عذر کے جواب میں یہ کہنا چاہئے تھا کہ تمہارے لئے ولی کی کیا حاجت؟ میں تو خود تمہارا ولی ہوں، مگر حضور نے یہ ارشاد نہ فرمایا (طحاوی ۲/۷)۔

مؤطا امام مالک میں یہ ٹکڑا بھی ہے کہ "**وكان أهلها غائبا" الخ**۔ کہ حضرت ام سلمہؓ کے گھر والوں کی غیر موجودگی میں نکاح ہوا۔

اس سے اور وضاحت ہوجاتی ہے کہ عورت اپنے اولیاء کی غیر موجودگی میں ان کے علم و

اطلاع کے بغیر بھی بطور خود نکاح کرسکتی ہے، اسی کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ کے اختتام عدت کے موقعہ پر حضور کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رکھا جائے تو نکاح کے باب میں عورت کی خود اختیاری کا مسئلہ بالکل صاف ہوجاتا ہے:

"قد حللت فانكحي من شئت" (مؤطا امام مالک ۲۱۶)۔

(تم حلال ہوچکی ہو پس جس سے چاہو نکاح کرلو)۔

۵۔ایک اور روایت انہی الفاظ کے ساتھ آئی ہے جس کو سعید بن منصور نے حضرت ام سلمہؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ "جاء ت امرأة إلى رسول الله ﷺ فقالت إن أبي أنكحني رجلا وأنا كارهة فقال لأبيها لا نكاح لك اذهبي فانكحي من شئت" (الدرایہ ۲/ ۲۹۴)۔

(ایک عورت دربار نبوت ﷺ میں حاضر ہوئی اور عرض رسا ہوئی کہ میرے باپ نے میری شادی ایک مرد سے کردی ہے حالانکہ مجھے وہ پسند نہیں ہے، تو اس کے باپ سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرے کئے ہوئے نکاح کا اعتبار نہیں، (اور عورت سے فرمایا) جاؤ جس سے چاہو نکاح کرلو)۔

حافظ ابن حجر نے اس کو مرسل جید تسلیم کیا ہے (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ۲/ ۲۹۴)۔

ولایت اجبار کی بنیاد:

یہاں ایک اہم ترین اختلاف ولایت اجبار کی بنیاد کا ہے، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ولایت اجبار کی بنیاد بکارت ہے، ترمذی نے ان حضرات کا مذہب نقل کیا ہے:

"وقال بعض أهل المدينة: تزويج الأب على البكر جائز وإن كرهت ذلك وهو قول مالك بن أنس والشافعي وأحمد وإسحاق" (ترمذی ۱/ ۲۱۰)۔

بعض اہل مدینہ کا خیال یہ ہے کہ باپ کے لئے باکرہ کی شادی اس کی مرضی کے بغیر کرانا درست ہے، مالک بن انس، امام شافعی، امام احمد اور اسحق کی رائے یہی ہے۔

ان کے بالمقابل حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ ولایت اجبار کی بنیاد بکارت پر نہیں صغر پر ہے (ہدایہ ۲/ ۲۹۴)۔

شافعیہ میں شیخ تقی الدین سبکی شافعی بھی حنفیہ کے ہم خیال ہیں، سبکی ۱۰۰ سے زائد مسئلوں میں شافعیہ سے اختلاف رکھتے ہیں، جن میں ایک یہ بھی ہے (العرف الشذی ۱/ ۲۱۲)۔

حنابلہ میں ابن تیمیہ اور ابن قیم بھی اس معاملے میں حنفیہ سے اتفاق کرتے ہیں (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۱)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل:

ائمہ ثلاثہ کے پاس اس سلسلے میں کوئی منصوص بنیاد نہیں ہے، وہ عقلی طور پر یہ استدلال کرتے ہیں کہ کنواری لڑکی خواہ بالغ ہو یا نابالغ، نکاح کا کوئی تجربہ نہیں رکھتی، اس لئے اس کا معاملہ اس کے حوالہ کر دینا مناسب نہیں، اس لئے مدار کنوارپن پر رکھا جانا چاہئے (ہدایہ ۲/ ۲۹۴)۔

اور چونکہ ان کے نزدیک اصل چیز تجربہ ہے، امام شافعی اس تجربہ کو عرفی بنیاد کے بجائے حقیقی بنیاد پر دیکھتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی لڑکی زنا کی مرتکب ہو جائے تو وہ ان کے نزدیک حقیقی تجربہ حاصل ہونے کی بنا پر ثیبہ کے حکم میں ہے، چاہے عرف میں وہ کنواری سمجھی جاتی ہو، یہی وجہ ہے کہ نکاح کے تعلق سے استمزاج کے وقت ایسی لڑکی کا محض سکوت کافی نہیں، بلکہ زبان سے اظہار ضروری ہے۔

"لأنها ثيب حقيقة لأن مصيبها عائد إليها" (ہدایہ ۲/ ۲۹۵)۔

مگر اس عقلی استدلال میں کمزوری یہ ہے کہ تجربہ بھی موقوف ہے بلوغ اور شہوت پر، بلوغ سے قبل شادی بھی ہو جائے، اور شوہر سے ملاقات بھی کر لے تو جنسی تجربہ حاصل نہ ہوگا، اور نہ عورت ہونے کی حیثیت سے مردوں کو سمجھنے کا سلیقہ اس کو آئے گا، اس لئے جب بات تجربہ کی آئے گی تو بھی بنیاد بکارت وثیوبت کے بجائے بلوغ وعدم بلوغ کو بنانا ہوگا۔

حنفیہ کے دلائل:

حنفیہ کے پاس اس سلسلہ میں منصوص بنیادیں موجود ہیں:

۱-بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ:

"**لا تنکح الأيم حتى تستأمر ولا تنکح البکر حتى تستأذن**" (بخاری ۲/۷۷۱)۔

(بے شوہر کی عورت کا نکاح مشورہ کے بغیر اور باکرہ کا نکاح اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا)۔

"**الأيم**" کے معنی اگر ثیبہ کے لیے جائیں جیسا کہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی آیا ہے، تو مطلب یہ ہوگا کہ ثیبہ کے نکاح میں استیمار اور باکرہ میں استیذان کی ضرورت ہے۔ استیمار کے معنی مشورہ کے ہیں، اور مشورہ میں زبانی اظہار ضروری ہوتا ہے۔ اور استیذان کے معنی اجازت لینے کے ہیں، اور اجازت دلالت حال سے بھی ممکن ہے۔ حدیث پاک کی ان بلیغ تعبیرات سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ثیبہ کے لئے محض سکوت کافی نہیں جبکہ باکرہ کے لئے سکوت کافی ہے۔ بہر حال خواہ استیذان ہو یا استیمار، حدیث اس باب میں بالکل صریح ہے کہ ثیبہ اور باکرہ کسی پر بھی اجبار درست نہیں، اس حدیث سے بکارت کو بنیاد بنانے کا تصور رد ہو جاتا ہے۔

اس معنی کی اور بھی کئی روایات موجود ہیں (مشکوۃ مع المرقاۃ ۶/۲۰۲-۲۰۹)۔

۲-ابوداؤد کی ایک روایت ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

"**إن جارية أتت النبي ﷺ فذكرت أن أباها زوّجها وهي كارهة فخيّرها النبي ﷺ**" (ابوداؤد ۱/۲۸۵، ۲۸۶)۔

کہ ایک باکرہ لڑکی دربار نبوت ﷺ میں حاضر ہوئی اور عرض رساہوئی کہ اس کے باپ نے اس کی شادی اس کی مرضی کے بغیر کردی ہے، تو حضور اکرم ﷺ نے اس کو نکاح کے

معاملے میں اختیار دیا۔

۳۔بخاری میں اسی طرح کا واقعہ ایک ثیبہ کے بارے میں بھی آیا ہے:

"عن خنساء بنت خذام الأنصارية أن أباها زوّجها وهي ثيّب فكرهت ذلک فأتت رسول الله ﷺ فردّ نكاحها" (بخاری ۲/۷۷۱۔۷۷۲)۔

خنساء بنت خذام انصاریہؓ سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے ان کی شادی ان کی مرضی کے بغیر کردی اور وہ ثیبہ تھیں، وہ دربار رسالت میں اس معاملے کو لے کر حاضر ہوئیں تو آپ نے ان کا نکاح رد فرمادیا۔

یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں، ابو داؤد میں دونوں روایتیں الگ الگ مذکور ہیں (ابوداؤد ۱/۲۸۵)۔

اگرچہ نسائی وغیرہ کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خنساء بھی باکرہ تھیں، اور اس طرح دونوں کے ایک واقعہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے، مگر محققین نے بخاری کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے خنساء کو ثیبہ قرار دیا ہے، اور دونوں کو الگ الگ دو واقعہ تسلیم کیا ہے، ابن قطان نے اس تعدد پر دار قطنی کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے:

"عن ابن عباس أن النبي ﷺ ردّ نكاح ثيّب و بكر أنكحهما أبوهما و هما كارهتان" (مرقاۃ شرح مشکوۃ ٦/۲۰۸۔۲۰۹)۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک ثیبہ اور ایک باکرہ کا نکاح رد فرمادیا جن کے والدین نے ان کی مرضی کے بغیر زبردستی ان کا نکاح کردیا تھا۔

ولایت اجبار کن لوگوں کو حاصل ہے؟

یہاں ایک بحث یہ ہے کہ ولایت اجبار کن اولیاء کو حاصل ہے؟ حنفیہ کے نزدیک فی الجملہ تمام اولیاء کو یہ ولایت حاصل ہے، البتہ اس میں تفصیل یہ ہے کہ باپ اور دادا کو ولایت

ملزمہ حاصل ہے، اوران کے علاوہ دیگراولیاءکوولایت غیرملزمہ۔ملزمہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کیاہوانکاح لازم ہوگا،اورلڑکا یالڑکی کوخیاربلوغ حاصل نہ ہوگا،اورغیرملزمہ کامطلب ہے کہ خیار بلوغ حاصل ہوگا(ہدایہ ۲/۲۹۶)۔

حنفیہ میں امام ابو یوسف اولیاء کے درمیان ملزمہ و غیرملزمہ کا یہ فرق تسلیم نہیں کرتے،ان کے نزدیک نابالغی کے زمانے کا کیاہوانکاح خواہ کسی ولی نے کیاہو،بہرصورت لازم ہوگا،اورلڑکا یالڑکی کوخیاربلوغ حاصل نہ ہوگا،مگرامام ابوحنیفہ اورامام محمد نے بچے کے ساتھ باپ دادا اور دیگراولیاء کی محبتوں اور شفقتوں میں جو مبینہ فرق پایا جاتا ہے اس کا لحاظ کیاہے (ہدایہ ۲/۲۹۷)۔

امام مالک صرف باپ کے لئے ولایت اجبار مانتے ہیں،اورامام شافعی باپ اوردادا کے لئے مانتے ہیں،دیگراولیاءکے لئے نہیں۔ہاں حاجت کی صورت میں اس کی گنجائش ہوسکتی ہے،مگر نابالغی کے زمانہ میں یہ حاجت متصورنہیں،اس لئے کہ نکاح کا مقصد جنسی تقاضوں کی تسکین ہے، البتہ باپ کامعاملہ اس سے الگ ہے،کیونکہ خلاف قیاس اس کاثبوت نص سے ہے۔

”عن عائشة أن النبي ﷺ تزوجها وهي بنت سبع سنين وزفت إليه وهي بنت تسع سنين ولُعَبُها معها ومات عنها وهي بنت ثماني عشرة، رواه مسلم“(مشکوۃ مع المرقاۃ ۶/۲۰۵)۔

حضرت عائشہ کانکاح نبی کریم ﷺ سے سات سال کی عمر میں اوررخصتی نوسال کی عمر میں ہوئی،درآنحالیکہ وہ اپنے کھلونے بھی ساتھ لے گئی تھیں،اورحضورﷺ کاوصال جب ہواتووہ اٹھارہ برس کی تھیں۔

حضرت امام شافعی مسئلہ ولایت کوغیرقیاسی تونہیں مانتے مگراس کوباپ اوردادا میں محصورکرتے ہیں،ان کے خیال میں باپ اوردادا کوجوقرب قرابت اوربے انتہاءشفقت حاصل ہے وہ دوسرے اولیاءکوحاصل نہیں،اس لئے ممکن ہے کہ وہ نابالغ کے نکاح کے معاملے میں زیادہ

سنجیدگی، حساسیت اور غور وفکر کا مظاہرہ نہ کر سکیں۔

حنفیہ بھی اس مسئلہ کو قیاسی تسلیم کرتے ہیں، اس لئے کہ نابالغی کے زمانے میں نکاح کی حاجت صرف جنسی اغراض کے لئے نہیں ہوتی بلکہ کفاءت اور اس جیسے دیگر مصالح بھی کبھی اس کے مقتضی ہوتے ہیں کہ آئے ہوئے رشتہ کو ضائع نہ ہونے دیا جائے، اس لئے کہ ہر وقت مناسب رشتہ میسر نہیں ہوتا، ایسے موقعہ پر باپ اور دادا تک ہی معاملہ محصور کرنا خلاف مصلحت ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ کسی لڑکی کے باپ دادا موجود نہ ہوں، اس صورت میں مذکورہ مصالح کی حفاظت کس طرح ہوگی؟ رہی بات قرابت کی دوری اور شفقت کی کمی کی، اور اس میں در آنے والے امکانی خطرات کی، تو اس کو ولایت غیر ملزمہ کے ذریعہ حل کیا جاسکتا ہے، یعنی باپ اور دادا کے علاوہ دیگر اولیاء کا کیا ہوا نکاح نابالغ کے لئے لازم نہ ہوگا، بلکہ اس کو خیار بلوغ حاصل ہوگا (ہدایہ ۲/۲۹۶)۔ اس ضمن میں وصی کے لیے ولایت نکاح کا مسئلہ بھی سامنے آتا ہے، اس کی تفصیل کے لیے دیکھئے: مرقاۃ شرح مشکوۃ (۲۰۸/۶)۔

(الف) مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ حنفیہ کے نزدیک ولایت کے باب میں لڑکی اور لڑکے میں کوئی فرق نہیں ہے، بلوغ دونوں کے لئے حد ولایت ہے، البتہ جو فقہاء بکارت کو بنیاد بناتے ہیں ان کے نزدیک لڑکا اور لڑکی میں فرق واقع ہوگا، لڑکے پر بلوغ تک ولایت حاصل رہے گی، اور لڑکی پر ثیبہ ہونے تک خواہ لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ۔

(ب) عاقلہ بالغہ لڑکی نکاح کے باب میں اپنے نفس پر مکمل اختیار رکھتی ہے، وہ ولی کی مرضی کے بغیر بھی اپنا نکاح خود کر سکتی ہے، ایسا کرنے سے وہ گناہ گار نہ ہوگی، اور شرعاً یہ نکاح منعقد ہوگا، یہ حنفیہ کا نقطۂ نظر ہے، امام محمد ابتداء میں نکاح کے موقوف ہونے کے قائل تھے، لیکن بعد میں رجوع کر لیا تھا (دیکھئے: ہدایہ ۲/۲۹۴ اور ۳۰۱)۔

البتہ غیر کفو میں شادی کرنے کی صورت میں اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا، یعنی وہ

قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کراسکتے ہیں، یہی ظاہر الروایہ ہے، لیکن امام ابوحنیفہ سے مروی حسن بن زیاد کی روایت میں نکاح ہی منعقد نہ ہوگا، المحیط میں ہے کہ اکثر مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے، متاخرین نے عام طور پر اسی قول پر فتوی دیا ہے، امام سرخسی کہتے ہیں کہ حسن کی روایت زیادہ محتاط ہے (عالمگیری)۔

خیال یہ ہوتا ہے کہ نکاح سے قبل حسن بن زیاد کی روایت پر اور نکاح کے بعد ظاہر الروایہ پر فتوی دیا جانا چاہئے، تاکہ بے اعتدالیوں پر قابو بھی پایا جاسکے اور قانونی حیثیت بھی برقرار رہے۔

مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ عورت کی جنس کو اپنے نکاح کا اختیار نہیں دیتے، چاہے وہ عاقل بالغ ہی کیوں نہ ہو، تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

(ج) عاقلہ بالغہ لڑکی اگر کفو میں نکاح کرے تو حنفیہ کے نزدیک ولی کی اجازت کی ضرورت نہیں، البتہ غیر کفو میں نکاح کی صورت میں حسن بن زیادؒ کی روایت کے مطابق قبل از نکاح علم ہونا اور صراحۃً یا دلالۃً رضامندی ظاہر کرنا ضروری ہے محض سکوت کافی نہیں، اسی طرح قبل از نکاح سکوت اور بعد از نکاح اظہار رضامندی بھی کافی نہیں (ملاحظہ ہو: فتاویٰ شامی: باب الولی ۴۳۲/۲)۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی کے از خود نکاح کر لینے کی صورت میں اولیاء کو ظاہر الروایہ کے مطابق حق اعتراض حاصل ہوگا، لیکن اس کے لئے قضائے قاضی ضروری ہے، تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

۴- نابالغی کی حالت کا نکاح:

زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانے میں کر دیا لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے، اس سلسلہ میں حنفیہ کے نزدیک تفصیل یہ ہے کہ باپ اور دادا کا کیا ہوا نکاح لازم ہے، وہ کسی صورت میں قابل فسخ نہیں ہے، البتہ دوسرے اولیاء کا کیا ہوا نکاح عدم کفاءت یا غبن فاحش کی صورت میں قابل فسخ ہے، ماں اور قاضی بھی صحیح روایت کے مطابق اسی

حکم میں ہیں۔

"وإن كان المزوج غيرهما أي غير الأب وأبيه ولو الأم أو القاضي أو وكيل الأب الخ۔ لا يصح النكاح من غير كفء أو بغبن فاحش" (درمختار علی ہامش رد المحتار، باب الولی ۲/۴۱۹)۔

البتہ اس کے لئے قضائے قاضی شرط ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ضرر خفی ہے، لڑکی صحیح طور پر اس کا ادراک کرسکی یا نہ کرسکی اس کا فیصلہ قاضی کرے گا، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"ویشترط فيه القضاء.....لأن الفسخ هنا لدفع ضرر خفي وهو تمكن الخلل" (ہدایہ ۲/۲۹۷)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض لڑکی کا عدم اطمینان کافی نہیں ہے بلکہ واقعیت شرط ہے جس کا فیصلہ شرعی عدالت کرے گی۔

البتہ جس علاقہ میں اسلامی قاضی یا حاکم موجود نہ ہو اس کے بارے میں مولانا عبدالحی لکھنویؒ رقمطراز ہیں: اور جہاں کفار کی حکومت ہو اور قضائے قاضی مفقود ہو اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو صاحب معاملہ بلاد اسلامیہ (جیسے بلاد حجاز، بلاد روم وغیرہ، اور ہندوستان میں رامپور، بھوپال وغیرہ) میں جہاں قاضی موجود ہو جا کر فیصلہ کرالے یا بذریعہ تحریر قضاۃ بلاد اسلامیہ سے فسخ نکاح کا حکم منگالے (فتاوی عبدالحی ۲/۲۱-۲۲)۔

آج جن ریاستوں میں امارت شرعیہ اور دار القضاء یا شرعی پنچایتوں کا باقاعدہ نظم ہے، خیال یہ ہوتا ہے کہ ان کے ذریعہ بھی یہ مسئلہ حل کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ فقہاء نے ان کی شرعی اہمیت تسلیم کی ہے۔

۵- خیار بلوغ کا حق کب تک؟

۱- باکرہ لڑکی کو خیار بلوغ کا حق، اگر نکاح کا علم تھا تو بلوغ کے فوراً بعد اور علم نہ تھا تو علم

ہونے کے فوراً بعد تک باقی رہتا ہے، اس میں ذرا بھی توقف اور سکوت اس کے حق خیار کو ساقط کر دے گا بشرطیکہ اس کو بولنے اور رد کرنے کا اختیار حاصل ہو، اگر اختیار حاصل نہ ہو، مثلاً نکاح کی خبر پہنچتے ہی یا بالغ ہوتے ہی کسی نے اس کا منہ بند کر لیا تو اس حالت کا سکوت رضامندی کی دلیل نہیں ہے، البتہ مسئلہ معلوم نہ ہونا کہ میرے سکوت سے میرا اختیار باطل ہو جائے گا، یا مجھ کو خیار بلوغ حاصل ہے، یہ عذر شرعی نہیں ہے، اس لئے کہ آزاد مسلم گھرانوں میں بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم وتربیت مامور بہ ہے۔

البتہ لڑکا اور ثیبہ لڑکی کو خیار بلوغ کا حق اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ وہ صراحۃً اپنی رضامندی کا اظہار نہ کردیں، یا کوئی فعل ایسا کریں جس سے رضامندی سمجھی جائے، مجلس بلوغ سے اٹھ جانا اس کے خیار کو باطل نہیں کرتا (شامی ۲/۳۳۶، ہدایہ ۲/ ۲۹۷-۲۹۸)۔

ولی اقرب کے رہتے ہوئے دوسرے ولی کا نکاح:

۲-قریب تر ولی زندہ اور موجود ہو اور اس کی ولایت سے استفادہ ممکن ہو تو نسبۃً دور کے ولی کو ولایت نکاح حاصل نہیں ہے، اگر دور کا ولی اس صورت میں نکاح کر دے تو یہ نکاح قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اس سلسلے میں محض اس کا سکوت کافی نہیں ہے، مجلس عقد میں بھی اس کی موجودگی اور سکوت کافی نہیں ہے بلکہ اس کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً اجازت ضروری ہے (ردالمحتار باب الولی ۲/ ۴۳۲-۴۳۳)۔

البتہ اگر قریب تر ولی غائب ہو یا ایسے مقام پر ہو جس کی رائے سے استفادہ وقت کے اندر ممکن نہ ہو اور اس کی آمد یا اس کی اجازت کے انتظار میں کفو کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ولی اقرب کی زندگی میں بھی ولی ابعد کو نابالغہ کے نکاح کا اختیار ہوگا، اس صورت میں فقہاء نے ولی اقرب کو معدوم فرض کیا ہے (ہدایہ ۲/ ۲۹۹)۔

یہ فقہاء کی اصطلاح میں غیبت منقطعہ کہلاتی ہے، اس کی راجح تعریف وہی ہے جو

مذکور ہوئی ،البتہ بعض فقہاء نے مسافت قصر کو اس کی حد قرار دیا ہے مگر محققین نے اس قول کو مرجوح قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو: رد المحتار ۲/ ۴۳۳، باب الولی)۔

یہاں ایک صورت یہ ہے کہ ولی اقرب موجود ہو مگر اس پوزیشن میں نہ ہو کہ اس کی رائے سے فائدہ اٹھایا جا سکے ، خیال یہ ہوتا ہے کہ اس صورت کو بھی غیبت منقطعہ کے ذیل میں داخل کرنا چاہئے۔

یہاں ایک قابل لحاظ صورت یہ بھی ہے کہ ولی کی غیبت منقطعہ کی صورت میں اگر ولی البعد نابالغہ کا نکاح کردے اور دوسری طرف ولی اقرب بھی اپنے مقام پر اس کا نکاح دوسرے سے کردے تو اس صورت میں کس کا نکاح نافذ ہوگا؟ بعض فقہاء نے اس صورت میں دونوں کو ولی مساوی کے درجہ میں رکھا ہے، اس لئے کہ ایک کو قرب قرابت اور بُعد تدبیر حاصل ہے تو دوسرے کو قرب تدبیر اور بُعد قرابت حاصل ہے، اس لئے اس صورت میں جس کا نکاح تاریخی طور پر پہلے واقع ہوگا اس کا نکاح نافذ ہوگا، بعد کا نکاح نافذ نہ ہوگا، اگر چہ بہت سے فقہاء کو اس سے اختلاف ہے، ان کے نزدیک غیبت منقطعہ کی صورت میں ولی اقرب معدوم کے حکم میں ہوتا ہے اور مکمل ولایت نکاح اس کے بعد والے ولی کو حاصل ہوتی ہے، اس لئے ولی اقرب کا اپنے مقام پر کیا ہوا نکاح کسی صورت میں نافذ نہ ہوگا، صاحب ہدایہ وغیرہ کا رجحان اسی قول کی طرف ہے، لوگوں کی سہولت اور شادی بیاہ کے معاملات میں نظم وضبط کے نقطۂ نظر سے یہ قول زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

اس مقام پر ایک یہ صورت بھی قابل ذکر ہے کہ اگر ولی اقرب کسی کفو کی جانب سے آئے ہوئے رشتہ کو بلا وجہ رد کردے تو کیا حکم ہے؟ علامہ شامی اور ابن نجیم نے اس پر مفصل کلام کیا ہے، علامہ شرنبلالی نے تو "کشف المعضل فیمن عضل" نام سے ایک مستقل رسالہ ہی اس موضوع پر لکھ دیا ہے، شامی نے بحر کے حاشیہ پر اس سے کافی استفادہ کیا ہے۔

فقہاء کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ولی اقرب کفو کے رشتہ کو کسی معقول بنیاد پر رد کرے، مثلاً اس کے پیش نظر کوئی اس سے بہتر دوسرا اہم کفو رشتہ موجود ہو، تو اس صورت میں اس کا تصرف معتبر ہوگا، لیکن اگر وہ بغیر کسی معقول بنیاد کے خواہ مخواہ رشتہ رد کردے تو اس کی ولایت ساقط ہوجائے گی، لیکن ولایت ولی ابعد کے بجائے صحیح اور مفتی بہ قول کے مطابق قاضی کی طرف منتقل ہوگی۔

”قال وإذا خطبها كفوء وعضلها الولي تثبت الولاية للقاضي نيابة عن العاضل“ (البحر الرائق ۳/۱۳٦)۔

البتہ جس مقام پر نظام قضاء موجود نہ ہو تو بلا وجہ رد کرنے کی صورت میں ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہوگی، مگر اس صورت میں ولی ابعد کی طرف سے مکرر اجازت شرط ہے۔

‘ولو تحالت الولاية إليه يعني الأبعد لم يجز إلا بإجازته بعد التحول “ (درمختار، باب الولی)۔

شامی بحر کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

”ويمكن أن يجاب أن يحمل ما في الخلاصة على ما إذا لم يكن قاض“ (بحر ۲/۱۳٦)۔

٦- باپ اور دادا کی ولایت نکاح کا امتیاز:

فقہاء حنفیہ باپ اور دادا کے علاوہ دیگر اولیاء کو بھی ولایت نکاح کا حقدار کہتے ہیں مگر باپ اور دادا کے سوا دیگر اولیاء کی ولایت غیر ملزمہ ہے، یعنی نابالغ اور نابالغہ کو بلوغ یا علم کے بعد خیار بلوغ حاصل ہوگا، البتہ باپ اور دادا کی ولایت ان کے نزدیک ملزمہ ہے، اور ان کے بارے میں انہوں نے صراحت کی ہے کہ ان کا کیا ہوا نکاح قابل فسخ نہیں ہے، حتی کہ کفاءت اور مہر مثل جیسی اہم چیزوں کو بھی نظر انداز کرکے وہ نکاح کردے تو بھی امام ابوحنیفہ اس کو درست قرار دیتے

ہیں خواہ لڑکی یا لڑکا اس سے مطمئن ہو یا نہیں، وہ باپ دادا کی انتہائی قرابت، محبت، شفقت اور ہمدردی کے پیش نظر تاویل کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ کسی اور بلند مقصد کے لئے انہوں نے کفاءت اور مہر جیسی ظاہری چیزوں سے صرف نظر کیا ہو۔

"إن الحكم يدار على دليل النظر وهو قرب القرابة وفي النكاح مقاصد تربو على المهر.... لأن الإعراض عن الكفاءة لمصلحة تفوقها"(ہدایہ ۲/ ۳۰۲)۔

صاحبین کو اس سے اختلاف ہے، وہ بچہ کے لئے معمولی نقصان کو تو قابل تحمل قرار دیتے ہیں مگر معمول سے بڑھ کر نقصان کی صورت میں ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، چاہے نکاح کرانے والا باپ یا دادا ہی کیوں نہ ہو۔

"وقالا: لا يجوز الحط والزيادة إلا بما يتغابن الناس فيه، ومعنى هذا الكلام أنه لا يجوز العقد عندهما، لأن الولاية مقيدة بشرط النظر فعند فواته يبطل العقد وهذا لأن الحط عن مهر المثل ليس من النظر في شئ....وعندهما هو ضرر ظاهر لعدم الكفاءة فلا يجوز"(ہدایہ ۲/ ۳۰۱، ۳۰۲)۔

البتہ جس صورت میں یہ یقین ہو جائے کہ باپ یا دادا نے لڑکی کے مصالح ومفادات کا لحاظ نہیں کیا ہے بلکہ ناجائز دباؤ یا اپنے کسی مفاد کی خاطر نامناسب جگہ اس کی شادی کر دی ہے، اس وقت ولی کو فقہاء کی اصطلاح میں متہتک قرار دیا جائے گا، اور اگر لڑکی اس نکاح سے راضی نہ ہو تو بلوغ کے بعد اس کو خیار بلوغ حاصل ہوگا اور عدالت کے ذریعہ اس کو نکاح فسخ کرانے کا حق ہوگا۔ فقہاء نے متہتک کی تشریح "معروف بسوء الاختيار" سيء الاختيار" اور "معروف مجانةً و فسقاً" جیسے الفاظ سے کیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص بیہودہ، لاپرواہ اور کھلا ہوا فاسق ہو۔ لغت میں متہتک بے غیرت اور لاابالی شخص کو کہتے ہیں (شامی ۲/ ۳۰۳، باب الولی)۔

فقہاء نے کہیں معروف کا لفظ استعمال کیا ہے اور کہیں صرف سیئ الاختیار کہا ہے، مقصد صرف اتنا ہے کہ یہ محقق ہو جائے کہ باپ نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح کا قطعی لحاظ نہیں کیا ہے اور بچی کو اپنے کسی مفاد کی بھینٹ چڑھا دیا ہے، ایسا شخص بے ضمیر اور بے غیرت کہلائے گا، ایسے شخص کا تصرف نافذ نہ ہوگا جب تک کہ لڑکی اس پر اطمینان کا اظہار نہ کر دے، علامہ خیر الدین رملی نے فتاوی خیریہ میں ابن فرشتہ کے حوالے سے یہی حاصل مفہوم تحریر کیا ہے (فتاویٰ خیریہ ۱/ ۲۳ باب الأولیاء، فتاویٰ شامی ۲/ ۴۱۸)۔

فقہاء کی عبارات یہی بتاتی ہیں کہ باپ اور دادا کی ولایت اس وقت محل نظر ہو جاتی ہے جب اسکا سوء اختیار اور طمع وسفاہت محقق اور غیر مشتبہ ہو جائے۔ سوء اختیار کا مشتہر ہونا یا اس سے قبل کم از کم ایک بار اس کا صدور ہونا شرط نہیں ہے۔

البتہ شامی نے فتح القدیر کے حوالے سے ایک بحث نقل کی ہے جس میں معروف کا معنی مشہور بتایا گیا ہے، اور اس کے لئے کم از کم اس نکاح سے قبل اپنی کسی زیر ولایت لڑکی کے بارے میں ایک بار سوء اختیار کا ثبوت ملنا ضروری قرار دیا ہے، یعنی پہلی بار کسی شخص سے نکاح کے معاملے میں اختیار کا تحقق اس کے کئے ہوئے نکاح پر اثر نہیں ڈالتا، بلکہ ایک بار تحقق کے بعد دوسری بار کا اسی طور کا نکاح متاثر ہوگا، شامی نے اس نظریہ کی توجیہ یہ نقل کی ہے کہ اگر فقہاء کے نزدیک محض تحقق کافی ہوتا اور شہرت کی ضرورت نہ ہوتی تو وہ یہ مسئلہ ہرگز بیان نہ کرتے کہ اگر باپ یا دادا اپنی زیر ولایت لڑکی کا نکاح غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ کر دے تو بھی وہ نکاح لازم ہوگا، حالانکہ عدم کفاءت یا غبن فاحش کی بنا پر سوء اختیار محقق ہے مگر عدم شہرت کی بنا پر نکاح پر اثر نہیں پڑتا۔

”ولو كان المانع مجرد تحقق سوء الاختيار بدون الاشتهار لزم إحالة المسئلة أعني قولهم ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفء إن كان الولي أباً أو جداً“ (شامی ۲/ ۳۳۰)۔

مگر شامی کی یہ توجیہ محل نظر ہے، واقعہ یہ نہیں ہے، عدم کفاءت یا غبن فاحش کی ہر صورت کو یقینی طور پر سوء اختیار قرار دینا زیادتی ہے، بعض اوقات ایک شفیق اور عقلمند باپ مہر کی کمی یا غیر کفو ہونے پر اس لئے راضی ہو جاتا ہے کہ دوسرے مصالح اس میں محسوس کرتا ہے، مثلاً ایک عالم صالح غیر کفو ہے اور مہر بھی مثل سے کم دے رہا ہے، مگر وہ ایسا مشہور و معروف بالصلاح عالم ہے کہ اس کے ساتھ لڑکی کی زندگی دینی و دنیاوی دونوں اعتبار سے خوش گوار رہنے کی قوی امید ہے، تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو میں عقد کرنے سے سوء اختیار متحقق ہو گیا، یہ سوء اختیار نہیں بلکہ عین دانشمندانہ اور خیر خواہانہ اختیار ہے۔ فقہاء کے "معروف" کی قید کا یہی مطلب ہے کہ سوء اختیار میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے، یہ مطلب نہیں کہ اشتہار شرط ہے۔

ماضی قریب کے مشہور فقیہ و عالم حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا خیال یہ ہے کہ شامی کی یہ بحث محض برائے بحث ہے، نہ فتح القدیر کا فتوی اور فیصلہ ہے اور نہ خود علامہ شامی کا، اس کی بنیاد پر تمام فقہاء کی تصریحات سے اور خود مسئلہ کی صریح علت سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا (جواہر الفقہ ۲/۱۱۸)۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ خود علامہ شامیؒ نے "مجانۃ اور فسقا" کی تشریح کے ذیل میں "مجمع" کی جو اتفاق و اجماع والی عبارت نقل کی ہے، اس پر بالکل سکوت کیا ہے، اس سے لگتا ہے کہ ان کو اس سے اتفاق ہے (شامی ۲/۴۱۸)۔

اس تفصیل کی روشنی میں محقق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر باپ سے زیر ولایت لڑکی کے نکاح میں پہلی بار بھی یقینی طور پر سوء اختیار کا صدور ثابت ہو جائے تو یہ نکاح لازم نہ ہوگا، اور لڑکی کو بعد بلوغ خیار بلوغ حاصل ہوگا۔

کتب فقہ کی بعض عبارتوں میں ہے کہ نکاح باطل ہو جاتا ہے، جس سے بظاہر لگتا ہے کہ نکاح کا انعقاد ہی نہیں ہوتا، مگر یہ صحیح نہیں۔ زیادہ محقق اور راجح قول یہ ہے کہ نکاح تو ہو جاتا ہے مگر سوء اختیار کی بنا پر باطل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ لڑکی بعد بلوغ اپنی ناراضی کا اظہار کرے اور

عدالت سے رجوع کرے، علامہ خیر الدین رملی لکھتے ہیں:

"وقد وقع في أكثر الفتاوى في هذه المسئلة أن النكاح باطل فظاهره أنه لم ينعقد، وفي الظهيرية يفرق بينهما ولم يقل إنه باطل وهو الحق، ولذا قال في الذخيرة في قولهم فالنكاح باطل أي يبطل انتهى كلام البحر والمسئلة شهيرة" (فتاوی خیریہ ۱/ ۲۳، نیز دیکھئے: شامی ۲/ ۴۱۸)۔

یہ بات اس لئے بھی قرین قیاس ہے کہ فسق ولاپرواہی کی بنا پر انسان کی ولایت بالکلیہ ساقط نہیں ہوجاتی بس اس کا نفاذ و لزوم ساقط ہوجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی فاسق ومتہتک شخص کفو میں مہر مثل کے عوض لڑکی کا نکاح کردے تو وہ نکاح درست اور نافذ ہوتا ہے۔

ابن عابدین لکھتے ہیں:

"وبهذا ظهر أن الفاسق المتهتك وهو بمعنى سيء الاختيار لا تسقط ولايته مطلقا لأنه لو زوّج من كفء بمهر المثل صحّ" (شامی ۲/ ۳۰۳ باب الولی، وکذا فی ۲/ ۴۱۸)۔

اور اسی بنیاد پر فقہاء نے یہ مسئلہ بھی اٹھایا ہے کہ ولی کے فاسق ومتہتک ہونے کی صورت میں اس کے تصرفات نکاح بعض مواقع پر قابل اعتراض ہوجاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس کی ولایت فی الجملہ قائم رہتی ہے، اور اس کی موجودگی میں ولی ابعد کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کی اجازت ومرضی کے بغیر نابالغ لڑکی کا وہ نکاح کرلے، غالباً اسی بنا پر بزازیہ کے اس جزئیہ کو جس میں ولی کے فاسق ہونے کی صورت میں قاضی کو نکاح کا اختیار دیا گیا ہے، علامہ ابن ہمام نے مذہب کا غیر معروف قول بتایا ہے۔

"وما في البزازية من أن الأب والجد إذا كان فاسقا فللقاضي أن يزوج من الكفوء قال في الفتح: إنه غير معروف في المذهب" (شامی، باب الولی ۲/ ۳۰۳)۔

۷-اولیاء اور ان کے درمیان ترتیب:

ولی وہی شخص ہوسکتا ہے جس میں ولایت علی النفس کی شرائط پائی جاتی ہوں، ان شرائط کی تفصیل سوال نمبر ا کے تحت گذر چکی ہے، ان شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ ولی زیر ولایت لڑکے یا لڑکی کا وارث ہو، اولیاء کے درمیان باہم ترتیب قائم کرنے میں اس شرط کو خاص دخل ہے۔

یوں تو فقہاء احناف کے نزدیک تمام ورثہ یکے بعد دیگرے ولی بن سکتے ہیں مگر ان کے درمیان وراثت و حجب کی بنیاد پر ترتیب قائم کی گئی ہے، سب سے مقدم عصبہ بنفسہ ہے، یعنی ایسا مرد جو کسی عورت کے واسطے کے بغیر میت سے قرابت رکھتا ہو۔ عصبہ بالغیر، مثلاً لڑکی جب لڑکے کے ساتھ مل کر عصبہ ہوجائے تو اسے اپنی مجنونہ ماں پر ولایت حاصل نہیں ہے، اسی طرح عصبہ مع الغیر، مثلاً بہن جو لڑکی کے ساتھ عصبہ ہوجائے اسے اپنی مجنونہ بہن پر ولایت نہیں ہے (شرح وقایہ ۲/ ۲۵)۔

پھر عصبہ بنفسہ میں بھی وراثت اور حجب کے لحاظ سے ترتیب قائم ہوگی جو حسب ذیل ہے:

(۱) زیر ولایت شخص کا جزء سب سے مقدم ہے، یعنی بیٹا، پوتا وغیرہ درجہ بدرجہ نیچے تک (اگر موجود ہو)، (۲) زیر ولایت شخص کا اصل، اوپر تک درجہ بدرجہ، یعنی باپ دادا وغیرہ، (۳) پھر اصل قریب یعنی باپ کا جزء، یعنی بھائی وغیرہ، (۴) پھر بھائی کا بیٹا، پوتا وغیرہ درجہ بدرجہ نیچے تک، (۷) پھر باپ کا چچا، (۸) پھر باپ کے چچا کا بیٹا، پوتا وغیرہ درجہ بدرجہ نیچے تک، (۹) پھر دادا کا چچا، (۱۰) پھر دادا کے چچا کا بیٹا وغیرہ درجہ بدرجہ نیچے تک۔

پھر ترجیح قوت قرابت کی بنا پر ہوگی، یعنی جس کے پاس دو قرابتیں ہوں گی وہ ایک قرابت والے سے مقدم ہوگا، مثلاً حقیقی، علاتی پر مقدم ہوگا۔ یہ ترتیب تو عصبات کی تھی، اگر عصبہ موجود نہ ہو تو (۱۱) ماں کا درجہ ہے، (۱۲) پھر دادی (بعض کتابوں میں ترتیب برعکس ہے)، (۱۳) پھر بیٹی، (۱۴) پھر پوتی، (۱۵) پھر نواسی، (۱۶) پھر پوتا کی بیٹی، (۱۷) پھر نواسی کی بیٹی، (۱۸) پھر نانا، (۱۹) پھر حقیقی بہن۔

بعض فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بہن نانا پر مقدم ہے، مگر محققین نے نانا کی تقدیم کو راجح قرار دیا ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

"ظاهر كلام المصنف أن الجد الفاسد مؤخر عن الأخت لأنه من ذوي الأرحام وذكر المصنف في المستصفى: أنه أولى منها عند أبي حنيفة، و عند أبي يوسف: الولاية لهما كما في الميراث، وفي فتح القدير: قياس ما صحح في الجد والأخ من تقدم الجد تقدم الجد الفاسد على الأخت فثبت بهذا أن المذهب أن الجد الفاسد بعد الأم قبل الأخت"۔ (البحر الرائق لابن نجیم)۔

یعنی مصنف کا ظاہر کلام یہ ہے کہ نانا بہن سے مؤخر ہے کیونکہ وہ ذوی الارحام سے ہے، مصنف نے مستصفی میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نانا بہن سے اولی ہے، اور امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں کو ولایت کا حق ہے، جیسا کہ میراث میں ہے، اور فتح القدیر میں ہے کہ جب دادا اور بھائی میں دادا مقدم ہے، تو قیاس کا مقتضی یہی ہے کہ نانا اور بہن میں نانا مقدم ہو، اس سے معلوم ہوا کہ مذہب یہ ہے کہ نانا کا مرتبہ ماں کے بعد اور بہن سے قبل ہے۔

(۲۰) پھر علاتی بہن، (۲۱) پھر اخیافی بہن، (۲۲) پھر ذوی الارحام، جن میں سب سے مقدم پھوپھیاں ہیں، (۲۳) پھر ماموں، (۲۴) پھر خالائیں، (۲۵) پھر چچا کی بیٹی، (۲۶) پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد، یعنی چچا کی بیٹیاں نہ ہوں تو پہلے پھوپھی کی بیٹیاں، (۲۷) پھر ماموں کی بیٹیاں، (۲۸) پھر خالہ کی بیٹیاں، (۲۹) پھر چچا کی بیٹیوں کی بیٹیاں وغیرہ۔

(۳۰) اگر رشتہ دار کوئی نہ ہو، نہ عصبہ اور نہ غیر عصبہ تو پھر مولی الموالاۃ ولی ہوگا۔ مولی الموالاۃ اس مجہول النسب شخص کو کہتے ہیں جو دوسرے سے کہے کہ اگر میں مرجاؤں تو تم میرے وارث ہو، اور اگر میں جنایت کروں تو تم میرے ضمانت دار ہو، اور دوسرا اس کو قبول کرے تو قبول

کرنے والا شخص وارث اور دیت ادا کرنے والا ہوگا۔ اگر دونوں مجہول ہوں اور دونوں باہم ایک دوسرے سے اس طرح کا معاہدہ کریں تو دونوں ایک دوسرے کے وارث اور ضمانتدار ہوں گے (۳۱) اس کے بعد مولی العتاقہ کا درجہ ہے، (۳۲) اگر کسی کا یہ بھی نہ ہو تو سلطان اس کا ولی ہوگا، (۳۳) اس کے بعد قاضی کی ولایت کا درجہ ہے، جس کے منشور میں سلطان نے اس طرح کے لاوارث بچوں کے نکاح کا معاملہ بھی شامل کر دیا ہو (ہدایہ ۲/۲۹۸، ۲۹۹، شرح وقایہ مع عمدۃ الرعایہ ۲/۲۵، ۲۶، فتاوی شامی: باب الولی ۲/۴۲۹، ۴۳۰، عالمگیری: کتاب النکاح۔ باب الاولیاء ۲/۲۹۱)۔

۸- چند مساوی اولیاء میں ایک کی اجازت کافی ہے:

اگر کسی لڑکی کے یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں تو نکاح کی صحت کے لئے کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہے، تمام مساوی اولیاء کا اتفاق ضروری نہیں، احادیث اور فقہی عبارات سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''**أيما امرأة زوّجها وليّان فهي للأول منهما**'' (ابوداؤد: کتاب النکاح ۱/۲۸۵، ترمذی ۱/۲۱۱)۔

(جس عورت کی شادی اس کے دو ولی کر دیں تو پہلے جس کا نکاح واقع ہو اس کا نکاح درست ہوگا)۔

شارحین نے یہاں ''ولیان'' سے ''ولیان متساویان'' مراد لیا ہے، یعنی دو برابر درجے کے ولی اگر کسی عورت کا نکاح کر دیں تو جس نے پہلے نکاح کیا اس کا نکاح درست ہوگا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک نکاح کے معاملے میں خود مختار ہے، اور صحت نکاح کے لئے ایک کی اجازت بھی کافی ہے، دونوں کا اتفاق ضروری نہیں۔

ورنہ حدیث میں دونوں کے نکاح کو غلط قرار دیا گیا ہوتا، کیونکہ دونوں کا اتفاق پایا نہیں گیا، لیکن حدیث میں نکاح اول کو درست کہنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی ایک کی اجازت سے

بھی نکاح ہو جائے گا، اسی لئے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

"فنزلا منزلة وليين متساويين فأيهما عقد نفذ ولا يرد" (ہدایہ ۲/۲۹۹) کہ دو برابر درجے کے اولیاء میں جو بھی عقد کردے نافذ ہوگا، اس کو رد نہیں کیا جائے گا۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

"والعمل على هذا عند أهل العلم لا نعلم بينهم في ذلک اختلافا إذا زوّج أحد الوليين قبل الآخر فنكاح الأول جائز و نكاح الآخر مفسوخ، وإذا زوّجها جميعا فنكاحهما جميعا مفسوخ وهو قول الثوري وأحمد وإسحق" (ترمذی ۱/۲۱۱)۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات:

تیسرا باب

تفصیلی مقالات

ولایت نکاح سے متعلق چند اہم مسائل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

۱–ولایت کی حقیقت اور ولایت علی النفس کی شرطیں:

دوسرے شخص پر اپنے تصرف کو نافذ کرنا خواہ وہ اس سے راضی ہو یا نہ ہو، ولایت ہے۔ علامہ حصکفی کے الفاظ میں: "الولاية تنفيذ القول على الغير...شاء أو أبى" (الدرالمختار ۲/۲۹۶)۔

ولایت علی النفس کی شرائط پر ملک العلماء علامہ کاسانی نے تفصیل سے گفتگو کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس ولایت کی بعض شرطیں ولی سے متعلق ہیں، بعض کا تعلق زیر ولایت شخص سے ہے اور بعض کا ولی کے تصرف سے۔ ولی سے متعلق شرط یہ ہے کہ وہ عاقل ہو فاتر العقل نہ ہو، بالغ ہو نابالغ نہ ہو، وہ فی الجملہ زیر ولایت شخص کا وارث بن سکتا ہو، یہ شرط حنفیہ کے نزدیک ہے، اسی بنیاد پر حنفیہ کے یہاں غلام ولی نہیں ہو سکتا، اگر زیر ولایت شخص مسلمان ہو تو ولی کا بھی مسلمان ہونا ضروری ہے، (بدائع الصنائع ۲/۵۰۰۔۵۰۱) البتہ حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ ولی اس کا عصبہ رشتہ دار ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ فسق سے محفوظ ہو (حوالہ سابق ۲/۵۰۱۔۵۰۲)۔

مولی علیہ یعنی جو شخص زیر ولایت ہو اس سے متعلق شرط کی تفصیل یہ ہے کہ ولی کے اختیار کے لحاظ سے ولایت کی دو قسمیں ہیں: ولایت ایجاب، ولایت ندب۔

ولایت ایجاب سے مراد یہ ہے کہ ولی کا تصرف زیر ولایت شخص کے لئے لازم

☆ جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

ہوجائے، یہ ولایت نابالغ اور فاتر العقل بالغ پر حاصل ہوتی ہے، عاقل و بالغ لڑکے اور لڑکی پر یہ ولایت حاصل نہیں ہوتی (حوالہ سابق ۲/ ۵۰۴)۔ عاقلہ بالغہ لڑکی پر ولایت ندب واستحباب ہوتی ہے اور ولی کا عقد اس کے لئے لازم نہیں ہوتا۔

ولی کے تصرف سے متعلق شرط یہ ہے کہ وہ تصرف زیر ولایت شخص کے حق میں مفید و نافع ہو نہ کہ نقصان دہ اور مضر (بدائع الصنائع ۲/ ۵۱۰)۔

۲- ولی اور زیر ولایت لڑکی کے اختیارات:

(الف) حنفیہ کے نزدیک لڑکا ہو یا لڑکی، ولایت کا حق نابالغی اور جنون سے متعلق ہے، نابالغ اور فاتر العقل پر ولایت حاصل ہوگی، صحیح العقل بالغ پر ولایت حاصل نہیں ہوگی۔

"وكل هؤلاء له ولاية الإجبار على البنت والذكر في حال صغرهما إذا جن" (ہندیہ ۱/ ۲۸۳)۔

یہ حنفیہ کی رائے پر ہے۔ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک لڑکوں میں ولایت بلوغ و عدم بلوغ سے متعلق ہے، اور لڑکیوں میں کنواری اور شوہر دیدہ (ثیبہ) ہونے سے، یہاں تک کہ علامہ دردیر مالکی نے تو نقل کیا ہے کہ اگر وہ ساٹھ سال سے زیادہ کی ہوجائے جب بھی باپ کو اس پر ولایت اجبار حاصل ہوگی (الشرح الصغیر ۲/ ۳۵۳-۳۵۴، شرح مہذب ۱۶/ ۱۶۵، المغنی ۷/ ۳۳)۔

حقیقت یہ ہے کہ قیاس تو حنفیہ کے نقطۂ نظر کی تائید میں ہے ہی، احادیث بھی اسی رائے کی مؤید ہیں، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ کنواری لڑکی کا اس کے والد نے نکاح کردیا جو اسے ناپسند تھا تو آپ ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دیا کہ چاہے تو اس نکاح کو قبول کرے یا رد کردے (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)، علامہ ابن ہمام نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے (فتح القدیر ۳/ ۲۶۱)۔ حضرت خنساء بنت خذامؓ کے بارے میں بھی مروی ہے کہ ان کو ان کے والد کا کیا ہوا رشتہ ناپسند تھا، جب معاملہ آپ کے سامنے پیش ہوا تو آپ ﷺ نے اس نکاح کو رد فرمادیا، گو بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ثیبہ تھیں، لیکن نسائی کی روایت میں ہے کہ وہ

کنواری تھیں (فتح القدیر ۳/ ۲۶۱ بحوالہ نسائی)۔

(ب) حنفیہ کے نزدیک عاقلہ، بالغہ لڑکی اگر خود اپنا نکاح ولی کی مرضی کے بغیر بھی کرلے تو اس کا نکاح منعقد ہوجائے گا، البتہ اس کا یہ عمل خلاف مستحب ہوگا:

"عن أبي حنيفة تجوز مباشرة البالغة العاقلة عقد نكاحها ونكاح غيرها مطلقا إلا أنه خلاف المستحب وهو ظاهر المذهب" (فتح القدیر ۳/ ۲۵۵)۔

"خلاف مستحب" کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے لڑکی گنہ گار نہیں ہوگی، البتہ اس طریقہ کار کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ولایت اجبار ختم ہونے کے بعد بھی لڑکی خود اپنا نکاح نہیں کرسکتی، ولی کے واسطہ ہی سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے (الشرح الصغیر ۲/ ۳۳۵، شرح مہذب ۱۶/ ۱۵۱، المغنی ۷/ ۵)۔ ابن قدامہ نے جمہور کے نقطۂ نظر کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

"إن النكاح لا يصح إلا بولي ولا تملك المرأة تزويج نفسها ولا غيرها ولا توكيل ولي غيرها في تزويجها ، فإن فعلت لم يصح النكاح" (المغنی ۷/ ۵)۔

جمہور کے پیش نظر وہ روایات ہیں جن میں ولی کے بغیر نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے، جیسے حضرت عائشہؓ کی روایت:

"قال رسول الله ﷺ: أيما امرأة لم ينكح الولي، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل" (ابن ماجہ/ ۱۳۵)۔

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت: "لا نكاح إلا بولي" (حوالہ سابق)۔

حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید نے متعدد مواقع پر نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا حالانکہ اس میں کوئی ولی نہیں تھا، اس کے علاوہ متعدد ازواج مطہرات سے آپ ﷺ کا نکاح ان کے کسی ولی کی شرکت کے

بغیر ہوا۔ خود حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ کی لڑکی کا نکاح کر دیا حالانکہ اس پر حضرت عبد الرحمٰنؓ کو ایک گونہ تکدر بھی ہوا۔ پھر آنحضورﷺ نے فرمایا کہ: بہ مقابلہ ولی کے لڑکی اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے۔ "الأیم أحقّ بنفسھا من ولیّھا"۔

توجب ولی ولایت اجبار باقی رہتے ہوئے لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرسکتا ہے تو لڑکی کے اپنے نفس کے بارے میں زیادہ حق دار ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وہ بھی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ جہاں تک حضرت عائشہؓ کی اس روایت کی بات ہے جس میں بغیر ولی کے ہونے والے نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے، اول تو اس روایت کی سند پر کلام کیا گیا ہے، دوسرے خود حضرت عائشہؓ کا عمل اس کے خلاف ہے، جیسا کہ مذکور ہوا، اور یہی بات اس روایت کی صحت کو مشکوک کرنے کے لئے کافی ہے۔ تیسرے ضروری نہیں کہ باطل سے باطل کا اصطلاحی معنی مراد ہو، عربی زبان میں غیر مفید کام کے لئے بھی باطل بولا جاتا ہے، تو حدیث کی مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایسا نکاح نفع بخش نہیں ہوگا، بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ حنفیہ کی رائے شریعت کے مزاج ومذاق اور اصول وقواعد سے زیادہ موافقت رکھتی ہے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک لڑکی ولی کی مرضی کے بغیر خود اپنا نکاح نہیں کرسکتی، البتہ اگر لڑکی شوہر دیدہ (ثیبہ) ہے تو ولی کے لئے لڑکی سے اجازت لینا ضروری ہے، اگر لڑکی کی مرضی عقد میں شامل نہ ہو تو نکاح منعقد نہیں ہوگا، اور اگر لڑکی کنواری ہو تو گو بالغہ ہو لڑکی کی رضا مندی ضروری نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک صرف باپ اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک باپ اور دادا دونوں اسے نکاح پر مجبور کرسکتے ہیں:

"فإن کانت البکر بالغة فللأب والجد إجبارھا علی النکاح وإن أظھرت الکراھیة، وبه قال ابن أبی لیلی وأحمد وإسحاق، وقال مالک للأب إجبارھا دون الجد" (المجموع شرح مہذب ۱۶/۱۶۹)۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب ہوگی کہ شوافع اور حنابلہ وغیرہ کے نزدیک کو عورت

کا کیا ہوا نکاح منعقد نہیں ہوتا لیکن اگر کسی حنفی قاضی کی عدالت میں یہ مقدمہ پہنچا اور اس نے اپنے مسلک کے مطابق نکاح کو نافذ قرار دیا، تو ان حضرات کے نزدیک بھی اب یہ نکاح درست سمجھا جائے گا (شرح مہذب ۱۶/ ۱۵۲، المغنی ۷/ ۶)۔

(ج) حنفیہ کے نزدیک چونکہ عاقلہ بالغہ خود اپنا نکاح کرسکتی ہے، اس لئے اگر اس نے نکاح کرلیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا، البتہ اگر اس نے غیر کفو میں نکاح کرلیا تو حنفیہ کے نزدیک اس سلسلہ میں متعدد اقوال منقول ہیں۔ علامہ ابن ہمام نے تفصیل سے اس کا ذکر کیا ہے، اور امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"فتحصل أن الثابت الآن هو اتفاق الثلاثة علی الجواز مطلقا من الکفء وغیره" (فتح القدیر ۳/ ۲۵۶)۔

اور یہی ظاہر روایت بھی ہے کہ نکاح کفو میں کرے یا غیر کفو میں، منعقد ہوجائے گا، البتہ اگر غیر کفو میں کیا ہو تو ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا۔

"ثم في ظاهر الروایة لا فرق بین الکفء وغیره، ولکن للولي الاعتراض في غیر الکفء" (ہدایہ مع الفتح ۳/ ۲۵۸)۔

۳- اولیاء کا حق اعتراض:

جیسا کہ مذکور ہوا اگر عاقلہ بالغہ لڑکی کفو سے مہر مثل یا اس سے زیادہ پر اپنا نکاح کرے تو ولی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں، ہاں اگر مہر کم مقرر کرے یا غیر کفو میں نکاح کرلے تو ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے، لیکن حق اعتراض اس لڑکی کے ماں بننے سے پہلے تک ہے، چنانچہ علامہ بابرتی ولی کے حق اعتراض پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"یعني إذا لم تلد من الزوج، وأما إذا ولدت فلیس للأولیاء حق الفسخ کیلا یضیع الولد عمّن یربیه" (عنایہ مع الفتح ۳/ ۲۵۸)۔

ولی کے حق اعتراض کا مطلب یہی ہے کہ ولی قاضی کے سامنے اپنا اعتراض پیش کرے

اور قاضی تحقیق کر کے نکاح فسخ کردے، چنانچہ علامہ قہستانی ولی کے حق اعتراض کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أي ولاية المرافعة إلى القاضي ليفسخ" (جامع الرموز ۲/ ۲۰۱)۔

۴- باپ دادا اور دوسرے اولیاء میں فرق:

حنفیہ کے نزدیک چونکہ ہر ولی اپنی زیر ولایت نابالغ لڑکی کا نکاح کرنے کا اختیار رکھتا ہے، اس لئے ان حضرات کے نزدیک ولایت کی دو قسمیں ہیں: ولایت اجبار اور ولایت الزام۔

ولایت اجبار سے مراد یہ ہے کہ وہ نابالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرسکتا ہے، یہ ولایت ہر ولی کو حاصل ہے۔ ولایت الزام سے مراد ایسی ولایت ہے کہ جس کو ولایت اجبار تو حاصل ہو ہی، بالغ ہونے کے بعد بھی اس کا کیا ہوا نکاح نا قابل رد ہو، یہ ولایت صرف باپ اور دادا کو حاصل ہے، لہذا باپ اور دادا اگر فاسق متہتک یا اپنے اختیارات کے غلط استعمال میں معروف نہ ہو تو اس کا کیا ہوا نکاح لازم ہوگا۔ اور اگر ان دونوں کے علاوہ کسی اور ولی نے لڑکے یا لڑکی کا نابالغی کے زمانہ میں نکاح کیا تو یہ نکاح اس پر لازم نہ ہوگا، بلکہ بالغ ہونے کے بعد اس کو اس نکاح کے باقی رکھنے اور ختم کردینے کا اختیار حاصل ہوگا، اسی کو فقہاء خیار بلوغ سے تعبیر کرتے ہیں (فتح القدیر ۳/ ۲۷۸)۔

یہ تفصیل حنفیہ کی رائے پر ہے۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک باپ کے علاوہ اور امام شافعی کے نزدیک باپ اور دادا کے علاوہ دوسرا ولی نکاح نہیں کرسکتا (رحمۃ الامۃ ۲۶۵) اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء کو بھی ولایت الزام حاصل ہے اور ان کا کیا ہوا نکاح لازم ہے (الجامع الصغیر مع النافع الکبیر للامام محمد ۱۷۱)۔

۵- خیار بلوغ:

(الف) شوہر دیدہ لڑکی کو خیار بلوغ اس وقت تک حاصل ہوگا جب تک کہ وہ نکاح پر

اپنی رضامندی کا اظہار نہ کردے، خواہ یہ اظہار زبان کے ذریعہ ہو یا کسی ایسے عمل کے ذریعہ جو اس کی رضامندی کو ظاہر کرتا ہو، جیسے عاقد کو اپنے نفس پر قدرت دینا یا مہر کا مطالبہ وغیرہ، البتہ کنواری لڑکی جوں ہی بالغ ہو اس کے لئے فوراً اظہار ناراضگی ضروری ہے، اگر اس نے فوراً اس کا اظہار نہ کیا اور کچھ دیر بھی گذر جائے تو اب اس کا حق خیار ختم ہو جائے گا۔

"ثم خیار البکر یبطل بالسکوت ولا یبطل خیار الغلام مالم یقل رضیت أو یجيء منه ما یعلم أنه رضی، وکذلک الجاریة إذا دخل بها الزوج قبل البلوغ...وخیار البلوغ في حق البکر لا یمتد إلی آخر المجلس" (ہدایہ مع الفتح ۳/ ۲۸۱۔ ۲۸۲)۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر لڑکی خیار بلوغ کے حق سے واقف نہیں تھی تو اس ناواقفیت کا بھی اعتبار نہیں اور اس کا حق خیار ختم ہو جائے گا۔ لیکن امام محمدؒ کے نزدیک اس ناواقفیت کو عذر سمجھا جائے گا اور جب تک وہ مسئلہ سے واقف نہ ہو خیار باقی رہے گا (دیکھئے: جامع الرموز ۲/ ۲۰۳)۔

حقیقت یہ ہے کہ فی زمانہ جہالت کے غلبہ اور تعلیم سے دوری کی رعایت کرتے ہوئے امام محمدؒ کی رائے زیادہ قابل عمل معلوم ہوتی ہے۔

(ب) اگر قریب ترین ولی زندہ بھی ہو اور موجود بھی اور نسبۃً دور کا ولی نکاح کردے تو نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا، یہاں تک کہ اگر نکاح کے بعد ولی اقرب کی وفات یا کسی دوسری جگہ منتقلی کی صورت پیش آ گئی اور اب وہی قریب تر ولی قرار پایا تو اب بھی نکاح کے منعقد ہونے کے لئے اس کی دوبارہ اجازت ضروری ہوگی۔

"فلو زوّج الأبعد حال قیام الأقرب توقف علی إجازته، ولو تحولت الولایة إلیه لم یجز إلا بإجازته بعد التحول" (درمختار مع الرد ۲/ ۳۱۵)۔

البتہ دو صورتوں میں ولی اقرب کی زندگی اور ملاقات کے ممکن ہونے کے باوجود نسبۃً

دور کا ولی نکاح کر سکتا ہے، ایک تو اس صورت میں کہ ولی ایسا غائب ہو کہ جس کا شمار غیبت منقطعہ میں ہوتا ہے۔ غیبت منقطعہ سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال منقول ہیں، اتنی دوری کہ جہاں سال میں ایک دفعہ سے زیادہ قافلے نہ جاسکیں۔ یہ امام قدوری کی رائے ہے۔ متاخرین میں سے اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ سفر شرعی کی مسافت کے بقدر دوری پر ہو (ہدایہ مع الفتح ۳/ ۲۹۰) لیکن ظاہر ہے کہ آج کے عہد میں جب کہ مواصلات کے جدید آلات نے دنیا کو ایک کوزہ میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے اور دور دراز رہنے والے لوگوں سے لمحوں میں گفتگو کی جاسکتی ہے، یہ اقوال قرین قیاس نہیں ہیں۔ ایک اور قول یہ ہے کہ اگر ولی اقرب اتنی دوری پر واقع ہو کہ اس کی رائے حاصل کرنے تک ایک مناسب رشتہ ہاتھ سے چلا جائے گا تو اس کی غیبت کو غیبت منقطعہ تصور کیا جائے گا۔ امام سرخسیؒ نے مبسوط میں اس کو صحیح تر قول قرار دیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس کو فقہ سے قریب تر کہا ہے، وہذا اقرب الی الفقہ۔ اور نہایہ میں کہا گیا ہے کہ یہی اکثر مشائخ کا قول ہے۔ بلکہ قاضی خاں نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص شہر میں روپوش ہو تو اس کو بھی غیبت منقطعہ ہی سمجھا جائے گا (ہدایہ وفتح القدیر ۳/ ۲۹۰، بدائع ۲/ ۵۲۰، ۵۲۱)۔ فی زمانہ یہ زیادہ قابل قبول رائے معلوم ہوتی ہے۔

دوسرے اگر ولی اقرب مناسب رشتہ کو بھی خواہ مخواہ رد کر دے تو ولایت کا حق اس سے ختم ہو جائے گا، اور ایک قول کے مطابق صرف قاضی وسلطان اور ایک قول کے مطابق اس کے بعد جو بھی قریب تر ولی ہو وہ اس نابالغ لڑکی کے نکاح کرنے کا مجاز ہوگا۔ علامہ شامی نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۲/ ۳۱۵، ۳۱۶)۔

۶- ولی اگر مصالح کی رعایت نہ کرے:

اگر ولی نے لڑکی کا نکاح کرنے کے وقت لڑکی کے مصالح ومفادات کا لحاظ نہیں کیا تو اس کی چند صورتیں ممکن ہیں:

اول یہ کہ اس وقت ولی ہوش وحواس کی حالت میں نہ ہو اور نکاح اس نے کسی ایسے شخص

سے کردیا جو فاسق، شریر، لڑکی کے خاندان کے مقابلہ بہت غریب یا پیشہ کے اعتبار سے کم تر پیشہ والا ہو تو یہ نکاح درست نہیں (درمختار ۲/ ۳۰۵)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنی سفاہت و بے وقوفی اور حرص و طمع کی وجہ سے اختیارات کے غلط استعمال میں معروف ہے تو بالاتفاق اس کا کیا ہوا نکاح درست نہیں، شامی نے شرح مجمع کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

"لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده اتفاقا" (منحۃ الخالق علی البحر ۳/ ۱۳۵)۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ فسق و فجور اور لاپرواہی کی وجہ سے اختیارات کے غلط استعمال میں معروف ہو تو ایسے باپ اور دادا کا کیا ہوا نکاح بھی منعقد نہیں ہوگا۔

"حتی لو کان معروفا بذلک مجانة وفسقا فالعقد باطل علی الصحیح" (البحر الرائق ۳/ ۱۳۵)۔

لیکن سوال یہ ہے کہ معروف بسوء الاختیار سے کیا مراد ہے؟ عام طور پر مشائخ کا رجحان یہ ہے کہ اگر باپ نے پہلے کسی لڑکی کے نکاح میں اپنے اختیارات کا غلط استعمال کیا ہو تب ہی اس دوسری لڑکی کا نکاح نا درست ہوگا، اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ نکاح لازم ہوگا (ردالمحتار ۲/ ۳۰۵)، لیکن بظاہر معروف بسوء الاختیار قرار پانے کے لئے خاص نکاح ہی کے معاملہ میں ناتجربہ کاری کا ظہور ضروری ہو، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بعض دفعہ دوسرے معاملات اور روزمرہ کے معمولات سے بھی یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ یہ شخص اپنے اختیارات کے صحیح استعمال کی صلاحیت سے محروم ہے یا قصداً اس کا ارتکاب کرتا ہے، اس لئے اگر کسی شخص کی ایسی ناتجربہ کاری خواہ خاص نکاح کے معاملہ میں تو سامنے نہ آئی ہو لیکن دوسرے معاملات میں اس سے ایسی ناتجربہ کاری کا ظہور رہا ہو اور وہ کوئی ایسا نکاح کردے جو مصلحت و مفاد کے خلاف ہو تو اس نکاح کو درست نہیں ہونا چاہئے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ ولی کے بارے میں پہلے سے تو نکاح یا کسی اور معاملہ میں اختیارات کے غلط استعمال کا تجربہ سامنے نہ آیا ہو، لیکن خود یہ نکاح اس کی کھلی ہوئی نادانی یا بددیانتی کا مظہر ہو۔ فقہی جزئیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسا نکاح امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں جائز ہے۔ چنانچہ کاسانیؒ، قہستانی اور ابن نجیم وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر نابالغ لڑکی کا مہر، مہر مثل سے نمایاں طور پر زیادہ مقرر کردے، یا نابالغ لڑکی کا مہر، مہر مثل سے نمایاں طور پر کم خود باپ یا دادا نے مقرر کیا ہو تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نکاح منعقد نہیں ہوگا، کیونکہ ولایت کا حق اس کی شفقت ومحبت کی وجہ سے اس کو دیا گیا ہے، اور اس کا یہ عمل صریح طور پر تقاضۂ شفقت کے خلاف ہے۔

”لأن الولاية مقيدة بشرط النظر فعند فواته يبطل العقد“ (البحر الرائق ۳/ ۱۳۴، بدائع الصنائع ۲/ ۵۱۱، جامع الرموز ۲/ ۲۰۳)۔

خیال ہوتا ہے کہ فی زمانہ یہی نقطۂ نظر زیادہ قرین صواب ہے، کیونکہ جب کسی شخص کا سوء اختیار اس کے عمل ہی سے ظاہر ہو تو محض گمان شفقت کو اس پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ حصکفیؒ نے نشہ میں مبتلا باپ اور دادا کے کئے ہوئے ناموزوں نکاح کے غیر معتبر ہونے پر یہی استدلال کیا ہے۔

”........لظهور سوء اختياره فلا تعارضه شفقته المظنونة“ (در مختار ۲/ ۳۰۵)۔

اس لئے اگر قاضی محسوس کرے کہ ولی نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح اور مفادات کا کوئی لحاظ نہیں کیا ہے تو وہ اس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔

گذشتہ تصریحات سے ظاہر ہے کہ معروف بسوء الاختیار سے وہ شخص مراد ہے جس سے نکاح یا کسی اور معاملہ میں اپنے اختیارات کے غلط استعمال کا تجربہ ہو۔

ماجن سے وہ لاپرواہ شخص مراد ہے کہ جس کو نہ اس کی پرواہ ہو کہ وہ کیا کررہا ہے اور نہ اس

کی کہ اس کو کیا کہا جاتا ہے؟ **لا يبالي ما يصنع وما قيل له** (منحۃ الخالق علی البحر ۳/۱۳۵)۔

۷-اولیاء اور ان کی ترتیب:

ولایت کا حق اقارب جن میں عصبہ اور ذوی الارحام دونوں شامل ہیں، کو حاصل ہے، اس کے بعد سلطان اور قاضی کو۔

۸-اگر ایک سے زیادہ ہم درجہ ولی ہوں؟

اگر دو ہم درجہ ولی ہوں جیسے دو بھائی یا دو چچا، تو ان میں سے ایک کی بھی اجازت کافی ہوگی، خواہ دوسرا اس نکاح کو قبول کرے یا نہ کرے، اگر دونوں نے دو الگ اشخاص سے نکاح کر دیئے تو جو نکاح پہلے کیا گیا ہو وہ نکاح منعقد ہوگا، بعد کا منعقد نہیں ہوگا، اور اگر دونوں نکاح بیک وقت کئے گئے ہیں یا معلوم نہیں کہ کون سا نکاح پہلے ہوا اور کون سا بعد میں؟ تو دونوں ہی عقد باطل ہو جائے گا (ہندیہ ۱/۲۸۴-۲۸۵، فتاویٰ قاضی خاں ۱/۳۵۶)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی ☆

۱- جس پر صحت نکاح موقوف ہو اسے ولی فی النکاح کہتے ہیں، بغیر اس کے نکاح صحیح نہ ہوگا۔

"الولي في النكاح هو الذي يتوقف عليه صحة العقد فلا يصحّ بدونه"

(کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۴/ ۲۹)۔ "والولاية فى الفقه تنفيذ القول على الغير شاء أو أبى" (البحر الرائق ۳/ ۱۰۹)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کی درج ذیل عبارت سے ولایت علی النفس کی شرطوں کی تعیین اس طرح ہوتی ہے:

"وتعتبر الولاية لمن سمينا ستة شروط: العقل والحرية والإسلام والذكورية والبلوغ والعدالة على اختلاف نذكره" (المغنی ۷/ ۳۵۵)۔

۲- (الف) انقطاع ولایت علی الصغیر والصغیرۃ کے متعلق علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

"لابدّ في كل منهما من سنّ المراهقة وأقلّه للأنثى تسع، وللذكر اثنا عشر، لأن ذلک أقلّ مدة يمكن فيها البلوغ كما صرحوا به في باب بلوغ الغلام" (رد المحتار ۲/ ۳۰۶)۔

☆ پرنسپل وشیخ الحدیث، جامعہ دار العلوم، مئو۔

یعنی صغیر وصغیرہ دونوں ہی میں معتبر مراہقت کا سن ہے اور یہ لڑکی میں کم از کم ۹ سال اور لڑکے میں ۱۲ سال ہے، اور یہ اقل مدت ہے جس میں فقہاء نے بلوغ کا اعتبار کیا ہے، اس کی تائید شیخ عبدالرحمٰن الجزیری نے بھی کی ہے (دیکھئے: الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۳۸/۴)۔

بہر حال بلوغ سے قبل خیار نہ ہوگا جیسا کہ بدائع الصنائع (۳۱۶/۲) میں ہے۔

اگر لڑکے و لڑکی میں بلوغ کی علامت (مادہ منویہ کا نکلنا اور حیض آنا) ظاہر نہ ہو تو جب دونوں کی عمر پندرہ سال پوری ہو جائے اور سولہواں سال لگ جائے تو اس کو بالغ قرار دیا جائے گا اور انہیں خیار حاصل ہو جائے گا جیسا کہ مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی نے اپنی کتاب ''اسلامی قانون'' میں لکھا ہے۔

(ب) بوجہ **"الأيم أحقّ بنفسها من وليّها"** اور آیات: **''فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهن بالمعروف''** اور **"حتى تنكح زوجاً غيره"**۔ اگر عاقلہ بالغہ نے ولی کی رضا کے بغیر نکاح کر لیا تو صحیح ہو جائے گا اور بعض اوقات منعقد بھی ہو جائے گا، اس کی تفصیلات جواب نمبر ۲ کے جز (ج) میں انشاء اللہ آئیں گی، حضرت امام محمدؒ کے نزدیک یہ نکاح اولاً موقوف تھا مگر بعد کو انہوں نے حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کی طرف رجوع فرما لیا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ ولایت از قبیل شرط نکاح نہیں، اس لئے بدون ولی کیا ہوا نکاح منعقد ہو جائے گا، زیادہ سے زیادہ ترک استحباب لازم آئے گا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

''وكان يستحب أن تقدم الثيب وليّها ليعقد عليها''۔

پھر ولایت کی ضرورت تو قصور عقل کے باعث پڑتی ہے، بلوغ کے بعد قصور عقل کہاں رہ گیا، اس لئے ضرورت بھی نہیں۔

''والولاية على الصغيرة لقصور عقلها وقد كمل بالبلوغ'' (ہدایہ ۲۹۴/۲)۔

ثانیاً یہ کہ اس بالغہ نے تو خاص اپنے حق میں تصرف کیا ہے جس کی وہ اہل ہے۔

"ووجه الجواز أنها تصرفت في خالص حقّها وهي من أهله لكونها عاقلة مميزة" (ہدایہ ۲/۲۹۴)۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ غیر کفو میں نکاح کرنے کے باعث گناہ گار ہوگی، کیوں کہ کفاءت اولیاء کا حق ہے اور اس نے غیر کفو میں نکاح کر کے اولیاء کے حق میں نقصان پہنچایا ہے۔

"وإذا زوجت نفسها من غير كفوء فقد ألحقت الضرر بالأولياء فيثبت لهم حق الاعتراض لدفع الضرر عن أنفسهم....ولأن طلب الكفاء ة لحق الأولياء فلا تقدر على إسقاط حقّهم" (مبسوط للسرخسی ۵/۱۳)۔

(ج) اس سلسلہ میں ائمہ کے اقوال و آراء اس طرح ہیں:

بروایت حسن نکاح غیر کفو میں صحیح نہ ہوگا۔"وفي رواية الحسن إن كان الزوج كفئاً لها جاز النكاح وإن لم يكن كفئاً لها لا يجوز"۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول اول یہ تھا کہ اگر اس کے ولی ہیں تو نکاح کسی صورت میں منعقد نہ ہوگا چاہے کفو میں ہو یا غیر کفو میں، اس کے بعد اس قول سے رجوع فرمالیا اور فرمانے لگے کہ کفو میں کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا، عدم کفو میں غیر صحیح، اس کے بعد پھر رجوع فرمایا اور کہنے لگے کہ نکاح صحیح ہو جائے گا، چاہے کفو میں ہو یا غیر کفو میں۔

"وكان أبويوسف أولاً يقول: لا يجوز تزويجها من كفء أو غير كفء إذا كان لها ولي ثم رجع وقال: إن كان الزوج كفئاً جاز النكاح وإلا فلا، ثم رجع فقال: النكاح صحيح سواء كان الزوج كفئاً لها أو غير كفء لها" (مبسوط للسرخسی ۵/۱۰)۔

حضرت امام محمدؒ کے نزدیک یہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، چاہے کفو میں ہو یا غیر کفو میں، اگر ولی نے اجازت دیدی تو ٹھیک اور اگر باطل کر دیا تو باطل ہو جائے گا، لیکن کفو کی صورت میں بصورت انکار قاضی کے لئے مناسب ہے کہ اس نکاح کی تجدید کر دے۔

''وعلى قول محمد: يتوقف نكاحها على إجازة الولي سواء زوجت نفسها من كفء أو غير كفء فإن أجازه الولي جاز وإن أبطله بطل، إلا أنه إن كان الزوج كفئًا لها ينبغي للقاضي أن يجدد العقد إذا أبى الولي أن يزوجها منه'' (مبسوط للسرخسی ۱۰/۵)۔

حضرت امام شافعی و مالک رحمہما اللہ کے نزدیک یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔

''وقال مالک والشافعي: لا ينعقد النكاح بعبارة النساء أصلا'' (ہدایہ ۲/۲۹۴)۔

ایک قول حضرت امام ابو یوسفؒ کا امام اعظمؒ کے ساتھ ہے۔ قاضی خاں نے اس کو اصح کہا ہے، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: وعن أبي حنيفة وأبي يوسف: أنه لا يجوز في غير الكفء۔

علامہ قرطبی ولایت کے از قبیل شرط نکاح ہونے نہ ہونے کے سلسلہ میں ائمہ کے اختلافات نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''وقال أبو حنيفة و زفر والشعبي والزهري' إذا عقدت المرأة نكاحها بغير ولي وكان كفئاً جاز'' (بدایۃ المجتہد ۲/۱۰)۔

مذکورہ اقوال و آراء سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بعض ائمہ مثلاً حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے کفو کا اعتبار قطعاً نہیں کیا ہے، مگر ہاں دونوں کے احکام جداگانہ ہیں، حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہوگا، گو کہ صاحب ہدایہ کی ایک عبارت سے جو کہ مذکور ہو چکی، پتہ چلتا ہے کہ غیر کفو کی صورت میں یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، اور وہ امام صاحب کے ساتھ ہیں، اور یہی روایت حسن وزفر بن ہذیل سے بھی ہے، حضرت امام محمدؒ کے نزدیک یہ نکاح موقوف ہوگا جبکہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا۔

۳- جاننا چاہئے کہ ایک ولایت جبر و استبداد ہے اور دوسرے ولایت ندب و استحباب۔

چونکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ولایت کی علت غلام میں صغر اور جاریہ میں بکارت ہے، اس لئے اگر عاقلہ بالغہ باکرہ ہو تو چونکہ وہ مصالح نکاح سے واقف نہیں ہے، اس لئے اسے صغیرہ کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے ولی کے لئے ولایت استبداد کا ثبوت ہوگا، بخلاف ثیبہ بالغہ کے، کیوں کہ وہ مصاحبت رجال اور مصالح سے قدرے واقف ہے، اس لئے اس جیسی ولایت اس پر نہ ہوگی۔

"قوله إن البكر وإن كانت عاقلة بالغة فلا تعلم بمصالح النكاح، لأن العلم بها يقف على التجربة والممارسة و ذلک بالثيابة ولم توجد فالتحقت بالبكر الصغيرة فبقيت ولاية الاستبداد عليها.... بخلاف الثيب البالغة لأنها علمت بمصالح النكاح وبالممارسة ومصاحبة الرجال فانقطعت ولاية الاستبداد عليها" (بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۲)۔

لیکن احناف کے نزدیک چونکہ علت صغر ہے اس لئے بالغ وبالغہ پر ولایت نہ ہوگی۔

"وأما ولاية الحتم والإيجاب والاستبداد فشرط ثبوتها على أصل أصحابنا كون المولى عليه صغيرا أو صغيرة أو مجنونا كبيرا أو مجنونة كبيرة سواء كانت الصغيرة بكرا أو ثيبا فلا تثبت هذه الولاية على العاقل البالغ ولا على العاقلة البالغة" (بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۱)۔

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوگیا کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ولایت استبداد حاصل ہوگی، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ بلوغ کے بعد قصور عقل زائل ہوگیا، اس لئے شرعاً وہ احکام کی مکلف ہوگئی، لیکن پھر بھی ابھی وہ نکاح کے داخلی وخارجی مصالح سے واقف نہیں نیز مباشرت نکاح کے فریضہ کو وہ از خود انجام نہیں دے سکتی، اس لئے اس پر ولایت جبر و استبداد تو حاصل نہ ہوگی، ہاں ولایت استحباب حاصل ہوگی۔ بہرکیف اس جزئیہ کا حکم یہ ہے کہ اگر عاقلہ بالغہ نے کفو میں نکاح کرلیا ہے تو ولی کو اعتراض کا حق نہیں ہونا چاہئے، ولی اس سلسلہ میں

کوئی رخنہ ڈالے گا تو بذریعہ قاضی اسے نافذ کرایا جاسکتا ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی مسلک ہے جسے حضرت امام طحاوی نے نقل فرمایا ہے (دیکھئے: مبسوط ۱۰/۵)۔

۴- اگر صغیر وصغیرہ کا نکاح باپ یا دادا کے ماسوا نے کر دیا ہے تو ان دونوں کو بعد البلوغ خیار ہوگا۔

"واذا زوج الصغير والصغيرة غير الأب والجد ثم بلغا فلهما الخيار عند أبي حنيفة ومحمد وفي الخانية وقال أبو يوسف لا خيار لهما (تاتارخانیہ ۲۶/۳) **إذا زوجها غير الأب والجد فلها الخيار"** (بدائع الصنائع ۳۱۵/۲)۔

مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ماسوا باپ و دادا کے کئے ہوئے نکاح پر بعد البلوغ خیار حاصل ہوگا، لیکن فقہاء کی نصوص کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے نکاح پر بھی خیار حاصل ہوگا چند شرطوں کے ساتھ:

۱۔ باپ و دادا عقد سے پہلے سوء الاختیار میں معروف ہوں، ۲۔ ان دونوں میں سکر ہو اور ان کے جنون کا فیصلہ بھی ہو چکا ہو، اس کے شادی کر دینے کی وجہ سے بغیر مہر مثل کے یا کسی فاسق سے یا غیر کفو سے (دیکھئے: کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۳۳/۴)۔

بہر کیف باپ یا دادا کے کئے ہوئے نکاح سے مطمئن اور خوش نہ رہنے کی صورت میں وہ بذریعہ قاضی فسخ نکاح کرا سکتی ہے۔ خون دیکھتے ہی وہ عقد نکاح کو فسخ کر دے گی اور اپنے آپ کو مختار بنالے گی، پھر قاضی باہم تفریق کر دے گا۔

"فمجرد أن ترى الصغيرة الدم تشهد أنها فسخت العقد واختارت نفسها ثم يفرق القاضي بينهما" (کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۳۳/۴) **حتى لو سكتت كما بلغت وهي بكر بطل خيارها** (تاتارخانیہ ۲۶/۳)۔

۵- لڑکی اور لڑکے کے بالغ ہوتے ہی اس نکاح کو قولاً باطل کرنا ہوگا، اگر ان دونوں سے سکوت یا کوئی ایسا فعل پایا گیا جو اس نکاح سے رضا پر دلالت کرتا ہے تو پھر خیار حاصل نہ ہوگا

(ملاحظہ ہو:بدائع الصنائع ۲/۲۱۶،فتاویٰ تاتارخانیہ ۳/۲۶)۔

قریب تر ولی کے زندہ رہتے ہوئے نسبۃً دور کے ولی کا کیاہوا نکاح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں درست ہے جبکہ قریب تر ولی غیبت منقطعہ کے طور پر موجود نہ ہو۔

"**فإن كان أحدهما أقرب من الآخر فإنه يجوز نكاح الأقرب لا الأبعد تقدم أو تأخر إلا إذا كان الأقرب غائبا غيبة منقطعة فنكاح الأبعد يجوز إذا وقع قبل عقد الأقرب**" (فتاوی تاتارخانیہ ۳/ ۲۲۔۲۳)۔

مگر اس میں اختلاف ہے کہ غیبت منقطعہ کی حد کیا ہے۔تجرید میں مرقوم ہے کہ قافلے جہاں سے ان کے وطن پر سال میں ایک سے زائد بار پہنچ سکتے ہوں تو وہ غیبت منقطعہ نہیں ہے، اور اگر سال میں ایک ہی بار پہنچ سکتے ہیں تو غیبت منقطعہ ہے۔

"**وفي التجريد: والصحيح أن القوافل إذا كانت تصل في السنة غير مرة فليست بمنقطعة وإن كانت لا تصل إلا مرة فهي منقطعة**" ۔

قاضی خاں لکھتے ہیں کہ بعضوں نے غیبت منقطعہ کی تحدید ایک سال کی مسافت سے اور بعضوں نے ایک ماہ کی مسافت سے کی ہے۔صاحب کنز نے قصر کی مسافت کو معیار قرار دیا ہے۔ "**وللأبعد التزويج بغيبة الأقرب مسافة القصر**" (کنز الدقائق علی البحر ۳/۱۲۶) اسی کی ترجمانی کبریٰ کی عبارت سے بھی ہورہی ہے۔

"**وفي الكبرى: والصحيح ثلاثة أيام ولياليها وهي مسيرة سفر وبه يفتى**" (فتاوی تاتارخانیہ ۳/ ۲۴)۔

مذکورہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ قریب تر ولی موجود نہ ہو،لیکن اگر موجود ہو مگر اس مجلس میں موجود نہ ہو بلکہ مسافت قصر سے کم پر ہو تو ولی ابعد کا کیاہوا نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا، بشرطیکہ وہ اہل ولایت سے ہو (فتاویٰ تاتارخانیہ ۳/ ۲۳)۔

یہی حکم فتاوی قاضی خاں (۱/۱۶۵) میں بھی ملتا ہے۔قریب تر ولی کی موجودگی میں کیے

ہوئے نکاح کے سلسلہ میں امام مالک کے تین اقوال ہیں بشرطیکہ یہ نکاح باپ کے علاوہ کسی اور نے کیا ہو،قول اول: فسخ نکاح،قول ثانی: جواز نکاح،قول ثالث: اقرب کی صوابدید پر محمول ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔

"فاختلف فيها قول مالک، فمرة قال: إن زوج الأبعد مع حضور الأقرب فالنكاح مفسوخ، ومرة قال: النكاح جائز، ومرة قال: للأقرب أن يجيز أو يفسخ وهذا الخلاف كله عنده فيما عدا الأب في ابنته...وقال الشافعي لا يعقد أحد مع حضور الأب لا في بكر ولا في ثيب" (بدایۃ المجتہد للقرطبی ۲/۱۵)۔

واضح ہو کہ ائمہ کے اس اختلاف کا مدار ترتیب کے حکم کے اختلاف کے باعث ہے، اختلاف کی تقریر یوں ہے: ترتیب حکم شرعی ہے یا حکم شرعی نہیں، پھر یہ کہ یہ حق ولایت خود ولی کا حق ہے یا اللہ کا، تو جس امام نے یہ کہا کہ ترتیب حکم شرعی نہیں تو ان کے نزدیک ابعد کا کیا ہوا نکاح اقرب کی موجودگی میں صحیح ہے، اور جس نے حکم شرعی مان کر ولی کا حق قرار دیا ان کے نزدیک بھی نکاح منعقد ہوجائے گا، مگر جس نے حق شرعی مان کر حقوق اللہ کا قول کیا ہے ان کے نزدیک منعقد نہ ہوگا۔علامہ قرطبی کی ایک تحریر بدایۃ المجتہد (۲/۱۵) میں موجود ہے اسی کا ترجمہ ماقبل میں پیش کیا گیا ہے۔

۶-علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

"رجل متهتک و مستهتک لا يبالي أن يهتک سره، وفي المغرب: الماجن الذی لا يبالي ما يصنع" (ردالمحتار ۳/۵۴،۶۶)۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جو شخص عزت کی پرواہ نہ کرے وہ متہتک کہلاتا ہے۔ علامہ مذکور نے سیئ الاختیار کو متہتک کا ہم معنی قرار دیا ہے جبکہ علامہ رافعی نے مغایرت بتلائی ہے۔بہر کیف اگر باپ کے کئے ہوئے نکاح میں مصالح اور شفقت کا فقدان ہو اور حرص وحماقت کا یقین ہوجائے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔

"حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده إجماعا" (رد المحتار علی الدر ۳/ ۶۶)۔

معروف بسوء الاختیار کا معنی اکثر فقہاء نے (بجز معدودے چند) یہی لکھا ہے کہ یہ بات مشتبہ نہ رہے کہ باپ نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح پر نظر کئے بغیر کسی لالچ، غرض یا حماقت سے اس کا نکاح کیا ہے، منحۃ الخالق میں رملی سے بھی یہی منقول ہے "إن علم سوء تدبيره"، یعنی اگر یہ یقین ہو جائے تو ایسا نکاح لازم نہ ہوگا، بعض فقہاء نے سرے سے اس نکاح ہی کو باطل قرار دیا ہے، نیز ظہیریہ میں ہے کہ قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا، یہی صحیح اور حق ہے، اسی لئے ذخیرہ میں مذکور ہے کہ باطل کا معنی سیبطل ہے۔ بندہ کی بھی یہی رائے ہے (نیز دیکھئے: البحر الرائق ۳/ ۱۳۵)۔

۷- اولیاء کی ترتیب عند الاحناف اس طرح پر ہے۔ سب سے پہلے عصبہ بالنسب کو تقدم ہوگا، پھر عصبہ بالسبب کو، اس کے بعد ذوی الارحام، پھر بادشاہ، پھر قاضی کو، جیسا کہ علامہ عبد الرحمن الجزیری اپنی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد (۴/ ۲۹) میں تحریر فرماتے ہیں:

"وتقدم العصبة بالنسب على العصبة بالسبب ثم ذووالأرحام ثم السلطان ثم القاضي"۔

۸- ایک سے زائد مساوی درجہ کے اولیاء کی صورت میں کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی۔

"وفي الخانية: إذا اجتمع للصغير والصغيرة وليان كالأخوين والعمين فأيهما زوّج جاز" (فتاویٰ تاتارخانیہ ۳/ ۲۲) اسی کی ترجمانی درج ذیل عبارت سے بھی ہو رہی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں:

"وقال أبوحنيفة: إذا رضيت المرأة وبعض الأولياء لم يكن لباقي الأولياء فسخ" (المغنی و شرحہ ۷/ ۳۷۳)۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں کہ جب صغیرہ کے دو چچا ہوں، ایک سفر بعید میں گیا اور دوسرے نے نکاح کر دیا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا، بلکہ اگر دوسرا چچا موجود ہوتا تو بھی اس کو فسخ نکاح کا کوئی حق نہ ہوتا (احسن الفتاوی ۵/۹۸)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت پر ایک نظر

مولانا راشد حسین ندوی☆

۱- شریعت اسلامیہ میں ولایت کا مفہوم:

ولایت (بکسر الواو) کے لغوی معنی: اقتدار، اور نصرت ومحبت کے آتے ہیں۔ سیبویہ فرماتے ہیں کہ ''یہ لفظ واو کے فتحہ سے آئے تو مصدر ہوگا اور کسرہ سے آئے تو اسم ہوگا'' (البحر الرائق ۳/۱۰۹ اور کذا فی الشامی ۲/۲۹۶، ولسان العرب مادہ ''ولي'' ۱۵/۴۰۱)۔

فقہی تعریف: فقہ کی اصطلاح میں ولایت کی تعریف ان الفاظ سے کی جاتی ہے:

''تنفیذ القول علی الغیر شاء أو أبی'' یعنی دوسرے پر بات نافذ کرنا، چاہے یا نہ چاہے (البحر الرائق ۳/۱۰۹، الدر المختار ۲/۲۹۶)۔

ولایت کے اقسام:

فقہاء کے یہاں ولایت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ ولایت اجبار، ۲۔ ولایت ندب۔

ولایت اجبار کا مطلب یہ ہے کہ جب ولی عقد کرے تو نافذ ہوجائے، چاہے زیر ولایت پسند کرے یا ناپسند (فتح القدیر ۳/۱۶۱)۔

یہ ولایت عصبات بنفسہ کے لئے دو صنفوں پر ثابت ہوتی ہے:

۱- نابالغ لڑکی اور نابالغ لڑکے پر۔

۲- پاگل لڑکی اور پاگل لڑکے پر، خواہ بالغ ہی کیوں نہ ہوں (فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۸۳، فتح

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی۔

القدیر ۳/۱۸۱)۔

رہی ولایت ندب واستحباب تو وہ عاقلہ بالغہ پر ثابت ہوتی ہے، خواہ وہ ثیبہ ہو یا باکرہ، اس ولایت میں مولیٰ علیہ کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے (مصادر سابقہ)۔

ثبوت ولایت کی شرائط:

ولایت علی النفس اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب ولی میں کچھ شرائط پائی جائیں، ان شرائط میں کچھ پر ائمہ کا اتفاق ہے اور کچھ مختلف فیہ ہیں۔ متفقہ شرائط چار ہیں:

۱-ولی عاقل ہو، ۲-بالغ ہو، ۳-آزاد ہو، ۴-مسلمان ہو (مسلم کے حق میں)۔

اور امام شافعیؒ وامام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایک شرط یہ بھی ہے کہ ولی مرد ہو۔

نیز امام شافعیؒ کے قول اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق ولی کا عادل ہونا بھی شرط ہے، (فتاویٰ قاضی خاں ۱/۳۵۶، بحر ۳/ ۱۲۳۔ ۱۲۴، ہندیہ ۱/ ۲۸۴، درمختار ۲/ ۳۱۲، المغنی ۷/ ۳۵۵)۔

حنفیہ کے یہاں ولایت اجبار کے لئے تو مرد ہونا شرط ہے لیکن مطلق ولایت کے لئے شرط نہیں (ہندیہ ۱/ ۲۸۳، فتح القدیر ۳/ ۱۸۱)، رہی عدالت تو وہ کسی بھی ولایت کے لئے شرط نہیں ہے (ہندیہ ۱/ ۲۸۴، بحر ۳/ ۱۲۳-۱۲۴)۔

۲- شریعت اسلامیہ نے مکلف (عاقل، بالغ، آزاد) لڑکے اور مکلف لڑکی کو اپنے نکاح کا اختیار دیا ہے، اگر چہ عاقلہ بالغہ لڑکی کے لئے مستحب یہی ہے کہ اذن ولی سے عقد کرے (ہدایہ مع الفتح ۳/ ۱۵۷)۔

اور مندرجہ ذیل اصناف کا عقد نکاح اولیاء کے حوالہ کیا ہے:

۱-نابالغ لڑکا، ۲-نابالغ لڑکی، ۳-پاگل لڑکا، ۴-پاگل لڑکی، ۵-غلام اور باندی۔

لیکن یہ تفصیلات ائمہ احناف کے قول کے مطابق ہیں، بقیہ ائمہ کا ان میں کچھ اختلاف ہے۔

چنانچہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کی شادی امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ، ابن ابی لیلیٰؒ،

ابوعبیدؒ اور امام ثوریؒ کے نزدیک صرف باپ کرسکتا ہے، دوسرے اولیاء نہیں کرسکتے۔

جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ باپ اور دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی نہیں کرسکتا (المغنی ۷/۳۸۲، ہدایہ مع الفتح ۳/۱۷۱)۔

اسی طرح امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ بہت سے حضرات کے نزدیک لڑکی کو اپنی یا کسی دوسرے کی شادی کرنے کا اختیار نہیں ہے (المغنی ۷/۳۳۷)۔

(اس سلسلہ میں ائمہ کرام کی مستدل احادیث کے لئے دیکھئے: ترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۴/۲۰۷، باب ما جاء لا نکاح إلا بولي، أبوداؤد ۲/۵۶۶، باب في الولي، احمد ۶/۶۶، ۲۶۰)۔

ولایت میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان فرق:

(الف) لڑکا اور لڑکی جب نابالغ ہوں تو اولیاء کو ان کا نکاح کرنے کے سلسلہ میں ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے، اس اعتبار سے تو لڑکی اور لڑکے کا حکم یکساں ہے۔

لیکن اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے عقد نکاح کیا ہو تو اس صورت میں صغیر اور صغیرہ کو بالغ ہونے پر خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے، یعنی اگر وہ چاہیں تو نکاح فسخ کراسکتے ہیں، اس سلسلہ میں لڑکے اور ثیبہ لڑکی کا حکم یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد جب تک صراحۃً یا دلالۃً نکاح سے رضامندی کا اظہار نہ کریں انہیں فسخ نکاح کا حق حاصل رہتا ہے۔

اور باکرہ لڑکی کے لئے حکم یہ ہے کہ اگر اسے پہلے سے نکاح کا علم تھا تو جیسے ہی بلوغ کی علامت مثلاً حیض دیکھے، نکاح کو باطل کردے (البحر ۳/۱۲۲، فتح القدیر ۳/۱۷۹)۔

اور اگر پہلے سے علم نہیں تھا تو مجلس علم میں نکاح کو رد کردے اور دو آدمیوں کو گواہ بنالے (درمختار ۲/۲۰۶)۔

بہر حال چاہے مجلس علم ہو، یا مجلس بلوغ، یہ خیار آخر مجلس تک ممتد نہیں رہتا (مصادر سابقہ)۔

مختصراً یہ کہ ولایت اجبار لڑکی اور لڑکے دونوں پر بلوغ کے بعد ختم ہوجاتی ہے جب کہ

ولایت ندب واستحباب (خاص طور سے لڑکی پر) بلوغ کے بعد بھی برقرار رہتی ہے (درمختار ۲/ ۲۹۶، ہندیہ ۱/ ۲۸۳)۔

بلوغ کے تحقق اور عمر سے متعلق تفصیلات اور ائمہ کے اختلاف کے لئے دیکھئے:

(البحر الرائق ۸/ ۸۴۔۸۵، ہدایہ مع الفتح ۸/ ۲۰۱۔۲۰۲، شامی ۵/ ۹۷)۔

کیا عاقلہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح خود کرسکتی ہے؟

(ب) اس مسئلہ کی تفصیلات جواب نمبر ۲ کے ضمن میں گذر چکی ہیں، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المغنی (۷/ ۲۳۷) ہدایہ مع الفتح (۳/ ۱۵۹۔۱۶۰)، البحر الرائق (۳/ ۱۰۹)، ہندیہ (۱/ ۲۹۲)، فتاویٰ خانیہ (۱/ ۳۵۱)۔

کیا ولی نکاح رد کرسکتا ہے؟

(ج) عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت کے بغیر اگر کفو میں اپنا نکاح کیا ہو تو منعقد ہوجائے گا اور ولی کی اجازت اور رد سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اور غیر کفو میں نکاح کیا تو ظاہر الروایہ کے مطابق اس صورت میں بھی نکاح منعقد ہوجائے گا اور ولی کی رضا اور عدم رضا یا اجازت اور عدم اجازت سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، البتہ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ قاضی کی عدالت میں جا کر اس نکاح پر اعتراض کرے اور فسخ کروالے۔

لیکن حضرت حسنؒ کی روایت کے مطابق غیر کفو میں نکاح کیا تو سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا، بعد میں ولی اجازت دے بھی دے تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا، اور فتویٰ اسی روایت پر ہے (دیکھئے: فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۹۲، فتاویٰ خانیہ ۱/ ۳۵۱، البحر ۳/ ۱۱۰، فتح القدیر ۳/ ۱۵۹)۔

البتہ ابتداء میں امام محمدؒ کا مسلک یہی تھا کہ عاقلہ بالغہ عورت اگر بغیر اذن ولی نکاح کرے تو موقوفاً منعقد ہوگا، یعنی ولی اجازت دیدے تو انعقاد تام ہوجائے گا، ورنہ نکاح باطل ہوجائے گا۔ المغنی میں یہ مسلک ابن سیرینؒ، قاسم بن محمدؒ، حسن بن صالحؒ اور امام ابو یوسفؒ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے (المغنی ۷/ ۲۳۷)۔

۳- اس کا ذکر جواب نمبر ۲ کے ضمن میں تفصیل سے کیا جا چکا ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی نے اگر کفو میں نکاح کیا ہے تو ولی کو فسخ کا حق نہیں ہے، البتہ غیر کفو میں کیا ہو تو ظاہر الروایہ کے مطابق اسے اعتراض کرنے اور نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہے۔

۴-ولی کی ولایت میں کیے ہوئے نکاح کا حکم:

باپ دادا اور دوسرے اولیاء کے کیے ہوئے نکاح کے حکم میں فرق ہے، چنانچہ:

۱۔اگر نابالغ لڑکی کا نکاح باپ یا دادا کریں تو نہ صرف یہ کہ نکاح منعقد ہو جائے گا بلکہ لڑکی کو خیار بلوغ بھی حاصل نہ ہوگا، چاہے نکاح کفو میں کیا ہو یا غیر کفو میں، اور خواہ غبن فاحش کے ساتھ کیوں نہ کیا ہو۔

البتہ اس حکم سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں، ان دو صورتوں میں غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ باپ دادا بھی نکاح کریں تو منعقد نہ ہوگا:

۱۔باپ یا دادا کی شہرت سیئ الاختیار یا فاسق متہتک کی حیثیت سے ہو۔

۲۔نشہ کی حالت میں نکاح کیا ہے۔

لیکن یہ تفصیل امام صاحب کے یہاں ہے، صاحبین کے نزدیک اگر غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ نکاح کیا ہو تو مطلقاً منعقد نہ ہوگا۔

۲۔اگر باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے عقد کیا تو مہر مثل کے ساتھ کفو میں نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن بلوغ کے بعد لڑکی کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار (خیار بلوغ) رہے گا۔

اور اگر غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ عقد کیا تو سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دوسرے اولیاء کا حکم بھی باپ دادا ہی کی طرح ہوگا، اور لڑکی کو حق فسخ نہیں رہے گا (ان تمام مسائل کی تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر الرائق ۳/۵ ۱۳، رد المحتار ۲/ ۱۲ ۳، ہدایہ ۳/ ۱۷۱، ہندیہ ۱/ ۲۸۷، المغنی ۷/ ۳۸۲)۔

۵-خیار بلوغ کب تک حاصل رہتا ہے؟

اس کی تفصیل جواب نمبر ۲ کی شق الف میں گذر چکی ہے (مزید تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل مراجع دیکھئے: ہدایہ مع الفتح ۳/ ۱۷۷، البحر الرائق ۳/ ۱۲۲، درمختار ۲/ ۳۱۰-۳۱۱)۔

ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کا عقد:

ولی اقرب موجود ہو اور اس کی رائے اور مشورہ لینا آسان اور ممکن ہو تو ولی ابعد کے لئے عقد نکاح جائز نہ ہوگا۔

لیکن اگر ولی اقرب غائب ہو تو ولی ابعد کو تزویج کا حق حاصل ہو جاتا ہے، لیکن غیبوبت کی حد متعین کرنے میں مشائخ اور متأخرین کے درمیان اختلاف ہے۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ ولی اقرب کی غیبوبت اگر اس نوعیت کی ہو کہ اس کی رائے جاننے یا خط و کتابت کے ذریعہ مشورہ کرنے میں مناسب رشتہ نکل جائے گا تو ولی ابعد عقد کر سکتا ہے، اس قول کو ہدایہ میں "أقرب إلى الفقه" کہا گیا ہے (غیبت منقطعہ کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: البحر الرائق ۳/ ۱۲۶، المغنی ۷/ ۳۰۷، تنویر الابصار مع الدر ۲/ ۳۱۵)۔

ترجیح:

صاحب بحر اور علامہ شامی نے مشائخ کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور قاضی خاں نے بھی اسی قول کو معتبر قرار دے کر ایک جزئیہ کی تفریع کی ہے کہ ولی ابعد اگر اسی شہر میں اس طرح چھپ جائے کہ اس سے رابطہ قائم کرنا مشکل ہو رہا ہو تو یہ غیبت منقطعہ مانی جائے گی (البحر ۳/ ۱۲۶، رد المحتار ۲/ ۳۱۵)۔

اور راقم کی ناقص رائے میں بھی آج کے ترقی یافتہ دور کے مناسب مشائخ ہی کا فتویٰ راجح ہے، اس لئے کہ کبھی آدمی ایک ہی شہر میں اس طرح گم اور لاپتہ ہو جاتا ہے کہ اس کی رائے اور مشورہ لینا ممکن نہیں ہوتا، جبکہ کبھی دور دراز مقام مثلاً یورپ و امریکہ میں رہتے ہوئے بھی اس کا مواصلاتی رابطہ اپنے اعزہ سے قائم رہتا ہے، اور چند لمحات میں ان سے مشورہ لینا اور رائے جاننا

آسانی سے ممکن ہوتا ہے۔ لہذا پہلی صورت میں یہ کہہ کر کہ مسافت قصر نہیں پائی جارہی ہے ولایت تفویض نہ کرنا، اور دوسری صورت میں مسافت قصر پائی جانے کی وجہ سے ولایت ابعد کو تفویض کردینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

۶- صورت مسئولہ میں اگر باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی (بھائی، چچا وغیرہ) نے نکاح کردیا اور قاضی محسوس کرلے کہ واقعتہً کسی دباؤ کے تحت یا کسی ذاتی فائدہ کے پیش نظر لڑکی کے مفادات کو نظر انداز کیا گیا ہے تو بلاشبہ قاضی بطلان نکاح کا فیصلہ کردے گا، اس کی تفصیلات جواب نمبر ۴ کے ضمن میں گذر چکی ہیں (مزید توضیح کے لئے دیکھئے: درمختار ۲/ ۳۰۵، البحر الرائق ۳/ ۱۳۶، فتح القدیر ۳/ ۱۸۱، الحیلۃ الناجزۃ ص ۹۸- ۹۹)۔

فاسق متہتک وغیرہ کا مطلب:

(الف) معروف بسوء الاختیار:

معروف بسوء الاختیار کا لفظی معنی واضح ہے، اور اس کا تحقق اس وقت سمجھا جاتا ہے جب باپ یا دادا اپنی کسی نابالغ لڑکی کا بالکل بے جوڑ اور نامناسب رشتہ لاابالی پن یا فسق کی وجہ سے کریں، ایک بار نامناسب رشتہ کرنے کے بعد اب وہ معروف بسوء الاختیار کے حکم میں ہوں گے، اور اب اگر دوسری نابالغ لڑکی کا بے جوڑ رشتہ کریں تو عقد صحیح نہ ہوگا (رد المحتار ۲/ ۳۰۴- ۳۰۵، البحر ۳/ ۱۳۵، نیز دیکھئے: کتاب الفسخ والتفریق / ۹۴، الحیلۃ الناجزۃ / ۹۸)۔

(ب) ماجن:

"الماجن: الذي لا يبالي ما يصنع وما قيل له"۔

(ماجن وہ ہے جس کو نہ خود اپنے فعل کی پرواہ ہو نہ برا بھلا کہے جانے کی) (لسان العرب ۱۳/ ۳۲- ۳۳)۔

(ج) متہتک:

قاموس میں ہے: "رجل منهتک ومتهتک ومستهتک، أي لا يبالي أن

یھتک سترہ''۔

یہ لفظ چاہے باب انفعال سے آئے چاہے باب تفعّل یا استفعال سے، مطلب ایک ہی ہے، یعنی وہ شخص جسے اپنے راز کے فاش ہونے کی کوئی پرواہ نہ ہو (القاموس المحیط ص؍ ۲۹۵، نیز لسان العرب ۱۵/۲۶ مادہ "ہتک'')۔

الحیلۃ الناجزۃ (ص؍ ۹۸) اور کتاب الفسخ والتفریق (ص؍ ۹۵) میں اس کا ترجمہ "بے باک'' اور "بے غیرت'' سے کیا گیا ہے۔

۷-ولی کون لوگ ہیں؟

اولیاء میں ترتیب مجمل طور سے یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ پہلے عصبات اور قرابت داروں کے لئے ولایت ثابت ہوتی ہے، اس کے بعد مولی الموالاۃ کے لئے، وہ بھی نہ ہو تو سلطان اور اس کے نائبین کے لئے ثابت ہوتی ہے (درمختار ۲/۳۱۱-۳۱۳)۔

عصبات کی تفصیل:

ثبوت ولایت کے سلسلے میں عصبات کی وہی ترتیب ہوتی ہے جو وراثت کے باب میں ہوتی ہے، البتہ ان میں سے بعض میں کچھ اختلاف ہے۔ چنانچہ:

۱۔ اقرب ترین ولی بیٹا ہوتا ہے، اس کے بعد پوتا نیچے تک، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک ولی اقرب باپ ہوتا ہے اوپر تک، پھر بیٹا۔

اسی اختلاف کی وجہ سے ہندیہ میں لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ باپ بیٹے کو نکاح کرنے کا حکم دے، تاکہ بغیر اختلاف کے نکاح صحیح ہو۔

۲۔ اس کے بعد باپ، پھر دادا اوپر تک، ۳۔ حقیقی بھائی، ۴۔ علاتی بھائی، ۵۔ حقیقی بھتیجا نیچے تک، ۶۔ علاتی بھتیجا نیچے تک، ۷۔ حقیقی چچا، ۸۔ علاتی چچا، ۹۔ حقیقی چچا کے بیٹے نیچے تک، ۱۰۔ علاتی چچا کے بیٹے نیچے تک، ۱۱۔ باپ کا حقیقی چچا، ۱۲۔ باپ کا علاتی چچا، ۱۳۔ اسی ترتیب سے ان کے بیٹے، ۱۴۔ دادا کا حقیقی چچا، ۱۵۔ دادا کا علاتی چچا، ۱۶۔ ان کے بعد اسی ترتیب

سے ان کے بیٹے، ۱۷۔پھر سب سے ابعد عصبہ(عم بعید کا بیٹا) ولی ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا لوگوں کو نابالغ لڑکی اور لڑکے نیز پاگل لڑکی اور لڑکے پر ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے (ہندیہ ار ۲۸۳، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۳/۱۱۹، فتح القدیر ۳/۱۸۱، رد المحتار ۲/۳۱۱)۔

۱۸۔ان عصبات بنفسہ میں سے کوئی نہ ہوتو آزاد کردہ غلام یا باندی کا ولی اس کا سابق آقا (مولی) ہوتا ہے، چاہے وہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔

۱۹۔اس کے بعد مولی کے عصبات (حوالہ سابق)۔

اگر ان دونوں صنفوں میں سے کوئی نہ ہوتو امام محمدؒ کے نزدیک حاکم ولی ہوگا، اور امام صاحب، نیز صحیح قول کے مطابق امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دوسرے قرابت داروں اور ذوی الارحام کو ولایت حاصل ہوگی، علامہ شامی کی تصریح کے مطابق فتوی امام صاحب کے قول پر ہے (رد المحتار ۲/۳۱۲)۔

شیخین کے نزدیک عصبات کی غیر موجودگی میں اولیاء کی ترتیب اس طرح ہوگی:

۲۰۔مذکورہ بالا عصبات کی عدم موجودگی میں ماں، ۲۱۔دادی (اس ترتیب میں کچھ اختلاف بھی ہے)، ۲۲۔بیٹی، ۲۳۔ پوتی، ۲۴۔ نواسی، ۲۵۔ پرپوتی (یعنی پوتے کی بیٹی)، ۲۶۔نواسی کی بیٹی اسی طرح نیچے تک، ۲۷۔نانا، ۲۸۔حقیقی بہن، لیکن ان دونوں کی تقدیم وتاخیر کے سلسلہ میں عبارات فقہاء مختلف ہیں، ۲۹۔علاتی بہن، ۳۰۔اخیافی بھائی بہن (ان میں مرد وعورت دونوں کو برابر درجہ کی ولایت حاصل ہوتی ہے)۔ان کے بعد ذوی الارحام کو ولایت حاصل ہوتی ہے، اور ان میں ترتیب اس طرح ہوتی ہے:

۳۱۔ پھوپھیاں، ۳۲۔ماموں، ۳۳۔خالائیں، ۳۴۔ بنات الأعمام، ۳۵۔اسی ترتیب سے ان کی اولاد، ۳۶۔اس کے بعد مولی الموالاۃ کو ولایت حاصل ہوتی ہے، مولی الموالاۃ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ہاتھوں پر بچہ کے والد نے اسلام قبول کیا ہو، اور موالاۃ کی ہو۔

اس کے بعد حکام کو اس ترتیب سے ولایت حاصل ہوتی ہے:

۳۷۔ پہلے سلطان کو، ۳۸۔ ان کے بعد قاضی کو، لیکن اس کو تبھی ولایت حاصل ہوگی جب سلطان اس کے تقرری نامہ میں بصراحت یہ حق اس کو تفویض کرے، ۳۹۔ قاضی کے نائبین کو (بشرطیکہ سلطان کی جانب سے اصل قاضی کو حق تزویج تفویض کیا گیا ہو) (درمختار ۲/ ۳۱۳، نیز دیکھئے: البحر ۳/ ۱۲۴، ہندیہ ۱/ ۲۸۴)۔

۸-صرف ایک ولی کی اجازت کافی ہے:

اگر کسی نابالغ لڑکی کے یکساں درجہ کے دو یا دو سے زیادہ اولیاء ہوں تو ان میں سے اگر صرف ایک ولی عقد کردے تو عقد صحیح ہو جائے گا، خواہ دوسرے اولیاء اجازت دیں یا انکار کریں۔

مندرجہ ذیل حدیث میں اسی صورت کا حکم بیان کیا گیا ہے:

"عن سمرةؓ عن النبي ﷺ: أيما امرأة زوّجها وليان فهي للأول منهما" (ابوداؤد ۲/ ۵۷۱، باب إذا أنكح الوليان)۔

اور اگر وہ الگ الگ اشخاص سے نکاح کرادیں تو صرف عقد اول صحیح ہوگا، بعد کے عقود باطل ہوں گے، اور اگر سب عقد ایک ساتھ واقع ہوں، یا ہوں تو ترتیب سے لیکن یہ پتہ نہ ہو کہ ان میں پہلا کون ہے، تو تمام عقود باطل ہوں گے (البحر الرائق ۳/ ۱۱۹، ردالمحتار ۲/ ۳۱۴)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا محمد ظفر عالم ندوی☆

۱-ولایت کا مفہوم:

لغت میں ولایت کے کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں، ایک مفہوم محبت ونصرت کا ہے جس کو علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ردالمحتار (۳/۵۵)، علامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق (۳/۱۰۹) اور ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے الفقہ الاسلامی وأدلتہ (۷/۱۸۷) میں ذکر کیا ہے۔

ایک دوسرا مفہوم جو زیادہ واضح اور موضوع سے قریب تر ہے، یہ ہے کہ ولایت کسی چیز کے مالک ہونے اور اس کو انجام دینے کا نام ہے، صاحب معجم الوسیط نے یہی لغوی مفہوم بیان کیا ہے (المعجم الوسیط ۱/۱۰۵۷)۔

اصطلاحی مفہوم علامہ ابن عابدینؒ اور علامہ ابن نجیمؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ دوسرے پر کسی امر کو نافذ کرنا خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے، ولایت کہلاتا ہے۔

”**الولاية في الفقه تنفيذ القول على الغير شاء أو أبى**“ (ردالمحتار ۳/۵۵، البحر الرائق ۳/۱۰۹، نیز الاحوال الشخصیۃ للشیخ محی الدین ص/۶۸، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/۱۸۷، المفصل فی أحکام المرأۃ ۶/۳۳۹)۔

ولایت علی النفس کی شرائط:

ولایت علی النفس کی چار شرطیں تو متفق علیہ ہیں اور تین مختلف فیہ ہیں۔ متفق علیہ شرائط

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

ہیں: عقل، بلوغ، حریت، اور اتحاد دین۔ اور مختلف فیہ ہیں: عدالت، ذکوریت، اور رشد (ان شرائط کی تفصیل کے لئے دیکھیں: المغنی ۶/ ۴۶۵، مغنی المحتاج ۳/ ۱۵۴، کشاف القناع ۳/ ۳۰، شرح المنتہی ۳/ ۱۳۱، فتح القدیر ۳/ ۱۸۱، المفصل فی أحکام المرأۃ ۶/ ۳۴۲)۔

۲- نکاح کا اختیار:

کن لوگوں کو اپنا نکاح خود کرانے کا اختیار حاصل ہے اور کن لوگوں کو نہیں ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کی عام طور پر تین رائیں پائی جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

پہلی رائے ابن شبرمہؒ اور ابوبکر اصمؒ کی ہے کہ صغیر یا صغیرہ کا نکاح کرانے کا حق اور اختیار کسی کو نہیں ہے۔ علامہ سرخسیؒ نے ان حضرات کے دلائل کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے (المبسوط ۴/ ۲۱۲)۔

دوسری رائے علامہ ابن حزمؒ کی ہے کہ باپ کو اپنی بیٹی کا نکاح کردینے کا حق حاصل ہے تا آنکہ وہ بالغ ہوجائے، لیکن جب بالغ ہوجائے گی تو لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا اور اگر لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو تو ایسی صورت میں خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو کسی کو بھی حق حاصل نہیں ہے کہ صغیرہ کا نکاح کردے تا آنکہ وہ بالغ ہوجائے اور صغیر (بچہ) پر کسی کو ولایت حاصل نہیں ہے اور نہ ہی اس کو صغیرہ (بچی) پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

"وللأب أن يزوج ابنته الصغيرة ما لم تبلغ بغير إذنها، ولا خيار لها إذا بلغت، وأما الصغيرة التي لا أب لها، فليس لأحد أن يزوجها لا من ضرورة ولا من غير ضرورة حتى تبلغ، و أما الصغير فلا ولاية لأحد عليه في تزويجه، ولا يصح قياسه على الصغيرة، لأن القياس لاحجة فيه" (المحلی لابن حزم ۹/ ۴۵۹، ۴۶۰)۔

تیسری رائے جمہور فقہاء کی ہے کہ صغیر اور صغیرہ دونوں پر اولیاء کو حق ولایت حاصل ہے، اور ولی شرعی کو حق حاصل ہے کہ صغیر وصغیرہ کا نکاح کردے (المبسوط ۴/ ۲۱۳، ۲۱۴)۔ علامہ سرخسیؒ نے مبسوط میں جمہور کی طرف سے کافی دلائل فراہم کئے ہیں، ہم طوالت کے خوف سے ان

کوترک کررہے ہیں۔

(الف) اب رہی یہ بات کہ صغیر وصغیرہ کے درمیان ولایت کے بارے میں کیا کچھ فرق ہے اوران کی ولایت کب ختم ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ ولایت کے سلسلہ میں لڑکا اورلڑکی کے درمیان قدرے فرق ہے۔ صغیر کے حق میں بلوغ پر ولایت ختم ہوجاتی ہے۔ صغیرہ کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ بالغ ہونے سے قبل تک ولی کو ولایت اجبار حاصل ہوگی، اور بعد بلوغ نکاح کرنے کے سلسلہ میں ولایت استحباب یا مشارکت حاصل رہے گی، ساتھ ہی حفظ وصیانت کی ولایت بھی باقی رہے گی (المغنی ۴۷۶/۶)۔

(ب) عاقلہ بالغہ لڑکی کے اختیارات کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں جو درج ذیل ہیں: شوافع اور حنابلہ کے نزدیک عاقلہ بالغہ لڑکی کو ازخود اپنا نکاح کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے، لیکن احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ اپنا نکاح ازخود کرسکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ نکاح غیر کفو میں نہ ہو، اگر ولی کی مرضی اوراجازت کے بغیر غیر کفو میں کرلیا تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، علامہ ابن ہمامؒ نے عدم انعقاد کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے (فتح القدیر ۲۴۶/۳-۲۴۷)۔

(ج) عاقلہ بالغہ لڑکی نے اپنا نکاح ازخود کرلیا اور بعد میں ولی کو معلوم ہوا اوراس نے اتفاق کرلیا تو نکاح برقرار رہے گا، اوراگر ولی نے رد کردیا تو دیکھا جائے گا کہ لڑکی نے نکاح کفو میں کیا ہے یا غیر کفو میں؟ اگر کفو میں کیا ہے تو وہ نکاح معتبر مانا جائے گا اوراگر غیر کفو میں کیا ہے تو اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا، مفتی بہ قول کے مطابق ایسی صورت میں نکاح بلا قضاء قاضی کے فاسد ہوجائے گا۔ شیخ محی الدین عبدالحمید نے مسئلہ کا پورا جائزہ لینے کے بعد لکھا ہے:

”وعلی المفتی به فی المذهب لم ینعقد التزویج أصلا وأن الولی لو رضی قبل العقد بغیر الکفء صحّ ولزم“ (الأحوال الشخصیة للشیخ محمد محی الدین/ص ۹۷)۔

۳-اولیاء کا حق اعتراض وحق فسخ:

اس سوال کا جواب اوپر آچکا ہے کہ کفو میں تو نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن غیر کفو میں

اولیاء کو اعتراض کا حق اور نکاح کو فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔ راقم کا خیال ہے کہ جہاں نظام قضاء موجود ہو وہاں قاضی کی عدالت میں معاملہ پیش کر کے نکاح فسخ کرالیا جائے گا، اور جہاں نظام قضاء موجود نہ ہو وہاں نکاح ہی منعقد نہ ہوگا یا نکاح غیر معتبر سمجھا جائے گا۔ (درمختار ۳/۲۲۶، المفصل فی احکام المرأۃ ۶/۴۳۰)

اس موقع پر صاحب عنایہ نے ایک وضاحت یہ بھی کی ہے کہ غیر کفو کی صورت میں اولیاء کو حق اعتراض یا حق فسخ اس وقت حاصل ہوگا جب اس مرد سے عورت کو کوئی اولاد نہ ہوئی ہو یا حمل ظاہر نہ ہوا ہو، اگر حمل کا ظہور ہو گیا یا اولاد ہو گئی تو پھر فسخ کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔

''ولکن للولي الاعتراض في غیر الکفوء یعني إذا لم تلد من الزوج، وأما إذا ولدت فلیس للأولیاء حق الفسخ کی لا یضیع الولد'' (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۳/۱۶۰)۔

۴- خیار بلوغ:

نابالغ لڑکے اور لڑکی پر باپ اور دادا کو ولایت اجبار حاصل ہے، اس لئے اگر باپ یا دادا کا کیا ہوا نکاح ہو تو بالغ ہوتے وقت ان دونوں کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل نہ ہوگا، یعنی خیار بلوغ نہیں ملے گا۔ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ باپ یا دادا جس نے نکاح کرایا، لاپرواہی اور فسق کی وجہ سے سوء اختیار میں معروف نہ ہوں، اگر ان کا سوء اختیار معروف ہو اور نکاح غیر کفو یا مہر مثل میں نہ ہوا ہو تو نکاح درست نہ ہوگا (ردالمحتار ۳/۶۶)۔

علامہ ابن نجیمؒ نے لکھا ہے کہ باپ یا دادا کے معروف بسوء الاختیار کی صورت میں نکاح باطل ہو جائے گا۔ لیکن فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔ شیخ ابو زہرہ نے اپنی معروف کتاب ''الاحوال الشخصیۃ'' کے حاشیہ پر یہ فیصلہ لکھا ہے کہ فتاویٰ ظہیریہ کی بات برحق ہے (الاحوال الشخصیۃ لأبی زہرہ حاشیہ ص ۱۱۹، ۱۲۰)۔

راقم کی بھی یہی رائے ہے کہ باپ یا دادا اگرچہ سوء اختیار میں معروف ہوں تاہم حق

ولایت حاصل ہونے کی وجہ سے نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن چونکہ یہ نکاح لڑکی کے حق میں نامناسب اور اس کے مفاد کے خلاف ہوا ہے اس لئے لڑکی کے عدم رضا اور غیر مطمئن ہونے کی وجہ سے دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔

لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ نظام قضاء موجود ہو، جہاں نظام قضاء نہ ہو ایسی جگہوں کے لئے سوء اختیار پائے جانے کی صورت میں سرے سے نکاح غیر معتبر سمجھا جائے گا اور درست نہ ہوگا۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہو گیا کہ باپ اور دادا کے علاوہ دیگر اولیاء نے اگر صغیر یا صغیرہ کا نکاح کردیا ہے تو بلوغ کے وقت انہیں خیار حاصل ہوگا، لیکن باپ یا دادا نے نکاح کردیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی، اگر باپ یا دادا جنہوں نے نکاح کرایا ہے سوء اختیار میں معروف نہ ہوں تو صغیر یا صغیرہ کو بلوغ کے وقت خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا، لیکن اگر سوء اختیار میں معروف ہوں تو خیار بلوغ حاصل ہوگا۔

۵-خیار بلوغ کی حد اور سقوط کی مدت:

اس سوال کے دو حصے ہیں: ایک یہ کہ خیار بلوغ کا حق لڑکی کو کب تک حاصل رہتا ہے اور کب ختم ہو جاتا ہے؟ دوسرا حصہ یہ ہے کہ قریب تر ولی زندہ ہو اور نسبۃً دور کے ولی نے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردیا تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا یا نہیں؟ ترتیب وار دونوں حصوں کے جوابات درج ذیل ہیں:

باکرہ کا خیار بلوغ:

سوال کے پہلے حصہ کے متعلق فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ باکرہ لڑکی جس لمحہ میں بالغ ہو وہ فوراً کہہ دے کہ میں اپنا نکاح رد کرتی ہوں، اگر اس نے خاموشی اختیار کی، اور مجلس اگرچہ ختم نہ ہوئی ہو پھر بھی سکوت کو نکاح پر رضامندی تصور کرتے ہوئے خیار بلوغ ختم ہو جائے گا۔

"وسکوت البکر رضاء ھا ولا یمتد خیارھا إلی آخر المجلس" (شرح وقایہ ۲/۲۹۷)۔

بعض فقہاء بالخصوص ابو بکر خصافؒ کی رائے ہے کہ خیار بلوغ کا حق مجلس کے اختتام تک رہے گا (حوالہ سابق)، اس کے بعد ایک دوسرا مرحلہ یہ پیش آتا ہے کہ اس کو فوراً گواہ تلاش کرنا چاہئے اور لڑکی گواہوں کے سامنے کہہ دے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں اور آپ لوگوں کو گواہ بناتی ہوں کہ میں اپنی نابالغی کا کیا ہوا نکاح رد کرتی ہوں، اور اگر گواہان میسر نہ ہوں اور آبادی سے دور رہنے کی وجہ سے چند دنوں تک گواہ نہ بنا سکی تو خیار ساقط ہو جائے گا، اور یہ عذر معتبر نہیں سمجھا جائے گا (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۸۳)۔

اب رہی یہ بات کہ اگر باکرہ لڑکی کو اپنے نکاح کا علم ہی نہ ہو اور بلوغ کے کچھ دنوں کے بعد تک بھی یہ اطلاع نہ ہو سکی تو بعد اطلاع اسے خیار بلوغ حاصل ہوگا یا نہیں؟ اس کے متعلق صاحب ہدایہ و دیگر فقہاء نے صراحت کی ہے کہ لاعلمی کی وجہ سے بوقت علم و اطلاع خیار بلوغ حاصل ہوگا۔

ثیبہ کا خیار بلوغ:

مذکورہ بالا حکم باکرہ لڑکی کے لئے ہے لیکن نابالغہ ثیبہ لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد اس وقت تک خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے جب تک کہ وہ زبان یا عمل سے اسی شوہر کی رفاقت پر رضامندی کا اظہار نہ کردے (ہدایہ ۲/۲۹۷)۔

راقم کا خیال ہے کہ اس مسئلہ میں ثیبہ کی طرح باکرہ کو بھی اس وقت تک خیار بلوغ حاصل ہونا چاہئے جب تک کہ وہ صراحتہً یا عملاً اپنی رضامندی کا اظہار نہ کردے، فقہاء نے باکرہ اور ثیبہ میں جو فرق کیا ہے اس کی بنیاد نص نہیں بلکہ محض اجتہاد ہے، موجودہ دور میں بالخصوص ہندوستانی ماحول میں اس سے مزید پیچیدگی بڑھے گی، اس لئے باکرہ کے لئے بھی رضامندی پر صریح قول یا عمل آجانے کے بعد ہی خیار بلوغ ساقط ہونا چاہئے۔

خیار بلوغ اور ہندوستانی معاشرے کا عمومی جہل:

اس جگہ ایک پیچیدہ مسئلہ یہ پیش آتا ہے کہ اگر ان لڑکیوں کو خواہ باکرہ ہوں یا ثیبہ اگر خیار بلوغ کا علم ہی نہ ہوا اور عند البلوغ علم ہونے کی وجہ سے اس اختیار اور حق کو استعمال نہیں کیا اور اس سے ایسا عمل صادر ہو گیا جو زوجین کے درمیان جائز ہوا کرتا ہے تو کیا یہ حق ملے گا یا نہیں؟

اس کے متعلق فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جہل عذر نہیں ہے، اس لئے اس کی وجہ سے یہ حق نہیں ملے گا بلکہ ساقط سمجھا جائے گا اور نکاح لازم ہوگا۔ صاحب شرح وقایہ لکھتے ہیں:

"ولا تعذر بالجهل، والجهل ليس بعذر في حقها" (شرح وقایہ ۲/۲۴)،

صاحب ہدایہ نے اس سلسلہ میں یہ دلیل پیش کی ہے: **"والدار دار العلم فلم تعذر بالجهل"** (ہدایہ ۲/۲۹۷)۔

لیکن اگر فقہاء کی اس رائے اور دلائل کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ اس مسئلہ کی بنیاد کوئی نص نہیں بلکہ یہ محض ایک اجتہادی رائے ہے جو عرف اور حالات پر مبنی ہے، صاحب ہدایہ نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے دار یعنی دار الاسلام میں جہل عذر نہیں ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر دار الاسلام نہ ہو تو جہل کو عذر مانا جائے گا، اور یہی بات سمجھ میں بھی آتی ہے، لہذا ہندوستان جیسے ملک میں جو دار الاسلام نہیں ہے، نابالغہ جب بالغہ ہو جائے اور اپنی ناراضگی کا اظہار نہ کرے یا کوئی ایسا عمل کرے جو عملاً رضامندی کو بتاتا ہو تب بھی جہل کی وجہ سے اس کا حق باقی رہے گا، اور اسے خیار بلوغ کا علم جب تک نہیں ہو جاتا اس وقت تک یہ حق ساقط نہیں ہوگا۔

ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح:

سوال کے دوسرے حصے یعنی ولی اقرب کی موجودگی میں اگر ولی ابعد نے نکاح کر دیا تو نکاح کا کیا حکم ہوگا؟

اس سلسلہ میں فقہاء کی رائے ہے کہ یہ عقد نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر وہ اجازت دیدے تو نکاح نافذ ہوجائے گا ورنہ نہیں۔

اور اگر ولی اقرب نہ ہو یا غیر موجود ہو تو ولی البعد کا کیا ہوا نکاح نافذ ہوجائے گا (فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۸۵)۔

۶-نابالغہ لڑکی کے مفاد کے خلاف کیا ہوا نکاح:

اگر ولی نے لڑکی کے مصالح و مفادات کا لحاظ کئے بغیر نکاح کردیا اور قاضی کے نزدیک لڑکی نے اپنے مفاد کے خلاف کئے گئے نکاح کے خلاف دعوی کو ثابت کردیا اور فسخ نکاح کا مطالبہ کیا تو قاضی شریعت کو حق حاصل ہے کہ اس نکاح کو فسخ کردے، کیونکہ نکاح کے لازم ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ولی سوء اختیار میں معروف نہ ہو یعنی متہتک فی الدین نہ ہو، اور نہ ہی لاپرواہی وفسق میں نکاح سے قبل معروف ہو (درمختار ۳/ ۶۶-۶۷)۔

سوء اختیار، ماجن اور فاسق متہتک کی تشریح فقہاء کی بیان کردہ تفصیلات کی روشنی میں مختصراً درج ذیل ہیں:

سوء اختیار: اس کا مطلب یہ ہے کہ ولی کا لالچی اور بے وقوف ہونا اور لوگوں کو دھوکہ دینا عام ہو۔

ماجن: وہ شخص ہے جو اپنے کام میں اور اس بات سے جو اسے کہا جائے، لاپرواہی کرتا ہو۔

فاسق متہتک: وہ شخص جو عزت دری کی بھی پرواہ نہ کرتا ہو، یہاں تک کہ گناہ کا مرتکب ہوجاتا ہو اور رسوائی بھی ہوتی ہو۔

۷-ولی کون لوگ ہیں اور اولیاء میں باہم ترتیب کیا ہے؟

احناف کے نقطۂ نظر سے (جو کہ زیادہ وسیع اور طبائع انسانی سے قریب تر مسلک ہے) ولی وہ لوگ ہیں جو عصبہ بنفسہ ہوں، یعنی کسی عورت کے واسطہ کے بغیر مولی علیہ کے رشتہ دار ہوں، البتہ جب کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو ذوی الأرحام (یعنی ماں کی طرف سے رشتہ دار) کو نابالغ لڑکے

یا لڑکی کا نکاح کردینے کا حق حاصل ہوگا اور جب کوئی رشتہ دار نہ ہو تو قاضی دوسرے اولیاء کی طرح نابالغ کا نکاح کرسکتا ہے (المبسوط ۴/ ۱۹۲، ۱۹۳، البحر الرائق ۳/ ۱۳۳)۔

اولیاء کے درمیان باہم ترتیب:

اولیاء کے درمیان قدرے اختلاف کے ساتھ وہی ترتیب ہے جو وراثت کے باب میں ہے، اور وہ ترتیب درج ذیل ہے:

باپ، دادا، سگا بھائی، علاتی بھائی، علاتی بھتیجا، سگا چچا، علاتی چچا، سگا چچا زاد بھائی، علاتی چچا زاد بھائی، اسی طرح دوسرے عصبات (پدری رشتہ داران) بہ ترتیب وراثت، اس کے بعد ماں، بیٹے کی بیٹی، بیٹی کی بیٹی، پوتے کی بیٹی، بیٹی کی نواسی، سگی بہن، سوتیلا بھائی، سوتیلی بہن، دیگر ذوی الارحام یعنی مادری رشتہ داران بہ ترتیب وراثت۔

۸- مساوی درجہ کے اولیاء میں ایک کی اجازت کیا کافی ہوگی؟

کسی لڑکی کے یکساں درجہ کے ایک سے زائد اولیاء ہوں، اور اجازت ولی نکاح صحیح ہونے کے لئے شرط ہو تو کسی ایک ولی کی اجازت جمہور فقہاء احناف کے نزدیک کافی ہوگی، تمام مساوی اولیاء کا متفق ہونا ضروری نہیں، اس سلسلہ میں امام ترمذیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں صراحت موجود ہے کہ اس طرح کا نکاح درست ہوگا، دوسرے اولیاء کی اجازت ضروری نہیں، بلکہ دوسرا ولی اگر دوسری جگہ نکاح کردے تو وہ نکاح منسوخ ہوجائے گا۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے اور یہ بھی وضاحت کی ہے کہ علماء کا اس سلسلہ میں کوئی اختلاف بھی معروف نہیں۔

”عن سمرة بن جندبؓ أن رسول الله ﷺ قال: أيما امرأة زوّجها وليان فهي للأول منهما، قال أبوعيسیٰ هذا حديث حسن، والعمل على هذا عند أهل العلم، لا نعلم بينهم في ذلک اختلافا“ ۔

صاحب تحفۃ الأحوذی وضاحت کرتے ہیں: "**وإذا زوّج أحد الوليين قبل الآخر فنكاح الأول جائز ونكاح الآخر منسوخ وإذا زوّجا جميعا فنكاحهما جميعا منسوخ**" (تحفۃ الأحوذی مع جامع الترمذی ۲۴۸/۴)۔

سنن ابو داوٗد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔صاحب عون المعبود نے اس میں وہی تفصیلات بیان کی ہیں جو اوپر درج کی گئی ہیں (عون المعبود شرح سنن ابو داوٗد ۱۱۱/۶، شیخ ابو زہرہ کی کتاب الاحوال الشخصیہ ص ر ۱۱۴)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جمہور فقہاء کی رائے یہی ہے کہ مساوی درجہ کے اولیاء میں اگر کسی نے بھی نکاح کی اجازت دے دی تو یہ اجازت کافی ہے، دوسرے اولیاء کی رضا مندی ضروری نہیں۔ناچیز جمہور کے ہی مسلک کو راجح اور قابل عمل سمجھتا ہے، اور اسی میں لڑکی کے مصالح و مفادات کا تحفظ بھی ہے، ورنہ موجودہ پرفتن دور میں اگر تمام اولیاء کی اجازت پر کسی نکاح کو موقوف کر دیا جائے تو کوئی نکاح شاید ہی وجود پذیر ہوگا، اس طرح بعض وہ رشتے جولڑکی کے مفاد میں بہتر ہوں گے اختلاف رائے کی وجہ سے چھوٹتے رہیں گے، اس لئے کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی۔

☆☆☆

ولایت کی شرعی حیثیت

مفتی نسیم احمد قاسمیؒ ☆

۱- ولایت کا لغوی معنی اور شرعی مفہوم:

ولی کا لفظ اگر اللہ تعالی کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کے معنی ''مددگار'' ہوگا (لسان العرب ۶/۴۹۲۱)، قرآن کریم کی مختلف آیات میں ولی کا لفظ اس مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے، مثلاً ''الله وليّ الذين آمنوا يخرجهم من الظلمٰت إلى النور'' (سورہ بقرہ:۲۵۷)۔

ولی کا لفظ صدیق اور محبّ کے مفہوم میں بھی مستعمل ہے، (المعجم الوسیط ۲/۱۰۵۸) لغوی اعتبار سے ولی اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جو کسی معاملہ کا ذمہ دار ہو یا کسی معاملہ کو انجام دے ''كل من ولي أمراً أو قام به'' (حوالہ بالا)۔

صاحب لسان العرب نے ''ولی'' کا مفہوم ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''الولی'' اور اسی قبیل سے ولی الیتیم ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی یتیم کا ذمہ دار ہو اور اس کی نگرانی اور کفالت کرتا ہو، اور ''ولی المرأۃ'' سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو کسی عورت کے عقد نکاح کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس کی اجازت کے بغیر عورت کا نکاح نہیں ہوتا ہے، اسی مفہوم میں حدیث رسول ''أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل'' میں ولی کا لفظ استعمال ہوا ہے (لسان العرب ۶/۴۹۲۱)۔

ولاية: ولي الشيء و ولي عليه وِلاية ووَلاية'' کا مصدر ہے، ولایت (بالکسر)

☆ سابق نائب ناظم، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

سلطان اور ولایۃ (بالفتح) نصرت کے معنی میں مستعمل ہے (حوالہ بالا)۔

اور اصطلاح شرع میں "تنفيذ القول على الغير شاء الغير أو أبى" کو "ولایت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی غیر پر قول کی تنفیذ ولایت ہے، چاہے وہ غیر جس پر کسی حکم اور قول کی تنفیذ کی جائے وہ اسے پسند کرے یا ناپسند کرے (المعجم الوسیط ۲/۱۰۵۸)۔ درمختار میں ہے:

"والولاية تنفيذ القول على الغير... شاء أو أبى" (درمختار علی ہامش الرد ۲/۲۹۲)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے ولایت کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"هي سلطة شرعية يتمكن بها صاحبها من إنشاء العقود والتصرفات و تنفيذها على ترتيب الآثار الشرعية عليها" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۱۳۹)۔

ولایت کی قسمیں:

حنفیہ کے نزدیک ولایت کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں:

۱-ولایت علی النفس، ۲-ولایت علی المال، ۳-ولایت علی النفس والمال۔

۱- ولایت علی النفس: ولایت علی النفس کی صورت میں ولی کو اپنے زیر ولایت لڑکے اور لڑکی کی تعلیم وتربیت، علاج ومعالجہ اور نکاح وغیرہ کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں، یہ ولایت باپ اور دادا کے علاوہ دیگر تمام اولیاء کو حسب ضابطہ شرعی حاصل ہوتی ہے۔

۲- ولایت علی المال: ولایت علی المال کی صورت میں ولی کو زیر ولایت افراد کے مال و جائداد پر تصرف، اس کی نگہداشت اور حفظ وانفاق کا حق حاصل ہوتا ہے۔ ولایت کی یہ قسم باپ، دادا اور ان دونوں کے وصی اور قاضی اور اس کے وصی کو حاصل ہوتی ہے۔

۳- ولایت علی النفس والمال: ولایت علی النفس والمال کی صورت میں نفس ومال دونوں پر ولایت حاصل ہوتی ہے۔ پھر ولایت علی النفس کی دو قسمیں ہیں:

۱-ولایت اجبار، ۲-ولایت استحباب۔

۱-ولایت اجبار سے مراد وہ ولایت ہے جو باپ اور دادا کو نابالغ اولاد یعنی بیٹا بیٹی

دونوں پر حاصل ہوتی ہے،لڑکی چاہے نابالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اسی طرح بالغہ معتوہہ اور مجنونہ پر حاصل ہونے والی ولایت بھی ولایت اجبار ہے۔یہی حکم معتوہ اور مجنون لڑکے کا بھی ہے۔

۲-ولایت استحباب سے مراد وہ ولایت ہے جو عاقلہ اور بالغہ عورت پر حاصل ہوتی ہے، چاہے وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔علامہ ابن الہمام نے ولایت علی النفس کی تقسیم کرتے ہوئے لکھا ہے:

''الولاية في النكاح نوعان ولاية ندب واستحباب وهو الولاية على البالغة العاقلة بكراً كانت أو ثيباً، وولاية إجبار وهو الولاية على الصغيرة بكراً كانت أو ثيباً وكذا الكبيرة المعتوهة والمرقوقة'' (فتح القدیر علی ہامش الہدایہ ۳/۲۵۵)۔

ولایت علی النفس کی شرائط:

ولایت علی النفس کے لئے ولی میں حسب ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔آزاد ہونا، ۲۔عاقل ہونا، ۳۔بالغ ہونا،لہذا کسی غلام، مجنون اور نابالغ کو ولایت حاصل نہیں ہوگی۔فتاوی ہندیہ میں ہے:

''لا ولاية للمملوك على أحد ولا للمكاتب على ولده، كذا في محيط السرخسي۔ ولا ولاية لصغير ولا مجنون ولا لكافر على مسلم و مسلمة، كذا في الحاوي'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۸۴،بدائع الصنائع ۲/۲۳۹)۔

ثبوت ولایت کے لئے عدالت شرط نہیں ہے، کیونکہ فسق کی وجہ سے اہلیت ولایت ختم نہیں ہوتی ہے،لہذا فاسق ولی بھی اپنے زیر ولایت لڑکی اور لڑکے کا نکاح کرسکتا ہے۔علامہ کاسانی نے تحریر فرمایا ہے:

''وكذا العدالة ليست بشرط لثبوت الولاية عند أصحابنا، وللفاسق أن يزوّج ابنه وابنته الصغيرين'' (بدائع ۲/۲۳۹)۔

علامہ ابن رشد مالکی نے شرائط ولایت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

''فإنهم اتفقوا على أن من شرط الولاية الإسلام والبلوغ والذكورة'' (بدایۃ

المجتہد لابن رشد مالکی ۲/۱۲)۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اسلام، بلوغت اور مرد ہونا ولایت کے لئے شرط ہے۔

۲-اسلامی شریعت نے کن لوگوں کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے:

حسب ذیل شرائط کے پائے جانے کی صورت میں شریعت اسلامی نے ولی کے بغیر نکاح کا اختیار دیا ہے۔

۱- نکاح کرنے والا بالغ ہو، لہذا صبی عاقل کا نکاح اگرچہ ہمارے ائمہ حنفیہ کے نزدیک منعقد ہو جائے گا، مگر اس کا نفاذ اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ علامہ کاسانی نے شرائط جواز نکاح کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"منها أن يكون العاقد بالغا فإن نكاح الصبي العاقل وإن كان منعقدا على أصل أصحابنا فهو غير نافذ بل نفاذه يتوقف على إجازة وليّه" (بدائع ۲/ ۲۳۳)۔

۲-نکاح کرنے والا آزاد ہو، لہذا عاقل، بالغ غلام کا نکاح اس کے مولی کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"أيما عبد تزوج بغير إذن مولاه فهو عاهر" (حوالہ بالا)۔

۳-نکاح کرنے والا عاقل ہو، لہذا مجنون اور پاگل کا نکاح ولی کے بغیر درست نہیں ہوگا۔

۴-نکاح کے باب میں وہ ولایت کا اہل ہو، لہذا جو شخص ولایت فی النکاح کا اہل نہیں ہوگا، اسے بذات خود نکاح کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ بدائع میں ہے:

"ومنها الولاية في النكاح فلا ينعقد النكاح من لا ولاية له" (حوالہ بالا)۔

علامہ ابن رشد مالکی نے تحریر کیا ہے کہ جو لوگ آزاد اور بالغ ہیں ان کا نکاح صرف ان کی رضامندی اور اجازت سے درست ہو جائے گا، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ بدایۃ المجتہد میں ہے:

"أما الرجال البالغون الأحرار المالكون لأمر أنفسهم ، فإنهم اتفقوا

علی اشتراط رضاھم و قبولھم فی صحۃ النکاح" (بدایۃ المجتہد ۲/ ۴)۔

اولیاء کے ذریعہ نکاح:

۱- نابالغ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کا اختیار ولی کو دیا گیا ہے، اگر ان کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا جائے تو اس کا نفاذ ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

۲- اسی طرح غلام اور باندی کا نکاح ولی ہی کے ذریعہ درست قرار پائے گا۔

۳- بالغ مجنون اور معتوہ لڑکے اور لڑکی کا نکاح ولی کے بغیر درست نہیں قرار پائے گا۔

علامہ کاسانیؒ نے تحریر فرمایا ہے:

"فشرط ثبوتھا علی أصل أصحابنا کون المولی علیہ صغیرا أو صغیرۃ أو مجنونا کبیرا أو مجنونۃ کبیرۃ سواء کانت الصغیرۃ بکرا أو ثیبا فلا تثبت ھذہ الولایۃ علی البالغ العاقل ولا علی العاقلۃ البالغۃ" (بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۱)۔

ہمارے اصحاب کی اصل کے مطابق ثبوت ولایت کی شرط یہ ہے کہ مولی علیہ (زیر ولایت) نابالغ لڑکا یا لڑکی ہو یا بالغ مجنون لڑکا یا لڑکی ہو، چاہے نابالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ، لہذا یہ ولایت عاقل بالغ لڑکے اور عاقلہ بالغہ لڑکی پر ثابت نہیں ہوگی۔

لڑکے اور لڑکی کی ولایت میں فرق:

(الف) لڑکے پر ولی کو نابالغی کی حالت میں ولایت حاصل رہتی ہے، بلوغ کے بعد یہ ولایت ختم ہوجاتی ہے، لڑکے کے بلوغ کی علامت اور پہچان انزال ہے، انزال کی صورت میں لڑکے کو بالغ قرار دیا جائے گا، بلوغ کی یہ ظاہری علامت ہے۔ اگر اس علامت کا ظہور نہ ہوتو پندرہ سال کی عمر میں لڑکے کو بالغ قرار دیا جائے گا، اور اس پر بلوغ کے احکام جاری ہوں گے۔ لڑکے کے حق میں بلوغ کی کم سے کم مدت بارہ سال ہے یعنی بارہ سال کی مدت میں لڑکا بالغ ہوسکتا ہے اس سے کم مدت میں نہیں۔ لڑکی پر بھی ولی کو نابالغی کی حالت میں ولایت حاصل ہوتی

ہے،لڑکی اس وقت بالغ قرار دی جائے گی جب علامات بلوغ (مثلاً احتلام،حیض اور حمل ظاہر ہو) پائی جائیں،اگر لڑکی میں کوئی علامت بلوغت نہ پائی جائے تو اصح اور مفتی بہ قول کے مطابق اسے بھی پندرہ سال کی عمر میں بالغہ قرار دیا جائے گا،اور اس پر بلوغت کے احکام جاری ہوں گے۔لڑکی کی بلوغت کی کم سے کم مدت قول مختار کے مطابق نو سال ہے (درمختار ۵/۹۷،فتاویٰ ہندیہ ۵/۶۱)۔

عاقلہ بالغہ لڑکی کا کیا ہوا نکاح:

(ب) عاقلہ اور بالغہ عورت بذات خود ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟اس سلسلہ میں فقہاء کے حسب ذیل اقوال ہیں:

عاقلہ بالغہ لڑکی ولی کی مرضی اور اجازت کے بغیر اپنا نکاح نہیں کرسکتی ہے،اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ اپنے طور پر کسی مرد سے نکاح کرلے،اس لئے کہ صحت عقد کے لئے ولایت شرط ہے،اس قول کی بنیاد پر عاقد ولی ہوگا،عورت عاقد نہیں ہوسکتی ہے،فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب،حسن بصری،قاضی شریح،ابراہیم نخعی،عمر بن عبدالعزیز اور ائمہ مجتہدین میں سے سفیان ثوری،امام اوزاعی،عبد اللہ بن مبارک،شافعی،ابن شبرمہ،احمد،اسحاق ابن حزم اندلسی،ابن ابی لیلی،طبری اور امام ابوثور کا مسلک یہی ہے (فقہ السنۃ ۲/۱۲۷)۔

امام ترمذی نے اصحاب نبی ﷺ میں سے عمر بن الخطابؓ،علی بن ابی طالبؓ،عبد اللہ بن عباسؓ،ابوہریرہؓ،ابن عمرؓ،ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے(حوالہ بالا)۔

ان حضرات نے حسب ذیل آیات قرآنی اور احادیث رسول اللہ ﷺ سے استدلال کیا ہے:

۱۔قرآن میں اولیاء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا:"وأنكحوا الأيامىٰ منكم والصالحين من عبادكم وامائكم" (سورہ نور ۳۲)۔

۲۔سورہ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے:"ولا تنكحوا المشركين حتى

یؤمنوا'' (سورۂ بقرہ / ۲۲۲)۔

ان دونوں آیات میں نکاح کے سلسلہ میں مردوں کو مخاطب کیا گیا، عورتوں کو نہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو اپنے طور پر نکاح کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ مختلف احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا ہے، چنانچہ ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: '' لا نكاح إلا بولي '' (رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن حبان)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له'' (رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی)۔

مذکورہ بالا دونوں احادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی کا بھی نکاح ولی کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہوگا۔ اس سلسلہ میں دوسرا قول امام مالک کا یہ ہے کہ اگر عورت معاشرہ میں عزت و شرافت کی مالک، حسن و جمال کی پیکر یا مال و دولت والی ہو کہ مرد اس جیسی عورتوں سے نکاح کی رغبت رکھتا ہو تو اس کا نکاح ولی کے بغیر درست اور صحیح نہیں ہوگا۔ اور اگر عورت ان صفات کی حامل نہ ہو تو پھر جائز ہوگا کہ کوئی اجنبی آدمی اس کا نکاح اس کی مرضی سے کر دے، اس صورت میں بھی اسے اپنے نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوگا (مواہب الجلیل للحطاب ۴۳۰/۳، جواہر الاکلیل ۲۷۸/۱)۔

عاقلہ بالغہ لڑکی کے نکاح کے سلسلہ میں فقہاء حنفیہ کے مختلف اقوال ہیں، ظاہر الروایہ کے مطابق امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ آزاد عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی سے منعقد ہو جائے گا چاہے ولی نے اس کا عقد نہیں کیا ہو، اور لڑکی چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ، امام ابو یوسف سے دوسرا قول یہ منقول ہے کہ ولی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوگا اور امام محمد کی رائے یہ ہے کہ اس کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ ہدایہ میں ہے:

"وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم يعقد عليها ولي بكراً كانت أو ثيباً عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله في ظاهر الرواية: وعن أبي يوسف رحمه الله لا ينعقد إلا بولي وعند محمد ينعقد موقوفا" (ہدایہ مع الفتح ۳/ ۲۵۹)۔

صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام نے امام ابو یوسف سے حسب ذیل تین روایات نقل کی ہیں:

الف: ولی کی موجودگی میں نکاح مطلقاً جائز نہیں ہوگا۔

ب: دوسرا قول یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنا نکاح کفو میں کیا ہو تو نکاح درست قرار پائے گا، اور غیر کفو میں کرنے کی صورت میں نکاح جائز نہیں ہوگا۔

ج: تیسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً نکاح جائز ہوگا، چاہے وہ کفو میں نکاح کرے یا غیر کفو میں۔ امام محمد سے دو قول منقول ہیں: پہلے قول کے مطابق نکاح ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر ولی اجازت دیدے تو نکاح نافذ ہوگا، اور اگر رد کر دے تو نکاح رد ہو جائے گا، اور ان کا دوسرا قول ظاہر الروایہ کے مطابق ہے۔ ان روایات اور اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمدؒ اس بات پر متفق ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر بھی نکاح صحیح ہوگا، چاہے کفو میں نکاح ہو یا غیر کفو میں (فتح القدیر علی ہامش الہدایہ ۳/ ۲۵۹، بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۷)۔

مذکورہ بالا تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ فقہ حنفی کی رو سے آزاد عاقلہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر کفو میں کرے یا غیر کفو میں، مہر مثل پر کرے یا اس سے کم پر، اور چاہے وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، ہر صورت میں ظاہر الروایہ کے مطابق اس کا نکاح درست قرار پائے گا، البتہ غیر کفو کی صورت میں اس کے اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا۔

(ج) عاقلہ بالغہ لڑکی کے کئے ہوئے نکاح پر ولی کی اجازت یا رد کا اثر:

ظاہر الروایہ کے مطابق امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک عاقلہ بالغہ لڑکی کا

نکاح ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر بھی درست قرار پاتا ہے، چاہے اس نے کفو میں کیا ہو یا غیر کفو میں، البتہ غیر کفو میں نکاح کی صورت میں ولی کو حق اعتراض حاصل ہوگا۔ اور اس صورت میں ولی قاضی کی عدالت میں معاملہ پیش کر کے فسخ نکاح کی کوشش کر سکتا ہے، لہٰذا اس صورت میں بالغہ لڑکی کے نکاح پر ولی کی اجازت یا اس کے رد کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوگا، یعنی اس کے رد کرنے سے عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح رد نہیں ہوگا (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۸۷)۔

راقم الحروف کے نزدیک ظاہر الروایہ پر ہی فتوی دینا بہتر اور مناسب ہے۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی کے خود سے نکاح کرنے کی مختلف صورتوں اور ان کے احکام کی تفصیل کے لئے دیکھئے: درمختار (۲/ ۲۹۶-۲۹۷) ہدایہ مع الفتح (۲۵۸/) بدائع الصنائع (۲/ ۲۴۷)۔

۴- نابالغ کے نکاح کا حکم اور خیار بلوغ:

نابالغہ لڑکی کے نکاح کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ پہلی صورت میں جبکہ زیر ولایت نابالغہ لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے کیا تو یہ نکاح شرعاً نافذ اور لازم قرار پائے گا، اور بلوغ کے بعد بھی لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا، وہ اپنا نکاح فسخ نہیں کرا سکتی ہے۔ ان دونوں کا کیا ہوا نکاح اسی طرح لازم ہوگا جس طرح بالغ ہونے کی حالت میں خود اس کا کیا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ دادا دونوں رائے اور عقل کے اعتبار سے پختہ اور کامل ہوتے ہیں، ان دونوں کی شفقت بھی کامل اور پوری ہوتی ہے، اس لئے ان کے نکاح کو رد نہیں کیا جا سکتا ہے، اِلا یہ کہ یہ دونوں معروف بسوء الاختیار رہوں۔ ہدایہ میں ہے:

"فإن زوجهما الأب والجد يعني الصغير والصغيرة فلا خيار لهما بعد بلوغهما لأنهما كاملا الرأى، وافرا الشفقة، فيلزم العقد بمباشرتهما كما إذا باشراه برضاهما بعد البلوغ" (ہدایہ مع الفتح ۳/ ۲۷۷، فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۸۵، درمختار ۲/ ۳۰۴)۔

البتہ اگر ولی مجبر یعنی باپ یا دادا معروف بسوء الاختیار رہوں، اور یہ ثابت ہو جائے کہ

زیر ولایت نابالغہ لڑکی کے نکاح میں ان دونوں نے اپنی بیوقوفی یا طمع و لالچ کی وجہ سے اپنے اختیار اور ولایت کا غلط استعمال کیا تو پھر ان کا کیا ہوا نکاح درست نہیں ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامی نے تحریر فرمایا ہے:

''حتی لو عرف من الأب سوء الاختیار لسفهه أولطمعه لا یجوز عقده إجماعا'' (ردالمحتار ۲/۳۰۴)۔

۲۔ دوسری صورت میں جبکہ نابالغہ لڑکی کا نکاح باپ، دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے کردیا اور لڑکی اس نکاح سے راضی اور مطمئن نہیں ہے تو ایسی صورت میں لڑکی کو بالغ ہونے پر خیار بلوغ حاصل ہوگا، اگر وہ چاہے تو اس نکاح کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو رد کردے، مگر خیار بلوغ کی صورت میں فسخ نکاح کے لئے قضاء قاضی شرط ہے، قضاء قاضی کے بغیر نکاح فسخ نہیں ہوگا۔

ہدایہ میں ہے: اور اگر نابالغ لڑکے اور نابالغہ لڑکی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے کیا تو ایسی صورت میں ان دونوں میں سے ہر ایک کو خیار بلوغ حاصل ہوگا، اگر وہ چاہیں تو نکاح کو قائم رکھیں اور اگر چاہیں تو نکاح فسخ کردیں، امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا یہی مسلک ہے (ہدایہ مع الفتح ۳/۲۷۸، نیز فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۸۵)۔

۵- خیار بلوغ:

اگر نابالغہ لڑکی کا نکاح باپ یا دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے کردیا تو اسے خیار بلوغ حاصل ہوگا، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ اگر لڑکی باکرہ ہو تو اس کا خیار بلوغ محض سکوت سے باطل ہوجائے گا، اور مجلس کے آخری حصہ تک خیار ممتد نہیں ہوگا، مثلاً لڑکی جس وقت بالغہ ہوئی اس وقت اس نے اپنے نکاح کو رد نہیں کیا تو اس کا خیار باطل ہوجائے گا۔

۲۔ اور اگر وہ لڑکی حقیقت میں ثیبہ ہو یا شوہر نے اس کے ساتھ شب زفاف منائی ہو پھر

وہ بالغہ ہوئی تو اس کا خیار بلوغ محض سکوت اور مجلس سے اٹھنے کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا بلکہ صراحتاً نکاح پر رضامندی ظاہر کرے یا اس کی طرف سے ایسا فعل پایا جائے جو رضا پر دلالت کرے جیسے اپنے نفس پر قابو دینا، نفقہ طلب کرنا وغیرہ، تو اس کا خیار باطل ہوگا (فتاوی ہندیہ ۱/۲۸۶)۔

قریب تر ولی کی موجودگی میں دور کے ولی کا کیا ہوا نکاح:

قریب تر ولی موجود ہو اور نسبۃً دور کے ولی کے ذریعہ نابالغ لڑکی کا نکاح کیا گیا تو اس کی حسب ذیل صورتیں ہوں گی:

۱۔ ولی اقرب موجود تھا اور اس کی موجودگی میں ولی ابعد نے نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا حالانکہ ولی اقرب کے اندر اہلیت ولایت بھی پائی جاتی ہے، تو ایسی صورت میں اس کا کیا ہوا نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر ولی اقرب اجازت دے دے تو نکاح نافذ ہو جائے گا اور اجازت نہ دے تو رد ہو جائے گا اور اگر اس کے اندر اہلیت نہ ہو تو پھر ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح درست قرار پائے گا۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

”وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضراً وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته، وإن لم يكن من أهل الولاية بأن كان صغيراً أو كبيراً كافرا أو مجنوناً جاز“ (فتاوی تاتارخانیہ)۔

۲۔ ولی اقرب موجود نہ ہو مگر وہ اتنے کم فاصلہ پر رہتا ہو کہ آسانی کے ساتھ بوقت ضرورت اس کی رائے معلوم کی جاسکتی ہو، اور نکاح کے سلسلہ میں اس سے مشورہ لیا جاسکتا ہو، تو ایسی صورت میں بھی ولی ابعد کا نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ولی اقرب غائب ہو اور اس کی غیبوبت منقطعہ ہو تو ایسی صورت میں ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح درست قرار پائے گا۔ اب رہا یہ سوال کہ ”غیبوبت منقطعہ“ کسے کہا جائے گا تو اس کی تعیین اور حد میں فقہاء حنفیہ کے مختلف اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ اگر ولی ایسی جگہ رہتا ہو کہ وہاں عموماً سال میں صرف ایک بار قافلے پہنچتے ہوں تو اسے منقطعہ کہا جائے گا۔

ایک قول کے مطابق ایک سال کی مسافت، اور ایک قول کے مطابق ایک ماہ کی مسافت منقطعہ کہلائے گی مگر اس سلسلہ میں صحیح قول یہ ہے کہ ولی اقرب ایسے مقام پر رہتا ہو کہ اگر اس کی آمد، اور اس کی رائے کا انتظار کیا جائے تو کفو والا رشتہ فوت ہو جائے گا تو اسے منقطعہ کہا جائے گا، اور ولی ابعد کو نکاح کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہوگا، اور اگر اس کی آمد اور رائے کے انتظار کی صورت میں کفو کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اسے منقطعہ نہیں کہا جائے گا (فتاویٰ تاتارخانیہ)۔

بدائع میں ہے:

پھر ولی اقرب کو ابعد پر اس وقت تقدم حاصل ہوگا جبکہ وہ موجود ہو یا غیبوبت غیر منقطعہ کے ساتھ غائب ہو، لہٰذا اگر وہ غیبوبت منقطعہ کے ساتھ غائب ہو تو ہمارے ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمدؒ) کے قول کے مطابق ولی ابعد کو نکاح کرنے کا حق حاصل ہوگا (بدائع ۲/۲۵۰) البتہ امام زفر ولی اقرب کی عدم موجودگی میں بھی ابعد کی ولایت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، اور اقرب کی ولایت کو برقرار رکھتے ہیں، اگر ولی اقرب نے اپنی جگہ نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دیا تو اس کی ولایت کے قائم اور باقی ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک اس کا کیا ہوا نکاح درست قرار پائے گا (ہدایہ مع الفتح ۳/۲۸۸-۲۸۹)۔

۶- معروف بسوء الاختیار ولی کا کیا ہوا نکاح:

بلوغ سے قبل تک لڑکے اور لڑکی کی عقل کامل اور رائے پختہ اور صائب نہیں ہوتی ہے، اس لئے اسلام نے ان دونوں کے مصالح اور مفادات کے تحفظ کے پیش نظر خود نابالغ لڑکے اور لڑکی کو اپنے نفس پر ولایت نکاح اور تصرف کا اختیار نہ دے کر ان کے ولی کو ہدایت کی کہ وہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کے مستقبل اور ان کے مفادات و مصالح کو سامنے رکھ کر مناسب رشتہ کر دے، پھر اولیاء میں بھی قرابت و تعلق کے اعتبار سے شفقت و محبت میں کمی وبیشی ہوتی ہے، اس لئے باپ

اور دادا، جو قرابت اور شفقت کے اعتبار سے دیگر اولیاء سے فائق اور برتر ہوتے ہیں، ان کو ولایت اجبار دی گئی، اور ان کے نکاح کو جائز و نافذ تسلیم کیا گیا، اور ان کے علاوہ دوسرے اولیاء میں اس درجہ کی قرابت اور شفقت ومحبت نہیں پائی جاتی ہے، اس لئے ان کو ولایت اجبار کا حق نہیں دیا گیا، اور ان کی طرف سے کوتاہی کے امکان کے پیش نظر لڑکے اور لڑکی کو خیار بلوغ دیا گیا جس کی تفصیل گذر چکی ہے (ردالمحتار ۲/۳۰۴-۳۰۵)۔

۷-اولیاء اور ان کی ترتیب:

نکاح کے سلسلے میں سب سے پہلے اولیاء عصبہ کو ولایت حاصل ہوگی، اور میراث کی ترتیب کے مطابق ولی اقرب کو ولی ابعد پر تقدم حاصل ہوگا، نابالغہ لڑکی اور نابالغ لڑکے کے حق میں قریب تر ولی اس کا باپ ہے، اور نکاح کے باب میں اولیاء کی وہی ترتیب ہے جو میراث کی تقسیم میں عصبات میں ہے۔ اگر عصبات میں سے کوئی ولی موجود نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظاہر الروایہ کے مطابق نابالغہ لڑکی کے نکاح کی ولایت ذوی الارحام کو حاصل ہوگی۔ امام محمد ذوی الارحام کی ولایت کے قائل نہیں ہیں۔ امام ابو یوسف کے اقوال اس سلسلہ میں مضطرب ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ذوی الارحام میں سب سے قریب تر ولی ماں ہوگی۔ ہدایہ میں ہے:

"والترتيب في العصبات في ولاية النكاح كالترتيب في الإرث، والأبعد محجوب بالأقرب" (ہدایہ مع الفتح ۳/۲۷۷)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نکاح کے باب میں سب سے پہلے ولی عصبہ کو ولایت حاصل ہوگی، اور عصبہ اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم قرار پائے گا، اسے ولایت حاصل نہیں ہوگی، اگر عصبات میں سے کوئی بھی ولی قریب کا یا دور کا موجود نہ ہو تو حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک ذوی الارحام کو ولایت نکاح حاصل ہوگی، اور ان میں بھی الأقرب فالأقرب کا قاعدہ جاری ہوگا، ان کی عدم موجودگی میں سلطان وقت کو ولایت حاصل ہوگی، پھر اس کے بعد قاضی کو ولایت نکاح حاصل ہوگی، بشرطیکہ اس کے مشورہ میں اس کی وضاحت کردی گئی ہو۔ علامہ کاسانی نے تحریر کیا ہے:

"وأما شرط التقدم فشيئان: أحدهما العصوبة عند أبي حنيفة، فتقدم العصبة على ذوي الرحم سواء كانت العصبة أقرب أو أبعد" (بدائع ۲/۲۴۹)۔

۸- یکساں درجہ کے اولیاء کی موجودگی میں سب کی اجازت ضروری نہیں:

اگر کسی نابالغہ لڑکی کے یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں تو ایسی صورت میں ان میں جو ولی بھی نکاح کردے گا نکاح جائز قرار پائے گا، سبھوں کی اجازت اور رضامندی ضروری نہیں ہوگی اور اگر ایک سے زائد ہونے کی صورت میں یکے بعد دیگرے دونوں ولی نے لڑکی کا نکاح کردیا تو ایسی صورت میں جس ولی نے پہلے نکاح کیا ہوگا اس کا کیا ہوا نکاح درست قرار پائے گا اور اگر ایک ہی وقت میں دونوں ولی نے لڑکی کا نکاح دو مختلف اشخاص سے کردیا تو ایسی صورت میں دونوں کا کیا ہوا نکاح باطل قرار پائے گا (دیکھئے: فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۸۴، فتاویٰ تاتارخانیہ ۳/)۔

☆☆☆

ولایت علی النفس کے احکام ومسائل

مولانا محمد جمال الدین قاسمی ☆

۱–ولایت کا مفہوم:

عربی زبان میں یہ لفظ بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے، اگر اس لفظ کی پوری وسعت کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ نصرت، سرپرستی، حمایت، نگہبانی اور قرابت کے مفہومات پر حاوی ہے، فقہاء چونکہ عام طور پر لغوی معنی سے کم بحث کرتے ہیں، اس لئے انہوں نے ولایت کے ان تمام معانی کا احاطہ نہیں کیا جو اہل لغت کے یہاں مشہور ومعروف ہیں، چنانچہ یہ سارے معانی فقہ کی متداول کتابوں میں یکجا موجود نہیں ہیں، علامہ احمد طحطاوی اس کے لغوی معنی پر ہلکی سی روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

”**أما معناها لغة فالسلطة و النصرة، قال سیبویه الولایة بالفتح المصدر وبالکسر الاسم**“ (حاشیہ طحطاوی ۲/۲۶)۔

سیبویہ کا کہنا ہے کہ وَلایت مصدر ہے اور وِلایت اسم مصدر ہے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

”**(قوله الولایة الخ) معناها اللغوي المحبة و النصرة کما في المغرب**“ (شامی ۲/۳۲۱)۔

(مغرب میں ہے کہ ولایت کے لغوی معنی نصرت ومحبت کے ہیں)۔

قرآن پاک میں بھی ”ولایت“ کا استعمال بہت سی جگہوں پر ہوا ہے، مثلاً ارشاد باری ہے:

☆ مفتی دار العلوم، شیورام پلی، حیدرآباد۔

''والذین آمنوا ولم یهاجروا مالکم من ولایتهم من شئ حتی یهاجروا''

(الانفال:۷۲)۔

مگر فقہاء کی اصطلاح میں ولایت کہتے ہیں: ''کسی معاہدے کو عملی جامہ پہنانے پر قادر ہونے کو''۔چنانچہ شیخ ابوزہرہ رقم طراز ہیں:

''الولایة هي القدرة علی إنشاء العقد نافذا'' (الاحوال الشخصیہ/۱۰۷)(کسی معاہدے کو عملی جامہ پہنانے پر قادر ہونے کو ولایت کہتے ہیں)۔

ولایت کے اقسام:

اولاً ولایت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ولایت قاصرہ، ۲۔ولایت متعدیہ۔

ولایت قاصرہ میں عاقد ایسے معاملہ کو انجام دینے پر قادر ہوتا ہے جن کا تعلق خود اس کی ذات سے ہوتا ہے، جب کہ ولایت متعدیہ میں اس عاقد کو شریعت ایسے معاملات کو انجام دینے پر قدرت دیتی ہے جس کا تعلق اس کے علاوہ کسی دوسرے انسان سے ہو، پھر اس ولایت متعدیہ کی بھی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ولایت علی المال، ۲۔ولایت علی النفس۔

ولایت علی المال کا مطلب یہ ہے کہ انسان دوسرے کے مال میں شریعت کی طرف سے مامور ہونے کی بنا پر تصرف کرے، جیسا کہ باپ اپنے زیر ولایت بچہ و بچی کے مال میں تصرف کرتا ہے، اور ولایت علی النفس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی انسان دوسرے کا ازدواجی رشتہ طے کرنے پر قادر ہو(الاحوال الشخصیہ/۱۰۷)۔

فقہاء نے ولایت علی النفس کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔ولایت اجبار۔

۲۔ولایت ندب یا ولایت اختیار یا ولایت شرکت۔

ولایت اجبار کا مطلب یہ ہے کہ زیر ولایت شخص پر اپنے قول کو لازم کردیا جائے خواہ وہ خوش ہو یا ناخوش ہو، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

"والولاية في الفقه تنفيذ القول على الغير شاء أو أبى" (البحر الرائق ۳/۱۰۹)۔

فقہ میں ولایت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے غیر پر کسی بات کو لازم کردینا خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند۔

ولایت اجبار کا دوسرا نام ولایت استبداد ہے۔

اور ولایت ندب کا مطلب یہ ہے کہ جن اشخاص پر اولیاء اپنی بات کو جبراً لازم نہیں کرسکتے ان کا اپنے نکاح میں اولیاء کی خدمت حاصل کرنا اور ان کے ذریعہ نکاح کے معاملات کو طے کرانا تاکہ از خود نکاح کے معاملہ میں دخل دینے کی وجہ سے ان کی حیثیت عرفی پر بدنما داغ نہ لگے (شامی ۲/۳۲۱)۔

یہ تو احناف کے نزدیک ہے، لیکن جمہور فقہاء کے یہاں چونکہ مکلفہ لڑکی از خود اپنا نکاح نہیں کرسکتی، بلکہ شوہر کے انتخاب اور ایجاب کے واسطے ولی کا موجود ہونا ضروری ہے، اس لئے وہ حضرات اس کا نام ولایت اشتراک اور ولایت اختیار رکھتے ہیں۔

ولایت علی النفس کے تین شرائط ہیں:

۱۔ ولی کا بالغ ہونا، ۲۔ اس کا عاقل ہونا، ۳۔ اس میں وارث بننے کی صلاحیت کا ہونا۔

مگر تیسری شرط پر خیر الدین رملی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ولایت علی النفس تو امام کو بھی حاصل ہوتی ہے، مگر وہ وارث نہیں ہوتا، لہٰذا اس قید کی ضرورت نہیں ہے (منحۃ الخالق علی ہامش البحر ۳/۱۰۹)۔

بعض حضرات نے اگرچہ اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے (حاشیہ طحطاوی ۲/۲۶) لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس قید کا اضافہ بے محل ہے (حوالہ سابق)، ہونا یہ چاہئے تھا کہ ولی کے لئے صرف دو شرطیں قرار دی جائیں: ایک عاقل ہونا، دوسرے اس کا بالغ ہونا، پھر یہ کہ زیر ولایت شخص اگر مسلمان ہو تو ولی کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وارث کا مقصود اسلام کی قید سے حاصل

ہو جائے۔

حاصل یہ کہ ولایت علی النفس کے لئے احناف کے یہاں تین شرطیں ہیں: ولی کا عاقل ہونا، اس کا بالغ ہونا اور اگر زیر ولایت شخص مسلمان ہو تو اس کا مسلمان ہونا۔ اور فقہاء نے آزاد ہونے کی بھی قید لگائی ہے (المجموع ۱۷/۳۱۷)، مگر آج کل چونکہ غلامی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اس لئے اس شرط کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

۲- اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ جو بچہ عاقل و بالغ نہ ہو، اس کے نکاح کا ذمہ دار ولی ہے، اس کا خود سے کیا ہوا نکاح منعقد و لازم نہ ہوگا (فتاوی تاتارخانیہ ۳/ ۱۵)، اور عاقل و بالغ مرد اپنا نکاح خود کرنے کا اہل و مجاز ہے، اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی حکم لڑکی کا بھی ہے، اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل) کے یہاں عورتوں کی عبارت سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے، ولی کی تعبیر ضروری ہے، اس میں صغیرہ، کبیرہ، باکرہ، ثیبہ، عاقلہ، اور مجنونہ سب برابر ہیں (دیکھئے: المجموع ۱۷/ ۳۰۴)۔

علامہ ابن رشد تحریر فرماتے ہیں:

''اختلف العلماء هل الولاية شرط من شروط صحة النكاح أم ليست بشرط فذهب مالك إلى أنه لايكون نكاح إلا بولي وإنها شرط في الصحة'' (بدایۃ المجتہد ۲/ ۷)۔

علامہ ابن قدامہ رقم طراز ہیں:

''لاتملك المرأة تزويج نفسها ولا غيرها ولا توكيل غير وليّها في تزويجها فإن فعلت لم يصح النكاح'' (المغنی ۷/ ۳۳۷)۔

(عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی، نہ کسی دوسری عورت کا کر سکتی ہے اور نہ اپنی شادی میں غیر ولی کو وکیل بنا سکتی ہے کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں نکاح ہی صحیح نہ ہوگا)۔

اس کے برخلاف احناف سے اس مسئلہ میں سات روایتیں منقول ہیں، امام ابوحنیفہ سے دو روایتیں ہیں:

۱- عبارت نساء سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے بشرطیکہ عورت عاقلہ بالغہ ہو (ہدایہ ۲/ ۳۱۳)، البتہ ولی کا ہونا مندوب ومستحب ہے (بدائع ۲/ ۲۴۷)، یہی ظاہر الروایہ ہے۔

۲- دوسری روایت حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ اگر عورت نے نکاح کفو میں کیا تو درست ہے اور غیر کفو میں کیا ہے تو درست نہیں ہے (تبیین ۲/ ۲۴۷)۔

امام ابویوسفؒ سے اس مسئلہ میں تین روایتیں منقول ہیں:

ان کی پہلی روایت جمہور کے مطابق ہے یعنی بلاولی نکاح جائز ہی نہیں ہوسکتا، پھر انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت کی طرف رجوع کرلیا یعنی غیر کفو میں عورت نے نکاح کیا ہو تو جائز نہیں ہے، آخر میں انہوں نے امام صاحب کی پہلی روایت کی طرف رجوع کرلیا یعنی کفو میں کیا ہو یا غیر کفو میں کیا ہو بہرصورت جائز ہے۔

امام محمد کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں:

پہلی روایت یہ ہے کہ جو نکاح ولی کے بغیر ہوا ہے وہ ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا خواہ نکاح کفو میں ہو یا غیر کفو میں، البتہ اگر کفو میں ولی اجازت نہ دے تو قاضی کو چاہئے کہ تجدید عقد کردے اور ولی کی بات کی طرف توجہ نہ دے۔

ان کی دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی پہلی روایت کی طرف رجوع کرلیا۔ حاصل یہ کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اس پر اتفاق ہے کہ عبارت مکلفہ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے خواہ کفو میں ہو یا غیر کفو میں (فتح القدیر ۲/ ۳۹۱، مبسوط سرخسی ۵/ ۱۰)۔

جمہور نے اپنے مسلک پر آیات وحدیث سے استدلال کیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

۱- "وأنكحوا الأيامىٰ منكم" (سورہ نور/ ۳۲)۔ (تم اپنے میں سے غیر شادی شدہ عورتوں کا نکاح کردو)۔

اس آیت میں اولیاء کو خطاب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو خود اپنے نکاح کا حق حاصل نہیں ہے، یہ ذمہ داری اولیاء کی ہے، اسی لئے ان کو خطاب کیا گیا ہے (قرطبی ۱۲/ ۲۳۹)۔

۲-''ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا'' (سورہ بقرہ/ ۲۳۱) (اور نکاح نہ کردو مشرکین سے جب تک وہ ایمان نہ لے آویں)۔

اس آیت سے بھی علامہ قرطبی نے جمہور کے مسلک پر استدلال کیا ہے کہ اس میں خطاب اولیاء کو ہے نہ کہ عورتوں کو۔

۳-''فانکحوھنّ بإذن أھلھنّ'' (سورہ نساء/ ۲۵) (سو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے)۔

اس آیت سے بھی جمہور کے مسلک پر استدلال کیا گیا ہے کہ اس میں خطاب مردوں کو ہے۔

ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے:

۴- ''قال رسول اللہ ﷺ: لا تزوج المرأۃ المرأۃ ولا تزوج المرأۃ نفسھا فإن الزانیۃ ھي التي تزوج نفسھا'' (ابن ماجہ: ۱۳۵، باب لا نکاح إلا بولي)۔

(آپ ﷺ نے ارشا فرمایا کہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ خود اپنا نکاح کرے کیونکہ زانیہ اپنا نکاح خود کرتی ہے)۔

۵-''عن أبي موسیٰ أن رسول اللہ ﷺ قال لا نکاح إلا بولي' (ترمذی/ ۱/ ۲۰۸)۔

(حضرت ابو موسیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی نکاح ولی کے بغیر نہیں ہوسکتا)۔

۶- ''عن عائشۃ أن رسول اللہ ﷺ قال أیما امرأۃ نکحت بغیر إذن ولیھا فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل'' (ترمذی/ ۱/ ۲۰۸)۔

(حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت ولی کی

اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے)۔

جمہور کے دلائل پر ایک نظر:

۱-جمہور کا پہلی آیت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ایامی اَیم کی جمع ہے، اور ایم ''من لا زوج له'' کو کہا جاتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت جیسا کہ خود علامہ قرطبی نے بھی اس کی وضاحت کی ہے، اس کی روشنی میں آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مرد وعورت دونوں کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ بلاواسطہ ولی نکاح کا اقدام نہ کریں، رہی یہ بات کہ اگر کوئی بلاواسطہ ولی نکاح کرے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس سے یہ آیت ساکت ہے، پھر جب ایامی کے مصداق میں بالغ مرد وعورت دونوں داخل ہیں اور بالغ لڑکوں کا نکاح بلاواسطہ ولی بالاتفاق درست ہوجاتا ہے اور کوئی اسے باطل نہیں کہتا تو اسی طرح ظاہر یہی ہے کہ بالغ لڑکی اگر اپنا نکاح کفو میں کرلے تو وہ بھی درست ہوجائے گا، البتہ خلاف سنت ہوگا۔ چنانچہ مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں:

اگر کوئی بالغ لڑکی اپنا نکاح بغیر اجازت ولی کے اپنے کفو میں کرے تو نکاح صحیح ہوجائے گا، اگرچہ خلاف سنت کرنے کی وجہ سے وہ موجب ملامت ہوگی جب کہ اس نے مجبوری سے اس پر اقدام نہ کیا ہو (معارف القرآن ۶/۴۰۹)۔

۲-دوسری آیت کا جواب بھی یہی ہے کہ نکاح کا مسنون ومستحب طریقہ حنفیہ کے نزدیک بھی یہی ہے کہ اولیاء نکاح کرائیں، اسی مستحب طریقہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے خطاب اولیاء کو ہے، آیت میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے کہ عاقلہ، بالغہ اپنا نکاح خود کرلے تو اس کا نکاح منعقد نہ ہوگا۔

۳-تیسری آیت کا جواب یہ ہے کہ نکاح کی نسبت عورت کی طرف دوسری آیات سے ثابت ہے (جس کا تذکرہ حنفیہ کے دلائل کے تحت آرہا ہے) اس کے علاوہ مذکورہ آیات سے تو ائمہ ثلاثہ کا مذہب ثابت بھی نہیں ہوتا، حنفیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: احکام القرآن شفیعی ۲/۲۳۹)۔

۴-اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک راوی جمیل ابن حسین العتکی ہیں جو متکلم فیہ ہیں، اور اگر ان کے ثقہ ہونے کے قول کو بھی اختیار کیا جائے تب بھی یہ روایت نکاح بلابینہ اور نکاح فی غیر الکفو پر محمول ہو سکتی ہے (مرقات ۶/ ۲۰۹)۔

۵ و ۶-یہ دونوں حدیثیں سنداً ضعیف ہیں، حضرت ابوموسیٰ کی حدیث اضطراب کی بنا پر ضعیف ہے، چنانچہ خود امام ترمذی فرماتے ہیں:

وحديث أبي موسىٰ فيه اختلاف (ترمذی ۱/ ۲۰۸)۔

اور ملاعلی قاری فرماتے ہیں:

"**فإنه ضعيف مضطرب في أسناده وفي وصله وانقطاعه وارساله**" (مرقات ۶/ ۲۵۷)۔

اور حضرت عائشہؓ کی روایت بھی اسی بنا پر ضعیف ہے کہ وہ ابن جریج عن سلیمان بن موسیٰ عن الزہری کے طریق سے مروی ہے، اور خود ابن جریج فرماتے ہیں:

"**ثم لقيت الزهري فسألته فانكره**" (ترمذی ۲/ ۲۵۸)۔

اور اگر ان دونوں حدیثوں کو سنداً صحیح مان لیا جائے تو یہ دونوں اس صورت پر محمول ہیں جبکہ عورت نے ولی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لیا ہو یا پھر "**لانكاح إلا بولي**" میں نفی سے نفی کمال مراد ہے، اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں "**فنكاحها باطل**" کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نکاح فائدہ مند نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن میں بھی باطل بمعنی بے فائدہ آیا ہے، فرمان باری ہے:

"**ربنا ما خلقت هذا باطلا**" (سورہ آل عمران/ ۱۹۱)۔

نیز "**فنكاحها باطل**" کا ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ایسا نکاح ناپائدار ہوتا ہے یعنی عدم کفاءت اور مہر مثل سے کمی کی صورت میں ولی کے مطالبہ پر نکاح کو فسخ کیا جاسکتا ہے اور باطل ناپائدار کے معنی میں آیا ہے جیسا کہ لبید کے ایک شعر میں ہے:

"**ألا كل شيء ما خلا الله باطل أي فانٍ**" (سن لو اللہ کے علاوہ ہر چیز فانی

اور نا پائدار ہے)۔

اس کے علاوہ اس روایت میں **"نکحت نفسها بغیر إذن ولیها"** کے الفاظ آئے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر عورت اجازت لے لے تو اس کی عبارت سے نکاح منعقد ہو جائے گا، لہٰذا ان وجوہ کی روشنی میں جمہور کے دلائل محل نظر ہیں (بدایۃ المجتہد ۸/۲)۔

حنفیہ کے دلائل:

جمہور کے دلائل کے مقابلہ میں حنفیہ کے پاس دلائل کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، اختصار کے پیش نظر ان میں سے چند پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

۱- **"فإن طلّقها فلا تحلّ له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره"** (سورہ بقرہ/۲۳۰)۔

(پھر اگر اس عورت کو طلاق دی یعنی تیسری بار تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نہ نکاح کرے کسی خاوند سے اس کے سوا)۔

اس آیت میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے، جو اشارۃ النص کے طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح عبارت نساء سے منعقد ہو جاتا ہے۔

۲- **"وإذا طلّقتم النساء فبلغن أجلهنّ فلا تعضلوهنّ أن ینکحن أزواجهنّ"** (سورہ بقرہ/۲۳۲)۔

(اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دی، پھر وہ اپنی عدت کو پوری کر چکیں تو اب ان کو اپنے شوہروں سے نکاح کر لینے سے نہ روکو)۔

اس آیت میں بھی نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے جس سے اشارۃ النص کے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عبارت نساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، نیز اس میں اولیاء کو منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو اپنے سابقہ شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکیں، معلوم ہوا کہ اولیاء کو مکلفہ عورت کے معاملہ میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔

۳-''فإذا بلغن أجلهنّ فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهنّ بالمعروف''(سورۂ بقرۃ/۲۳۴)۔

(پھر جب پورا کرچکیں اپنی عدت کوتوتم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدے کے موافق)۔

یہ آیت بھی یہ بتاتی ہے کہ عدت گذرنے کے بعد عورتیں نکاح کے معاملے میں مکمل مختار ہیں، اور ''فعلن في أنفسهنّ'' کے الفاظ صراحۃً بتارہے ہیں کہ نکاح عورت کا فعل ہے اور اس کی عبارت سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔

۴- ''عن ابن عباس أن النبي ﷺ قال: الأيم أحقّ بنفسها من وليّها والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها'' (مسلم/۱/۴۵۵)۔

(ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ایم'' اپنی ذات کے معاملہ میں ولی سے زیادہ حقدار ہے، اور باکرہ لڑکی سے اجازت لی جائے اور اس کی اجازت خاموشی اختیار کرنا ہے)۔

''ایم'' کے معنی بے شوہر عورت کے ہے، اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ بے شوہر عورت اپنے نکاح کی ولی سے زیادہ حقدار ہے۔

طحاوی میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے:

''قالت: دخل عليّ رسول الله ﷺ بعد وفاة أبي سلمة فخطبني إلى نفسي: فقلت يا رسول الله! إنه ليس أحد من أوليائي شاهدا فقال: إنه ليس منهم شاهد ولا غائب يكره ذلک، قالت قم يا عمر فزوج النبي ﷺ فتزوجها'' (طحاوی/۲/۸)۔

(حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ابوسلمہؓ کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور مجھے اپنے لئے پیغام نکاح دیا، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے اولیاء

میں سے کوئی موجود نہیں ہیں۔اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اولیاء میں سے کوئی خواہ غائب ہو یا حاضر اس رشتہ کو ناپسند نہ کرے گا، ام سلمہؓ نے اپنے بیٹے عمر سے کہا کہ نبی کریم ﷺ سے میرا نکاح کر دو، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے نکاح کرلیا)۔

یہ نکاح بغیر ولی کے ہوا، کیونکہ حضرت عمر بن ابی سلمہؓ اس وقت نابالغ تھے، چنانچہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں:

"وهو يومئذ طفل صغير غير بالغ" (طحاوی ۸/۲)۔

اس لئے ان کا نکاح کرانا شرعاً معتبر نہیں، کیونکہ ولایت علی النفس کی شرائط کے ضمن میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ولی کا عاقل وبالغ ہونا ضروری ہے، کوئی بچہ کسی کا ولی نہیں ہوسکتا، لہذا عمر بن ابی سلمہؓ کو نکاح کے لئے کہنا محض مزاحاً تھا۔ اور اس حدیث کی یہ تاویل کرنا کہ یہ نکاح حضور ﷺ کی ولایت عامہ کے تحت ہوا تھا، معتبر نہیں، کیونکہ ولایت عامہ کو اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جب کہ نسبی اولیاء زندہ نہ ہوں اور واقعہ میں ام سلمہؓ کے نسبی اولیاء موجود تھے، لہذا یہ تاویل بعید معلوم ہوتی ہے۔

۶- امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت نقل کی ہے:

"إن امرأة عرضت نفسها على النبي ﷺ، فقال له رجل: يا رسول الله زوجنيها فقال النبي ﷺ: أملكناكها بما معک من القرآن" (بخاری ۷۶۷/۲)۔

(ایک عورت نے اپنے آپ کو آپ ﷺ پر پیش کیا (آپ ﷺ نے سکوت فرمایا) تو ایک صحابیؓ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ میرا اس سے نکاح کر دیجئے (اس صحابی کے پاس قرآن پاک یاد ہونے کے علاوہ کچھ نہیں تھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حفظ قرآن کے سبب میں نے تمہارا اس عورت سے نکاح کر دیا)۔

اس واقعہ میں بھی عورت کا کوئی ولی موجود نہ تھا، جس سے معلوم ہوا کہ ولی کے بغیر

عبارت نساء سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے، ماقبل میں ذکر کردہ دلائل کی روشنی میں معلوم ہوا کہ عبارت نساء سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور اسی کے قائل احناف ہیں، اس کے علاوہ دیگر عقلی ونقلی دلائل مبسوط سرخسی، بدائع، فتح القدیر اور زیلعی میں مذکور ہیں۔

(الف) یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ جو لڑکا عاقل وبالغ ہو اس پر کسی کو ولایت حاصل نہیں ہے اور جو لڑکا عقل وبلوغ کی حد کو نہ پہونچا ہو اس پر ولایت باقی ہے (شرح مہذب ۱۷/۵۴ ۳)، احناف کے یہاں یہی حکم لڑکی کا بھی ہے (ہدایہ ۲/۳۱۴) جبکہ جمہور اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں (حوالہ سابق)، حاصل یہ کہ احناف کے یہاں ولایت کے بارے میں لڑکی اور لڑکے میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن جمہور نے لڑکی اور لڑکے کے درمیان یہ فرق کیا ہے کہ عورت کی عبارت سے تو نکاح منعقد نہیں ہوسکتا، جیسا کہ اس پر تفصیل سے اوپر گفتگو ہوچکی ہے، البتہ لڑکے کی عبارت سے نکاح منعقد ہوجائے گا بشرطیکہ وہ عاقل وبالغ ہو، نیز انہوں نے فرمایا کہ لڑکا عاقل بالغ ہوتے ہی اپنے نفس کا مالک ہوجاتا ہے کسی دوسرے کی اس پر ولایت باقی نہیں رہتی ہے، لیکن لڑکی کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ ان کے حق میں ولایت کے ختم ہونے کا مدار ثیوبت پر ہے، یعنی ان حضرات کے نزدیک ولی کو باکرہ پر ولایت اجبار حاصل ہے خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، بالغہ اور ثیبہ پر ولایت اجبار حاصل نہیں خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

اس کے برعکس ہمارے نزدیک ولایت اجبار کا مدار صغر پر ہے، لہذا صغیرہ پر ولایت اجبار ہے اور کبیرہ پر ولایت اجبار نہیں ہے، خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، گویا صغیرہ باکرہ پر بالاتفاق ولایت اجبار ہے اور کبیرہ ثیبہ پر بالاتفاق ولایت اجبار نہیں، اور کبیرہ باکرہ پر جمہور کے نزدیک ولایت اجبار ہے ہمارے نزدیک نہیں، اور صغیرہ ثیبہ پر ہمارے یہاں ولایت اجبار ہے اور جمہور کے یہاں نہیں ہے، حاصل یہ کہ چار صورتوں میں سے دو صورتیں اتفاقی ہیں اور دو صورتیں اختلافی ہیں (بدائع ۲/۲۴۱)۔

(ب) جمہور کے یہاں وہ خود سے نکاح نہیں کرسکتی، ولی کی وساطت ضروری ہے،

اور اگر باکرہ ہے تو ولی جبر بھی کرسکتا ہے، لیکن حنفیہ کے یہاں عاقلہ بالغہ لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ خود اپنے نفس کی مالک ہے، جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے (ہدایہ ۲/ ۳۱۴)، کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ بالغ ہوجانے پر لڑکی کو اپنے مال میں تصرف کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے اور اس کے باپ اور کسی دیگر ولی کو اس کے مال پر ولایت باقی نہیں رہتی، اسی طرح اس کو نکاح کے معاملہ میں بھی تصرف کا اختیار رہے، اور اس پر کسی کو ولایت نہیں رہتی، نیز اگر نکاح کے سلسلہ میں عورت اور ولی کے حقوق کا جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ ولی کا حق عورت پر نہیں ہے، بلکہ خود عورت کا حق ولی پر ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ ولی کو اپنی پسند کے کفو سے نکاح کرنے پر مجبور کرسکتی ہے لیکن اگر ولی اپنی پسند کے مرد سے اس کا نکاح کرنا چاہے تو وہ انکار کرسکتی ہے اور اس معاملے میں اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا، اور ولی کے حق کی بنیاد دراصل کفاءت پر ہے، چنانچہ عورت اگر غیر کفو سے یا مہر مثل سے کم پر نکاح کرے تو ولی کو حق حاصل ہوگا کہ نکاح کے لزوم سے انکار کردے تاکہ ولی کو عورت کے غیر کفو سے نکاح کرلینے کے سبب شرم وعار کا سامنا نہ کرنا پڑے (شامی ۲/ ۳۲۲)، لیکن جب عورت کفو سے اور مہر مثل سے نکاح کرے تو ولی کا مقصد پورا ہے اور شرم وعار کا سوال پیدا نہیں ہوتا، اور جب لزوم نکاح کا مانع (غیر کفو، مہر مثل میں کمی) زائل ہوگیا تو نکاح کو لازم ہونا ہی چاہئے۔

مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

اتنی بات تو باتفاق ائمہ فقہاء ثابت ہے کہ نکاح کا مسنون اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ خود اپنا نکاح کرنے کے لئے کوئی مرد یا عورت بلاواسطہ اقدام کے بجائے اپنے اولیاء کے واسطے سے یہ کام انجام دے، اس میں دین ودنیا کے بہت سے مصالح وفوائد ہیں، خصوصاً لڑکیوں کے معاملے میں کہ لڑکیاں اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کریں، یہ ایک قسم کی بے حیائی بھی ہے اور اس میں فواحش کا راستہ کھل جانے کا اندیشہ بھی، اسی لیے بعض روایات حدیث میں عورتوں کو خود اپنا نکاح بلاواسطہ ولی کرنے سے روکا بھی گیا ہے، امام اعظم ابوحنیفہ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک یہ حکم ایک خاص سنت اور شرعی ہدایت کی حیثیت میں ہے، اگر کوئی بالغ لڑکی اپنا نکاح بغیر اجازت ولی کے اپنے

کفو میں کرے تو نکاح صحیح ہوجائے گا، مگر خلاف سنت کرنے کی وجہ سے وہ موجب ملامت ہوگی، جب کہ اس نے کسی مجبوری سے اس پر اقدام نہ کیا ہو (معارف القرآن ۶/۴۰۹)۔

(ج) عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت ومرضی کے بغیر بھی ظاہر الروایہ میں نافذ ہے (تاتارخانیہ ۳/۳۱) اور اگر نکاح کفو ومہر مثل پر کیا ہے تو ولی کو اعتراض کا حق بھی نہیں ہے، نکاح لازم بھی ہوجائے گا (شامی ۲/ ۳۲۲) اور ایسی صورت میں ولی راضی نہ ہو تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا، ہاں اگر ولی علم کے بعد اجازت دے دے تو اس کا اثر صرف ''رفع اثم'' میں ظاہر ہوگا، یعنی اجازت ولی کے بغیر جب اس نے نکاح کرلیا تھا تو امام محمدؒ کے نزدیک گناہ کی مرتکب ہوئی تھی، (تاتارخانیہ ۳/۲۱، معارف القرآن ۶/۴۰۹) لیکن ولی کی رضامندی حاصل ہوجانے کے بعد اب وہ گنہگار نہیں رہے گی۔

۳- جب عاقلہ بالغہ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر ازخود نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح ہوجاتا ہے (ہدایہ ۲/ ۳۱۴)۔

البتہ دو صورتیں ایسی ہیں جن میں اولیاء کو اعتراض کا حق ہوتا ہے اور اگر وہ چاہیں تو قاضی سے رجوع کرکے اس نکاح کو فسخ کرادیں، اور وہ دو صورتیں یہ ہیں:

۱- عاقلہ بالغہ لڑکی نے غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا ہو (درمختار علی ہامش الشامی ۲/ ۳۲۲)۔

۲- مہر مثل سے کم پر ان کو راضی کئے بغیر رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوگئی ہو (شامی ۲/ ۳۲۲)۔

ان مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ کسی اور صورت میں ولی کو حق اعتراض حاصل نہیں ہے اور نہ بذریعہ قاضی عاقلہ بالغہ کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کراسکتا ہے (تاتارخانیہ ۳/۳۱-۳۲)۔

۴- ایسی بالغہ لڑکی جس کا نکاح نابالغی ہی میں اس کے اولیاء نے کردیا تھا، اب بلوغ کے بعد وہ مطمئن نہیں ہے، اور نکاح فسخ کرانا چاہتی ہے تو ہمارے فقہاء احناف نے ایسی لڑکی کو درج ذیل تفصیل کے مطابق اختیار دیا ہے:

۱-باپ دادا فاسق متہتک، ماجن اور معروف بسوء الاختیار (ان کی تفصیلات سوال نمبر (۶) کے ضمن میں آرہی ہیں) نہ ہوں اور نکاح مہر مثل پر کفو میں کیا ہو۔

۲-باپ دادا فاسق متہتک، ماجن اور معروف بسوء الاختیار تو ہوں لیکن نکاح مہر مثل پر کفو میں کیا ہو تو ان دونوں صورتوں میں یہ نکاح بالاتفاق نافذ ہوگا، بلوغ کے بعد بھی اسے خیار فسخ حاصل نہ ہوگا (شامی ۲/ ۳۳۰)، صاحبین کے یہاں اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ دادا نے چونکہ لڑکی کے مصالح اور اس کے مفادات (مہر مثل اور کفو) کی رعایت کی ہے اور ان کو ولایت بھی اسی غرض کے لئے حاصل ہوئی تھی، اس لئے یہ نکاح نافذ ولازم ہوگا، بلوغ کے بعد خیار فسخ حاصل نہ ہوگا، مگر یہ دلیل کمزور معلوم ہوتی ہے کیونکہ نکاح میں صرف یہی دو امور (مہر مثل اور کفو) مقصود نہیں ہوتے، بلکہ میاں بیوی کے درمیان ہم آہنگی، مزاجوں کی یکسانیت اور ان کے سماجی ومعاشی سطح میں قربت ومناسبت بھی بطور خاص مصالح میں داخل ہیں، جن کی رعایت کئے بغیر عموماً یہ رشتہ ناکام رہتا ہے، زندگی اجیرن بن جاتی ہے اور بالآخر یہ مبارک رشتہ درمیان سے ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے صرف ان دو امور (مہر مثل اور کفو) کا لحاظ کرنا اور مصالح کی فہرست سے بقیہ کو خارج کردینا مناسب معلوم نہیں ہوتا، اور امام صاحب کی طرف سے یہ وجہ بیان کرنا کہ وافر الشفقہ ہونے کی وجہ سے اس بات کا بہت امکان ہے کہ انہوں نے ان مخفی مصالح کی بھی رعایت کی ہو (ہدایہ ۲/ ۳۱۷)، لیکن یہ دلیل بھی مخدوش ہے، جیسا کہ آئندہ آرہا ہے۔

۳-باپ دادا فاسق متہتک، ماجن اور معروف بسوء الاختیار ہوں اور انہوں نے مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو میں نکاح کرایا ہو تو بالاتفاق یہ نکاح صحیح تو ہو جائے گا لیکن اسے خیار بلوغ حاصل ہوگا (درمختار علی ہامش الشامی ۲/ ۳۳۰)، اگر وہ یہ رشتہ قائم نہیں رکھنا چاہتی ہے تو سوال نمبر (۵) کے ضمن میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق عدالت سے رجوع ہو کر نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔

۴-باپ دادا فاسق متہتک، ماجن اور معروف بسوء الاختیار نہ ہوں لیکن انہوں نے مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو میں نکاح کردیا تو یہ نکاح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نافذ ولازم ہوگا، بلوغ

کے بعد لڑکی کو خیار فسخ حاصل نہ ہوگا (درمختار علی ہامش الشامی ۲/ ۳۳۰) اور صاحبین کے نزدیک نکاح تو صحیح ہے لیکن بلوغ کے بعد لڑکی کو خیار فسخ حاصل ہوگا (شامی ۲/ ۳۳۰)۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ باپ دادا نے چونکہ مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو میں نکاح کردیا ہے جو مصالح کے خلاف ہے اس لئے لڑکی کو دونوں صورتوں میں خیار فسخ ملے گا مگر جیسا کہ ماقبل میں امام ابوحنیفہؒ کے نظریہ پر دو طرح سے استدلال کیا گیا ہے، ایک دلیل کی بنیاد حدیث پر ہے، چنانچہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ:

۱- حضرت عائشہؓ کا نکاح صغر سنی میں ہوا، اگر باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ ہوتا تو آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کو مطلع فرمادیتے کہ تم کو تمہارے باپ کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے آیت تخییر "**فتعالین أمتعكنّ وأسرحكنّ سراحاً جميلاً**" (سورہ احزاب: ۲۸) کے موقع پر حضرت عائشہؓ کو اطلاع دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں تمہارے سامنے ایک چیز پیش کرتا ہوں تم اس بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا جب تک کہ تم اپنے باپ سے مشورہ نہ کرلو، یہ کہنے کے بعد حضورؐ نے مذکورہ آیت تخییر حضرت عائشہؓ کے سامنے پڑھی (مبسوط ۴/ ۲۱۳)۔

چونکہ آپ ﷺ نے رخصتی کے بعد ایسا نہ کیا تو یہ امر قاعدہ شرعی بن گیا کہ اگر باپ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کردے تو اس کو بالغ ہونے پر خیار بلوغ حاصل نہیں ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓ کو خیار بلوغ سے مطلع نہیں فرمایا (مبسوط ۴/ ۲۱۲)۔

۲- اور ان کی دوسری دلیل بر بنائے استحسان یہ ہے کہ باپ کی شفقت ومحبت اپنی اولاد کے لئے کامل ہے اور وہ اولاد سے کہیں زیادہ اس کے مصالح اور مفادات کا پاسبان اور نگہدار رہتا ہے، نیز باپ اولاد کے مصالح اور مفادات کو اپنے تجربہ اور مشاہدات کی بنا پر خود اولاد سے زیادہ جانتا ہے اس لئے وافر الشفقہ اور کامل الرائی ہونے کے سبب استحسان سے کام لیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ باپ نے اولاد کی جملہ مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے نکاح کیا ہے، اس لئے ان کا کیا ہوا نکاح بہر حال قابل پابندی اور واجب التعمیل ہونا چاہئے اور اسے خیار بلوغ کے ذریعہ فسخ

کرنے کا حق نہ ہونا چاہئے، اور دادا کا حکم بھی شفقت اور ولایت کاملہ میں باپ جیسا ہے، لیکن مذکورہ عوارض (فاسق متہتک، ماجن اور معروف بسوء الاختیار) کی وجہ سے مصالح کی رعایت نہ کرنا ظاہر ہے، اس لئے ان عوارض کی موجودگی میں اگر انہوں نے غیر کفو اور مہر مثل سے کم پر نکاح کر دیا ہے تو بلوغ کے بعد لڑکی کو خیار فسخ حاصل ہوگا۔

دلائل کا جائزہ:

۱۔حضرت عائشہؓ کے نکاح سے یہ استدلال کرنا کہ زیر ولایت لڑکی کا باپ یا دادا نے جو نکاح کیا ہے وہ لازم ونافذ ہوگا، اس میں خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا، کمزور ہے، کیونکہ خیار بلوغ ایک اختیاری فعل ہے۔اس بات کا کہیں ثبوت نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ خیار بلوغ کا حق استعمال کرنا چاہتی تھیں لیکن چونکہ نکاح ان کے والد کا کیا ہوا تھا اس لئے اس حق کا استعمال نہیں کر سکتی تھیں، نیز حضور ﷺ کا حضرت عائشہؓ کو خیار بلوغ کی اطلاع نہ دینے کو آیت تخییر پر قیاس کرنا اور یہ کہنا کہ نابالغہ کو والد و دادا کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے، یہ بھی ضعیف ہے، کیونکہ آیت تخییر کا نزول اس حادثہ کے سبب ہوا تھا کہ ازواج مطہرات تنگی محسوس کر رہی تھیں اور نفقہ میں زیادتی کا مطالبہ تھا، اس کے تدارک کے لئے ایک حکم شرعی کی ضرورت تھی، لہذا یہ آیت نازل ہوئی، اگر یہ حادثہ پیش نہ آتا تو اس آیت کی ضرورت بھی نہ ہوتی، صغرسنی میں حضرت عائشہؓ کا نکاح اور اس کے بعد ان کی رخصتی کوئی حادثہ نہ تھا اور نہ حادثہ کہلائے جانے کے قابل کوئی معاملہ تھا، یہ معاملہ اس وقت حادثہ کہلاتا جب حضرت عائشہؓ رخصت ہونے سے انکار فرما دیتیں کہ مجھے یہ نکاح پسند نہیں ہے اور میں شوہر کے یہاں جانا نہیں چاہتی، اس وقت یہ واقعہ حادثہ کہلانے کا مستحق ہوتا اور اس کے لئے نزول حکم کی ضرورت بھی ہوتی، اور اس وقت حضور ﷺ بذریعہ وحی جلی یا خفی حضرت عائشہؓ کو مطلع فرماتے کہ یہ نکاح تمہارے والد کا کیا ہوا ہے اور والد کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ نہیں ہے، لیکن یہاں صورتحال اس سے مختلف ہے، تو پھر کیوں کر استدلال صحیح ہو سکتا ہے۔

۲-اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ باپ دادا کے کئے ہوئے نکاحوں کو کمال شفقت کی بنا پر نا قابل فسخ قرار دیا گیا ہے، اور فاسق متہتک وغیرہ ہونے کی صورت میں چونکہ شفقت کی کمی ہے اس لئے وہ نکاح قابل فسخ قرار دیا گیا ہے، مگر یہ دلیل بھی دو وجوہ سے ناقص ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد کسی حکم شرعی پر نہیں ہے، محض تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر یہ حکم ہے، لہذا اس میں تخلف کا امکان بہر حال باقی ہے۔ دوسرے یہ کہ جس طرح باپ اور دادا اپنی نابالغہ کے حق میں وافر الشفقہ ہیں اسی طرح وہ ایک بالغہ کے حق میں بھی وافر الشفقہ ہیں، لہذا اگر باپ یا دادا خود بالغہ لڑکی کا نکاح کر دیں تو ایسے نکاح کو غیر لازم اور غیر نافذ کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ اور اس کی رضامندی کو ضروری کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جوں جوں لڑکی کی عمر بڑھتی جاتی ہے اور وہ جوانی کی منزلوں میں قدم رکھتی ہے تو باپ اپنی لڑکی کے لئے زیادہ محتاط اور فکر مند ہو جاتا ہے اور لڑکی کے لئے اس کی محبت وشفقت میں اضافہ ہو جاتا ہے، جس کا تقاضا ہے کہ بالغہ کا نکاح بھی اگر باپ دادا اس کی رضامندی کے بغیر کر دے تو اسے لازم ہونا چاہئے تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، تو پھر نابالغہ کے بارے میں ہی ایسا حکم کیوں لگایا جاتا ہے۔

بحث کا تجزیہ:

حق بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے پیش کی جانے والی یہ دلیل کہ باپ اور دادا (جو شفقت ومحبت میں باپ ہی کی طرح ہے) کی شفقت نابالغہ کے لئے زیادہ ہوتی ہے اور اس پر ان کی ولایت مکمل ہوتی ہے اس لئے نابالغہ کو خیار بلوغ نہیں۔ یہ ایسا حکم ہے جس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے اور نہ کوئی حدیث یا آثار صحابہ موجود ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کی حیثیت محض قیاسی اور عقلی ہے جس کی بنیاد فطرت انسانی اور تجربات زمانہ پر ہے۔ ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم خیال فقہاء کے تجربے کی روشنی میں یہی بات ہو کہ باپ اپنی نابالغ اولاد کی مصلحت کے خلاف کام نہ کرتا ہو، لیکن اگر کسی زمانے یا ملک میں پیش آمدہ حالات اس کے برخلاف ہوں اور لوگ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرنے لگیں تو پھر اس کا نتیجہ اس تجربے سے

یقیناً مختلف ہوگا، خود فقہاء سے یہ امکانی صورتحال مخفی نہ تھی چنانچہ انہوں نے باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کے لازم ہونے کے لئے چند شرطیں لگائی ہیں کہ باپ دادا مالی معاملات میں غیر امین نہ ہوں، فاسق اور لا پرواہ نہ ہوں جسے فقہاء کی اصطلاح میں معروف بسوء الاختیار، فاسق متہتک اور ماجن سے تعبیر کیا جاتا ہے (شامی ۲/ ۳۳۰)۔ اور اس کی تفصیل سوال نمبر (٦) کے ضمن میں آرہی ہے۔

گذشتہ مباحث کا حاصل یہ ہے کہ باپ دادا اور دوسرے اولیاء کے نکاح میں فرق نہ کرنا چاہئے، خیار بلوغ دونوں کے نکاح میں مطلقاً حاصل ہونا چاہئے، کیونکہ جو حضرات اس میں فرق کے قائل ہیں ان کے پاس نص نہیں ہے صرف زمانے کے حالات ہیں، واللہ اعلم۔

۵- ۱- اگر لڑکی باکرہ ہے تو اسے خیار بلوغ، بلوغ کے فوراً بعد استعمال کرنا ضروری ہوگا، تاخیر نہیں کرسکتی، چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ:

الف: اگر بلوغ کے بعد کچھ دیر خاموش رہی تو یہ اختیار ساقط ہوجائے گا (عالمگیری ۱/ ۲۸۶)۔

ب: خیار بلوغ کا علم نہ ہونا بھی عذر میں شمار نہ ہوگا، لہذا اس صورت میں بھی خاموشی اختیار کو ساقط کردے گا (عالمگیری ۱/ ۲۸۶)۔

مگر آج کل جب کہ جہالت عام ہے، شریعت کی بنیادی باتوں سے بھی لوگ غافل ہیں، لہذا اس کو عذر میں شمار کرنا چاہئے، اور علم کے بعد خیار بلوغ کا استعمال معتبر قرار دینا چاہئے۔

ج: اگر بالغ ہوتے ہی حق شفعہ اور خیار بلوغ دونوں کا علم ہو تو اس طرح کہے کہ میں دونوں کو اختیار کرتی ہوں، پھر خیار بلوغ کا حق پہلے استعمال کرے (طحطاوی ۲/ ۳۷)۔

د: اگر شوہر کو بلوغ کے بعد جماع پر قدرت دے دے تو اس سے بھی خیار بلوغ ساقط ہوجائے گا (بحر ۳/ ۱۲۳)، البتہ اگر بلوغ سے قبل جماع کرلیا ہو خواہ اس کی رضامندی سے ہی کیوں نہ ہو تو اس سے خیار بلوغ ساقط نہ ہوگا کیوں کہ ابھی اسے خیار بلوغ کا حق حاصل ہی نہیں

ہوا ہے (شامی ۲/ ۳۳۷)۔

۲-اگر لڑکی ثیبہ ہو خواہ اس کا دوسرا نکاح ہو یا خود شوہر نے نابالغی کے زمانے میں اس سے جماع کرلیا ہو تو خیار بلوغ کا استعمال کرنا اس کے حق میں فوراً ضروری نہیں ہے، نیز صرف سکوت اس کے حق میں مبطل خیار نہ ہوگا، بلکہ زبان سے صراحت کرنا ضروری ہوگا (عالمگیری ۱/ ۲۸۶)۔

الف: اگر جماع بغیر رضامندی کے کیا گیا ہو تو عورت کے خیار بلوغ پر کوئی اثر نہ پڑے گا (شامی ۲/ ۳۳۷)۔

ب: جماع رضامندی کی صورت میں ہو تو خیار بلوغ ساقط ہو جائے گا (عالمگیری ۱/ ۲۸۶)۔

ج: نفقہ کا مطالبہ کرنے سے بھی خیار بلوغ ساقط ہو جائے گا (حوالہ سابق)۔

۳-قریب تر ولی کی زندگی اور اس کی موجودگی میں جب کہ وہ خود نکاح کرا سکتا ہو یا اپنی رائے دے سکتا ہو، بعید تر ولی کو حق ولایت حاصل نہیں ہوتا ہے، اگر ولی اقرب کی موجودگی میں صغیر یا صغیرہ کا نکاح ولی ابعد کردے تو ولی ابعد کا یہ کیا ہوا نکاح ''نکاح فضولی'' کے حکم میں ہوگا، یعنی یہ نکاح باطل تو نہ ہوگا البتہ ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر وہ اجازت دیدے تو نافذ ہوگا، ورنہ باطل ہو جائے گا (تاتارخانیہ ۳/ ۲۳)۔ اور اگر قریب تر ولی زندہ تو ہو لیکن غیبت منقطعہ پر ہو تو بعید تر ولی زیر ولایت صغیر وصغیرہ کا نکاح کردینے کا مجاز ہوگا (حوالہ سابق)، کیونکہ ولی اقرب کے غیبت منقطعہ پر ہونے کی صورت میں اگر چہ اس کی ولایت ختم یا منقطع نہیں ہوئی لیکن حق ولایت کے استعمال کرنے سے قاصر ہونے کی وجہ سے معطل ضرور ہوگئی، اس لئے ولی ابعد کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ زیر ولایت صغیر وصغیرہ کا نکاح کردے۔

اب یہاں یہ سوال رہ جاتا ہے کہ کون سی غیبت غیبت منقطعہ کہلائے گی، تو اس سلسلے میں فقہاء کی رائیں بہت مختلف ہیں (بحر ۳/ ۱۲۶)۔ لیکن ان میں سب سے بہتر یہ ہے کہ ایسے غائب کی غیبت منقطعہ سمجھی جائے گی جس کے پاس سے خبر آنے تک جس کفو سے نکاح ہو رہا ہے وہ انتظار نہ کر سکے (مبسوط ۴/ ۲۲۲)۔ اسی طرح اگر ولی اقرب شہر ہی میں چھپا ہوا ہو اور مولیٰ علیہ کی

مصلحت کا تقاضہ ہو کہ نکاح کر دیا جائے تو ولی ابعد کو یہ حق حاصل ہو جائے گا (بحر ۳/۱۲۶)، اور اگر ولی اقرب موجود ہو لیکن کسی سبب شرعی کے بغیر مطالبہ کے باوجود نکاح کرانے سے انکار کرے تو ولی ابعد کو ولایت تزویج حاصل ہو گی (حوالہ سابق)۔

۶- پہلے ہم معروف بسوء الاختیار، ماجن اور فاسق متہتک کا مفہوم متعین کریں گے پھر اصل مسئلہ کا ذکر کریں گے، سید احمد طحطاویؒ معروف بسوء الاختیار کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جو لالچ یا ناعاقبت اندیشی کے سبب زیر ولایت شخص کے مفاد اور اس کے مصالح کی ٹھیک طور پر رعایت نہ کر سکے، چنانچہ وہ باپ دادا کے معروف بسوء الاختیار کے مفہوم کی تعیین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الظاهر أن المراد أنهما لا يحسنان التصرف إما لطمع أو سفه أو غير ذلک" (طحطاوی ۲/۳۴)۔

اور فاسق متہتک کی تشریح علامہ ابن عابدین نے قاموس کے حوالے سے یہ بیان کی ہے کہ جو فسق میں مبتلا ہونے کے ساتھ بے باک اور بے غیرت ہو، فسق میں اتنا ڈھیٹ ہو چکا ہو کہ اپنی عزت کا اسے بالکل خیال نہ ہو، چنانچہ فرماتے ہیں:

"في القاموس: رجل منهتک ومتهتک ومستهتک لا يبالي أن يهتک ستره" (شامی ۲/۳۲۱)۔

اور انہوں نے مغرب کے حوالہ سے ماجن کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ جو اپنی عزت کی طرف سے غافل ہو، اور اتنا بے حیا ہو کہ لوگوں کے کچھ کہنے سننے کا بھی اس پر اثر نہ ہوتا ہو، چنانچہ رقم طراز ہیں:

"في المغرب: الماجن الذي لا يبالي ما يصنع وما قيل له" (منحۃ الخالق علی البحر ۳/۱۳۵)۔

ان تینوں میں سے دو الفاظ یعنی ماجن اور فاسق متہتک ایسے ہیں جن میں "عُرف" یا

''اشتہر'' کی قید بالاتفاق نہیں ہے، ان دونوں وصف میں ولی کو شہرت ہونے یا نہ ہونے سے حکم پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، صرف ان دونوں اوصاف کا تحقق کافی ہے۔ اسی طرح صحیح بات یہ ہے کہ سوء اختیار میں بھی ولی کا مشہور و معروف ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ یہ تزویج کے ساتھ خاص ہے، بلکہ اس میں بھی صرف تحقق کافی ہے (احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۱۲ تا ۱۱۸، جواہر الفقہ ۲/ ۱۱۶ تا ۱۲۰، ۴/ ۱۵۳ تا ۱۵۶، حیلۂ ناجزہ/ ۹۸)۔

حاصل یہ کہ اگر باپ دادا فسق میں مبتلا ہوں، بے باک و بے غیرت ہوں، ان کی ناعاقبت اندیشی بالکل عیاں ہو اور مال و زر کے اتنے خوگر ہوں کہ زیر ولایت لڑکی کے مصالح اور اس کے مفادات کی رعایت نہ کرنا بالکل واضح ہو چکا ہو تو ان حضرات کے کئے ہوئے نکاح کو عقل و بلوغ کے بعد لڑکی فسخ کرا سکتی ہے اور ان کا کیا ہوا نکاح لازم نہ ہوگا۔

۷- احناف اس بات پر متفق ہیں کہ عصبہ بنفسہ کو ولایت علی النفس حاصل ہے (درمختار علی ہامش الشامی ۲/ ۳۳۷)، اور عصبہ بنفسہ کی ترتیب وہی ہے جو باب میراث میں معتبر ہے (حوالہ سابق)، اسی کے قائل صاحب کنز ہیں (کنز علی ہامش البحر ۳/ ۱۱۸)۔

یعنی سب سے پہلے فروع، پھر اصول، پھر فروع، اب، پھر فروع جد کو ولایت حاصل ہوگی، اور یہی مفتیٰ بہ ہے، چنانچہ فتاویٰ خیریہ میں ہے:

''قال في النهر هذا الترتيب يعني ترتيب الكنز هو المفتىٰ به كما في الخلاصة'' (فتاویٰ خیریہ علی ہامش الحامدیہ ۱/ ۳۲)۔

البتہ چند جگہوں پر جزوی اختلاف پایا جاتا ہے۔

مجنونہ و معتوہہ کا لڑکا اور اس کا باپ دونوں موجود ہوں تو حق ولایت کس کو ملے گا، شیخین نے فرمایا لڑکا اور اس کے فروع کو ملے گا، جب کہ امام محمدؒ کا کہنا ہے کہ باپ کو ملے گا (بحر ۳/ ۱۱۹)۔

ذیل میں شیخین کے مسلک کے مطابق اولیاء کی تفصیل ذکر کی جارہی ہے:

۱- بیٹا، پھر پوتا، پھر پرپوتا نیچے تک (جب کہ مولیٰ علیہ مجنون یا مجنونہ ہو یا معتوہ یا معتوہہ ہو)۔

۲- اس کے بعد باپ، پھر دادا، پھر پردادا اوپر تک۔
۳- پھر حقیقی بھائی، پھر علاتی بھائی، پھر حقیقی بھائی کے لڑکے، پھر علاتی بھائی کے لڑکے، اسی طرح نیچے کی پیڑھی تک۔
۴- حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھر حقیقی چچا کے لڑکے، پھر علاتی چچا کے لڑکے، اسی طرح نیچے کی پیڑھی تک۔
۵- باپ کے حقیقی چچا، پھر ان کے علاتی چچا، پھر اسی ترتیب سے ان کے لڑکے نیچے کی پیڑھی تک۔
۶- دادا کے حقیقی چچا، پھر ان کے علاتی چچا، پھر اسی ترتیب سے ان کے لڑکے نیچے کی پیڑھی تک۔
۷- مولی عتاقہ خواہ مذکر ہو یا موئنث، پھر ان کے عصبات، جو شخص اپنے غلام یا باندی کو آزاد کردے اسے مولی عتاقہ کہتے ہیں (کتاب المیراث ۱۲۹) اس کا ذکر چونکہ فقہی کتابوں میں ہے اس لئے بیان کردیا گیا ہے ورنہ آج کل اس کا وجود نہیں ہے۔
۸- ماں۔
۹- دادی، یہاں ترتیب میں دادی کو ماں کے بعد ذکر کیا گیا ہے، لیکن قنیہ میں دادی کا ذکر ماں سے پہلے ہے اور یہ اس نظریہ پر مبنی ہے کہ دادی باپ کے خاندان سے ہے اس لئے مقدم ہوگی، لیکن یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ اس ولایت کی بنیاد شفقت پر ہے اور شفقت مولی علیہ پر ماں کی بہ نسبت دادی کے زیادہ ہے، اس لئے اسے حق تقدم حاصل ہونا چاہئے (شامی ۳۳۹/۲)۔
۱۰- نانی، دادی و نانی میں سے مقدم کون ہوں گی تو شرنبلالی نے اپنے ایک رسالہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ علامہ قاسم نے شرح نقایہ میں اُم کے بعد مطلق جدہ کا ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نانی مراد ہے، لہذا نانی کو دادی پر حق تقدم حاصل ہوگا، لیکن اوپر قنیہ کی ذکر کردہ تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ دادی کو نانی پر حق تقدم حاصل ہے، اور بعض

نے دونوں کو یکساں ولی قرار دیا ہے کیونکہ یہاں کوئی مرجح نہیں پایا جا رہا ہے، مگر علامہ ابن عابدین نے دادی کو نانی پر مقدم کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے، اس لئے اس کے پیش نظر ترتیب میں پہلے دادی پھر نانی کا ذکر کیا ہے (شامی ۳۳۹/۲)۔

۱۱- نانا، صاحب کنز کے بیان سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نانا چونکہ ذوی الارحام میں ہے اس لئے وہ بہن سے موخر ہے، اس کی بنیاد بھی یہی ہے کہ بہن باپ کے خاندان سے ہے اس لئے یہ نانا سے مقدم ہے، مگر یہ بات محل نظر ہے جیسا کہ دادی سے متعلق تفصیل میں بیان ہوا اور مستصفی میں یہ صراحت ہے کہ امام ابوحنیفہ کے یہاں نانا اخت سے مقدم ہے، اور صاحبین کے یہاں میراث کی طرح دونوں کا ولایت نکاح میں بھی یکساں درجہ ہے (البحر ۱۲۴/۳)، لیکن ابن ہمام نے فرمایا کہ صاحبین کے نزدیک اگر چہ باب میراث میں دادا اور بھائی کا درجہ یکساں ہے، لیکن ولایت تزویج میں دادا کو بھائی پر حق تقدم حاصل ہے محض ازدیاد شفقت کے پیش نظر، اسی طرح چونکہ نانا میں بہن کے مقابلے میں شفقت زیادہ رہتی ہے، اس لئے ان کو بہن پر ولایت تزویج میں حق تقدم حاصل ہوگا (فتح القدیر ۴۱۳/۲)، اسی بنا پر نانا کو بہن سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

۱۲- لڑکی، کنز میں ہے کہ ماں کے بعد بہن کو ولایت حاصل ہوگی، اور لڑکی سے لے کر پرنواسی تک کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن علامہ ابن نجیم نے ان کی طرف سے یہ عذر بیان کیا ہے کہ ماں کے بعد پرنواسی تک کے اولیاء بھی صاحب کنز کے یہاں معتبر ہیں اور اس کے بعد ہی بہن کو حق ولایت حاصل ہوگا، لیکن چونکہ لڑکی سے پرنواسی تک جو اولیاء ہیں ان کا تعلق ایک مخصوص صورت سے ہے کہ جب کہ مولیٰ علیہ مجنون و مجنونہ ہو، یہ اولیاء تمام مولیٰ علیہ کے لئے نہیں ہیں، شاید اسی لئے صاحب کنز نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے (البحر ۱۲۸/۳)۔

۱۳- پوتی۔ ۱۴- نواسی۔ ۱۵- پرپوتی۔ ۱۶- پرنواسی۔

۱۷- حقیقی بہن، بہن کا درجہ نانا سے پہلے ہے یا نانا کے بعد اس کی وضاحت نانا سے متعلق تفصیل کے تحت آچکا ہے، نہر میں ہے کہ خواہر زادہ اور عمر النسفی سے یہ منقول ہے کہ بہن ولایت تزویج میں ماں سے مقدم ہے، اور اس کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ بہن باپ کے خاندان سے ہے (شامی ۳۳۹/۲، تاتارخانیہ ۲۵/۳) مگر یہ نظریہ محل نظر ہے جیسا کہ دادی سے متعلق تفصیل کے ضمن میں آچکا ہے۔

۱۸- علاتی بہن۔ ۱۹- بھائی بہن ماں شریک۔ ۲۰- پھر ان کی اولاد خواہ مذکر ہو یا مؤنث دونوں برابر حق دار ہوں گے۔ ۲۱- پھوپھی۔ ۲۲- ماموں۔ ۲۳- خالہ۔ ۲۴- چچا کی لڑکی۔ ۲۵- پھوپھی کی لڑکی۔ ۲۶- ماموں کی اولاد۔ ۲۷- خالہ کی اولاد۔ ۲۸- چچا کی لڑکی کی اولاد۔ ۲۹- مولی الموالاۃ (مولی الموالاۃ فقہی اصطلاح میں اسے کہا جاتا ہے جس نے کسی صغیر یا صغیرہ کے والد کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہو، اور اس سے عقد موالاۃ کرلیا) (فتح القدیر ۱۳/۲ و بحر ۱۲۴/۳)۔

۳۰- سلطان۔

۳۱- قاضی، قاضی کو ولایت تزویج اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ سلطان نے اس کے منشور میں نکاح کرانے کی ولایت لکھی ہو (عالمگیری ۲۸۴/۱)۔

حاصل یہ کہ عصبہ بنفسہ کی چار جہتیں ہیں: (۱) بنوۃ، (۲) اُبوۃ، (۳) اُخوۃ، (۴) عمومۃ۔ اگر ان عصبات میں سے کوئی ایک ہی فرد ہو تو ولایت اسی کو حاصل ہوگی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا اور اگر عصبہ بنفسہ کئی ہوں اور ان کی جہتیں الگ الگ ہوں تو جو جہت کے اعتبار سے زیادہ قریب ہوں انہیں حق تقدم حاصل ہوگا، یعنی جہت بنوۃ (بیٹا ہونا) کو جہت اُبوۃ (باپ ہونا) پر، اور جہت اُبوۃ کو جہت اُخوۃ (بھائی ہونا) پر، اور جہت اُخوۃ کو جہت عمومۃ (چچا ہونا) پر، عصبہ بنفسہ کی یہ سب سے آخری جہت ہے جیسا کہ ۱ سے ۶ تک ترتیب میں دکھایا گیا ہے، اور اگر ایک ہی جہت کے کئی ایک ہوں تو قریب ترین درجہ کو حق تقدم حاصل ہوگا، مثلاً باپ دادا ہوں

توباپ کو، بیٹا پوتا ہوتو بیٹا کوحق تقدم حاصل ہے، اور اگر جہت اور درجہ دونوں میں یکساں ہوں تو جو قرابت میں ماں باپ دونوں کی طرف منسوب ہوں ان کو ایسے حضرات پر حق تقدم حاصل ہے جو صرف باپ یا صرف ماں شریک ہوں جیسا کہ ۱۷ سے ۱۹ تک کی ترتیب سے واضح ہے (الاحوال الشخصیہ ر ۴۵۹)، اور اگر درجہ اور قوت قرابت میں سب یکساں ہوں تو ہر ایک کو علی وجہ الکمال ولایت حاصل ہوگی اور ہر ایک کو اپنے زیر ولایت لڑکا یا لڑکی پر حق تصرف حاصل ہوگا تاتارخانیہ ۳ر ۲۲)۔

۸- جس لڑکی کے یکساں درجہ کے دو یا دو سے زائد ولی موجود ہوں تو طرفین، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کو اگر چہ علی وجہ الکمال ولایت حاصل ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ جن کو امور نکاح سے زیادہ واقفیت ہو اسے حق تقدم حاصل ہوگا، پھر جو اورع ہو اسے حق ملے گا، پھر عمر دراز کو یہ حق حاصل ہوگا۔ (المجموع ۷ر ۳۱۵، المغنی ۷ر ۴۰۵)، اگر دوسرا ولی اطلاع پانے کے بعد اسے فسخ کردے تو بھی نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور امام ابو یوسف، امام زفر اور امام مالکؒ کے یہاں اگر ایک دوسرے کی مرضی کے بغیر نکاح کردیا تو صحیح نہ ہوگا، دونوں کی رضامندی ضروری ہے (بدائع ۲ر ۲۵۱، فتح القدیر ۲ر ۴۱۹، بحر ۳ر ۱۱۹، مبسوط سرخسی ۴ر ۲۱۸، المجموع ۷ر ۳۱۵، المغنی ۷ر ۴۰۵)۔

☆☆☆

نکاح میں ولایت کے مسائل

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

۱- ولایت کا مفہوم:

لفظ ''ولایۃ'' واو کے فتحہ و کسرہ کے ساتھ نصرت و مدد کے معنی میں آتا ہے، اسی سے فعیل کے وزن پر ''ولی'' مستعمل ہے فاعل کے معنی میں " (من وليه) إذا قام به، قال ابن فارس: وكل من ولي أمر أحد فهو وليه" (المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر)۔

فقہی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے: "تنفيذ القول على الغير" (شامی ۴/ ۱۵۴)

یعنی غیر پر قول نافذ کرنا۔ البحر الرائق میں ہے: "الولي في الفقه البالغ العاقل الوارث" (۳/ ۱۰۹)۔

اور اسباب ولایت چار ہیں: "القرب، الملك، الولاء، الإمامة" (البحر ۳/ ۱۰۹، شامی ۴/ ۱۵۴)۔

شرائط ولایت علی النفس:

ہدایہ میں ہے: "۱الأسباب الموجبة للحجر ثلاثة: الصغر ، والرق، والجنون" (ص/ ۳۳۶)۔

یعنی وہ اسباب جو کسی کو تصرف سے مانع ہیں تین ہیں: عدم بلوغ، غلامی، اور پاگل

☆ محلہ رگھناتھ پورہ، مئو۔

ہیں۔ فقہی قاعدہ ہے: "إن كل من يجوز تصرفه في ماله بولاية نفسه يجوز نكاحه على نفسه" یعنی ہر وہ شخص جس کو اپنی ولایت اور ذمہ داری پر اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے۔ اس کا خود اپنا نکاح کرنا بھی جائز ہے (البحر الرائق ۳/۱۰۹)، اور چونکہ مذکورہ اصناف ثلاثہ کا تصرف اپنے اوپر جائز نہیں، اسی لئے شرائط ولایت میں عقل، بلوغ اور حریت و آزادی کا ذکر آتا ہے۔ ہدایہ میں ہے: "ولا ولاية لعبد ولا صغير ولا مجنون لأنه لا ولاية لهم على أنفسهم" (ہدایہ/۲۹۸)۔

اور بدائع الصنائع میں ہے:

"فشرط ثبوتها على أصل أصحابنا كون المولى عليه صغيرا أو صغيرة أو مجنونا كبيرا أو مجنونة كبيرة سواء كانت الصغيرة بكراً أو ثيباً" (۲/۲۴۱)۔

۲- شریعت اسلامیہ نے ہر بالغ، عاقل، آزاد مرد و عورت کو اپنے نکاح کا اختیار دیا ہے، حدیث میں ہے: "الأيم أحق بنفسها من وليها والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها" (مشکوۃ) ایک دوسری حدیث میں ہے: "لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن ، متفق عليه" (مشکوۃ)۔ یعنی بہر صورت عورت بالغہ خواہ ثیبہ ہو یا باکرہ، بغیر اس کی اجازت کے اس کا نکاح کرنا درست نہیں۔

البتہ شریعت نے بہتر و افضل طریقہ یہی بتلایا ہے کہ کسی عورت کے نکاح کی ذمہ داری اس کے ولی کو نبھانی چاہئے، کوئی عورت خود اپنا نکاح نہ کرے کہ اس کے فطری زیور حیا پر دھبہ آ جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس کا نکاح اس کا ولی اس کی اجازت سے کرے، البحر الرائق میں ہے: "نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي لأنها تصرفت في خالص حقها وهي من أهله لكونها عاقلة بالغة" (۳/۱۰۹)۔

نابالغ مرد و عورت کا نکاح ان کے اولیاء کے اختیار میں ہے کہ وہ عدم شعور و ناقص فہمی

کے سبب کہیں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کا مصداق نہ ہو جائیں۔"**ویجوز نکاح الصغیر و الصغیرۃ إذا زوجھما الولي بکراً کانت الصغیرۃ أو ثیباً**" (ہدایہ/۲۹۶)۔

اسی طرح باندی یا غلام کا نکاح اس کے آقا کے اختیار میں ہے۔"**وھو أی الولي شرط صحۃ نکاح صغیر ومجنون ورقیق**" (درمختار مع شامی ۴/ ۱۵۵)۔

اور مجنونہ کا نکاح بھی اس کے ولی کے اختیار میں ہے۔

امام مالک وشافعی اور احمد کے نزدیک عورتوں کے ذریعہ نکاح درست نہیں۔"**وقال مالک والشافعي رحمھما اللہ: لاینعقد النکاح بعبارۃ النساء أصلاً، لأن النکاح یراد لمقاصدہ والتفویض إلیھن مخل بھا**" (ہدایہ/ ۲۹۴)۔

اور مغنی میں ہے:"**أن النکاح لا یصحّ إلا بولي، ولا تملک المرأۃ تزویج نفسھا ولا غیرھا، ولا توکیل غیر ولیّھا في تزویجھا فإن فعلت لم یصحّ النکاح**" (المغنی لابن قدامہ ۹/ ۳۴۵)۔

عورت نہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے اور نہ کسی دوسرے کا اور نہ ہی اپنے ولی کے علاوہ کسی کو وکیل بنا سکتی ہے۔

(الف) ولایت دو طرح کی ہے: ۱۔ ولایت استحباب، ۲۔ ولایت اجبار۔

ولایت استحباب کا حق ولی کو ہمیشہ حاصل ہے، خواہ عورت بالغہ ہو یا صغیرہ، باکرہ ہو یا ثیبہ، البتہ ولایت اجبار کے سلسلہ میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ولایت اجبار کا مدار بلوغ وعدم بلوغ پر ہے، بالغ ہونے سے پہلے پہلے ولی کو اجبار کا حق حاصل ہے، بلوغ کے بعد نہیں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک ولایت کا مدار بکارت پر ہے۔"**ومعنی الإجبار أن یباشر العقد فینفذ علیھا شاء ت أو أبت، ومدار إجبار الولي عند أبي حنیفۃؒ علی الصغر بکراً أو ثیباً، وعند الشافعیۃ علی البکارۃ صغیرۃ أو کبیرۃ**" (مرقاۃ شرح مشکوۃ/ ۲۰۴)۔

معلوم ہوا کہ عند الاحناف ولایت کا استحقاق بالغ ہونے تک رہتا ہے، اس مسئلہ میں

لڑکی اور لڑکے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ شامی میں ہے:

"وللولي إنكاح الصغير والصغيرة جبراً ولو ثيبا كمعتوه و مجنون شهرا" (شامی ۴/ ۱۷۰)۔

ہدایہ میں ہے:

"ويجوز نكاح الصغير والصغيرة إذا زوجهما الولي بكراً كانت الصغيرة أو ثيباً" (ہدایہ/۲۹۶)۔

یعنی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح جبراً کرنے کا اختیار ولی کو حاصل ہے، یہ نکاح صحیح اور جائز ہوگا۔

(ب) حنفیہ کے نزدیک عاقلہ بالغہ لڑکی کا اپنا نکاح خود کرنے کے بارے میں دو قول ہیں:
۱-ایک تو یہ کہ علی الاطلاق جائز ہے، ۲-دوسرا یہ کہ اگر کفو میں کیا ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں،
"روايتان عن أبي حنيفة رحمه الله: أحدهما تجوز مباشرة العاقلة البالغة عقد نكاحها و نكاح غيرها مطلقا، إلا أنه خلاف المستحب وهو ظاهر المذهب، ورواية الحسن عنه: إن عقدت مع كفء جاز و مع غيره لا يصح. واختيرت للفتوى" (مرقاۃ شرح مشکاۃ ۶/ ۲۰۶)۔

ہدایہ میں ہے: "وينعقد نكاح الحرة البالغة برضائها وإن لم يعقد عليها ولي بكراً كانت أو ثيباً عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ في ظاهر الرواية، وعن أبي يوسفؒ: أنه لا ينعقد إلا بولي، وعند محمدؒ: ينعقد موقوفا" (ہدایہ/ ۲۹۳)۔

یعنی امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک اجازت ولی پر موقوف رہے گا۔

اور ظاہر روایت کے مطابق عورت کا خود اپنا نکاح بغیر ولی کے کفو میں بھی صحیح ہو جائے گا، البتہ ولی کو اعتراض کا حق ہوگا (ہدایہ مع الفتح ۳/ ۱۵۷)۔

لہٰذا حنفیہ کے نزدیک لڑکی کا خود اپنا نکاح کرنا شرعاً درست ہے، نکاح منعقد ہو جائے گا، اور عورت گنہگار نہیں ہوگی، اگرچہ خلاف مستحب ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

حدیث میں آتا ہے: **"الأيم أحقّ بنفسها من وليّها، والبكر تستأمر"** (مشکوۃ)، ایک دوسری حدیث میں ہے: "لانکاح إلا بولي" (مشکوۃ)، اس نفی کو نفی کمال پر محمول کرتے ہوئے خلاف مستحب قرار دیا گیا ہے۔

لیکن دیگر ائمہ کرامؒ نے اس نفی کو نفی صحت پر محمول کرتے ہوئے عورت کے خود اپنے کئے ہوئے نکاح کو باطل غیر صحیح قرار دیا ہے، اگرچہ امام مالکؒ کے یہاں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ ولایت شریف عورت کے لئے شرط ہے رذیل کے لئے نہیں، اور امام احمد و شافعیؒ کے نزدیک علی الاطلاق ولایت شرط ہے (بدایۃ المجتہد ۲/۱۱)۔

(ج) عاقلہ بالغہ عورت نے اپنی مرضی سے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کر لیا تو اس کا نکاح درست و صحیح ہے۔ ولی اس نکاح سے اتفاق کرتا ہے تو بہتر اور مستحسن ہے، اور اگر وہ اس سے اتفاق نہیں کرتا تو بھی اس نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیونکہ صحت نکاح کے لئے ولی کا ہونا شرط نہیں ہے۔ عورت نے اگر اپنا نکاح کفو میں یا اپنے سے اعلیٰ کے ساتھ کیا ہے تو اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے (ہدایہ)، ہاں اگر اس نے غیر کفو میں نکاح کیا تو قاضی کے ذریعہ فسخ نکاح کی اجازت اولیاء کو ہے، لیکن اگر دیندار مرد سے نکاح کیا ہے اور نسب و پیشہ کے لحاظ سے کفاءت نہیں ہے، تو پھر اس صورت میں اولیاء کا فسخ نکاح کرانا کلام سے خالی نہیں، کیونکہ اب انتظامی امور انہیں حالات میں استوار ہو سکتے ہیں جس کا انتخاب عورت نے اپنے لئے کیا ہے اور اس کا یہ فعل شریعت کے منافی بھی نہیں ہے۔

۳- اولیاء کو حق اعتراض ہے یا نہیں؟

اس کی تفصیل سوال نمبر ۲ کے جز "ج" میں گذر چکی ہے، (نیز دیکھئے: البحر الرائق ۳/۱۰۹)۔

۴-نابالغہ لڑکی کا نکاح اور اولیاء میں فرق مراتب:

اگر زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں کر دیا، لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو اسے اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار اسی صورت میں حاصل ہوگا کہ اس کا یہ نکاح باپ یا دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے کرایا ہو (البحر الرائق ۳/۱۲۰، ہدایہ ۲۹۷)۔

اور اگر اس کا نکاح نابالغی کے زمانہ میں اس کے باپ یا دادا نے کرایا ہے تو اسے اختیار فسخ حاصل نہیں (ہدایہ ۲۹۷)۔

امام مالکؒ کے نزدیک نابالغہ لڑکی کے نکاح کا حق صرف اس کے باپ کو حاصل ہے، دادا یا کسی دوسرے ولی کو اختیار حاصل نہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک باپ اور دادا دونوں کو نابالغہ کے نکاح کا اختیار ہے، دوسرے اولیاء کو نہیں (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۲/۸)۔ (اور ان حضرات کے نزدیک لڑکی کو خیار فسخ حاصل نہیں)۔

۵-خیار بلوغ کا حق:

نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کرایا ہے، تو اس لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ بعد البلوغ اس نکاح کو باقی رکھے یا رد کر دے۔ اس سے متعلق تفصیل یہ ہے کہ اگر لڑکی باکرہ ہے اور اس کو نکاح کا علم پہلے سے ہے تو بالغ ہوتے ہی اسے اپنا خیار بلوغ استعمال کرنے کا حق ہے۔ بلوغ کے بعد اس نے سکوت اختیار کیا، اور نکاح کو رد نہیں کیا تو اس کو پھر یہ حق حاصل نہیں۔ اس کا سکوت رضا پر محمول ہوگا، اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ عورت کو اس بات کا بھی علم ہو کہ اسے خیار بلوغ حاصل ہے۔

”ثم خيار البلوغ يبطل بالسكوت“ (ہدایہ ۲۹۷، البحر الرائق ۳/۱۲۱)۔

اور شامی میں ہے: ”وبطل خيار البكر بالسكوت عالمة بأصل النكاح فلا يشترط علمها بثبوت الخيار لها أو أنه لا يمتد إلى آخر المجلس كما في شرح الملتقى“ (شامی ۴/۱۸۷)۔

یعنی اگر نکاح کا علم بلوغ کے بعد ہو تو علم نکاح تک تو ممتد ہوگا، اس کے بعد نہیں، علم نکاح کے بعد اگر تھوڑی دیر بھی خاموش رہی تو وہ خیار ساقط ہوجائے گا۔

''ولا يمتد إلى آخر المجلس أي مجلس بلوغها أو علمها بالنكاح كما في الفتح، أى إذا بلغت وهي عالمة بالنكاح أو علمت به بعد بلوغها فلابد من الفسخ في حال البلوغ أو العلم، فلو سكتت ولو قليلا بطل خيارها ولو قبل تبدل المجلس" (شامی ۴/۱۸۸)۔

اور اگر لڑکی ثیبہ ہے تو اس کا خیار صرف سکوت سے باطل نہیں ہوتا اور نہ تبدل مجلس سے، جب تک اس کی طرف سے صریح رضا یا دلالت علی الرضا نہ پائی جائے۔''وخيار الصغير والثيب إذا بلغا لا يبطل بالسكوت بلا صريح رضا أو دلالة عليه كقبلة ولمس" (درمختار ۴/۱۹۰)۔

قریب تر ولی کی موجودگی میں دور کے ولی کا نکاح کرنا:

قریب تر ولی کی موجودگی میں دور کے ولی کا نکاح کرنا درست نہیں، جب تک ولی اقرب اس کی اجازت نہ دے یا رضامندی کا اظہار نہ کرے وہ نکاح موقوف رہے گا، نافذ نہیں ہوگا۔ البتہ اگر ولی اقرب زندہ تو ہے لیکن موقع پر موجود نہیں بلکہ اتنی دور ہے کہ اگر اس کی رائے اور اجازت کا انتظار کیا جائے تو زوج کفو ہاتھ سے نکل جائے گا تو ولی ابعد یعنی ولی اقرب کے بعد جس کا حق بنتا ہے اس کا نکاح کردینا درست مانا جائے گا، اب ولی اقرب کی واپسی سے وہ باطل نہیں ہوگا۔

کتب فقہ میں قریب تر ولی کی غیبت کا اندازہ مسافت قصر سے کیا گیا ہے، لیکن اس دور میں جبکہ تین دن کی مسافت تین گھنٹوں میں، بلکہ مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کی جاتی ہے، مذکورہ مسئلہ میں اس کا لحاظ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اسے غیبت قرار دیا جائے۔

''وللولي الأبعد التزويج بغيبة الأقرب۔ فلو زوج الأبعد حال قيام

الأقرب توقف علی إجازته" درمختار (۴/۱۹۹)، اورالبحر الرائق (۳/۱۲۶، ۱۲۷) میں کنز کی عبارت ہے:

"وللأبعد التزویج بغیبة الأقرب مسافة القصر ولا یبطل بعوده"۔

اس لئے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسی رائے کو ترجیح دی جائے جسے صاحب ملتقی نے اختیار کیا ہے اور باقانی نے اس پر اعتماد کیا ہے یعنی "مالم ینتظر الکفء الخاطب جوابه" (درمختار ۴/۲۰۰)۔

۶-ولی کے معروف بسوء الاختیار، ماجن اور فاسق متہتک ہونے سے کیا مراد ہے؟

کتب فقہ میں ولی کے معروف بسوء الاختیار کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ اس سے کبھی اس سے پہلے سوء اختیار کا صدور ہو چکا ہو، یعنی اپنی کسی لڑکی کا نکاح ایسے شوہر سے کیا ہو جس کی وجہ سے یہ کہا جاسکے کہ اس نے غلط انتخاب کیا۔ تو پہلی مرتبہ کا سوء اختیار تو نافذ ہوگا مگر یہ دوبارہ کسی لڑکی کے نکاح میں اسی طرح کا انتخاب کرے تو اس نکاح کو باطل قرار دیا جائے گا کیونکہ اب وہ معروف بسوء الاختیار ہو چکا ہے (شامی ۴/۱۷۲)۔

اس مسئلہ پر کہ باپ اور دادا نے صغیرہ کا نکاح کر دیا تو اسے خیار بلوغ حاصل نہیں، کتاب وسنت سے صراحۃً کوئی دلیل نہ مل سکی، ہاں فقہاء ومجتہدین کا اجماع ضرور موجود ہے، ورنہ یہ بات کچھ عجیب سی لگتی ہے کہ نکاح میں انتظام مصالح کو اہمیت بلکہ بنیاد بنایا گیا ہے۔ پھر بھی لڑکی اپنے انتخاب سے عرفی غیر کفو میں نکاح کر لے تو عورت کے اولیاء کو اعتراض وفسخ کا حق حاصل ہو، اور اگر باپ یا دادا صغیرہ کا نکاح غیر کفو میں کر دیں تو وہ نافذ ہو، عورت جسے شوہر کے ساتھ نباہ کرنا یا نہ کرنا ہے اسے کوئی اختیار حاصل نہیں۔

اسی طرح اگر باپ یا دادا سے سوء اختیار بالکل ظاہر ہو گرچہ پہلی ہی مرتبہ کیوں نہ ہو، تو بھی وہ نکاح نافذ رہے، اور عورت کو اس بات کا خیار نہ ہو کہ وہ شوہر کے شرابی اور فاسق ہونے پر نکاح کو فسخ کرا سکے۔ بہر کیف سوال میں چونکہ صغیرہ یا بالغہ کی کوئی قید نہیں، اس لئے بالغہ کے متعلق

تفصیل یہ ہے کہ اگر ولی نے کسی بالغہ عاقلہ عورت کا نکاح کسی نا مناسب جگہ کر دیا اور عورت کو حالات کا علم نہیں ہے تو حالات کا علم ہونے پر عورت کو خیار فسخ حاصل ہونا چاہئے۔

حدیث کی کتابوں میں دو ایسے واقعے ملتے ہیں جن میں حضور ﷺ نے عورتوں کی شکایت پر سابقہ نکاح کو رد کیا ہے۔

۱۔ "عن خنساءؓ بنت خذام أن أباها زوّجها وهي ثيب فكرهت ذلك، فأتت رسول الله ﷺ فردّ نكاحها، رواه البخاري وفي رواية ابن ماجة نكاح أبيها" (مشکوٰۃ/۲۷۰)۔

۲۔ "عن ابن عباسؓ قال: إن جارية بكراً أتت رسول الله ﷺ فذكرت أن أباها زوّجها وهي كارهة فخيّرها النبي ﷺ، رواه أبو داؤد" (مشکوٰۃ/۲۷۱)۔

۷- ولی کون لوگ ہیں اور اولیاء میں باہم کیا ترتیب ہے؟

ولی، عورت کے وہ عصبہ ہیں جو آزاد، عاقل و بالغ مسلمان ہوں (دیکھئے: درمختار ۴/۱۹۰۔ ۱۹۳، البحر الرائق ۳/۱۱۹)۔

اولیاء کی باہم ترتیب وراثت کی ترتیب پر ہے، لہذا عصبہ بالنسب سب پر مقدم ہوں گے، اس لئے عورت کا لڑکا اور اس کا پوتا، عورت کے باپ اور دادا پر مقدم ہوں گے (ظاہر ہے یہ صورت صغیرہ میں غیر متصور ہے)۔ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عورت کا باپ اس کے لڑکوں پر مقدم ہوگا، اور مغنی کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول یہی ہے، نیز امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ: عورت کے باپ کی موجودگی میں کسی اور کے لئے ولایت نہیں ہوگی، "فأولى الناس بتزويجها أبوها ولا ولاية لأحد معه، وبهذا قال الشافعي وهو المشهور عن أبي حنيفة رحمه الله" (المغنی ۹/۳۵۵)۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں ترتیب یہی ہے کہ ولایت کا سب سے زیادہ حقدار لڑکا، پھر اس کا لڑکا (پوتا) اسی سلسلہ سے پھر باپ، پھر حقیقی دادا، پھر سگا بھائی، پھر شریک بھائی، پھر سگے بھائی کا

لڑکا، پھر باپ شریک بھائی کا لڑکا، پھر سگا چچا، پھر دادا شریک چچا، پھر سگے چچا کا لڑکا، پھر دادا شریک چچا کا لڑکا، پھر باپ کے چچا اسی ترتیب سے (البحر الرائق ۳/۱۱۹، فتح القدیر ۳/، درمختار ۴/۱۹۵-۱۹۶)۔

۸- کسی لڑکی کے اگر یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں اور اجازت ولی کو شرط صحت قرار دیا جائے تو اس صورت میں ایک ولی کی اجازت و رضا سب کی اجازت و رضا متصور ہوگی (البحر الرائق ۳/۱۲۹)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مفتی محمد احسان☆

۱- ولایت کا مفہوم اور اس کی شرائط:

ولایت لغت میں فتحہ کے ساتھ بمعنی نصرت و اعانت، اور کسرہ کے ساتھ بمعنی سلطان و بادشاہ کے ہے، ولی دوست اور تعلق رکھنے والے کو کہتے ہیں۔

''الولي في اللغة خلاف العدو، والولاية بالكسر السلطان والولاية النصرة وقال سيبويه: الولاية بالفتح المصدر والولاية بالكسرالاسم مثل الإمارة والنقاية'' (البحرالرائق ۳/۱۰۹)۔

اور اصطلاح فقہاء میں ولایت کسی دوسرے شخص (جس پر ولایت حاصل ہے) کی ذات یا مال میں اپنے تصرف کے اس طرح نافذ کرنے کو کہتے ہیں کہ اس دوسرے شخص کے قبول و عدم قبول کا اس تصرف پر کوئی اثر مرتب نہ ہو۔

''الولاية في الفقه تنفيذ القول على الغير شاء أو أبى'' (البحرالرائق ۳/۱۰۹، وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار ۳/۵۵)۔

نکاح میں ولایت دو قسم کی ہوتی ہے: ۱۔ ولایت اجبار، ۲۔ ولایت استحباب۔ مکلفہ یعنی عاقلہ بالغہ اور آزاد عورت کو اپنا نکاح خود کرنے کا حق حاصل ہے خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اس لئے کہ قرآن کریم کی آیت ''فلا تعضلوهنّ أن ينكحن أزواجهنّ'' اور ''حتی تنکح

☆ دارالعلوم وقف، دیوبند۔

زوجاً غیرہ" میں نکاح کی نسبت خود مکلفہ ہی کی طرف ہے، اور مسلم شریف میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: الأیم أحق بنفسها من ولیّها، اور ایم وہ عورت ہے جو شوہر والی نہ ہو خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اسی سے فقہاء نے یہ قاعدہ استنباط کیا ہے کہ جس شخص کو اپنے مال میں تصرف کی اجازت ہے اس کو اپنی ذات میں تصرف یعنی نکاح کی بھی اجازت ہے۔

"الأصل هنا أن كل من يجوز تصرفه في ماله بولاية نفسه يجوز نكاحه على نفسه، وكل من لايجوز تصرفه في ماله بولاية نفسه لا يجوز نكاحه على نفسه" (البحر الرائق ۳/۱۰۹)۔

اس کے باوجود اگر بالغہ و عاقلہ اپنے نکاح کا اختیار ولی وغیرہ کسی دوسرے شخص کو دے دے یا اس کے کئے گئے نکاح پر راضی ہو جائے تو اس ولی کی ولایت کو ایسی صورت میں ولایت ندب و استحباب کہتے ہیں اور نابالغہ و مجنونہ پر ان کے ولی کو، یا مملوکہ پر اس کے آقا کو، آزاد کردہ پر اس کے مولی کو، اور جس کا کوئی نہ ہو اس پر بادشاہ کو جو ولایت حاصل ہوتی ہے اس کو ولایت اجبار کہتے ہیں کہ اگر کوئی ولی حسب وضاحت ان میں سے کسی کا نکاح کر دے تو اس کا کیا ہوا نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اور جس زیر ولایت کا نکاح کیا گیا ہے اس کے انکار و عدم رضا کا اس وقت اس نکاح پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

"ولاية ندب واستحباب وهي الولاية على العاقلة البالغة بكراً كانت أو ثيباً، وولاية إجبار وهي الولاية على الصغيرة بكراً كانت أو ثيباً، و كذا الكبيرة المعتوهة والمرقوقة، وتثبت الولاية بأسباب أربعة: بالقرابة والملك والولاء والإمامة" (البحر الرائق ۳/۱۰۹، رد المحتار علی الدر المختار ۳/۵۵، فی بدائع الصنائع ۲/۴۹۷، ۵۱۳)۔

حاصل یہ کہ نکاح میں ولایت علی النفس کے ثبوت کے لئے چار چیزوں "قرابت، ملک، ولاء و امامت" میں سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔

۲- مکلّف (عاقل و بالغ) شخص کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار ہے اور اس کے برخلاف

مملوک، غیر عاقل اور نابالغ کے نکاح کا اختیار ان کے اولیاء کو ہے: "نفذ نكاح حرة مكلّفة بلا ولي" (کنز الدقائق مع البحر ۳/۱۰۹)۔

(الف) ولی کو جس طرح لڑکی پر ولایت اجبار و الزام اور ولایت استحباب حاصل ہے، اسی طرح لڑکے پر بھی ولایت حاصل ہے، لڑکی و لڑکے میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

"تثبت لهم ولاية الإجبار على البنت والذكر في حال صغرهما و حال كبرهما إذا جُنّا" (البحر الرائق ۳/۱۱۹)۔

اور لڑکا ہو یا لڑکی دونوں پر ولایت الزام یا اجبار اس حالت میں ہے جبکہ وہ غیر مکلّف ہوں صغر کی وجہ سے یا جنون وغیرہ کی وجہ سے، اور جب بالغ و مکلّف ہو جائیں تو ان پر کسی کو ولایت اجبار باقی نہیں رہتی۔

"ولاية الحتم والإيجاب والاستبداد: فشرط ثبوتها على أصل أصحابنا كون المولى عليه صغيرا أو صغيرة أو مجنونا كبيرا أو مجنونة كبيرة سواء كانت الصغيرة بكرا أو ثيبا فلا تثبت هذه الولاية على البالغ العاقل ولا على العاقلة البالغة، والأصل أن هذه الولاية على أصل أصحابنا تدور مع الصغر وجودا وعدما في الصغير والصغيرة" (بدائع الصنائع ۲/۵۰۴)۔

(ب) پسندیدہ امر تو یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ خاتون اپنے معاملات، خاص طور پر نکاح کو اپنے اولیاہی کے سپرد کردے، لیکن اگر اولیاء کی رضا کے بغیر وہ اپنا نکاح خود کرے تو بھی نکاح درست ہو جائے گا اور ایسا کرنے سے لڑکی پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

"نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي لأنها تصرفت في خالص حقها وهي من أهله لكونها عاقلة بالغة، ولهذا كان لها التصرف في المال ولها اختيار الأزواج وإنما يطالب الولي بالتزويج كيلا تنسب إلى الوقاحة الخ ولا تجبر بكر بالغة على النكاح" (البحر الرائق ۳/۱۱۰)۔

(ج)اور عاقلہ بالغہ وآزاد خاتون اگر ولی کی رضامندی کے بغیر اپنا نکاح کفو میں کرے تو اولیاء کو کسی طرح کے اعتراض کا حق حاصل نہیں رہتا۔ نفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضا ولي (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۵۵)البتہ اگر غیر کفو میں نکاح کرے تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوتا ہے۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی اگر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلے تو ولی کے رد کرنے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، البتہ اگر ولی کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو ظاہر الروایہ یہ ہے کہ امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک نکاح درست ہوجائے گا، اس کے بعد اگر ولی اس پر رضا کا اظہار کردے تو درست ہے، اور اگر ولی نے اسے رد کردیا تو اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بذریعہ قاضی اس نکاح کو فسخ کرادے۔

"من نكحت غير كفوء فرق الولي وهذا ظاهر في انعقاده صحيحا و هو ظاهر الرواية عن الثلاثة، فتبقى أحكامه من إرث وطلاق وقدّمنا أنه يشترط في هذه الفرقة قضاء القاضي" (البحر الرائق ۳/۱۲۸، وکذا فی الہندیہ ۱/۲۹۲) ۔لیکن عاقلہ بالغہ پر یہ ولایت اولیاء کو اس لئے دی گئی ہے کہ اگر اس نکاح میں نباہ نہ ہونے کا گمان ہو یا یہ نکاح ان کی سماجی یا عرفی عزت پر داغ کا باعث ہو تو وہ اس کو فسخ کرا سکتے ہیں، اور یہ بات کس درجہ دوررس ہے، اس کے لئے قاضی شرعی کے فیصلہ کو شرط قرار دیا گیا ہے، تاہم عاقلہ بالغہ خود مختار ہے، اگر وہ اپنا نکاح خود بھی کرے اور نباہ ہوسکتا ہو تو اولیاء کو بھی اس پر راضی ہوہی جانا چاہئے۔

۴- زیر ولایت لڑکی کا نکاح کرنے والا ولی اگر باپ یا دادا میں سے کوئی ہو اور وہ سوء اختیار کے ساتھ معروف نہ ہو تو یہ نکاح لازم ہوجائے گا، ایسی صورت میں باپ دادا کی یہ ولایت ولایت اجبار سے آگے بڑھ کر ولایت الزام ہوگی اور اس لڑکی کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا کوئی اختیار نہ ہوگا، اس لئے کہ باپ اور دادا میں شفقت تامہ پائی جاتی ہے اور جب باپ دادا میں ولی بننے کی

اہلیت وشرط موجود ہے تو وہ کامل الرائے بھی ہیں، اس لئے اگر غبن فاحش کے ساتھ یعنی مہر میں کمی کے ساتھ یا غیر کفو میں بھی نکاح کردیں تب بھی یہ کہا جائے گا کہ بظاہر جو چیز نقصان دہ نظر آرہی ہے لامحالہ باپ دادا نے اس سے بڑھ کر کوئی مصلحت اس نکاح میں پیش نظر رکھی ہوگی جو لڑکی کے حق میں فائدہ کا باعث ہوگی، اور اگر باپ دادا میں اہلیت ہی نہ ہو کہ وہ ولی بن سکیں بایں طور کہ سکران یا مجنون ہوں یا سوء اختیار کے ساتھ معروف ہوں اور اس کے باوجود کفو میں نکاح کردیں تو بھی کوئی ضرر نہیں اور نکاح لازم ہی ہوگا، البتہ اگر جنون یا سوء اختیار کے ساتھ معروف ہونے کی حالت میں غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو میں نکاح کردیں تو یہ نکاح درست نہیں، یعنی نکاح منعقد تو ہوگا لیکن لازم نہ ہوگا، اور صغیرہ کو بلوغ کے وقت اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار ہوگا (الدر المختار مع رد المحتار ۳/ ۶۷)۔

اور اگر زیر ولایت لڑکی کا نکاح باپ یا دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے کیا ہو تو اگر وہ نکاح کفو میں کیا گیا ہے تو وہ نکاح درست ہوگا، لیکن چونکہ باپ دادا کے علاوہ اولیاء میں اس درجہ کی شفقت نہیں ہوتی اس لئے اس لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو فسخ کرا لینے کا اختیار رہوگا، اور اگر وہ نکاح غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو میں کیا گیا ہو تو وہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔

"إن كان المزوج غيرهما أي غير الأب وأبيه ولو الأم الخ ۔ لا يصحّ النكاح من غير كفء أو بغبن فاحش أصلا(الدر المختار) وقال في رد المحتار تحته: أي لا لازما ولا موقوفا على الرضا بعد البلوغ الخ وليس للتزويج من غير كفء حيلة كما لا يخفى" (فتاوی شامی ۳/ ۶۷-۶۸، الہندیہ ۱/ ۲۸۵، البحر ۳/ ۱۳۴)۔

۵-لڑکی کو خیار بلوغ کا حق کب تک؟

جو لڑکی خیار بلوغ کو حاصل کر کے اپنا نکاح فسخ کرانا چاہتی ہو اس کی دو صورتیں ممکن ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ وہ حقیقۃً یا حکماً باکرہ ہو کہ اس کے شوہر نے اب تک اس سے صحبت نہ کی ہو، اس صورت میں اس لڑکی پر ضروری ہے کہ جب وہ بالغ ہو اسی وقت اور اسی مجلس میں اس نکاح کو زبان سے فسخ ورد کردے، اور بشرط امکان اسی وقت اولیاء کے کئے ہوئے اس نکاح سے راضی

نہ ہونے اوراس کورد کرنے پر گواہ بھی بنالے، اگر اس نے ایسا نہ کیاتو اس وقت خاموش رہنے یا مجلس بدل دینے سے اس کا خیاربلوغ ساقط ہوجائیگا، اوراگر رات میں یا دیگر کسی ایسے وقت میں بالغ ہوئی جس وقت گواہ بنانا ممکن نہ ہوتو اسی وقت اسی مجلس میں اپنی زبان سے اس نکاح کورد کردے اورفورا گواہوں کی جستجو کرے، گواہ ملنے پر ان سے کہے کہ میں بالغ ہوئی ہوں اوراپنے اس نکاح کو جواولیاء نے میرے بچپن میں کردیا تھا رد کرتی ہوں۔دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ثیبہ ہو یعنی اس کے بالغ ہونے سے پہلے شوہر نے اس سے جماع کرلیا ہو، اس صورت میں بالغ ہونے پر اسی مجلس میں اس نکاح کورد کرنا ضروری نہیں، اگر اس نے مجلس بدل دی یا خاموش رہی تو اس کا خیاربلوغ کا حق ساقط نہ ہوگا بلکہ اس نکاح پر اس کے صراحۃً راضی ہوجانے پر اس کا یہ حق ساقط ہوگا، یا اس وقت ساقط ہوگا جب اس کی طرف سے کوئی ایسا فعل پایا جائے جو اس کے اس نکاح سے راضی ہوجانے پر دلالت کرے جیسے بالغ ہونے کے بعد شوہر کو وطی پر قدرت دیدینا یا مہراورنفقہ وسکنی میں سے کسی کا مطالبہ کرنا وغیرہ (فتاوی ہندیہ ۱/۲۸۶)۔

خیاربلوغ کے حق کو حاصل کرتے ہوئے نکاح کورد کرنے اوراس پر گواہ بنانے کے بعد قاضی شرعی سے بھی اس نکاح کو فسخ کرانا ضروری ہے، صرف لڑکی کا اس نکاح کو فسخ کردینا اوراس پر گواہ بنالینا کافی نہیں، "یشترط فیه (خیار البلوغ) القضاء" (ہندیہ ۱/۲۸۵)۔

عدم علم اورخیاربلوغ:

اوراگرلڑکی کوبالغ ہونے پر اپنے نکاح کے بارے میں معلوم ہی نہ ہو بلکہ بعد میں نکاح کا علم ہوتو نکاح کا علم ہونے پر اسے خیاربلوغ حاصل ہوگا، اوریہ تاخیر اس حق کے ساقط ہونے کا سبب نہیں ہوگی، اوراگر اسے نکاح کا علم تو ہو لیکن وہ خیاربلوغ کے مسئلہ ہی سے ناواقف ہو اور بلوغ کے بعد خیار کو ساقط کرنے والے اسباب (سکوت، تبدیلی مجلس اور مطالبہ مہر ونفقہ وغیرہ) پائے جائیں تو اس کا خیار ساقط ہوجائے گا، بعد میں مسئلہ معلوم ہونے پر اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔

"إذا علمت بالعقد ساعة ما بلغت لكن جهلت بثبوت الخيار فسكتت بطل خيارها، أما إذا لم تعلم بالعقد ساعة ما بلغت كان لها الخيار إذا علمت" (الفتاوی الہندیہ ۱/۲۸۶)۔

مرافعہ میں تاخیر:

لڑکی نے بالغ ہونے پر اگر سابقہ نکاح کو رد کر کے اس پر گواہ بنا لئے لیکن قاضی کے یہاں مرافعہ میں تاخیر ہوگئی تو بھی خیار بلوغ ساقط نہیں ہوگا، البتہ یہ شرط ہے کہ اس درمیان وہ لڑکی صراحتاً یا دلالتاً اس نکاح پر اپنی رضا کا اظہار نہ کردے۔

"عن محمد إذا اختارت نفسها وأشهدت على ذلك ولم تتقدم إلى القاضي شهرين فهي على خيارها ما لم تمكنه من نفسها، كذا في الذخيرة" (الفتاوی الہندیہ ۱/۲۸۶)۔

ولی اقرب کی زندگی میں ولی ابعد کے نکاح کی حیثیت:

اولیاء کی ترتیب کے موافق قریبی ولی کے ہوتے ہوئے اس کی رضامندی کے بغیر ولی ابعد اگر صغیر یا صغیرہ کا نکاح کردے تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

"لو زوّج الأبعد حال قيام الأقرب توقف على إجازته" (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۸۱، وکذا فی البحر الرائق ۳/۱۱۹)۔

اور اگر ہم کفو مناسب رشتہ آجائے اور ولی اقرب موجود نہ ہو، نیز غالب گمان یہ ہو کہ ولی اقرب کا انتظار کرنے میں اس کے آنے یا اس کی رضا حاصل کرنے تک یہ رشتہ باقی نہ رہے گا تو ولی ابعد کو نکاح کردینے کی اجازت حاصل ہوگی، نیز اگر ولی اقرب ہم کفو رشتہ ملنے پر لڑکی کا نکاح نہ کرے اور ضرورت کے باوجود ٹال مٹول سے کام لے تو ولی ابعد کو نکاح کی ولایت حاصل ہوجائے گی الا یہ کہ ولی اقرب کے سامنے کوئی دوسرا بھی ہم کفو رشتہ موجود ہو (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۸۱، ۸۳)۔

۶-لڑکی کے مصالح کے خلاف ولی کا نکاح کرنا:

اگر ولی طمع یا دباؤ وغیرہ میں لڑکی کے مصالح کے خلاف یعنی غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ بچپن میں اس کا نکاح کردے اور یہ ولی باپ دادا کے علاوہ ہو تو وہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے:

''إن كان المزوّج غيرهما أی غير الأب وأبيه ولو الأم لا يصح النكاح من غير كفء أو بغبن فاحش أصلا''۔

اور ردالمحتار میں وضاحت ہے کہ:

''أصلا أي لا لازما ولا موقوفا على الرضا بعد البلوغ'' (الدرالمختار مع ردالمحتار ۳/۶۸)۔

اور اگر ولی باپ یا دادا ہوں اور پہلے سے معروف بسوء الاختیار یا ماجن و فاسق متہتک ہوں تو بھی یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

''وفي شرح المجمع: لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده إجماعا'' (ردالمحتار ۳/۶۶)۔

اور اگر باپ یا دادا نے اپنی کسی غرض یا دباؤ کی وجہ سے لڑکی کے مصالح کے خلاف (غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ) نکاح کردیا تو یہ اس کی طرف سے سوء اختیار ہے، لیکن یہ سوء اختیار پہلے سے معروف و مشہور نہیں تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس صورت میں نکاح منعقد و لازم ہوجائے گا اور لڑکی کے لئے اس نکاح کو فسخ کرانے کی اجازت نہیں ہوگی، امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ باپ و دادا میں شفقت اس درجہ پائی جاتی ہے کہ شفقت کے ہوتے ہوئے وہ بچی کا نکاح غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ کرہی نہیں سکتے اور غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ نکاح کردیا تو ان کی زیادتی شفقت اور ان کے کامل الرائے ہونے کی وجہ سے یقین رکھا جائے کہ لڑکی کے فائدے کے لئے اس سے بھی اہم کوئی مصلحت ان کے پیش نظر ہوگی، لہذا جب

تک وہ سوء اختیار میں مشہور نہ ہوگئے ہوں تو ان کا کیا ہوا نکاح اس صورت میں بھی لازم ہوگا اور اس میں فسخ کی کوئی گنجائش نہ ہوگی (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۳/۶۶، البحر الرائق ۳/۱۳۴)۔

اور اس زمانہ میں حقیقتاً بھی یہی صورت حال رہی ہوگی، باپ و دادا کی طرف سے سوء اختیار انتہائی درجہ نادر ہوگا، اس لئے فقہاء نے فتوی کے لئے بھی اسی قول کو اختیار فرمایا ہے، لیکن آج کے دور میں باپ و دادا کی طرف سے سوء اختیار اس درجہ ندرت میں نہیں بلکہ حالات کافی حد تک ابتر ہو چکے ہیں، اگر آج بھی اسی قول پر فتوی دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ باپ و دادا سوء اختیار کے ساتھ اگر نکاح کر دیں تو پہلی لڑکی کو اسی حال میں زندگی گذارنی لازم ہوگی اور وہ والدین کے اس سوء اختیار کی سزا ہمیشہ برداشت کرتی رہے گی، بلکہ بہت سی مرتبہ تو لڑکی ظلم و ستم تک کو برداشت کرتی رہتی ہے اور تذکرہ تک نہیں کرتی، اور باپ و دادا اپنے اس عیب (سوء اختیار) پر ہر ممکن پردہ ڈالتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کا سوء اختیار مشہور ہو ہی نہیں پاتا اور دوسری تیسری لڑکی بھی سوء اختیار کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے، لہذا چونکہ امام صاحبؒ کے مسلک کی علت پورے طور پر اب باقی نہیں رہی اور صاحبینؒ کے نزدیک باپ و دادا بھی اگر سوء اختیار کے ساتھ نکاح کریں اور یہ سوء اختیار متحقق ہو تو نکاح درست نہ ہوگا خواہ اس اختیار کی شہرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

''قالا لا یجوز أن یزوجها غیر کفء ولا یجوز الحط ولا الزیادۃ إلا بما یتغابن الناس'' (رد المحتار ۳/۶۶، البحر الرائق ۳/۱۳۴)۔

اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بھی لڑکی کو قاضی کے یہاں دعوی پیش کرنے کی اجازت ہو اور قاضی ایسی صورت حال کے متحقق و ثابت ہو جانے کے بعد نکاح کو فسخ کر دے۔

اصطلاحات:

ماجن وہ شخص کہلاتا ہے جو برے کام کرنے میں اس قدر بیباک ہو کہ کسی کے کہنے سننے

اور لعن طعن کرنے کی اسے کوئی پرواہ نہ ہو، اسی طرح فاسق متہتک علی الاعلان فسق وفجور میں مبتلا شخص کو کہتے ہیں (شامی ۶۶/۳)۔

الحاصل اس سے ایسا شخص مراد ہے جو اپنی لاپرواہی، بے باکی اور علی الاعلان فسق میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ایک مرتبہ اپنی کسی غرض کے پیش نظر لڑکی کے مصالح کے خلاف نکاح کر کے لوگوں میں مشہور ہو گیا ہو۔

۷- نکاح میں ولی وہ اشخاص ہو سکتے ہیں جو عصبہ بنفسہ ہوں، اور اولیاء میں باہم ترتیب یہ ہے: ۱- جزء میت، بیٹا، پوتا، ۲- اصل میت، باپ، دادا، ۳- جزء اب، بھائی بھتیجا، ۴- جزء جد، چچا اور اس کا بیٹا۔

الاقرب فالاقرب، نیز ایک قرابت والے کے مقابلہ دو قرابت والے مقدم ہوں گے۔

''الولي في النكاح لا المال العصبة بنفسه الخ بلا توسط أنثى على ترتيب الإرث والحجب'' (درمختار ر ۱۹۳، دیوبند میں متداول نسخہ، البحر الرائق ۱۱۹/۳)۔

۸- کسی لڑکی کے اگر یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں اور اس صورت میں ولی کی اجازت نکاح کی صحت کے لئے شرط ہو تو نکاح کی صحت کے لئے کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہو جائے گی، تمام اولیاء کا متفق ہونا ضروری نہیں، **''فرضا البعض من الأولياء قبل العقد أو بعده كالكل لثبوته لكل كمل اكولاية أمان وقود لو استووا في الدرجة''** (درمختار ر ۱۹۱، البحر الرائق ۱۲۹/۳)۔

☆☆☆

مسائل واحکام ولایت

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی ☆

۱-ولایت کا مفہوم:

الولایۃ (بالفتح) کے معنی لغت میں القرابۃ، المحبۃ اور النصرۃ کے آتے ہیں، اسی لئے کہا جاتا ہے:

"هم عليّ ولاية أو ولاية واحدة أي يد واحدة مجتمعون في النصرة أو في الخير والشر" (المنجد/۱۰۲۱)۔

یعنی وہ میری مدد میں اکٹھا ہیں یا میرے خلاف خیر وشر میں اکٹھا ہو گئے۔

اور شریعت کی اصطلاح میں ولایت کا مفہوم ہے: "تنفيذ القول على الغير ما يكون في النفس أو في المال أو بينهما معاً" (ردالمحتار)۔

اس مفہوم میں ولایۃ وصی، قیم الوقف، ولایۃ وجوب صدقۃ الفطر اور ولایۃ نکاح وغیرہ سب داخل ہیں۔

ولایت علی النفس کی شرائط:

ولایت علی النفس کے لئے اسلام، عقل، بلوغ، ذکوریت اور حریت کا پایا جانا ضروری ہے، ان میں اسلام، بلوغ اور ذکوریت کے شرط ہونے پر تمام فقہاء متفق ہیں، جب کہ عبد، فاسق

☆ نائب ناظم، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

اور سفیہ کے ولی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، بدایۃ المجتہد میں ہے:

"وأما النظر في الصفات الموجبة للولاية والسالبة لها فإنهم اتفقوا على أن من شرط الولاية الإسلام والبلوغ والذكورة وأن سوالبها أضداد هذه أعني الكفر والصغر والأنوثة" (بدایۃ المجتہد ۱۴/۲)۔

ولایت کو ثابت اور سلب کرنے والی صفات کے لحاظ سے سب لوگ اس پر متفق ہیں کہ ولایت کے شرائط میں اسلام، بلوغ اور ذکوریت داخل ہیں اور ان کے برعکس یعنی کفر، صغر اور انوثت ولایت کے حق کو سلب کرنے والی چیزیں ہیں۔

ابن رشد مالکی کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلام ولی ہوسکتا ہے، جبکہ دوسرے ائمہ اس کے منکر ہیں، فسق بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حق ولایت کو ساقط نہیں کرتا، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"والفسق لا يمنع الولاية كذا في فتاوىٰ قاضي خان" (فسق مانع ولایت نہیں ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے)۔

شامی میں ہے:

"وبه ظهر أن الفاسق المتهتك وهو بمعنىٰ سيئ الاختيار لا تسقط ولايته مطلقاً لأنه لو زوج من كفوء بمهر المثل صح" (ردالمحتار ۴۸۴/۱)۔

اس سے پتہ چلا کہ فاسق متہتک جو سیٔ الاختیار کے معنی میں ہے اس کی ولایت مطلقاً ساقط نہیں ہوتی، اس لئے کہ اگر وہ مہر مثل کے ساتھ کفو میں نکاح کردے تو صحیح ہے۔

البتہ فاتر العقل اور مخبوط الحواس کی ولایت صحیح نہیں ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

واذا جن الولي جنوناً مطبقاً تزول ولايته (۳۰۲/۱)۔ جب ولی جنون مطبق کا شکار ہوجائے تو اس کی ولایت باطل ہوجاتی ہے۔

اس سلسلہ میں زیادہ واضح اور درست بات یہ ہے کہ یہ حق قرابت، ملک، ولاء اور امامت کے ذریعہ ملتا ہے، اوران تمام لوگوں کو ملتا ہے جو مال میں تصرف کا حق رکھتے ہیں، درمختار میں ہے:

"والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه ومالا فلا"

(درمختار علی ہامش رد المحتار ۱؍ ۳۹۵)۔

(ضابطہ یہ ہے کہ جو اپنے مال میں تصرف کرسکتا ہے وہ اپنے نفس میں بھی تصرف کرسکتا ہے اور جو اپنے مال میں تصرف نہیں کرسکتا وہ اپنے نفس میں بھی تصرف نہیں کرسکتا)۔

۲- نکاح میں حق ولایت کا استعمال:

شریعت اس بات کو پسند کرتی ہے کہ عورتیں نکاح جیسے اہم معاملہ میں اپنے ولی کی رائے اور مشوروں کا احترام کریں، یہ ان کے حق میں بہتر ہے، تاکہ اولیاء ان کے مصالح کو دھیان میں رکھ کر ان کے لئے کفو میں مناسب رشتہ تلاش کرسکیں، اس طرح وہ اپنی ناقص العقلی، جذباتیت اور عجلت پسندی کے مضر اثرات سے محفوظ رہ سکیں گی اور ان کے لئے کسی غیر مناسب رشتہ کی ڈور میں بندھنا ناممکن ہوجائے گا، تاہم شریعت یہ نہیں چاہتی کہ اللہ کے بندے اور بندیوں کو بالکل بے دست و پا کردیا جائے اوران کی آرء کو بالکل نظر انداز کر کے اولیاء جہاں چاہیں اور جس کے ساتھ چاہیں اسے ازدواجی زندگی گزارنے پر مجبور کردیں، اس انداز کا کلی اختیار دینا چونکہ مفاسد سے خالی نہیں، اس لئے شریعت نے اولیاء کو یک گونہ اختیار دیا اور لڑکے لڑکیوں کی رضا اور اجازت کو بھی اس کے ساتھ ملحوظ رکھا، کیونکہ نفع اور ضرر اسی کی طرف عائد ہونے والا ہے، شاہ ولی اللہؒ نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"لا يجوز أيضا أن يحكم الأولياء فقط لأنهم لا يعرفون ما تعرف المرأة من نفسها ولأن حاد العقد وقاده راجعان إليها" (حجۃ اللہ البالغہ)۔

یہ بھی جائز نہیں ہے کہ صرف اولیاء کو نکاح کا اختیار دیا جائے کیونکہ اپنا نفع وضرر جو

عورت جانتی ہے وہ اس سے ناواقف ہیں اور وہ نفع ونقصان اسی کی طرف عائد ہونے والا ہے۔

اس معتدل، متوازن اور حکیمانہ اصول کی وجہ سے شریعت اسلامیہ میں عاقل، بالغ، آزاد (لڑکا ہو یا لڑکی) اپنے نفس کا خود مالک ہوتا ہے اور اس پر سے ولی کی ولایت ختم ہوجاتی ہے، اس لئے معاملہ لڑکے کا ہو یا لڑکی کا، باکرہ کا ہو یا ثیبہ کا، بلوغ کے بعد اسے اپنا نکاح کرنے کا اختیار رہے، اس سلسلہ میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتوں سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے:

"**فإن طلّقها فلا تحلّ له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره**"(سورہ بقرہ/ ۲۳۰)۔

(پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرے)۔

"**فلا تعضلوهنّ أن ينكحن أزواجهنّ**"(سورہ بقرہ/ ۲۳۲) (تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں)۔

"**فإذا بلغن أجلهنّ فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهنّ بالمعروف**"(سورہ بقرہ/ ۲۳۴) (پھر جب اپنی میعاد پوری کرلیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی (نکاح کی) کریں قاعدے کے موافق)۔

اس قسم کی دوسری آیتیں جن میں نکاح کی اسناد واضافت عورت کی طرف کی گئی ہے اور جن میں ولی کی قید نہیں لگائی گئی ہے، یہ بتاتی ہیں کہ بالغ مرد وعورت کا نکاح بغیر اذن ولی منعقد ہوجاتا ہے، احادیث میں بھی اس کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے، ابوداؤد شریف میں ہے:

"**لا تنكح الثيّب حتى تستأمر ولا البكر إلا بإذنها**" (ثیبہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور نہ باکرہ کا اس کی اجازت کے بغیر)۔

"**تستأمر اليتيمة في نفسها فإن سكتت فهو إذنها وإن أبت فلا جواز عليها**" (ابوداؤد، کتاب النکاح باب فی الاستیمار/ ۲۸۵)۔

(غیر شادی شدہ سے اس کی ذات کے متعلق مشورہ لیا جائے، اگر سکوت اختیار کرے تو

یہ اس کی اجازت ہے اور اگر انکار کردے تو اس کے خلاف کوئی راستہ نہیں)۔

موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الأیم أحق بنفسها من ولیّها والبکر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها" (موطا امام مالک: کتاب النکاح/۱۸۹)۔

غیر شادی شدہ اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے ولی کے مقابلہ میں، اور باکرہ سے اس کے نفس کے متعلق اجازت لی جائے گی اور اس کی اجازت اس کا سکوت ہے۔

روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی بالغہ عورت کا نکاح ولی نے بغیر اس کی مرضی کے کردیا اور عورت ناپسند کرے تو اس کو اختیار رہوگا کہ وہ چاہے تو اس رشتہ کو باقی رکھے اور چاہے تو فسخ کرادے، ابوداؤد شریف میں ہی یہ روایت ہے:

"إن جاریة بکراً أتت النبي ﷺ فذکرت أن أباها زوّجها وهي کارهة فخیّرها النبي ﷺ" (ابوداؤد باب في البکر یزوجها أبوها ولا یستأمرها/۲۸۵)۔

(ایک باکرہ لڑکی نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے ذکر کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کردیا ہے حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتی ہے تو نبی ﷺ نے اسے اختیار دیا)۔

ان آیات واحادیث کی روشنی میں فقہاء نے لکھا ہے کہ آزاد، عاقل، بالغ مرد اور عاقلہ بالغہ عورت خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح کرسکتے ہیں، اور اگر نکاح ولی کی مرضی سے ہورہا ہے تو بھی ان کی رضا صحت نکاح کے لئے ضروری ہے، اگر معاملہ مرد کا ہے تب تو یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، بدایۃ المجتہد میں ہے:

"وأما الرجال البالغون الأحرار المالکون لأمر أنفسهم فإنهم اتفقوا علی اشتراط رضاهم وقبولهم في صحة النکاح" (بدایۃ المجتہد ۲/۲)۔

اور اگر معاملہ لڑکی کا ہے تو اس میں تھوڑی تفصیل ہے اور ائمہ کے درمیان اختلاف بھی

ہے کہ آیا بغیر ولی کے اس کا نکاح منعقد ہوگا یا نہیں، امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہی ہے کہ یہ نکاح بھی بغیر ولی کی رضا کے منعقد ہوجاتا ہے ہدایہ میں ہے:

"وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم يعقد عليها ولي بكراً كانت أو ثيباً" (ہدایہ ۲/ ۲۹۳)۔

(آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی سے منعقد ہوجاتا ہے اگر چہ ولی نے اس کا عقد نہ کیا ہو خواہ یہ لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ)۔

درمختار میں ہے:

"ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ" (ردالمحتار ۲/ ۲۹۸)۔

(باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ بلوغ سے ولایت منقطع ہوجاتی ہے)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ اگر ولی نے لڑکی کی مرضی جانے بغیر نکاح کردیا تو یہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر لڑکی نے منظور کرلیا تو نافذ ہوگا اور اگر انکار کردیا تو باطل ہوجائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۳۰۹، نیز دیکھئے: تقریر ترمذی از شیخ الہندؒ/ ۳۱)۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ بالغہ باکرہ کے لئے ولی کی مرضی کو ضروری قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال مشہور حدیث "**لا نكاح إلا بولي**" سے ہے، جس کے ظاہری الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ نکاح بغیر ولی کے نہیں ہوتا۔

لیکن یہ روایت متکلم فیہ ہے کیونکہ یہ سلیمان بن موسیٰ کی روایت ہے اور بخاری نے ان کی تضعیف کی ہے۔ نسائیؒ نے کہا: ان کی روایت یونہی ہے۔ امام احمدؒ کہتے ہیں: ابن ابی طالب والی روایت قوی نہیں ہے اور مروزی کی روایت کو میں صحیح نہیں سمجھتا، اس لئے کہ حضرت عائشہؓ کا عمل اس کے خلاف ہے۔ ابن جریجؒ نے زہریؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں۔

ایک دوسری روایت جو حضرت ابوموسیٰ سے مروی ہے وہ بھی متکلم فیہ ہے، اس لئے کہ

محمد بن حسن، احمدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ "لا نکاح إلا بولي" کے بارے میں ان سے دریافت کیا گیا کہ اس سلسلہ میں نبی ﷺ سے کچھ ثابت ہے؟ تو فرمایا: "ليس ثبت فيه شئ عن النبي ﷺ" (قوت المغتذی علی ہامش الترمذی ۲۰۸)۔

۳-ولی کو حق فسخ:

اس روایت "لا نکاح إلا بولي" کو اگر کسی درجہ میں صحیح مان لیا جائے تو بھی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ "لا يلزم النكاح بدون الولي" یعنی بغیر ولی کی مرضی کے اس کا لزوم نہیں ہوگا اور اسے لڑکی کے غیر کفو میں نکاح کرنے یا مہر مثل سے کم پر نکاح کرنے کی صورت میں حق فسخ ملے گا، جب تک کہ لڑکی صاحب اولاد نہ ہوگئی ہو، اب اگر ولی نے اس نکاح کے خلاف استغاثہ کیا تو قاضی اس بنیاد پر زوجین کے درمیان تفریق کرا دے گا ہدایہ میں ہے:

"إذا زوّجت المرأة نفسها من غير كفوء فللأولياء أن يفرقوا بينهما دفعاً لضرر العار عن أنفسهم" (ہدایہ ۲/۳۰۰)۔

جب عورت غیر کفو میں اپنا نکاح کرے تو اولیاء کو ان دونوں کے درمیان تفریق کرانے کا اختیار ہوگا تا کہ اپنی ذات سے ضرر عار کو دفع کرسکیں۔

فقہاء احناف نے ظاہر روایات کی حیثیت سے یہی بات نقل کی ہے، لیکن حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہؒ سے دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ لڑکی کا غیر کفو میں بغیر ولی کی اجازت سے کیا ہوا نکاح جائز ہی نہیں ہوگا اور اسی پر فتویٰ نقل کیا ہے، شامی میں ہے:

"يفتى في غير الكفوء بعدم جوازه أصلاً وهو المختار لفساد الزمان" (رد المحتار ۲/۲۹۷)۔

غیر کفو میں عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے گا اور فساد زمانہ کی وجہ سے یہی مختار ہے۔

عام طور پر متاخرین فقہاء نے حسن بن زیاد والے قول پر فتویٰ دیا ہے، فتاویٰ دار العلوم،

کفایت المفتی، امداد الفتاوی، فتاوی رحیمیہ وغیرہ دیکھنے سے بھی اکابر علماء اور اصحاب افتاء کی راجح رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ نکاح ہوگا ہی نہیں، بلکہ بعض جوابات میں تو یہاں تک صراحت ہے کہ لڑکی کا دوسرا نکاح جو ولی نے کیا ہے اسلئے درست ہے کہ پہلا نکاح غیر کفو کی وجہ سے جو لڑکی نے خود کیا تھا منعقد ہی نہیں ہوا تھا، علامہ شامی نے اس قول کی پسندیدگی کی وجہ فساد زمان کو قرار دیا ہے، لیکن یہ کوئی علت منصوصہ نہیں ہے، اس لئے آج کے بدلے ہوئے حالات میں جب بغیر ولی کی رضا اور اجازت کے غیر کفو میں نکاح کا رجحان بڑھ رہا ہے، سماجی قدریں ٹوٹ رہی ہے، کفو میں اچھے رشتوں کی تلاش ایک مسئلہ بن گیا ہے، تلک وجہیز کی لعنت نے ولی کو بھی کفو اور عدم کفو کے مسئلہ پر اصرار سے بے نیاز کر دیا ہے، ایسے میں ظاہر روایات پر فتویٰ دینا عائلی زندگی کو انتشار سے بچانے کی غرض سے بہتر معلوم ہوتا ہے، اور عملاً ایسا ہو بھی رہا ہے۔

پھر چونکہ عدم کفو میں نکاح اولیاء کے لئے کبھی باعث ننگ وعار بھی سمجھا جاتا ہے، اور اس سے ان کی سماجی حیثیت متاثر ہوتی ہے، اس لئے انعقاد نکاح کو ولی کی اجازت پر موقوف قرار دیا جائے، اگر ولی کو اعتراض نہ ہو یا اس کی رضا کا پتہ دلالۃً چل جائے، مثلاً اس نے اپنی لڑکی کی طرف سے مہر ونفقہ طلب کیا یا اسے ہدایا بھیجے جو شادی کے بعد سماج میں بھیجنے کا رواج ہے تو یہ نکاح نافذ ہو جائے گا، بصورت دیگر اسے اختیار ہوگا کہ وہ قاضی کے یہاں اس نکاح کے خلاف استغاثہ کرے، استغاثہ کا یہ حق اسے اس وقت تک ملے گا جب تک عورت اپنے اس شوہر سے ماں نہیں بن جاتی (الجوہرۃ النیرۃ ۶۲/۲)۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی کے از خود نکاح کر لینے کی صورت میں نکاح شرعاً منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس نکاح میں کفو اور مہر مثل کی رعایت کی گئی ہو، اس صورت میں نہ تو لڑکی گنا ہگار ہوتی ہے اور نہ ہی ولی کے رد کرنے سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے، البتہ اگر نکاح غیر کفو میں ہو اور مہر مثل سے کم پر ہو تو اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کا حق ہوگا اور وہ اس نکاح کو بذریعہ قاضی فسخ کرا سکتے ہیں۔

۴۔صغیر اور صغیرہ کا نکاح:

شریعت نے ولی کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے زیر ولایت لڑکے اور لڑکی کا نکاح ان کی بلوغت سے قبل بھی کر سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں انہیں زیر ولایت صغیر اور صغیرہ کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ صغر سنی کی وجہ سے ان کی اجازت کا اعتبار نہیں ہے، ہدایہ میں ہے:

"ویجوز نکاح الصغیر والصغیرۃ إذا زوّجھما الولي بکراً کانت الصغیرۃ أو ثیباً" (ہدایہ: باب فی الأولیاء ۲/ ۲۹۵)۔

صغیر اور صغیرہ کا نکاح جب ان کا ولی کر دے تو جائز ہے خواہ وہ صغیرہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔

درمختار میں ہے:

"وللولي إنکاح الصغیر والصغیرۃ جبراً ولو ثیباً" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/ ۴۱۷)۔

ولی کو صغیر اور صغیرہ کا جبراً نکاح کر دینے کا حق ہے خواہ وہ ثیبہ ہی کیوں نہ ہو۔

نابالغ بچوں کے نکاح کے ولی کون ہوں گے اس میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں، امام مالکؒ اور مشہور قول کے مطابق امام احمدؒ کے نزدیک نابالغ بچوں کا نکاح صرف باپ ہی کر سکتا ہے، امام شافعیؒ باپ کے ساتھ دادا کو بھی یہ حق دیتے ہیں، احناف کے یہاں جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، تمام اولیاء کو علی الترتیب یہ حق حاصل ہے لیکن باپ اور دادا کے کئے ہوئے نکاح اور دوسرے اولیاء کے کئے ہوئے نکاح کے حکم میں فرق ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک اگر نکاح باپ یا دادا نے کیا ہو تو یہ نکاح حتمی طور پر نافذ رہے گا، اور عورت کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ دونوں ولی قرابت قریبہ کی وجہ سے وافر الشفقہ ہوتے ہیں، شرط صرف اتنی ہے کہ وہ اپنے اختیارات کے غلط اور ناروا استعمال کے لئے مشہور نہ ہوں، اور نشہ کی حالت میں اسے انجام نہ دیا ہو۔فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"فإن زوجھما (أي الصغیر والصغیرۃ) الأب والجد فلا خیار لھما بعد

بلوغهما" (فتاویٰ ہندیہ)۔

(اگر دونوں یعنی صغیر اور صغیرہ کا نکاح باپ یا دادا کرے تو انہیں خیار بلوغ نہیں ہوگا)۔

الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے:

"إذا زوّجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما بشرطين: أن لا يكون معروفا بسوء الاختيار قبل العقد وثانيهما أن لا يكون سكران" (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/۳۰)۔

صغیر اور صغیرہ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء نے کیا ہو یا باپ دادا ہی نے کیا ہو لیکن وہ معروف بسوء الاختیار یا نشہ باز ہو تو ان دونوں کو خیار بلوغ ملے گا، اگر چاہیں تو بلوغت کے بعد نکاح کو باقی رکھیں اور چاہیں تو قاضی کے ذریعہ فسخ کرادیں، اس لئے کہ باپ دادا میں معروف بسوء الاختیار یا نشہ بازی کی وجہ سے اور دیگر اولیاء میں قرابت بعیدہ کی وجہ سے ممکن ہے کہ انہوں نے یہ رشتہ کسی ذاتی مفاد کے حصول کے لئے کیا ہو، ایسے میں دونوں کو خیار بلوغ دے کر شریعت بڑے مفاسد کا سدّ باب کرنا چاہتی ہے تا کہ وہ اپنے اختیار کا استعمال کر کے امساک بالمعروف یا تسریح بالاحسان پر عمل کرسکیں اور ان کی رضا بھی اس اہم معاملہ میں شامل ہوجائے جسے انہیں زندگی بھر برتنا ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ ويشترط فيه القضاء" (فتاویٰ ہندیہ ۱/۳۰۴)۔

(اگر باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ان کا نکاح کردے تو دونوں کو بعد البلوغ اختیار ہوگا چاہے تو نکاح پر قائم رہے یا چاہے تو فسخ کردے، لیکن اس میں قضا شرط ہے)۔

بعض صاحب نظر معاصر علماء کا خیال ہے کہ مطلقاً اولیاء کے ذریعہ کئے گئے نکاح میں (خواہ باپ دادا نے ہی کیا ہو) خیار بلوغ ملنا چاہئے جیسا کہ قاضی شریح کی رائے ہے اور دوسرے

قرائن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

"إذا زوّج الرجل ابنه أو بنته فالخيار لهما إذا شبّا" (مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۴۱)۔

(جب ایک شخص اپنے بیٹا یا بیٹی کا نکاح کردے تو دونوں کو جوان ہونے کے بعد خیار حاصل ہوگا)۔

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ فقہ کی متداول اور عام کتابوں میں قاضی شریح کی اس رائے کو ان کی عبقریت وعظمت کے باوجود مستدل نہیں بنایا گیا ہے اور باپ دادا اور دیگر اولیاء کے درمیان تفریق کی گئی ہے، اس کا واضح اور صاف مطلب یہ ہے کہ مفتی بہ قول وہ نہیں ہے، اس کے علاوہ اگر باپ دادا کو بھی عام اولیاء کے خانہ میں ڈال دیا جائے گا اور ان کے کئے ہوئے نکاح کو بھی کلیۃً لازم نہیں مانا جائے گا تو ان کی شفقت اور فطری طور پر بچوں کے تئیں ان کی محبت پر سوالیہ نشان لگ جائے گا، پھر فسخ نکاح سے سماج میں ان کی ہتک عزتی ہوگی، ان اندیشوں کی وجہ سے کوئی باپ دادا بڑے سے اچھے رشتے ملنے پر بھی نکاح صغیر وصغیرہ کی ہمت نہیں کرے گا۔

۵-خیار بلوغ:

جن صورتوں میں لڑکی کو خیار بلوغ ملتا ہے اگر وہ باکرہ ہے تو اسے بالغ ہوتے ہی یا نکاح کا علم ہوتے ہی اس رشتہ سے نارضامندی ظاہر کرکے اس پر فوراً دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانا ضروری ہوگا تاکہ وہ اپنی نارضامندی کو قاضی کے سامنے ثابت کرسکے، چونکہ باکرہ کے سلسلہ میں سکوت بعض حالتوں میں رضا پر دلالت کرتا ہے اس لئے اگر اس نے بلوغت یا علم بالنکاح کے بعد سکوت اختیار کیا تو یہ حق سکوت کو رضا مان کر ختم ہوجائے گا، یہ اختیار "آنی" ہے اس لئے آخر مجلس بلوغ یا آخر مجلس علم بالنکاح تک باقی نہیں رہے گا، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ويبطل هذا الخيار في جانبها بالسكوت إذا كانت بكراً ولا يمتد إلى آخر المجلس حتى لو سكتت كما بلغت وهي بكر بطل الخيار" (فتاویٰ ہندیہ ۱/۳۰۴)۔

ہدایہ میں ہے:

"وإن لم تعلم بالنكاح فلها الخيار حتى تعلم" (ہدایہ ۲/۲۹۷)۔

اگر اسے نکاح کا علم نہیں ہے تو علم ہونے تک اسے خیار ہوگا۔

پھر جب لڑکی نے بالغ ہوتے ہی رشتہ سے اپنی نارضامندی ظاہر کر کے دو گواہ بنا لیے تو اب قاضی کے پاس فسخ نکاح کے دعویٰ میں تاخیر سے یہ حق اس وقت تک ساقط نہیں ہوگا جب تک لڑکی اپنے نفس پر شوہر کو قدرت نہ دے دے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"إذا اختارت نفسها وأشهدت على ذلك ولم تتقدم إلى القاضي شهرين فهي على خيارها ما لم تمكنه من نفسها" (فتاویٰ ہندیہ)۔

جب لڑکی نے خود کو اختیار کر لیا اور اس پر گواہ بنا لیا اور قاضی کے پاس دو ماہ تک نہ گئی تو بھی وہ اپنے خیار پر باقی رہے گی جب تک شوہر کو خود پر قابو نہ دے دے۔

ثیبہ عورت اور لڑکے کا معاملہ باکرہ سے قدرے مختلف ہے، چونکہ ان کا سکوت رضا نہیں بلکہ ان کی اجازت قولاً یا عملاً معتبر ہے اس لئے اس کا خیار بلوغ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک وہ اپنی رضامندی کا اظہار نہ کر دے، یا کوئی ایسا کام کرے جس سے رضامندی کا پتہ چلے، اب اگر وہ اس نکاح کو رد کرنا چاہے تو وہ قاضی کے پاس بغیر گواہ کے یہ بات کہہ سکتی ہے کہ میں اس نکاح کو ناپسند کرتی ہوں، آپ فسخ کر دیں، تو قاضی اس نکاح کو فسخ کر دے گا (ہدایہ ۲/۲۹۷)۔

ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کا نکاح کرنا:

قریب تر ولی زندہ ہو، حاضر ہو اور اہل ولایت ہو، ایسی صورت میں ولی ابعد نے نکاح کر دیا تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور یہ اجازت مجلس میں صرف سکوت اختیار کرنے سے نہیں سمجھی جائے گی بلکہ ولی اقرب کی اجازت صراحۃً یا دلالۃً ہونی چاہئے، درمختار میں ہے:

''فلو زوّج الأبعد حال قیام الأقرب توقف علی إجازته'' (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/ ۳۳۳)۔

اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد نے اگر نکاح کردیا تو یہ اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

اور شامی میں ہے:

''فلا یکون سکوته إجازة لنكاح الأبعد وإن كان حاضراً في مجلس العقد ما لم یرض صریحا أو دلالة'' (رد المحتار ۲/ ۳۲۷)۔

لیکن اگر ولی اقرب سفر پر ہو اور اندیشہ ہو کہ ولی اقرب کے آنے تک جو مناسب رشتہ ملا ہوا ہے وہ فوت ہوجائے گا، تو ایسی حالت میں ولی ابعد کفو میں مہر مثل پر رشتہ کرسکتا ہے، کیونکہ ولی اقرب کی عدم موجودگی میں حق ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہوگیا ہے، اب اگر ولی اقرب آجاتا ہے تو ولی ابعد کی ولایت ختم ہوجائے گی مگر اس کا کیا ہوا نکاح صحیح اور نافذ ہوگا، کیونکہ اس نے ولایت تامہ کی موجودگی میں یہ نکاح کیا ہے۔

۶- حق ولایت کا غلط استعمال:

اگر ولی نے نکاح میں لڑکی کے مصالح ومفادات کا سرے سے لحاظ نہیں کیا اور واضح طور پر بے رحمی اور ناانصافی کا پتہ چلتا ہو، یا ولی نے کسی دباؤ یا اپنے کسی مفاد کی خاطر نامناسب جگہ لڑکی کی شادی کردی تو قاضی اس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے، اس لئے کہ اس صورت میں ولی خواہ وہ باپ دادا ہی کیوں نہ ہو، سوء اختیار کا مرتکب ہوا ہے، ایسے میں ظاہر الروایہ کے مطابق نکاح منعقد ہوجائے گا، البتہ ولی کا ایسا فسق یا سوء اختیار فسخ نکاح کا سبب بن سکتا ہے۔

فقہاء نے معروف بسوء الاختیار کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ اس نے اپنی پہلی لڑکی کی شادی میں بھی اس کے مصالح ومفاد کو نظر انداز کیا ہو اور طمع زر کے نتیجہ میں نکاح کردیا ہو، البتہ یہ معاملہ پہلی بار سامنے آیا ہو تو اسے معروف بسوء الاختیار نہیں کہیں گے تاہم یہ بات بہت مناسب

معلوم نہیں ہوتی ہے، اسی لئے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے:

"اگرچہ یہ تفصیل کچھ مناسب اور موجہ معلوم نہیں ہوتی، مگر فقہاء نے اس کو لیا ہے اور اس کے موافق تفریعات کی ہیں"۔

یہی حکم ولی فاسق متہتک (یعنی ایسا شخص جو بدنام، بے غیرت اور کھلا ہوا فاسق نیز گناہوں کے ارتکاب پر جری ہو) کے کئے ہوئے نکاح کا ہے۔

۷-ولی اور ترتیب اولیاء:

جس شخص کو حق ولایت حاصل ہوتا ہے اسے ولی کہتے ہیں، نکاح میں ولی، ارث اور حجب کی ترتیب پر عصبہ بنفسہ ہوتا ہے۔

درمختار میں ہے:

"والولي في النكاح العصبة بنفسه بلا توسط أنثى على ترتيب الإرث والحجب بشرط حرية وتكليف واسلام في حق مسلمة وولد مسلم" (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/ ۳۱۲)۔

(نکاح میں ولی مونث کے توسط کے بغیر ارث و حجب کی ترتیب کے لحاظ سے عصبہ بنفسہ ہوتا ہے، البتہ حریت، مکلف ہونا اور اسلام شرط ہے، اور یہ ولایت مسلمان لڑکی اور مسلمان لڑکے کے سلسلہ میں ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جزء، پھر اصل، پھر جزء اصل قریب، پھر جزء اصل بعید، اس طرح ہم اولیاء کو ان کی قرابت اور ولایت کے اعتبار سے نو درجوں میں بانٹ سکتے ہیں۔

۱- لڑکا، پوتا، پرپوتا اور اس سے نیچے علی الترتیب۔

۲- باپ، دادا، اوپر تک علی الترتیب۔

۳- حقیقی بھائی، علاتی بھائی، حقیقی بھائی کا بیٹا، علاتی بھائی کا بیٹا اور اس سے نیچے علی الترتیب۔

۴- حقیقی چچا، باپ کا علاتی چچا، حقیقی چچا کا لڑکا، علاتی چچا کا لڑکا اور اس سے نیچے علی

الترتیب۔

۵- باپ کا حقیقی چچا، باپ کا علاتی چچا (جو دادا کا علاتی بھائی ہو)، باپ کے حقیقی چچا کا لڑکا، علاتی چچا کا لڑکا نیچے تک علی الترتیب۔

۶- دادا کا حقیقی چچا، دادا کا علاتی چچا، اس کے بعد ان کے لڑکے علی الترتیب۔

۷- ان سب کی عدم موجودگی میں وہ مرد جو عصبہ بعید سے ہو، مثلاً دور کے رشتہ کا چچا، اس کا لڑکا وغیرہ علی الترتیب۔

۸- مذکورہ اولیاء کے بعد مولائے عتاقہ ولی بنے گا، یعنی اگر کسی شخص نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا تو یہ آقا اس کا ولی ہوگا، وہ آقا نہ رہے تو اس کے رشتہ دار جو عصبہ ہوں ولی بنیں گے۔

۹-اگر مذکورہ اولیاء میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ذوی الارحام میں سے جو بچہ کا وارث ہوسکتا ہو وہی نکاح کے سلسلہ میں ولی ہوگا۔امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ذوی الارحام میں بھی ترتیب ہے، اس اعتبار سے ماں، لڑکی، پوتی، نواسی، پوتے کی لڑکی، نواسے کی لڑکی، حقیقی بہن، علاتی (باپ شریک) بہن، اخیافی (ماں شریک) بھائی و بہن اور ان کی اولاد کے بعد دیگر علی الترتیب، پھر پھوپھی، ماموں، خالہ، چچا کی لڑکی، پھوپھی کی لڑکی کو علی الترتیب، ان کے بعد مولی الموالاۃ کو، پھر بادشاہ وقت کو، قاضی کو اور قاضی کے مقرر کردہ افراد کو علی الترتیب یہ حق ملے گا۔

۸- کسی لڑکی کے یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں اور اجازت ولی کو شرط صحت قرار دیا جائے تو کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی، تمام اولیاء کا متفق ہونا ضروری نہیں ہوگا، ان میں سے جس نے بھی اپنے حق کا پہلے استعمال کرلیا نکاح صحیح ہوجائے گا، درمختار میں ہے:

"ولو زوّجها وليان مستويان قدّم السابق فإن لم يدر أو وقعا معاً بطلا"

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/۳۳۲)۔

(اگر دو برابر کے ولی نے نکاح کر دیا تو جس نے پہلے نکاح کیا وہ مقدم ہوگا، اگر تقدیم و تاخیر کا پتہ نہ چلے یا دونوں نکاح بیک وقت کئے گئے تو دونوں باطل ہیں)۔

مسئلہ ولایت

مولانا ارشاد احمد اعظمی ☆

۱- عربی زبان میں وَلایت (واو کے فتحہ کے ساتھ) چاہنے اور مدد کرنے کے لئے آتا ہے، اور وِلایت (واو کے کسرہ کے ساتھ) چاہت اور مدد کے لئے، اور کہا گیا ہے کہ ولایت کسرہ کے ساتھ حکومت اور سلطنت کے لئے، اور فتحہ کے ساتھ مدد کے معنی میں بولا جاتا ہے (تاج العروس، المنجد فی اللغۃ)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے الفاظ میں "ولایت لغت میں قدرت اور سلطنت کے لئے ہے، اور فقہاء کی اصطلاح میں ان شرعی اختیارات کو کہتے ہیں جن کے حصول کے بعد آدمی کو تصرفات و معاملات کی انجام دہی میں کسی کی اجازت کی ضرورت باقی نہیں رہتی" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۱۴۰)۔

اس کی دو قسمیں ہیں: ۱- اُصیلۃ یا قاصرۃ، ۲- نیابیۃ یا متعدیۃ۔

اصیلہ (قاصرہ) وہ ولایت ہے جو انسان کو اپنے ذاتی معاملات کو انجام دینے کے لئے حاصل ہے، اور نیابیہ (متعدیہ) اس ولایت کو کہتے ہیں جو کسی اور کے کام کو انجام دینے کے لئے شریعت کی طرف سے آدمی کو حاصل ہوتی ہے (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۱۴۰، عقد الزواج وآثارہ: ابو زہرہ رص ۱۵۳)۔

لفظ ولی کے عربی زبان میں بہت سے استعمالات ہیں، صاحب تاج العروس نے اس کے اکیس معنی شمار کرائے ہیں، لیکن شریعت کی اصطلاح میں ولی کا استعمال اس شخص کے لئے

☆ استاذ، جامعہ اسلامیہ، ترجمہ والی مسجد، بھوپال۔

مخصوص ہے جس کو یہ حقوق واختیارات حاصل ہیں، گرچہ فقہاء اب عام طور پر اس لفظ کا استعمال اس شخص کے لئے کرتے ہیں جس کو دوسروں کے معاملات انجام دینے کا شرعاً حق حاصل ہے، اور اسی لئے ولایت کی تعریف کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں: **الولاية تنفيذ القول على الغير شاء أم أبي**۔ جو درحقیقت ولایت کی ایک قسم ہے جس کو ہم نے نیابیہ اور متعدیہ کا نام دیا ہے، اس بحث میں ہماری گفتگو اسی ولایت سے ہے۔

ولایت نیابیہ کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ ولایت علی النفس، ۲۔ ولایت علی المال، ۳۔ ولایت علی النفس والمال (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۱۸۷)، ولایت فی النکاح ولایت علی النفس میں شامل ہے، بلکہ نکاح کی اہمیت اور اس کے مسائل کی کثرت کی وجہ سے اس طرح ذکر کر دیا جاتا ہے گویا ولایت علی النفس اور ولایت فی النکاح دونوں ایک ہی چیز ہیں۔

۲- ولایت فی النکاح کی امام ابوحنیفہ کے مطابق دو قسمیں ہیں: ۱۔ ولایت حتم وایجاب، ۲۔ ولایت ندب واستحباب۔ اور امام محمد اور شافعی کے اقوال کی روشنی میں اس کی تقسیم ہوگی ولایت استبداد واجبار اور ولایت مشارکت واختیار کی طرف (بدائع للکاسانی ۲/ ۲۴۱)۔

احناف کے یہاں ولایت حتم وایجاب واستبداد کے لئے شرط ہے کہ زیر ولایت کم سن یا مجنون ومعتوہ ہو اور ولی عاقل بالغ حق وراثت سے جڑا ایسا شخص ہو جو فاسق متہتک اور اپنے اختیارات کے استعمال میں بدنام نہ ہو، اور نہ ہی نشہ کی حالت میں اپنی اولاد کا رشتہ نامناسب جگہ یا غیر معقول مہر پر کر رہا ہو (بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۲، رد المحتار ۳/ ۶۷، فتح القدیر ۲/ ۴۱۲، فقہ السنہ ۲/ ۱۲۵)۔

اور ولایت ندب واستحباب آزاد عاقلہ بالغہ کے نکاح کی ولایت کی صورت میں پائی جائے گی، اس ولایت کو امام محمد وشافعی اور ابو یوسف ایک قول کے مطابق ولایت مشترکہ قرار دیتے ہیں (بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۷)۔

امام شافعی نابالغ لڑکے اور دوشیزہ لڑکیوں کے معاملہ میں ولایت اجبار کا حق صرف باپ اور دادا کو دیتے ہیں، اگر وہ عاقل آزاد اور معاملہ فہم ہوں، ساتھ ہی زیر ولایت کے مسلمان

ہونے کی صورت میں مسلمان ہوں، لیکن ولایت اختیار کا حق ان کے نزدیک باپ و دادا کے ساتھ عصبات بالنفس کو بھی حاصل ہے۔

مالکیہ کے نزدیک جن لوگوں کو ولایت حاصل ہے، ان کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ ولایت خاصہ، ۲۔ ولایت عامہ۔ ولایت خاصہ صرف چھ اشخاص کو حاصل ہے: ۱۔ باپ، ۲۔ باپ کا متعین کردہ شخص، ۳۔ قریبی عصبہ، ۴۔ کفیل، ۵۔ مولیٰ، ۶۔ حاکم۔

باپ یا اس کی عدم موجودگی میں اس کے متعین کردہ شخص کو نابالغ لڑکے اور دوشیزہ لڑکیوں پر (گرچہ وہ بالغ ہو چکی ہوں) ولایت اجبار حاصل ہے، ان کے علاوہ کسی کو ولایت اجبار حاصل نہیں۔

ولایت عامہ کی شکل یہ ہے کہ کوئی کم حیثیت عورت اپنے باپ یا اس کے وصی کی عدم موجودگی میں کسی بھی مسلمان کو اپنے عقد نکاح کا کام سونپ دے۔

حنابلہ کا مسلک ہے کہ ولایت اجبار صرف باپ اور اس کے وصی یا پھر حاکم کو حاصل ہے اگر زیر ولایت کم سن ہے، لیکن اگر عورت آزاد اور بالغہ ہے تو اس کی رضامندی کے بعد سارے اولیاء اس کا عقد انجام دے سکتے ہیں، احناف کے یہاں اصل ولایت ولایت اجبار ہے اور یہ زیر ولایت کے کم سن، کم عقل اور جنون کی حالت میں ہر اس شخص کو حاصل ہے جو عقل وبلوغ کے ساتھ حق وراثت سے جڑا ہو، اس میں باپ و دادا اور عصبات کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ذوی الارحام بھی شامل ہیں، نیز ولاء موالات اور ولایت سلطان بھی آجاتی ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک ولی کا مذکر ہونا ضروری نہیں، چنانچہ ماں، بہن، خالہ وغیرہ بھی بوقت ضرورت ولایت کی ذمہ داری نبھا سکتی ہیں (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۱۸۷، بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۰)۔

خلاصہ یہ کہ عاقل بالغ مرد اپنی شادی بالاتفاق خود کرسکتا ہے جب کہ کم سن لڑکے اور نابالغ لڑکیاں (اگر شوہر دیدہ نہ ہوں) اور کم عقل ومجنون کا نکاح ولی اپنی مرضی سے کرسکتا ہے (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۱۹۳)۔

(الف) لڑکا عقل کے ساتھ جب بلوغ کو پہونچ جائے تو اس پر کسی کی ولایت باقی نہیں رہتی، البتہ لڑکیوں کا معاملہ ذرا مختلف ہے (بدائع الصنائع ۲/۲۴۸)۔

(ب) مذہب حنفی میں لڑکی جب تک کم سن ہے اولیاء کو اس پر ولایت اجبار حاصل ہے، البتہ بلوغ وعقل کے بعد یہ ولایت صرف مندوب ومستحب رہ جاتی ہے، اگر لڑکی کفو میں شادی کرتی ہے اور مہر مثل کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے تو ایسا کرنے کا اس کو حق حاصل ہے، البتہ مندوب ومستحب یہی ہے کہ یہ کام اولیاء انجام دیں، لیکن اگر نکاح غیر کفو کے ساتھ ہوا ہے یا مہر مثل کو نظر انداز کیا گیا ہے تو اولیاء کو اس پر اعتراض کا حق حاصل ہے۔

حسن بن زیاد کی ایک روایت ابوحنیفہ سے یہ ہے کہ لڑکی عقل وبلوغ کے بعد بھی اگر غیر کفو میں اولیاء کی رضامندی کے بغیر شادی کر لیتی ہے تو یہ نکاح باطل ہوگا، اس روایت کے مطابق بالغہ عاقلہ کا اختیار مشروط ہے۔ احناف میں امام محمد اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح کو موقوف قرار دیتے ہیں، اگر اولیاء نے اجازت دے دی تو نکاح درست قرار پائے گا ورنہ رد ہوگا۔

شوافع کے نزدیک عقل وبلوغ کے بعد لڑکی اگر باکرہ ہے تو باپ اور دادا نکاح کے لئے اس کی رضامندی کے پابند نہیں، البتہ اس کی دلجوئی کے لئے اس سے اجازت لے لینی چاہئے، لیکن اگر وہ بلوغ کے ساتھ شوہر دیدہ ہے تو پہلے اس کی اجازت لی جائے گی پھر اولیاء اپنے ہاتھوں سے اس کی شادی انجام دیں گے۔

ابوثور کی رائے ہے کہ لڑکی اگر دوشیزہ ہے تب بھی اس کی رائے لے کر ہی اولیاء اس کا عقد کریں (بدایۃ المجتہد)۔

۳- بالغہ دوشیزہ لڑکیوں کے نکاح میں اولیاء کا کیا رول ہو؟ علماء کے نزدیک اس سلسلہ میں کافی نزاع رہا ہے، مسلک حنفی اس معاملے میں عورتوں کو پورا اختیار دیتا ہے اور اولیاء کے مفاد کی رعایت کے لئے ان کو اعتراض کا حق عطا کرتا ہے، امام محمد نے الگ رائے ظاہر کی تھی، لیکن کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور اولیاء کی رضامندی کے بغیر نکاح کی

صحت کے قائل ہو گئے۔

دوسری طرف دوسرے علماء دوشیزہ بالغہ لڑکیوں کے عقد نکاح کے لئے اولیاء کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں، البتہ وہ اولیاء کے دائرہ کو بالکل تنگ کر دیتے ہیں اور یہ حق صرف باپ کو یا زیادہ سے زیادہ دادا کو دیتے ہیں اس شرط کے ساتھ کہ وہ معاملہ فہم ہوں۔

ہر ایک نے اپنے موقف کے ثبوت میں زور دار استدلال کیا ہے اور آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ اور امثال ونظائر کو پیش کیا ہے، ابن رشد نے تفصیل سے ان دلائل کا جائزہ لیا ہے، اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ رشتہ زواج کے سلسلے میں بالغہ لڑکیوں کی رائے کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں، ابن القیم کا خیال بھی یہی ہے، موجودہ دور کے علماء نے بھی کثرت سے اس خیال کی وکالت کی ہے۔

لیکن کیا ہم لڑکیوں کو مکمل آزادی دے دیں جیسا کہ فقہ حنفی کا رجحان رہا ہے، علوم حدیث سے جڑے علماء اس کے شدید مخالف ہیں، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی کی ایک حدیث ہے کہ عورت اپنی شادی خود نہ کرے، کیونکہ جو عورت اپنی شادی خود کر لے بدکار ہے (ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، نیل الاوطار)۔

شوکانی نیل الاوطار میں ابن المنذر سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ صحابہ میں سے کسی کو اس کے خلاف نہیں جانتے (نیل الاوطار ۶/۱۳۶)۔

امام محمد کی رائے اس معاملہ میں سب سے زیادہ مناسب ہے جس کے مطابق لڑکی کا کیا ہوا عقد اولیاء کی اجازت تک موقوف ہوگا، اور اگر ابو ثور کا قول اختیار کر لیا جائے تو پھر سارے نصوص پر عمل بھی ہو جائے گا اور ہر ایک کے جذبات کی رعایت بھی۔

۴- نکاح کی اصل عمر بلوغ ہے جن کی طرف نصوص شرعیہ میں اشارات بھی موجود ہیں، لیکن صغر سنی میں ضرورت پڑنے پر اسلام نے شادی سے منع نہیں کیا ہے۔

فقہاء احناف کا خیال ہے کہ باپ اور دادا اگر معاملات میں بے احتیاطی کے لئے

مشہور نہ ہوں اور لالچ یا کم عقلی کے باعث اپنے اختیارات کا غلط استعمال نہ کریں اور نہ ہی حالت نشہ میں ہوں تو اپنی نابالغ اولاد کے نکاح کے لئے مکمل اختیار رکھتے ہیں، ایسی شادی اولاد بالغ ہونے کے بعد فسخ نہیں کرا سکتی، کیونکہ یہ عقد وفور شفقت اور کمال رائے پر مبنی ہے، لیکن باپ و دادا کے علاوہ دوسروں کو یہ حق اس وقت حاصل ہوگا جب کفو کی رعایت کی گئی ہو، اس کے بعد بھی لڑکا یا لڑکی اس عقد سے مطمئن اور خوش نہیں ہیں تو بالغ ہونے کے ساتھ شرعی عدالت کے ذریعہ اس کو فسخ کرا سکتے ہیں۔

باپ و دادا اگر غلط انتخاب کے لئے بدنام ہیں یا لالچ یا کم عقلی میں نابالغ اولاد کا نکاح نامناسب جگہ کر دیں یا نشہ کے عالم میں کسی فاسق، شریر، مفلوک الحال یا حقیر پیشہ سے بیاہ دیں تو نکاح درست نہیں ہوگا (ردالمحتار ۳/۶۷)۔

۵- خیار بلوغ لڑکی کو نکاح کا علم ہونے کی صورت میں بلوغ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، اگر نکاح کا علم نہ ہو تو معلوم ہونے کے ساتھ ہی اسے نکاح کے رد کرنے کا اعلان کرنا پڑے گا، اگر وہ ایسا نہیں کرتی اور بغیر کسی مجبوری کے خاموشی اختیار کرتی ہے تو مان لیا جائے گا کہ اس نے نکاح کو منظوری دے دی، اس میں مجلس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، یہ حکم دوشیزہ لڑکی کا ہے۔

قریب تر ولی کی موجودگی میں نسبۃً دور کا ولی شادی کر دے تو عقد صحیح ہوگا، لیکن اس کا نفاذ قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

۶- ماجن بے غیرت بے حیا شخص ہے جسے اس کی بالکل پرواہ نہیں کہ اس کے کام کا انجام کیا ہوگا اور لوگ اس کے بارے میں کیا کہیں گے۔ متہتک جسے اپنی عزت کا لحاظ نہ ہو۔ سیئ الاختیار وہ ہے جو معاملات کے سلسلے میں بے احتیاطی سے کام لیتا ہے اور اپنے اختیارات کو غلط طریقے سے استعمال کرتا ہے (نکاح کے اسلامی قوانین/۲۰)، حاشیہ ابن عابدین میں ہے:

"الفاسق المتهتک وهو بمعنیٰ سیئ الاختیار" (ردالمحتار ۳/۵۴)۔

باپ اور دادا اگر ماجن و فاسق متہتک و معروف بسوء الاختیار اور نشہ میں نہ ہوں تو فقہ

حنفی کے مطابق اپنی نابالغ اولاد کی شادی کا مطلق اختیار رکھتے ہیں اور یہ شادی لازم ہوگی، لڑکے یا لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا، لیکن شادی انجام دینے والے اگر دوسرے اولیاء ہیں تو بالغ ہونے کے بعد صاحب معاملہ کو خیار بلوغ دیا جائے گا، اگر وہ اس نکاح سے خوش اور مطمئن نہیں ہے تو اسے ناپسندیدہ قرار دے کر قاضی سے اسے فسخ کرا سکتا ہے، مولانا صدر الدین اصلاحی نے اس مقام پر بڑی اچھی بحث کی ہے فرماتے ہیں:

خیار بلوغ کے بارے میں اس استثناء کی بنیاد کسی آیت یا کسی صحیح حدیث یا کسی مسلمہ شرعی اصول پر نہیں ہے، اس کا تمام تر مدار صرف اس خیال پر ہے کہ باپ دادا ایک طرف تو اپنی اولاد کے حق میں انتہائی شفیق اور سچے خیر خواہ ہوتے ہیں، دوسری طرف وہ جہاں دیدہ، پختہ کار اور صاحب نظر بھی ہوتے ہیں، اسی لئے ان سے یہی توقع رکھی جاسکتی ہے کہ اپنے لخت جگر کے مستقبل کے بارے میں یہ اہم ترین فیصلہ کرتے وقت انہوں نے کم اندیشی اور کوتاہ نظری سے کام نہ لیا ہوگا اور مخلصانہ وخیر خواہانہ ذمہ داری کا حق پوری طرح ادا کر دیا ہوگا، بلاشبہ اس خیال میں خاصا وزن ہے لیکن یہ وزن اتنا زیادہ بھی نہیں ہے کہ اس خیال یا رائے کو ایک مسلمہ اور دائمی کلیہ کی حیثیت سے تسلیم کرلیا جائے، کم از کم آج کے دور کا تجربہ اور مشاہدہ تو اس نظریہ کی پوری پوری تائید نہیں کرتا، زوال کے مارے ہوئے مسلم معاشرے میں کتنے ہی افراد ایسے مل سکتے ہیں جو اپنی نابالغ لڑکی کو نکاح کے نام پر فی الواقع فروخت کر رہے ہوتے ہیں، پھر اس معاملے کا ایک خاص پہلو اور بھی ہے جسے نظر انداز نہ کیا جانا چاہئے اور وہ یہ کہ سن رسیدہ سرپرستوں اور نوخیز اولاد دونوں کی پسند کا معیار اور انتخاب کا مدار کچھ نہ کچھ مختلف ہو سکتا ہے (نکاح کے اسلامی قوانین ر ۶۱)۔

حاشیہ ابن عابدین میں ایک جگہ نکاح کے عدم صحت کی وجہ بیان کرتے وقت کہا گیا ہے: "لظهور سوء اختياره فلا تعارضه شفقته المظنونة" (رد المحتار ر ۶۷)۔

اس لئے اگر قاضی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ولی نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اور نکاح میں اس لڑکی کے مفادات ومصالح کا لحاظ نہیں کیا تو اس نکاح کو فسخ کرنے کا اسے اختیار رہنا

چاہئے، اصلاحی صاحب کا بھی رجحان اسی طرف ہے، وہ کہتے ہیں کہ شریعت کے اصولوں سے یہ بات ہم آہنگ ہی ہوگی متصادم نہ ہوگی، نکاح کے بارے میں شریعت کا بنیادی اصول جبر کا نہیں اختیار کا ہے (نکاح کے اسلامی قوانین/ ۶۲)۔

۷- احناف کے نزدیک اسباب ولایت چار ہیں: قرابت، ملکیت، ولاء، اور سلطان۔

قرابت کے تعلق سے صاحبین صرف عصبات کو ولایت کا حق دیتے ہیں، امام ابوحنیفہ عصبات کی غیر موجودگی میں ذوی الارحام کو بھی حق ولایت عطا کرتے ہیں، امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق اولیاء کی ترتیب اس طرح ہے:

۱۔ابن، ابن الابن، اسی طرح نیچے تک، ۲۔باپ، دادا، اور اس سے آگے، ۳۔حقیقی بھائی اور علاتی بھائی اور ان کی اولاد، ۴۔حقیقی چچا، علاتی چچا اور ان کی اولاد، ۵۔ماں، ۶۔دادی، ۷۔نانی، ۸۔لڑکی، ۹۔پوتی، ۱۰۔نواسی، ۱۱۔نانا، ۱۲۔بہنیں، ۱۳۔اخیافی چچا، ۱۴۔پھوپھیاں، ۱۵۔ماموں، ۱۶۔خالہ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۱۹۹، ۲۰۰)۔

۸- کسی لڑکی کے اگر یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں، اور ان سب کا اتفاق حاصل کئے بغیر کوئی ایک ولی لڑکی کی شادی کردیتا ہے تو نکاح درست ہوجائے گا، امام ابوحنیفہ ومحمد کے نزدیک سارے اولیاء کی رضامندی ضروری نہیں، شیخ ابوزہرہ کہتے ہیں: ''**وإن اتحدت الجهة والدرجة وقوة القرابة كان كلاهما وليا وأيهما زوج صح زواجه، فإن زوج كلاهما اعتبر زواج المتقدم فإن لم يعرف المتقدم بطل زواجهما**'' (عقد الزواج وآثارہ/ ۱۶۰)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مفتی عبدالرحیم قاسمی ☆

ولایت کا مفہوم اور اس کی شرطیں:

ماتحت پر اس کی مرضی یا بغیر مرضی کے قول نافذ کرنا ولایت ہے۔اور یہ چار اسباب سے ثابت ہوتی ہے:

۱۔قرابت، ۲-ملکیت، ۳-ولاء، ۴-امامت۔

"**الولاية تنفيذ القول على الغير تثبت بأربع: قرابة و ملك وولاء وامامة شاء أو أبى**" (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۲۹۶)۔

عاقل، بالغ، وارث شخص ولی ہوتا ہے اگرچہ فاسق ہو جب تک متہتک نہ ہو۔"**هو البالغ العاقل الوارث ولو فاسقاً على المذهب مالم يكن متهتكا**" (تنویر الابصار، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: درمختار ۲/۳۱۱)۔

کامل عقل وفہم سے جان و مال کی حفاظت اور نفع ونقصان کی پہچان کے لئے رہبری ہوتی ہے اور عقل وشعور کی کمی کے سبب انسان کے لئے صحیح طور پر کاموں کو انجام دینا مشکل ہوتا ہے، اس لئے شریعت نے قریبی تعلق رکھنے والے عاقل بالغ رشتہ داروں کو اپنے ماتحتوں پر اختیارات دیئے ہیں، علامہ کاسانی نے فرمایا: ولایت کی اہلیت ماتحت پر شفقت کرنے کی قدرت پر مبنی ہے، اور یہ رائے اور عقل کے کمال سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

☆ امیر مرکز دعوت وارشاد وافتاء، ناظم جامعہ خیر العلوم، نور محل روڈ، بھوپال۔

''لأن أهلية الولاية بالقدرة على توصيل النظر في حق المولى عليه، وذلک بکمال الرأي والعقل" (بدائع الصنائع ۲/ ۲۳۷)۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عصوبت ولی کی تقدیم کے لئے شرط ہے، صاحبین کے نزدیک اصل ولایت کے ثبوت کی شرط بھی عصوبت ہے، حسن بن زیاد کی امام ابو حنیفہ سے یہی روایت ہے، اور صاحبین نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ اصل ولایت کے لئے عصوبت شرط نہیں، وہ تو صرف قرابت رحم پر مقدم کرنے کی شرط ہے، عصبہ کی موجودگی میں غیر عصبہ کو ولایت حاصل نہیں ہوگی، اور عصبہ نہ ہوں تو غیر عصبہ مردوں عورتوں میں سے قریب ترین رشتہ دار مثلاً ماں، بہن، خالہ کو ولایت حاصل ہوگی، پھر قریب تر، جب کہ نکاح کرنے والا اس کا وارث ہو جس کا نکاح اپنی ولایت سے کر رہا ہے، امام اعظم سے مشہور روایت یہی ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۰)۔

ولایت کے لئے عدالت شرط نہیں، لہذا فاسق اپنے بچوں کا نکاح کرانے کی اہلیت رکھتا ہے۔

''وکذا العدالة ليست بشرط لثبوت الولاية عند أصحابنا، وللفاسق أن يزوّج ابنه وابنته الصغيرين'' (بدائع الصنائع ۲/ ۲۳۹)۔

ولایت کی قسمیں:

ولایت کی دو قسمیں ہیں: ۱- ندب: مکلفہ بالغہ اگر چہ باکرہ ہو اس پر ولایت ندب حاصل ہے۔ ۲- ولایت اجبار: صغیرہ اگر چہ ثیبہ ہو، اور مجنونہ اور مملوکہ ان سب پر اولیاء کو ولایت اجبار حاصل ہے (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/ ۲۹۶)۔

۲- عاقل بالغ لڑکے کو اپنا نکاح کرنے کا اختیار ہے اور عاقلہ بالغہ مکلفہ کو بھی کفو میں نکاح کرنے کا اختیار ہے، البتہ صغیرہ، مجنونہ، مملوکہ کے نکاح کا ذمہ دار ولی ہے۔

''فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضا ولي" (درمختار)۔

(الف) لڑکے اور لڑکی میں فرق:

لڑکے پر بالغ ہونے کے بعد ولایت بالکل ختم ہوجاتی ہے، البتہ لڑکی پر بلوغ کے بعد ولایت اجبار ختم ہوجاتی ہے لیکن ولایت ندب باقی رہتی ہے۔

"لا تجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ" (درمختار علی ہامش رد المحتار)۔

(ب) عاقلہ بالغہ کے اختیارات:

عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی سے منعقد ہوجائے گا خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو، اگرچہ ولی نکاح منعقد نہ کرے، یہ مسئلہ ظاہر الروایہ میں شیخین کے نزدیک ہے، جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس نے خالص اپنے حق میں تصرف کیا ہے حالانکہ وہ نکاح کرنے کی اہلیت رکھتی ہے، کیونکہ وہ عاقلہ بالغہ نفع نقصان میں تمیز کرنے والی ہے، اسی لئے اس کو مال میں تصرف کرنے کا اختیار ہے، لہذا اس کو شوہر منتخب کرنے کا بھی اختیار ہوگا، اور شیخین کے قول کی طرف امام محمدؒ کا رجوع بھی مروی ہے (ہدایہ ۲/ ۳۱۴)۔

یہ نکاح کرنے سے لڑکی گنہگار نہیں ہوگی، علامہ سرخسی نے فرمایا: ولی کے بغیر کئے ہوئے نکاح کو جائز کہنے والوں نے اللہ تعالی کے قول **"فلا جناح علیکم فیما فعلن فی أنفسهنّ"** (سورۂ بقرہ: ۲۳۴) سے اور اللہ تعالی کے قول **"حتی تنکح زوجاً غیرہ"** (الآیۃ) سے اور اللہ تعالی کے قول **"أن ینکحن أزواجهنّ "** (سورۂ بقرہ: ۲۳۲) سے استدلال کیا ہے، مذکورہ آیات میں عقد نکاح کی نسبت خواتین کی جانب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خود عقد نکاح کو انجام دینے کی مالک ہے۔

عضل والی آیت کے شروع میں شوہروں سے خطاب کرکے **"إذا طلّقتم"** فرمایا گیا ہے، لہذا عضل سے مراد گھر میں قید کرکے حسی طور پر منع کرنا اور نکاح کرنے سے روکنا ہے۔

اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور اس کی عدت

گذر جائے اور عورت دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہے تو پہلے شوہر کے لئے نکاح کرنے سے عورت کو روکنے کا حق نہیں (مبسوط۵/۱۱۔۱۲)۔

اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اپنی بیان کی ہوئی حدیث کے خلاف راوی کا فتوی اس حدیث کے کمزور ہونے کی علامت ہے، حضرت عائشہؓ کی حدیث کا دارومدار زہری پر ہے، حالانکہ زہری نے اس روایت کا انکار کرتے ہوئے بغیر ولی کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا گیا ہے جب باندی اپنے مولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے یا صغیرہ یا مجنونہ ایسا کرلیں، یہی تاویل دیگر احادیث میں بھی کی گئی ہے، یا ان سے ولایت ندب مراد ہے کہ عورت کا خود عقد نکاح کو انجام نہ دینا مستحب ہے۔

شوہر کو منتخب کرنے کا اختیار عورت کو ہے اس پر سب کا اتفاق ہے، حالانکہ شوہر کو منتخب کرتے وقت اغراض و مقاصد کی وجہ سے رائیں مختلف ہوتی ہیں عقد کے وقت نہیں۔ اگر عورت کے ناقص العقل ہونے کا اعتبار ہوتا تو شوہر منتخب کرنے کا اس کو اختیار نہیں ملتا، اسی طرح اس کے نفس پر بھی نکاح کا اقرار معتبر ہے، اگر وہ صغیرہ کے درجہ میں ہوتی تو اس کا اقرار درست نہیں ہوتا۔

اسی طرح ولی کے عقد کو انجام دینے کی صورت میں بھی عورت کی رضامندی کا اعتبار کیا گیا ہے، اگر وہ صغیرہ کے مرتبہ میں ہوتی تو اس کی مرضی کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ نکاح کا مطالبہ کرنے کے وقت ولی پر اس کا نکاح کرنا واجب ہے، اگر وہ صغیرہ کی طرح ہوتی تو اس کے مطالبہ کو پورا کرنا ولی پر واجب نہیں ہوتا۔ ولی سے نکاح کروانے کا مطالبہ کرنے کا حق عورت کو مروت کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ مردوں کی مجلسوں میں جاکر خود اپنا عقد انجام دینے سے شرمائے گی اور اس کو عار ہوگا، لیکن عقد کے صحیح ہونے کے لئے یہ مانع نہیں (مبسوط۵/۱۲۔۱۳)۔

حضرت فقیہ الامت نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر عاقلہ بالغہ نے اپنا نکاح کفو میں مہر مثل پر کیا ہے تو وہ شرعاً نافذ اور درست ہے، امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے، امام ابو یوسف کا قول

ظاہر الروایہ میں یہی ہے، اور انہوں نے قول اول سے رجوع کیا ہے جو یہ ہے کہ بغیر ولی کے نکاح منعقد نہیں ہوتا جبکہ اس کا کوئی ولی ہو۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اگر کفو میں کیا ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں، اس سے بھی رجوع کیا اور فرمایا کہ زوج کفو ہو یا نہ ہو بہرصورت درست ہے، امام محمد کے نزدیک یہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، پھر ان سے بھی شیخین کے قول کی طرف جو کہ ظاہر الروایہ ہے رجوع مروی ہے، لہٰذا ظاہر الروایہ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کا متفق علیہ قول یہی ہے کہ نکاح درست اور نافذ ہے (مبسوط ۵/ ۱۰) پھر اس متفق علیہ قول کے خلاف فتوی دینا شرعا درست نہیں (دیکھئے: تبیین الحقائق مع ر۲/ ۱۱۷، شامی ۱/ ۵۱، فتاویٰ محمودیہ ۱۸/ ۴۰۳)۔

(ج) بالغہ کا نکاح:

ولی کی مرضی کے بغیر بالغہ کا کیا ہوا نکاح نافذ ہے (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/ ۲۹۶، فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۸۷)۔

۳- فسخ کا حق:

امام ابوحنیفہ، زفر و ابو یوسف کے نزدیک بالغہ کا کیا ہوا نکاح جائز ہے، خواہ کفو سے نکاح کیا ہو یا غیر کفو سے کیا ہو، کامل مہر پر کیا ہو یا ناقص مہر پر، البتہ غیر کفو سے نکاح کے وقت اور ناقص مہر کی صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے، امام ابوحنیفہ کے قول کی طرف امام محمد کا رجوع مروی ہے۔ جیسا کہ تفصیل گذر چکی (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۷)۔

علامہ کاسانی نے فرمایا کہ اگر بالغہ نے غیر کفو میں نکاح کرلیا تو اس کے نافذ کرنے میں اگرچہ اولیاء کا ضرر ہے اور نافذ نہ کرنے میں عورت کی اہلیت کو باطل کرنے کا ضرر ہے، اور اصل یہ ہے کہ دو ضرروں کے جمع ہونے کی حالت میں ممکن حد تک دونوں کو دفع کیا جائے، یہاں ان کو دفع کرنے کی صورت یہ ہے کہ عورت کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہم نے نکاح کو نافذ کر دیا، اور اولیاء کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے نکاح کو لازم نہیں کیا اور اولیاء کو اعتراض کا حق دیدیا

(بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۸)۔

۴-نابالغی میں سر پرستوں کا کیا ہوا نکاح:

نابالغ لڑکے لڑکی کا نکاح اگر باپ دادا نے کیا ہے تو وہ لازم ہے، اس میں کسی قسم کا خیار باقی نہیں، اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور شرعی ولی نے کیا تو اس میں خیار بلوغ حاصل ہے (فتاوی محمودیہ ۳/ ۳۷۰)۔

قاضی خاں نے فرمایا: بچہ بچی جب بالغ ہو گئے اور ان کا نکاح باپ دادا نے کیا تھا تو ان دونوں کو اختیار نہیں، باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء کے کئے ہوئے نکاح میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ان کو خیار بلوغ حاصل ہے۔

"وإذا بلغ الصغير والصغيرة وقد زوّجهما الأب أو الجد لا خيار لهما، ولهما خيار البلوغ في نكاح غير الأب والجد عند أبي حنيفة و محمد" (فتاوی قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۱/ ۳۸۵، فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۸۵)۔

۵-باکرہ کا خیار بلوغ:

علامہ حصکفی نے تحریر فرمایا ہے: نکاح کو جاننے کی حالت میں بالغ ہونے کے بعد خاموش رہنے سے باکرہ کا خیار بلوغ باطل ہو جائے گا، اگر اس نے خلوت سے پہلے مہر کی مقدار یا شوہر کے متعلق دریافت کیا یا گواہوں کو سلام کیا تو اس کا خیار باطل نہیں ہوگا، نیز آخر مجلس تک اس کا خیار دراز نہیں ہوگا، وہ یہ کہہ کر گواہ بنائے گی کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں، خیار بلوغ کا علم نہ ہو تب بھی خیار ختم ہو جائے گا، کیونکہ اسے علم حاصل کرنے کی فرصت تھی۔ اور بچہ اور ثیبہ (شوہر دیدہ) بچی جب بالغ ہوں تو خاموش رہنے سے ان کا خیار باطل نہیں ہوگا جب تک واضح رضا مندی یا جس عمل سے دلالۃً مرضی ظاہر ہو مثلاً بوسہ، لمس، مہر کی ادائیگی وغیرہ نہ پائے جائیں، مجلس سے کھڑے ہونے پر بھی ان کا اختیار باطل نہیں ہوگا (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/ ۳۰۱-۳۱۱)۔

خیار بلوغ کے سلسلہ میں چند توجہ طلب نکات:

(الف) باکرہ کے سلسلہ میں یہ عجلت کیوں کر روا رکھی گئی جبکہ حیا کی وجہ سے اپنے بلوغ کو ظاہر کرنے اور گواہوں کو تلاش کرنے میں اس کے لئے وقت درکار ہے۔

(ب) پہلے بالغ ہو چکی ہو تو گواہ بناتے وقت جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں، اس میں اجتہادی مسئلہ کی وجہ سے منصوص حرام کو مباح کرنا پڑتا ہے جو غیر ضروری ہے۔

(ج) جہالت عذر نہ ہونے کی وجہ علامہ شامی نے دارالعلم ہونا اور موانع نہ ہونا تحریر فرمایا ہے۔ہندوستان دارالکفر ہے، اسلامی احکام اتنے زیادہ مشہور و معروف نہیں، ارکان و فرائض و شعائر سے بھی عام طور پر مسلمان بے خبر ہیں، چہ جائیکہ خیار بلوغ کا دقیق مسئلہ، اور بچوں کی شادیوں کا رواج پسماندہ جاہل لوگوں میں ہی زیادہ ہے، لہذا صغیر اور ثیبہ کی طرح باکرہ کا خیار بھی ممتد ہونا چاہئے۔

۶-ولی سیئ الاخلاق:

اگر باپ کے متعلق لوگوں میں یہ بات مشہور ہو کہ وہ اتنا کم عقل اور بے وقوف ہے کہ اپنے نفع و نقصان کو نہیں سوچتا، اس قدر لالچی ہے کہ روپے کے مقابلہ میں عزت کی بھی پرواہ نہیں کرتا، اس نے اس بات کو جانتے ہوئے نکاح کیا ہے کہ یہ غیر کفو ہے، تو ایسی صورت میں لڑکی کو اختیار حاصل ہے کہ حاکم مسلم کے ذریعہ سے اس نکاح کو فسخ کرا دے۔اگر باپ کا سیئ الاخلاق ہونا مشہور نہیں تو پھر نکاح درست و لازم ہے، (فتاوی محمودیہ ۳/۳۲۸) درمختار میں ہے کہ ولی کو بچہ بچی (اگرچہ ثیبہ ہو) کا نکاح جبراً کرنے کا اختیار ہے، اگرچہ غبن فاحش کے ساتھ ہو، اگر غبن کے ساتھ نکاح کرنے والا باپ یا دادا ہو جن کے متعلق اختیارات کو غلط استعمال کرنا معلوم نہ ہو تو نکاح لازم ہے، اگر معروف بسوء الاختیار ہو تو متفقہ طور پر نکاح درست نہیں (درمختار ۲/۳۰۴)۔

سیئ الاختیار ماجن متہتک:

کشف الغبار میں ہے: سوء الاختیار کے مفہوم میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے، بعض اسے تزویج کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں اور بعض نے عام بمعنی ماجن و متہتک لیا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۲/ ۳۲۱، التحریر المختار ۱/ ۱۸۴)۔

لیکن یہ اختلاف لفظی ہے جس کا نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ متہتک اور سیئ الاختیار کا حکم ایک ہے، اب رہی یہ بحث کہ باپ کا ان عیوب میں معروف ومشہور ہونا ضروری ہے یا ان عیوب کا صرف تحقق ہی کافی ہے، سو مخفی نہیں کہ عیوب مذکورہ کا تحقق اور ان میں معروف ہونا تقریباً متلازم ہیں، یعنی جس شخص میں یقینی طور پر یہ عیوب پائے جاتے ہیں وہ عموماً ان عیوب میں معروف بھی ہوتا ہے، اس لئے معروف بسوء الاختیار کا اطلاق کر دیا جاتا ہے ورنہ اصل مقصد تحقق وتیقن ہے، چنانچہ ماجن متہتک اور سکران میں کسی نے بھی معروف ہونے کی شرط نہیں لگائی (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: درر الحکام ۱/ ۳۳۷، حیلہ ناجزہ/ ۱۳۴، امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۲۷، کشف الغبار عن مسألۃ سوء الاختیار ۵/ ۱۱۲۔ ۱۱۸)۔

۷-ترتیب اولیاء:

امداد الفتاوی میں ہے: ولیٔ نکاح عصبہ بنفسہ ہوتا ہے بہ ترتیب ارث وحجب، یعنی اولاً جزء، ثانیاً اصل، ثالثاً جزء اصل قریب، رابعاً جزء اصل بعید، عصبہ نہ ہونے کی صورت میں ولایت ماں کو ہے، پھر دادی کو، بعض نے بالعکس کہا ہے (اور ام الاب کے بعد ام الام ہے۔ حاشیہ امداد) پھر بیٹی، پھر پوتی، پھر نواسی، پھر پوتے کی بیٹی، پھر نواسی کی بیٹی، اسی طرح آخر فرع تک، پھر حقیقی بہن، پھر علاتی، پھر اخیافی بہن بھائی، پھر ذوی الارحام، اول پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچازاد بیٹی، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد، پھر مولی الموالاۃ (امداد الفتاوی ۲/ ۳۴۷)۔

۸-مساوی اولیاء:

فتاوی قاضی خاں میں ہے: جب بچہ بچی کے دو ولی جمع ہو جائیں مثلاً دو بھائی یا دو چچا،

توان میں سے جو بھی نکاح کردے گا ہمارے نزدیک جائز ہوگا، اور اگر یکے بعد دیگرے دونوں نے نکاح کر دیا تو پہلا نکاح جائز ہے دوسرا نہیں، اور اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے آدمی سے نکاح کر دیا اور دونوں ایک ساتھ واقع ہوئے یا یہ نہیں معلوم کہ پہلا کونسا ہے تو دونوں کا کیا ہوا نکاح باطل ہوجائے گا (فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۲۸۴، درمختار ۲/ ۳۱۴)۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں میں سے جو سبقت کر کے پہلے نکاح کردے یا جس سے پہلے اجازت لے لی جائے اور وہ اجازت دیدے تو اس کی اجازت سے نکاح ہوجائے گا، اسی کے مساوی دوسرے ولی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

☆☆☆

ولایت سے متعلق اہم مسائل

مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی ☆

ولایت کی حقیقت:

ولایت کی تعریف مختصر انداز میں یوں کی گئی ہے:

''والولاية تنفيذ القول على الغير شاء أو أبى'' (الدر المختار ۴/ ۱۵۴)۔

(ولایت دوسرے پر قول نافذ کرنے کو کہتے ہیں، وہ چاہے یا نہ چاہے)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب نے ولایت کی تعریف اس سے واضح انداز میں کی ہے:

''الولاية: هي تدبير الكبير الراشد شؤون القاصر الشخصية والمالية، والقاصر من لم يستكمل أهلية الأداء، سواء أكان فاقدا لها كغير المميز أم ناقصها كالمميز'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۷۴۶)۔

(ولایت بڑے اور سمجھ دار شخص کا نابالغ کے شخصی اور مالی امور کی دیکھ ریکھ کرنے کا نام ہے، کیوں کہ چھوٹا کسی چیز کو مکمل طور پر ادا نہیں کرسکتا، کبھی اس میں یہ صلاحیت بالکل نہیں ہوتی، جیسے بے شعور بچہ۔ یا ناقص طور پر ہوتی ہے، جیسے باشعور نابالغ بچہ)۔

ولایت علی النفس کی تعریف شیخ وہبہ زحیلی نے اس طرح کی ہے:

''والولاية على النفس: هي الإشراف على شؤون القاصر الشخصية من صيانة وحفظ وتأديب وتعليم وتزويج'' (حوالہ سابق)۔

☆ لیکچرر، گورنمنٹ جونیئر کالج ظہیرآباد، حیدرآباد۔

(ولایت علی النفس نابالغ کے شخصی امور یعنی حفاظت، تربیت، تعلیم اور شادی کرانے کی ذمہ داری قبول کرنے کا نام ہے)۔

ولایت علی النفس کی شرائط:

ولایت علی النفس کی شرطیں تین طرح کی ہیں: ۱۔ولی سے متعلق شرائط، ۲۔زیر ولایت رہنے والے (مولی علیہ) سے متعلق شرائط، ۳۔اور تصرف سے متعلق شرائط (بدائع الصنائع ۲/ ۵۰۰، المکتبہ النعیمیہ دیوبند)۔

ولی سے متعلق شرائط حسب ذیل ہیں:

ولی کا عاقل ہونا، ولی کا بالغ ہونا، قرابت دار ہونا، مسلمان ہونا، تربیت پر قادر ہونا، امانت دار ہونا۔

لہذا بچہ، مجنون، غیر رشتہ دار، کافر اور فاسق کو کسی پر ولایت حاصل نہیں ہوگی (بدائع الصنائع ۲/ ۵۰۰، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۷۴۷۔ ۷۴۸)۔

زیر ولایت رہنے والے (مولی علیہ) کے اعتبار سے ولایت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ولایت ایجاب، ۲۔ولایت استحباب۔

ولایت ایجاب (اجبار) کے لئے شرط ہے کہ زیر ولایت رہنے والا نابالغ بچہ یا بچی ہو، یا بالغ ہو لیکن پاگل ہو (بدائع الصنائع ۲/ ۵۰۴)۔

ولایت استحباب عاقلہ بالغہ عورت پر حاصل ہوتی ہے، چاہے وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اس ولایت کے لئے شرط صرف عاقلہ بالغہ کی رضامندی ہے (بدائع ۲/ ۵۱۳)۔

تصرف سے متعلق شرط یہ ہے کہ تصرف زیر ولایت شخص کے حق میں نافع ہو، نقصان دہ نہ ہو، چنانچہ باپ، وصی اور دادا کو حق نہیں ہوگا کہ وہ بچہ کے غلام کا نکاح کسی آزاد عورت یا باندی سے کرادے، کیونکہ یہ تصرف اس کے حق میں نقصان دہ ہے، نقصان پہنچانا ولی کی ولایت کے تحت داخل نہیں، جیسے طلاق، عتاق وغیرہ (حوالہ سابق)۔

۲- (الف) لڑکا اور لڑکی کی ولایت کا فرق:

حنفیہ کے نزدیک لڑکا اور لڑکی کی ولایت میں کوئی فرق نہیں، جب تک یہ دونوں نابالغ ہیں ان پر ولایت اجبار حاصل ہوگی، بالغ ہونے کے بعد ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”وكل هؤلاء لهم ولاية إجبار على البنت والذكر في حال صغرهما، وحال كبرهما إذا جُنّا“ (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۸۳)۔

اولیاء کو نابالغی کی حالت میں لڑکی اور لڑکے پر ولایت اجبار حاصل ہوگی، اور بالغ ہونے کے بعد اس وقت ولایت حاصل ہوگی جبکہ وہ مجنون ہوں۔

اور علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

”فلا تثبت هذه الولاية (ولاية الإجبار) على البالغ العاقل، ولا على العاقلة البالغة، وعلى أصل الشافعي شرط ثبوت ولاية الاستبداد في الغلام هو الصغر وفي الجارية البكارة، سواء كانت صغيرة أو بالغة، فلا تثبت هذه الولاية عنده على الثيب، سواء كانت بالغة أو صغيرة“ (بدائع الصنائع ۲/ ۵۰۴)۔

(ولایت اجبار بالغ عاقل لڑکا اور عاقلہ بالغہ لڑکی پر حاصل نہیں ہوگی، امام شافعیؒ کے اصول کے مطابق بچہ پر ولایت کی شرط نابالغی ہے، اور بچی میں بکارت شرط ہے، خواہ بچی نابالغ ہو یا بالغ، ان کے نزدیک ولایت اجبار ثیبہ پر حاصل نہیں ہوگی، چاہے وہ بالغہ ہو یا نابالغہ)۔

(ب) لڑکی کا از خود نکاح کرنا:

عاقلہ بالغہ لڑکی کو اپنے آپ پر اور اپنے مال پر ولایت حاصل ہے، وہ ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح خود کرسکتی ہے، ایسا نکاح منعقد ہوگا، ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار تو نہیں ہوگی، لیکن معاشرہ میں یہ بے شرمی کی بات سمجھی جاتی ہے، اس لئے یہ خلاف مستحب ہے، بہتر یہ ہے کہ وہ کسی کی سرپرستی میں اپنا نکاح کرائے، علامہ ابن ہمام نقل کرتے ہیں:

"عن أبي حنيفة تجوز مباشرة البالغة العاقلة عقد نكاحها ونكاح غيرها مطلقا، إلا أنه خلاف المستحب وهو ظاهر المذهب" (فتح القدیر ۳/۲۵۵)۔

(امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ بالغہ عاقلہ لڑکی کا از خود نکاح کرنا جائز ہے، وہ اپنا نکاح کرسکتی ہے اور دوسروں کا نکاح بھی کراسکتی ہے، لیکن یہ خلاف مستحب ہے، اور یہی ظاہر الروایہ ہے)(فتح القدیر ۳/۲۵۵)۔

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

"(قوله: نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي) لأنها تصرفت في خالص حقها، وهي من أهله، لكونها عاقلة بالغة، ولهذا كان لها التصرف في المال، ولها اختيار الأزواج، وإنما يطالب الولي بالتزويج كيلا تنسب إلى الوقاحة" (البحر الرائق ۳/۱۰۹)۔

(آزاد اور مکلّف عورت کا نکاح بغیر ولی کے نافذ ہوگا، کیوں کہ یہ اس کے خالص حق کا استعمال ہے، عاقلہ بالغہ ہونے کی وجہ سے وہ نکاح کی اہلیت رکھتی ہے، اسی لئے اس کو مال میں تصرف کا حق حاصل ہے لہٰذا اس کو شادی کا بھی اختیار رہوگا، البتہ ولی سے نکاح کرانے کا مطالبہ اس لئے کیا جائے گا تاکہ وہ بے شرم نہ سمجھی جائے)۔

اور علامہ مرغینانی کا بیان ہے:

"وينعقد نكاح الحرة البالغة العاقلة برضاها، وإن لم يعقد عليها ولي، بكراً كانت أو ثيباً" (ہدایہ مع الفتح ۳/۲۵۶، فتاویٰ غیاثیہ/ ۶۳)۔

(آزاد، بالغہ، عاقلہ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی سے منعقد ہوجائے گا، اگرچہ اس کا ولی نکاح نہ کرائے، خواہ وہ لڑکی کنواری ہو یا شوہر دیدہ ہو)۔

(ج) ولی کے اتفاق اور رد کا اثر:

عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد ہوجاتا ہے، بعد میں ولی کے

اتفاق اورعدم اتفاق سے اس نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑتا، صاحب عنایہ لکھتے ہیں:

"ویروی رجوع محمد إلی قولهما۔ هدایة) یعني ینعقد نکاحها عنده أیضا بلا ولي، ولا یوقف علی الإجازة" (العنایہ مع الفتح ۳/ ۲۶۰)۔

(امام محمدؒ کا شیخین کے قول کی طرف رجوع منقول ہے کہ ان کے نزدیک بھی بغیر ولی کے عورت کا نکاح منعقد ہوجائے گا، ولی کی اجازت پر موقوف نہیں رہے گا)۔

۳- اولیاء کو اعتراض کا حق:

عاقلہ بالغہ لڑکی کے از خود نکاح کرنے کی صورت میں اولیاء کو اعتراض کا حق نہیں ہونا چاہئے، اگر کفو میں نکاح کیا تو بالاتفاق اعتراض کا حق نہیں، اور غیر کفو میں بھی کرے تو بھی اعتراض کا حق نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ مسئلہ کفاءت میں مالکیہ کا مذہب میرے خیال میں قابل ترجیح ہونا چاہئے، علامہ کاسانی کفو میں نکاح کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وأما إذا زوجت نفسها من کفء وبلغ الولي، فامتنع من الإجازة، فرفعت أمرها إلی الحاکم فإنه یجیزه" (بدائع الصنائع ۲/ ۵۱۵)۔

جب لڑکی اپنا نکاح خود ہی کفو میں کرے، ولی کو اطلاع پہونچنے پر وہ اجازت نہ دے، اورلڑکی اپنا معاملہ قاضی کے پاس لے جائے تو وہ اس نکاح کو جائز قرار دے گا۔

۴- کیا لڑکی نکاح فسخ کراسکتی ہے؟

نابالغ لڑکی کا نکاح اگر اس کے باپ دادا نے کرایا ہو تو لڑکی وہ نکاح فسخ نہیں کراسکتی، لیکن اگر باپ دادا کے علاوہ کسی رشتہ دار نے نکاح کرایا ہو تو بالغ ہونے کے بعد اس کو فسخ نکاح کا اختیار رہوگا، چنانچہ علامہ برہان الدین مرغینانی لکھتے ہیں:

اگر باپ اوردادا نے نابالغ بچہ اور بچی کا نکاح کرایا تو بالغ ہونے کے بعد ان کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا، کیوں کہ باپ دادا پختہ رائے اور مکمل شفقت والے ہیں، ان دونوں کے نکاح کرانے سے نکاح لازم ہوجائے گا، جیسا کہ بالغ ہونے کے بعد باپ دادا کا ان کی رضامندی

سے نکاح کرانا لازم ہو جاتا ہے، لیکن اگر باپ دادا کے علاوہ کسی نے ان کا نکاح کرایا تو بالغ ہونے کے بعد ان دونوں کو اختیار رہوگا، اگر چاہیں تو نکاح کو باقی رکھیں اور چاہیں تو فسخ کردیں (ہدایہ مع الفتح ۳/۲۷۷-۲۷۸)۔

۵-خیار بلوغ کا حق کب تک رہے گا؟

خیار بلوغ کا حق لڑکی کو اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اس کو اپنے نکاح کا علم نہ ہوجائے، اگر اس کو پہلے سے نکاح کا علم ہے تو بالغ ہونے کے تھوڑی ہی دیر تک اس کو اختیار حاصل ہوگا، اگر وہ باکرہ ہے اور بلوغ کے بعد خاموش رہ گئی تو اختیار ختم ہوجائے گا، مجلس کے آخر تک یہ اختیار باقی نہیں رہے گا، چنانچہ صاحب عنایہ لکھتے ہیں:

"إن الصغيرة إذا بلغت وقد علمت بالنكاح فسكتت بطل خيارها" (العنایہ مع الفتح ۳/۲۸۱)۔

(نابالغ بچی جب بالغ ہوجائے اور اس کو اپنے نکاح کے بارے میں معلوم ہو، پھر وہ خاموش رہے تو اس کا اختیار ختم ہوجائے گا)۔

"ويبطل هذا الخيار في جانبها بالسكوت إذا كانت بكراً، ولا يمتد إلى آخر المجلس، حتى لو سكتت كما بلغت وهي بكر بطل الخيار" (فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۸۶)۔

لڑکی کا خیار بلوغ خاموش رہنے سے ختم ہوجائے گا، جب کہ وہ باکرہ ہو، یہ اختیار مجلس کے آخر تک باقی نہیں رہے گا، یہاں تک کہ اگر وہ جیسے ہی بالغ ہوئی اور خاموش رہ گئی تو اختیار ختم ہوجائے گا۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"واستفيد من بطلانه بسكوتها أنه لا يمتد إلى آخر المجلس، وعلى هذا قالوا: ينبغي أن يبطل مع رؤية الدم، فإن رأته ليلا تطلب بلسانها فتقول: فسخت نكاحي" (البحر الرائق ۳/۱۲۲)۔

ولی ابعد کا نکاح کرانا:

قریب تر ولی کے رہتے ہوئے نسبۃً دور کے ولی نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کرایا، تو یہ نکاح قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

''**وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضراً وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته**'' (فتاوی ہندیہ ۱/۲۸۵)۔

اگر دور کے ولی نے بچہ یا بچی کا نکاح کرایا، تو اگر قریب تر ولی حاضر ہو اور وہ ولایت کا اہل ہو تو دور کے ولی کا نکاح کرانا قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

لیکن اگر قریب تر ولی اتنی دور ہو اور ایسی جگہ ہو کہ اگر اس سے کسی طرح سے (چاہے مواصلاتی ذرائع سے ہی سہی) رابطہ کیا جائے تو یہ مناسب رشتہ چھوٹ جائے، تو اس سے نسبۃً دور کے ولی کا نکاح کرانا درست ہوگا، اور قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف نہیں رہے گا، چنانچہ شامی میں ہے:

''ذخیرہ'' میں ہے کہ اصح قول یہ ہے کہ قریب تر ولی ایسی جگہ ہو کہ اگر اس کے آنے کا انتظار کیا جائے یا اس کی رائے معلوم کی جائے تو یہ موجودہ مناسب رشتہ چھوٹ جائے، تو یہ غیبت منقطعہ شمار ہوگی، کتاب میں اسی کی طرف اشارہ ہے، 'بحر' میں 'مجتبی' اور 'مبسوط' سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ زیادہ صحیح قول ہے، نہایہ میں ہے کہ اکثر مشائخ نے اس کو اختیار کیا ہے اور ابن فضل نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، ''ہدایہ'' میں ہے کہ یہ قول فقہ سے زیادہ قریب ہے، فتح القدیر میں ہے کہ یہ فقہ سے زیادہ مشابہ ہے، اکثر متاخرین اور اکثر مشائخ کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ مشائخ سے مراد متقدمین ہوتے ہیں، شرح ملتقی میں ''حقائق'' سے ماخوذ ہے کہ یہ تمام اقوال میں سب سے صحیح قول ہے، اور اسی پر فتوی ہے، ''اختیار'' اور ''نقایہ'' میں اسی کو ذکر کیا گیا ہے، ''نہر'' کی بحث سے اسی کو اختیار کرنے کی طرف اشارہ ملتا ہے، ''البحر الرائق'' میں ہے کہ جس قول کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے اسی کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔

٦-لڑکی کا فسخ نکاح کا دعوی دائر کرنا:

نکاح کے بعد لڑکی نے قاضی کے یہاں دعوی دائر کیا کہ اس کے ولی نے اپنے مفاد کا لحاظ کرتے ہوئے نا مناسب جگہ اس کا رشتہ کردیا ہے، وہ اس نکاح سے مطمئن اور راضی نہیں ہے، گواہوں کے بیانات کے بعد قاضی نے محسوس کیا کہ ولی نے نکاح میں لڑکی کے مصالح و مفادات کا سرے سے لحاظ نہیں کیا ہے، اگر وہ ولی ''سوء اختیار'' میں لوگوں کے درمیان مشہور ہو تو قاضی اس لڑکی کا نکاح فسخ کرسکتا ہے، ورنہ نہیں (دیکھئے: رد المحتار ۱۷۲/۴)۔

معروف بسوء الاختیار وغیرہ سے مراد:

معروف بسوء الاختیار سے مراد ایسا شخص ہے کہ اس کی بے وقوفی یا لالچ کی بنا پر اس کی ناپسندیدگی لوگوں میں مشہور ہو جائے، اس کے لئے پچھلا تجربہ ضروری نہیں، علامہ شامی نے شرح مجمع سے نقل کیا ہے:

''حتی لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده إجماعا'' (حوالہ سابق)۔

شرح مجمع میں ہے کہ اگر بے وقوفی یا حرص کی وجہ سے باپ کا سوء اختیار مشہور ہو جائے تو اس کا عقد بہ اتفاق جائز نہیں۔

ماجن اور فاسق کی تعریف علامہ سید شریف جرجانیؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''الماجن هو فاسق، وهو أن لا يبالي بما يقول ويفعل، وتكون أفعاله على نهج الفاسق'' (کتاب التعریفات للجرجانی/ ۲۲۵)۔

(ماجن ایسا فاسق ہے، جو اپنے اقوال و افعال میں بے پرواہی برتتا ہو، اور اس کے افعال فاسقوں کے افعال کی طرح ہوں)۔

۷-اولیاء کی ترتیب:

ولی عصبات ہوا کرتے ہیں، (البحر الرائق ۱۱۸/۳) یعنی باپ کے رشتہ سے مرد رشتہ دار،

ولایت نکاح میں عصبات کی ترتیب وہی ہے جو وراثت میں ہے، قریب تر عصبہ کے رہتے ہوئے دور کا عصبہ حق ولایت سے محروم ہو جائے گا (ہدایہ مع الفتح ۳/۲۷۷)۔

اولیاء کی ترتیب اس طرح ہوگی: سب سے پہلے ولایت کا حق دار بیٹا ہوگا، پھر پوتا، پھر باپ، پھر دادا، پھر سگا بھائی، پھر باپ شریک بھائی، پھر سگے بھائی کا بیٹا، پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا (بھتیجا)، پھر سگا چچا، پھر سوتیلا چچا، پھر سگے چچا کا لڑکا، پھر سوتیلے چچا کا لڑکا، پھر باپ کے سگے چچا، پھر باپ کے سوتیلے چچا، پھر باپ کے سگے چچا کے لڑکے، پھر باپ کے سوتیلے چچا کے لڑکے، پھر دادا کے سگے چچا، پھر دادا کے سوتیلے چچا، پھر دادا کے سگے چچا کے لڑکے، پھر دادا کے سوتیلے چچا کے لڑکے (البحر الرائق ۳/۱۱۹)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عصبات نہ ہونے کی صورت میں ولایت کی حق دار ماں ہوگی، پھر بیٹی، پھر پوتی، پھر نواسی، پھر پوتے کی بیٹی، پھر نواسی کی بیٹی، پھر سگی بہن، پھر باپ شریک بہن، پھر ماں شریک بھائی اور بہن، پھر ان کی اولاد، پھر پھوپھیاں، پھر ماموں، پھر خالائیں، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد (فتاوی قاضی خاں علی الہندیہ ۱/۳۵۵)۔

۸- یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی:

اگر کسی لڑکی یا لڑکے کے ایک سے زائد یکساں درجہ کے ولی ہوں، اور ولی کی اجازت پر نکاح کو صحیح قرار دیا جائے، تو کسی ایک ولی کی اجازت سب کی طرف سے کافی ہوگی۔ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"إذا اجتمع في الصغير والصغيرة وليّان في الدرجة على السواء فزوّج أحدهما جاز، أجاز الأول أو فسخ" (البحر الرائق ۳/۱۱۹)۔

(جب کسی بچہ یا بچی میں یکساں درجہ کے دو ولی جمع ہو جائیں اور ان میں سے ایک ولی نے نکاح کرا دیا تو یہ جائز ہے، خواہ دوسرا اس کی اجازت دے یا فسخ کر دے)۔

اور علامہ اوزجندی فرماتے ہیں:

"وإذا اجتمع وليّان كالأخوين والعمين فأيهما زوّج جاز عندنا" (فتاویٰ خانیہ ۱/۳۵۶)۔

(جب (بچہ اور بچی میں) دو ولی جمع ہو گئے، جیسے دو بھائی اور دو چچا، تو ان میں جس کسی نے بھی نکاح کرا دیا تو یہ ہمارے نزدیک جائز ہے)۔

☆☆☆

ولایت شریعت اسلامی کی نظر میں

مولانا اعجاز احمد قاسمی ☆

ولایت کا لغوی واصطلاحی مفہوم:

''ولایت'' لغت میں ''عدو'' کا خلاف ہے، ''ولایت'' واو کے کسرہ کے ساتھ سلطان کے معنی میں اور ولایت واو کے فتحہ کے ساتھ نصرت اور محبت کے معنی میں ہے۔

''قال السیبویہ: الولایة بالفتح المصدر والولایة بالکسر الاسم مثل الامارة والنقابة'' (بحر ۳/۱۰۹)۔

اور اصطلاح شرع میں ولی ایسے شخص کو کہیں گے جو عاقل، بالغ اور وارث ہو، درمختار میں ہے: ''وشرعا البالغ العاقل الوارث ولوفاسقا علی المذهب''۔

ولایت علی النفس کے لئے اہلیت شرط ہے، یعنی عقل، بلوغ، اور حریت- اور اسلام، صبی، مجنون اور رقیق کافر مجور التصرف ہیں ان کے تصرفات خود ان کے حق میں معتبر نہیں ہیں۔

ولایت کی قسمیں:

ولایت کی دو قسمیں ہیں: ۱- ولایت استحباب: یہ ولایت عاقلہ، بالغہ پر ولی کو حاصل ہوتی ہے، خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، ۲- ولایت اجبار: یہ ولایت صغیرہ پر حاصل ہوتی ہے، صغیرہ باکرہ ہو یا ثیبہ یہ ولایت کبیرہ مجنونہ اور مرقوقہ پر بھی حاصل ہوتی ہے، درمختار میں ہے:

☆ ناظم مدرسہ اسلامیہ محمود العلوم، دملہ مدھوبنی، بہار۔

"ولاية ندب على المكلفة ولو بكرا وولاية اجبار على الصغيره ولو ثيبا ومعتوهة ومرقوقة" (درمختار ۲/۴۰۷)۔

لڑکا اور لڑکی پر ولی کی ولایت کب ختم ہوجاتی ہے اور اس کو اپنے نفس پر کیا اختیار ہے:

لڑکا اور لڑکی دونوں پر ولی کی ولایت بلوغ کے بعد ختم ہوجاتی ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ولایت کی بنیاد صغر پر ہے، لڑکا ہو یا لڑکی بالغ ہوتے ہی دونوں کو اختیار نفس حاصل ہوجاتا ہے، کسی شخص کو اختیار نہیں کہ اس کو نکاح پر مجبور کرے۔

"والولاية على الصغيرة لقصود عقلها وقد كمل بالبلوغ بدليل توجه الخطاب فصار كالغلام وكالتصرف في المال" (ہدایہ ۲/۲۹۷)۔

"بچی پر ولایت اس کے نقصان عقل کی وجہ ہے اور بلوغ کی وجہ سے کمی پوری ہوچکی احکام خداوندی کے اس کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے، پس یہ ولایت لڑکا پر ولایت کی طرح ہوگئی، اور مال میں حق تصرف حاصل ہونے کی طرح"۔

البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک لڑکا پر ولی کی ولایت تو بلوغ کی حد تک ہے مگر لڑکی پر ولایت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک وہ باکرہ رہے گی، لہذا ولی بلا مرضی باکرہ بالغہ اپنی مرضی سے اس کی شادی جہاں چاہے کراسکتا ہے، امام شافعی کا استدلال حضور ﷺ کے ارشاد: **"الثيب احق بنفسها"** (ثیبہ اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہے) کے مفہوم سے ہے کہ **"ان الباكرة ليست احق بنفسها بل الولي احق"** (باکرہ اپنے نفس پر ثیبہ کی طرح حق نہیں رکھتی بلکہ اس کا ولی زیادہ حق دار ہے)، اسی طرح حدیث رسول اللہ ﷺ: **"ايما امرأة نكحت بغير اذن ولي فنكاحها باطل باطل باطل**، اور **"لا نكاح الابولي"** سے استدلال فرمایا ہے، مگر یہ استدلال کمزور ہے، اول الذکر حدیث کی راویہ حضرت عائشہؓ ہیں اور آپ کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے، حضرت عائشہؓ نے اپنے عبدالرحمنؓ کی لڑکی کی شادی کردی

جبکہ عبدالرحمٰن موجود نہ تھے، "وعمل الراوی بخلاف ماروی یبطل الروایة لما عرف فی اصول الفقه" (فتح ۳/۱۵۹) راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو روایت معتبر نہیں رہتی جیسا کہ اصول فقہ میں جانا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث شریف نصوص شرعیہ "لا جناح علیهن فیما فعلن فی انفسهن" (ان پر کوئی گناہ نہیں ہے ان امور میں جو وہ اپنے نفس کے بارے میں فیصلہ کریں)، "حتی تنکح زوجا غیره" (یہاں تک کہ وہ خود دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلیں)، "ان ینکحن ازواجهن" (یہ کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں) کی صراحت کے خلاف ہے۔

ثانی الذکر حدیث سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ کوئی نکاح ولایت کے بغیر نہیں ہوتا اور بلوغ کے بعد لڑکی کو خود اپنے نفس پر ولایت حاصل ہوجاتی ہے، بالغہ لڑکی کا خود سے کیا ہوا نکاح بلاولایت نہیں رہا، نیز "لا نکاح" میں "لا" حرف نفی کو کمال کی نفی پر محمول کیا جاسکتا ہے، اس طرح دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی راہ بھی نکل جائے گی۔

دوسری طرف صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا تنکح البکر حتی تستأذن، ولا الثیب حتی تستأمر، فقیل له ان البکر تستحی؟ فقال اذنها صماتها"، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پوچھے بغیر کسی کو اجازت نہیں کہ وہ باکرہ کا نکاح کردے، حدیث کا عموم باپ اور غیر باپ دونوں کو شامل ہے، دوسری حدیث شریف ہے: "الایم احق بنفسها من ولیها"، بالغہ بے شوہر لڑکی اپنے ولی کے بہ نسبت اپنے نفس پر زیادہ حق رکھتی ہے، مندرجہ ذیل امور قابل توجہ ہیں جن کی بنا پر اس حقیقت کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ باکرہ بالغہ خود مختار ہے، اس کو کوئی نکاح پر مجبور نہیں کرسکتا۔

۱- جب باپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بالغہ رشیدہ لڑکی کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا کوئی تصرف کرے تو اس کے ملک بضعہ میں جو مال سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے اس کی مرضی اور منشاء کے بغیر ولی کو کیوں کر تصرف کا حق دیا جاسکتا ہے۔

۲- صغر (بچپنا) نصاً اور اجماعاً سبب حجر ہے، نہ کہ بکارۃ، پس بکارۃ کو سبب حجر (ممنوع التصرف) قرار دینا اصول اسلام کے خلاف ہے، اس لئے کہ شریعت نے کسی بھی متفق علیہ جگہ پر بکارۃ کو سبب حجر نہیں مانا ہے، پس حجر کی تعلیل ''بکارۃ'' کے ذریعہ بیان کرنا ایک ایسے وصف کے ذریعہ علت بیان کرنا ہے جس کی کوئی تاثیر شریعت میں معلوم نہیں ہے۔

۳- حدیث بکر میں ''یستأذن'' کا لفظ ہے، اور حدیث ثیب میں ''تستأمر'' کا لفظ ہے، پس ایک جگہ ''اذن'' اور دوسری جگہ ''امر'' ہے، اور ''صمات'' کو اذن بکر قرار دیا گیا ہے، جس طرح ''نطق'' کو اذن ثیب قرار دیا گیا ہے۔

حدیث شریف میں بکر اور ثیب کے درمیان اسی فرق کو بیان کیا گیا ہے نہ کہ اجبار اور عدم اجبار کا فرق دونوں میں بیان کیا گیا ہے، حاصل یہ ہوا کہ باکرہ شرم وحیا کی وجہ سے نکاح کے معاملہ میں بول نہیں پائے گی، لہذا پیغام نکاح اس کے پاس نہیں بلکہ اس کے ولی کے پاس بھیجا جائے، اور ولی پر یہ لازم ہے کہ وہ باکرہ سے اجازت طلب کرے اور باکرہ اس کو اجازت دے، اولاً ولی کو اجازت نہ دے جب اجازت چاہے تو اجازت دے، اور ثیبہ کی حیا ختم ہو چکی ہے، تو وہ نکاح کے معاملہ میں بول سکتی ہے، تو پیغام نکاح اس کے پاس بھیجا جا سکتا ہے اور وہ اولاً نکاح کرانے کا اختیار اور اجازت دے سکتی ہے، پس ولی من جہۃ الثیب مامور ہے اور من جہۃ البکر مستأذن ہے، حدیث میں نوعیت اجازت کا فرق ہے نہ یہ کہ ایک مجبور ہے اور دوسری غیر مجبور۔

۴- عاقلہ اور بالغہ کی اجازت کے بغیر اس کی پسند کے خلاف نکاح کرانا اصول وعقول کے خلاف ہے، اللہ نے جب اولیاء کے لئے یہ جائز قرار نہیں دیا کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی شیٔ کو فروخت کر دے یا اجارہ پر دے دے اور نہ ہی وہ اپنی ماتحت کو کسی ایسی چیز کے کھانے اور پینے پر مجبور کر سکتا ہے جس کو وہ پسند نہیں کرتی تو کیسے ایسے شخص کے ساتھ مباضعت اور معاشرت پر مجبور کیا جا سکتا ہے جس کے ساتھ مباضعت اور معاشرت سے نفرت کرتی ہے، حالانکہ اللہ تعالی

نے زوجین کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ آپس میں مؤدۃ اور رحمۃ کا سلوک رکھیں اور یہ چیز بغض ونفرت کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتی۔

مذکورہ بالا تصریحات وتوضیحات اور تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ عاقلہ اور بالغہ لڑکی اپنے نفس پر خود اختیار رکھتی ہے اس کو کوئی شخص اس کی مرضی اور اعتماد کے بغیر نکاح پر مجبور نہیں کرسکتا ہے، اور ایسے فعل پر جس کا حکم خود شریعت نے عاقلہ بالغہ کو دیا ہے اس کے استعمال کرنے پر عورت گنہگار نہیں ہوسکتی، کوئی شخص اس وقت عاصی قرار پائے گا جب احکام شرعیہ کی وہ خلاف ورزی کرے گا، اور مسئلہ **فیما نحن فیه** میں عورت احکام شرعیہ کے مطابق قدم اٹھا رہی ہے پس وہ عاصی قرار نہیں پائے گی۔

عاقلہ اور بالغہ لڑکی کے کئے ہوئے نکاح پر ولی کا اعتراض:

عاقلہ اور بالغہ لڑکی نے اپنا نکاح کفو میں از خود کرلیا، تو اس نکاح پر اولیاء کے رد کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، وہ نکاح صحیح ہے اور بدستور درست رہے گا، ہاں اگر غیر کفو میں اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا ہے تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہے، وہ بذریعہ قاضی نکاح کو ختم کراسکتا ہے، قاضی کی عدالت میں اپنے دعوی نکاح فی غیر الکفو کو ثابت کردے گا قاضی نکاح کو فسخ کردے گا، درمختار میں ہے:

"وله ای للولی اذا کانت عصبة (الی ان قال) الاعتراض فی غیر الکفو فیفسخه، القاضی ویتجدد بتجدد النکاح" (درمختار علی ہامش رد المحتار ۲/۴۰۸)۔

(ولی کو غیر کفو میں نکاح کی صورت میں حق اعتراض حاصل ہے، اور اعتراض ولی تجدد نکاح کے ساتھ از سر نو حاصل ہوگا)، یعنی ایک دفعہ کی اجازت دوسرے نکاح کے لئے کافی نہ ہوگا، حضرت امام ابوحنیفہؒ، اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ یہ نکاح درست ہی نہیں ہوگا، جس طرح کفو میں از خود نکاح کرلینے میں اولیاء کی مرضی اور اس کے اختیار کا کوئی دخل نہیں ہے، اسی طرح غیر کفو میں نکاح کی صورت میں عورت کی مرضی اور اس کی پسند کا کوئی دخل نہیں ہے، امام

اعظمؒ کی اسی روایت پر فتوی ہے۔

"ویفتی فی غیر الکفء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان "(درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/ ۴۰۸)۔

(اور غیر کفو میں نکاح کے بالکلیہ عدم جواز کا فتوی دیا جائے گا یہی پسندیدہ فتوی کے لئے فساد زمان کی وجہ سے)۔

اس لئے کہ ہر ولی اچھی طرح قاضی کے پاس مرافعہ نہیں کرسکتا اور نہ وہ اچھی طرح معاملہ پیش کرسکتا ہے اور نہ ہی ہر قاضی انصاف کر سکے گا (شامی ۲/ ۴۰۹)۔

یہ مسئلہ اس وقت ہے کہ جب اس کے پاس ولی ہو اگر کوئی ولی نہ ہو تو نکاح بلا تردد اتفاقا نکاح نافذ ہوگا۔

"اور یہ اس وقت ہے جب لڑکی کے پاس کوئی ولی ہو جو غیر کفو میں نکاح سے عقد سے قبل راضی نہ ہو پس عقد کے بعد کی رضا کا اعتبار نہیں ہے، اور جب اس کے پاس کوئی ولی نہ ہو تو نکاح صحیح اور نافذ ہے مطلقا اور اتفاقا، بحر کا قول (**لم یرض بہ**) شامل ہے، اس صورت کو بھی جب ولی بالکلیہ نکاح سے بےخبر رہا پس عدم رضا کی صراحت ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا سکوت رضا نہ ہوگا جب کہ ہم نے ذکر کردیا ہے، پس عقد کی صحت کے لئے ولی کی صراحت کے ساتھ اجازت ضروری ہے (اگر نکاح غیر کفو میں ہو)"۔

نابالغہ کا نکاح اور اس کو خیار بلوغ:

اگر اپنی زیر ولایت لڑکی کا نکاح اس کی نابالغی کے زمانہ میں باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کفو میں کردیا، تو اگر لڑکی اس نکاح سے مطمئن نہیں ہے تو ایسی صورت میں بعد بلوغ یہ نکاح بذریعہ قاضی فسخ کراسکتی ہے (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/ ۴۱۹)۔

اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے صغیر صغیرہ اور ملحق بہما (مجنونہ) کا نکاح کفو میں مہر مثل کے ساتھ پڑھادیا تو وہ نکاح صحیح ہے لیکن ان دونوں کو خیار فسخ حاصل ہوگا اگر چہ دخول

ہو چکا ہو (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۴۱۹)۔

غیر الاب والجد کا پڑھایا ہوا نکاح غیر لازم قابل فسخ ہوتا ہے، اس کی علت بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے: **"ان قرابة الاخ ناقصة والنقصان يشعر بقصور الشفقة فيتطرق الخلل الى المقاصد عسى والتدارك ممكن بخيار الادراك"** (ہدایہ ۲/۲۹۷)۔

(باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء بھائی وغیرہ کی قرابت ناقص ہے اور نقصان قرابت شفقت کی کمی کو بتلاتا ہے، پس مقاصد کے حصول میں کبھی خلل واقع ہوسکتا ہے اور نقصان کی تلافی خیار بلوغ کے ذریعہ ممکن ہے)۔

البتہ باپ اور دادا کا پڑھا ہوا نکاح لازم اور نا قابل فسخ ہوتا ہے۔

(اور اگر باپ دادا نے صغیر اور صغیرہ کا نکاح پڑھایا تو ان دونوں کو بلوغ کے بعد خیار فسخ حاصل نہ ہوگا، اس لئے کہ دونوں کامل الرائی اور پوری شفقت والے ہیں پس ان دونوں کا کیا ہوا عقد ایسا ہی لازم ہے جس طرح انہوں نے بلوغ کے بعد اپنی مرضی سے عقد کیا ہو)۔

ایک لڑکا اور لڑکی میں خود اپنے لئے جو شفقت اور نظر ہوتی ہے جس کی بنا پر خود اس کا کیا ہوا نکاح لازم مانا جاتا ہے کسی حال میں باپ اور دادا میں اپنی لڑکی کے لئے اس سے کم شفقت نہیں ہوتی، بلکہ وسیع تر مفاد کا جس قدر خیال ان حضرات کی نظر وشفقت میں ہے لڑکا اور لڑکی غلبہ شہوت اور قلت تجربہ کی وجہ سے اس قدر مفاد اور مصالح کو پیش نظر نہیں رکھ پاتا ہے، الا یہ کہ باپ اور دادا معروف بسوء الاختیار ہو یعنی اپنی غرض کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی لڑکی کے مصالح سے قطعی طور پر صرف نظر کر لیا ہو تو ایسی صورت میں باپ اور دادا کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔

خیار بلوغ کب تک حاصل ہوتا ہے:

خیار بلوغ بالغ ہوتے ہی حاصل ہوتا ہے، اور ذرا سی بے توجہی سے ختم ہو جاتا ہے، اگر باکرہ لڑکی خیار بلوغ کا استعمال کرنا چاہتی ہے اور نکاح کا علم اس کو پہلے سے ہے تو جیسے بالغ ہوئی

فوراً خیار بلوغ کو استعمال کرتے ہوئے اپنے اس عمل پر دو آدمی کو گواہ بنالے، بالغ ہونے کے بعد خاموش رہ گئی تو خیار باطل ہوجائے گا، اگر اس کو نکاح کا علم قبل البلوغ نہ تھا تو بلوغ کے بعد جب اس کو نکاح کا علم ہوا اسی وقت فوراً خیار کو بروئے کار لائے ورنہ سکوت خیار کو باطل کردے گا۔ اور اگر لڑکا یا ثیبہ کو خیار بلوغ حاصل ہوجائے تو اس کو اس وقت تک خیار حاصل رہے گا جب تک اس کی طرف سے رضا صراحتاً یا دلالۃ ظاہر نہ ہوجائے۔

''اعتبارا لهذه الحالة بحالة ابتداء النكاح وسكوت البكر فى الابتداء اذن بخلاف سكوت الثيب والغلام'' (بحر ۳/۱۲۲)۔

(اس حالت کو نکاح کے ابتداء کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے اور باکرہ کا سکوت ابتداء میں اجازت ہے برخلاف سکوت الثیب والغلام کے) اس لئے ثیبہ اور لڑکا کا سکوت بلوغ کے بعد اس کے خیار کو باطل نہ کرے گا۔

قریب تر ولی کے رہتے ہوئے نسبتاً دور کے ولی کا پڑھایا ہوا نکاح:

قریب تر ولی کے رہتے ہوئے نسبتاً دور کے ولی نے نکاح پڑھا دیا تو وہ نکاح اقرب ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا، درمختار میں ہے: **''فلو زوج الابعد حال قيام الاقرب توقف على اجازته''** (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/۴۳۲)۔

(اگر کسی ابعد ولی نے اقرب کی موجودگی میں نکاح پڑھا دیا تو اقرب کی اجازت پر یہ نکاح موقوف رہے گا، اور اس اجازت کے لئے اقرب کا سکوت کافی نہیں ہے جب صراحۃً یا دلالۃً اس سے رضا ظاہر نہ ہوجائے۔

''فلا يكون سكوته اجازة النكاح الا بعد وان كان حاضرا فى مجلس العقد مالم يرض صريحا او دلالة'' (شامی ۲/۴۴۳)۔

معروف بسوء الاختیار ولی سے مراد:

ماتحت بچے اولیاء کے ہاتھ میں اللہ کی امانت ہیں، لہذا اولیاء پر واجب ہے امانت میں

خیانت نہ کرے، اور دیئے گئے اختیار کو اپنے مفاد میں استعمال نہ کرے، بلکہ لڑکا اور لڑکی کی پوری مصلحت کا خیال رکھے۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "**واوجب الله على اولياء النساء ان ينظروا في مصلحة المرأة لا في اهوائهم (وقال في موضع آخر) ويجب على ولي المرأة ان يتقي الله فيمن يزوجها به وينظر في الزوج هل هو كفوا وغير كفو فانه انما يزوجها لمصلحتها لا لمصلحته وليس له ان يزوجها يزوج ناقص لغرض له**" (فتاوی ابن تیمیہ ۳۲/۵۲، ۴۰)۔

(اللہ تعالی نے عورتوں کے ولی پر واجب کردیا ہے کہ وہ عورت کی مصلحت میں نظر کرے نہ کہ اپنی خواہش کی فکر کرے، اور عورت کے ولی پر فرض ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اس شخص کے بارے میں جس سے اس کی شادی کررہا ہے، غور کرے کہ کیا وہ عورت کے کفو اور ہم مثل ہے یا نہیں، لہذا عورت کی شادی اس کی مصلحت کا خیال رکھ کر کرے، نہ کہ اپنی مصلحت کو مدنظر رکھے، ولی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ لڑکی کی شادی کم تر شوہر سے اپنی غرض کو حاصل کرنے کے لئے کردے)۔

اگر کسی ناعاقبت اندیش لاپرواہ بے وقوف ولی نے اپنی لڑکی کی شادی غیر مناسب جگہ پر کردیا، لڑکی کی مصلحت کو نظر انداز کرتے ہوئے طمع زر اور حرص مال یا کسی دباؤ میں اپنی لڑکی کو کسی مرد سے بیاہ دیا تو وہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

"**لم يعرف منهما سواء الاختيار**" کا کھلا ہوا مفہوم یہی ہے کہ یہ حالت مشتبہ نہ رہے کہ باپ نے یہ نکاح اپنی غرض اور مصلحت کو حاصل کرنے کے لئے کیا ہے، جب یہ بات مشتبہ نہ رہے تو یہ نکاح نافذ نہ ہوگا۔

"**لم يعرف**" کی شرح جو درمختار اور دیگر تمام کتب فقہ میں یہی ہے کہ "**مجانة وفسقا**" یعنی باپ کا بیہودہ، بے پرواہ اور رفاسق ہونا کھلا ہوا نہ ہو، پس جب یہ متحقق ہوجائے کہ

باپ نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح سے قطع نظر (کسی لالچ اور لوبھ میں) کیا ہے تو باپ کا سوء اختیار معروف اور غیر مشتبہ ہو گیا، اب اس کے کئے ہوئے نکاح کو لازم کرنے کی وہ علت باقی نہ رہی جس کی وجہ سے اس کے کئے ہوئے نکاح کو دیگر اولیاء کے کئے نکاح سے امتیاز حاصل ہے۔

خود علامہ شامی "مجانة وفسقا" کی شرح میں بحوالہ شرح مجمع یہ نقل کیا ہے: "**حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لا یجوز عقده اجماعا**" (شامی ۲/۳۳۰)، یہاں پر علامہ شامی نے کوئی اختلاف نقل نہیں کیا ہے کہ باپ کا معروف بسوء الاختیار اس وقت متحقق ہوگا جب اس نے اپنی ایک اور لڑکی کے سلسلے میں اس سے قبل اسی قسم کا فیصلہ کیا ہو، تو وہ دوسری شادی کے وقت معروف بسوء الاختیار رہوگا، جس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس عبارت سے قبل "فتح القدیر" کے حوالہ سے "**إن عرف لا یصح النکاح**" کے ذیل میں علامہ شامی نے جو کچھ نقل کیا ہے "**والحاصل ان المانع هو کون الاب مشهورا بسوء الاختیار قبل العقد**" وہ محض ایک بحث ہے نہ فتح القدیر کا فتوی اور نہ علامہ شامی کا فیصلہ "**ولان ترک النظر ههنا مقطوع به فلا یعارضه ظهورا ارادة مصلحة تفوق ذلک نظر الی شفقة الابوة**"، میں بھی کوئی قید نہیں لگی ہوئی ہے کہ پہلی مرتبہ ایسا کیا ہو دوسری مرتبہ، ترک شفقت کا بلا اشتباہ ہونا معروف بسوء الاختیار ہونے کے لئے کافی ہے۔

"معروف بسوء الاختیار"، "ماجن"، اور "متہتک" کے معنی میں نکاح کے باب میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ حکم میں کوئی فرق، یعنی باپ ولی ہونے کے اختیار کو زیر ولایت کے مصالح کے خلاف استعمال کر رہا ہو خواہ لاپرواہ، بے غیرت، حریص اور نا عاقبت اندیش ہونے کی وجہ سے ایسا کر رہا ہو یا کسی اور غرض اور مصلحت کی وجہ سے، یقینی طور پر باپ نے لڑکی کے مصالح کا خیال نہیں کیا ہے تو باپ معروف بسوء الاختیار رہو جائے گا، چنانچہ علامہ شامی "**مالم یکن متهتکا**" کے تحت فرماتے ہیں: "**وبه ظهر ان الفاسق المتهتک وهو بمعنی سیٔ الاختیار**"۔

سئ الاختیار اب کا نکاح باطل ہے:

سئ الاختیار باپ نے صغیرہ کا نکاح غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو میں کر دیا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، بعض حضرات نے خیار بلوغ کے استعمال اور قضاء قاضی کو شرط قرار دیا ہے، اور عبارات فقہاء میں "باطل" کو "سیبطل" کے معنی میں لیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے، مندرجہ عبارات فقہاء کے ملاحظہ سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ مسئلہ کی حقیقت کیا ہے:

"قال العلائی وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران" (حوالہ مذکورہ) **"فی کفائۃ الشامیۃ– تحت قولہ (لا خیار لاحد) کان الظاھر ان یقول لا یصح العقد اصلا کما فی الاب الماجن والسکران"** (شامی ۲/۳۴۵)، **"(وفی البحر) حتی لو کان معروفا بذالک ومجانۃ وفسقا فالعقد باطل علی الصحیح"** (بحر ۳/۱۳۵)، **"(وفی الھندیہ) والخلاف فیما اذا لم یعرف سوء الاختیار مجانۃ وفسقا اما اذا عرف ذلک منہ فالنکاح باطل اجماعا"** (فتاوی ہندیہ ۱/۲۹۴)، **"وفی شرح المجمع حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفھہ او لطمعہ لا یجوز عقدہ اجماعا"** (رد المحتار ۲/۳۳۰)۔

عبارات مذکورہ بالا سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عبارات میں لفظ "باطل" مطلق ہے جس کی کسی نے کوئی تاویل نہیں کی ہے، دوسری طرف **"لا یصح"**، **"لا یجوز"** عدم انعقاد میں صریح ہے، "ماجن اور سکران" کے ساتھ تشبیہ دیا گیا ہے، اور ان حضرات کی تزویج غیر کفو میں بالاتفاق منعقد نہیں ہوتی، تزویج غیر سئ الاختیار بغیر الکفو میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف بیان فرمانے کے بعد تزویج سئ الاختیار کو **"لا یجوز اجماعا"**، **"ولا یصح اجماعا"**، **"ولا یصح اتفاقا"** جیسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، صاحبین کے یہاں یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، تو یہ مسئلہ اجماعی اسی وقت ہو سکتا ہے جب امام صاحب کے نزدیک بھی عدم انعقاد کا فیصلہ ہو، نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ غیر الاب کا بغیر الکفو منعقد نہ ہونے کی علت دفع

ضرر ہے، اس علت و جوداب سی الاختیار زیادہ واضح ہے، الحیلۃ الناجزہ کا فیصلہ بھی اسی طرح ہے۔

''غیر کفو کے ساتھ اور غبن فاحش پر نکاح صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: ۱- یہ کہ وہ شخص نکاح کے وقت ہوش و حواس سالم رکھتا ہو، پس اگر نشہ کی حالت میں ایسا کیا تو نکاح بالکل باطل ہے۔

۲- معروف بسوء الاختیار نہ ہو (الی قولہ) اگر وہ شخص لالچ اور ناعاقبت اندیشی کے سبب بدتدبیری میں مشہور و معروف ہو، وہ اگر نابالغ بیٹے اور بیٹی کا نکاح غیر کفو سے کر دے یا مہر میں غبن فاحش کرے تو وہ نکاح بھی بالکل باطل ہے (حیلہ ناجزہ مطبوعہ قرآن محل رص ۱۳۴، بحوالہ احسن الفتاوی)۔

امداد الفتاوی میں بھی یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ اگر باپ دادا نے نکاح کیا اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نظر نہیں کی جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا (امداد الفتاوی ۲/۲۲۷)۔

جب معروف بسوء الاختیار باپ کا کیا ہوا نکاح صحیح ہی نہ ہوا تو اس میں قضاء قاضی کی شرط کا کوئی معنی نہیں رہا، البتہ اس بات کے ثبوت کے لئے کہ کیا درحقیقت باپ لالچی، لاپرواہ، خودغرض، ناعاقبت اندیش ہے، مصالح لڑکی سے صرف نظر کیا ہے قاضی کے پاس جایا جاسکتا ہے، باپ کے سی الاختیار ثابت ہوجانے کے بعد نکاح خودبخود ختم ہوجائے گا، چونکہ نکاح ہوا ہی نہ تھا قضاء قاضی کا کوئی دخل نہ ہوگا۔

اولیاء میں باہم ترتیب:

نکاح میں ولی عصبہ بنفسہ ہیں یعنی وہ لوگ جو میت سے متصل ہوتے ہیں کسی مؤنث کے توسط کے بغیر، ارث اور حجب کی جو ترتیب ہے اسی ترتیب سے ولایت حاصل ہوتی ہے، لہذا مجنونہ کا اس کے باپ سے مقدم ہوگا، اگر عصبہ نہ ہوں تو ولایت ماں کو، وہ بھی نہ ہو تو باپ کی

ماں کو حاصل ہوگی (دیکھئے: درمختار ۲/ ۴۳۰)۔

اگر کسی لڑکی کے پاس یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں تو اجازت ولی کی شرط کی صورت میں ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی، تمام مساوی اولیاء کا اتفاق ضروری نہیں ہے، خواہ مساوی ولی بوقت نکاح موجود ہوں یا نہ ہوں، ایک کے نکاح کردینے کے بعد دوسرے کو فسخ نکاح کا کوئی حق نہیں ہے۔

"وفی العلائیه ولو زوجها ولیان مستویان قدم السابق" (بحوالہ احسن الفتاوی ۵/ ۹۸)۔

علائیہ میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی لڑکا کا نکاح دو مساوی ولی نے کردیا تو جس نے پہلے کیا وہ نکاح نافذ اور صحیح ہوگیا۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مفتی عزیز الرحمن فتحپوری، ممبئی

ولایت کا لغوی مفہوم ہے سلطان اور نصرت (یعنی اختیار و حکومت اور مدد) سیبویہؒ کے نزدیک ولایت بالکسر اسم ہے اور بالفتح مصدر ہے۔

بحر الرائق میں ہے: "قال سیبویه الولایة بالفتح المصدر والولایة بالکسر الاسم مثل الامارة والنقابة اسم لما تولیته وقمت به فاذا ارادوا مصدرا فتحوا کذا فی الصحاح"۔

جبکہ اصطلاح فقہ میں اس کے معنی ہیں: دوسرے پر اپنی بات کو نافذ کرنا چاہے اس کی مرضی ہو یا نہ ہو۔

"والولایة فی الفقه تنفیذ القول علی الغیر شاء او ابی" (بحر ۳/۱۰۹)۔

لفظ ولی اسی ولایت سے مشتق ہے جو عدو کی ضد ہے، لغت میں اس کے معنی دوست کے ہیں، جبکہ فقہ میں ولی وہ عاقل و بالغ وارث ہے جو اپنے قول کے نافذ کرنے کا اختیار رکھتا ہو، لیکن رملی نے اس موقع پر وارث کی قید کو نا مناسب قرار دیا ہے۔

منحۃ الخالق میں ہے: "اعترضه الرملی بان ذکر الوارث مما لا ینبغی فان الحاکم ولی ولیس بوارث اه"۔

ثبوت ولایت کے چار اسباب ہیں: قرابت، ملک، ولاء اور امامت، عالمگیری میں

ہے:"تثبت الولایة با سباب اربعة بالقرابة والولاء والأمامة والملک الخ" ۔

تقریبا یہی الفاظ فتح القدیر کے ہیں، چنانچہ صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:"تثبت الولایة باسباب اربعة بالقرابة والملک والولاء والامامه اھ" ، یہاں زیر بحث پہلی قسم "ولایة بالقرابة" ہے،اس کی بھی دوصورتیں ہیں:ولایت علی النفس،ولایت علی المال،زیر بحث مسئلہ ولایت کا تعلق پہلی صورت یعنی ولایت علی النفس سے ہے،جس کی دو قسمیں ہیں: ولایت ندب اور ولایت اجبار،بحر الرائق میں ہے:"وھی فی النکاح نوعان ولایة ندب واستحباب وھی الولایة علی العاقلة البالغة بکرا کانت او ثیبا وولایة اجبار وھي الولایة علی الصغیرة بکرا کانت أو ثیبا وکذا الکبیرة المعتوھة والمرقوقة"۔

شریعت نے عاقل بالغ لڑکےلڑکی کواپنا نکاح خود کرنے کا اختیار دیا ہے البتہ مستحب یہ ہے کہ یہ معاملہ ولی کوسونپا جائے"قوله نفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولي، لانها تصرفت فی خالص حقها وھی من اھله لکونها عاقلة بالغة الخ، وانما یطالب الولی بالتزویج کیلا تنسب الی الوقاحة ولذا کان المستحب فی حقیها تفیض الامر الیه "(بحر ۳/۱۰۹)۔

عاقل بالغ لڑکےلڑکی کا نکاح ولی اپنی مرضی سے جبراً نہیں کرسکتا،ہدایہ میں ہے:"لا یجوز للولی اجبار البکر البالغة علی انکاح خلافا للشافعی اھ ومثله فی البحر (قوله لا تجبر بکر بالغة علی النکاح) ای لا ینعقد عقد الولی علیها بغیر رضاھا عندنا "،لہذا شرعی حکم یہ کہ ولی عاقل بالغ لڑکےلڑکی کی رضامندی سے ان کا نکاح کرے، حدیث شریف میں ہے:"الأیم احق بنفسها من ولیها"(مسلم شریف)،ایم کی تشریح صاحب بحر نے غیر شادی شادہ سے کی ہے چاہے وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔

"وھی من لا زوج لها بکرا کانت او ثیبا"،ولی کو نابالغ بچے بچی کے نکاح

کا اختیار دیا گیا ہے اور یہ ولایت ندب نہیں بلکہ ولایت اجبار ہے، ہدایہ میں ہے: "ویجوز نکاح الصغیر والصغیرة اذا زوجها الولی بکرا کانت الصغیرة او ثیبا"۔

نفس ولایت میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان کوئی فرق نہیں، عالمگیری میں ہے: "واقرب الاولیاء الی المرأة الابن الخ، ثم مولی العتاقة یستوی فیه الذکر والانثی"۔

ولایت ندب واستحباب ہمیشہ ولی کو حاصل ہے، البتہ ولایت اجبار لڑکے لڑکی کے بالغ ہونے اور مجنون کے صاحب عقل ہوجانے کے بعد ختم ہوجاتی ہے، وہوالظاہر۔

(ب) مندرجہ بالا نصوص فقہیہ اور روایت حدیث سے عاقلہ بالغہ کے اختیار کی حدود واضح ہیں اس کی رضا بہرحال مقدم ہے، اگر وہ خود اپنا نکاح آپ کرلے تو وہ بھی منعقد ہوجاتا ہے، بعض صورتوں میں ولی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، کما سیاتی، یہ امر بھی بدیہی ہے کہ جب اس صورت میں شرعا اسے اپنا نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اس نکاح کو شریعت درست مانتی ہے تو وہ گنہگار بھی نہ ہوگی، البتہ اس کا یہ فعل خلاف اولی اور ناپسندیدہ کہلائے گا، اور بہت ممکن ہے کہ ناتجربہ کاری اور عدم واقفیت کی بنا پر اس کے لئے آئندہ یہ نقصان دہ بھی ثابت ہو اس وجہ سے بہتر یہ ہے کہ نکاح کا معاملہ ولی کے حوالے رہے اور دونوں کی رضامندی سے نکاح ہو۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے بغیر ولی کی اجازت اور مرضی کے اپنا نکاح کرلیا تو نکاح منعقد ہوگیا، ولی یا اولیاء کے اتفاق پر موقوف نہیں، ہدایہ میں ہے کہ "وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم یعقد علیها ولی"۔

۳- حرہ عاقلہ بالغہ بغیر ولی کی اجازت اور مرضی کے اپنا نکاح کرلے تو یہ نکاح درست مانا جائے گا، اور عام حالات میں ولی یا اولیاء کو اعتراض کا حق بھی نہیں، البتہ اگر اس نے نکاح کسی ایسی جگہ کیا ہے جو ان کے لئے باعث عار ہو یعنی غیر کفوء میں کیا ہے یا مہر مثل سے کم میں کرلیا ہے تو

ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے اور وہ قاضی کے پاس مرافعہ کر کے نکاح کو فسخ کرا سکتا ہے، بحر الرائق میں ہے: "قوله (من نکحت غير كفوء فرق الولي) لما ذكرنا وهذا ظاهر في انعقاده صحيحا وهو في ظاهر الرواية عن الثلاثة"۔

ہدایہ میں ہے کہ "ثم في ظاهر الرواية لا فرق بين الكفء وغير الكفء ولكن للولي حق الاعتراض اھ" ولی کو یہ حق اس وقت تک ہے جب تک اس شوہر سے اولاد نہ پیدا ہو جائے بچے بچی کی پیدائش کے بعد یہ حق ساقط ہو جاتا ہے، شارح ہدایہ تحریر فرماتے ہیں: "قوله للولي الاعتراض في غير الكفء يعني اذا لم تلد من الزوج واما اذا ولدت فليس للاولياء حق الفسخ كيلا يضيع الولد عم تربيه"۔

۴- زیر ولایت لڑکی کا نکاح جو ولی نے عدم بلوغ کی حالت میں کیا ہے اگر یہ نکاح باپ دادا نے کیا ہے تو انہیں ولایت الزام حاصل ہے، اس لئے وہ باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو عام حالات میں فسخ کرانے کی مجاز نہیں، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ: "فان زوجها الاب والجد يعني الصغير والصغيرة فلا خيار لها بعد بلوغهما لانهما كاملا الرائى وافر الشفقة فيلزم عقد بمباشرة هما كما اذا باشرا برضاهما بعد البلوغ"، لیکن باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء مثلاً بھائی اور چچا وغیرہ نے نابالغی کی حالت میں نکاح کر دیا اور لڑکی مطمئن نہیں ہے تو اس نکاح کو بذریعہ قاضی فسخ کرا سکتی ہے، بحر الرائق میں ہے: "للصغير والصغيرة اذا بلغا وقد زوجا ان يفسخا عقد النكاح الصادر من ولي غير اب وجد بشرط قضاء القاضي بالفرقة"۔

عالمگیری میں ہے: "فان زوج هما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وان زوج هما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ الخ ويشترط فيه القضاء بخلاف خيار البلوغ"۔

۵- نابالغ لڑکی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا ہے تو بالغ ہونے کے بعد اگر وہ باکرہ ہے تو مجلس بلوغ تک خیار فسخ حاصل ہوگا، اگر اس نے اس مجلس میں عدم رضا کا اعلان کر کے گواہ بنا لئے تو بذریعہ قاضی نکاح فسخ کرا سکتی ہے، لیکن اگر اس نے سکوت اختیار کیا تو یہ رضامندی تسلیم کی جائے گی، برخلاف اس کے اگر وہ ثیبہ ہے، تو جب تک صریح رضا کا اظہار نہ پایا جائے گا اس کا خیار ساقط نہ ہوگا، اسی طرح لڑکے کا خیار بھی سکوت سے باطل نہیں ہوتا، ہدایہ میں ہے:

"ثم خیار البکر یبطل بالسکوت ولا یبطل خیار الغلام مالم یقل رضیت او یجیٔ منه ما یعلم انه رضا وکذالک الجاریة اذا دخل بها الزوج قبل البلوغ"۔

پھر باکرہ کا خیار آخری مجلس تک بھی ممتد نہیں ہوتا، فتاوی عالمگیری میں ہے: "ویبطل هذا الخیار فی جانبها بالسکوت اذا کانت بکرا ولا یمتد الی آخر المجلس حتی لو سکتت کما بلغت وهی بکر بطل الخیار"۔

البتہ خصاف نے اس کے لئے اخیر مجلس تک اس خیار کو ممتد کہا ہے یہ بھی ملحوظ رہے کہ مجلس سے مراد مجلس بلوغ یا مجلس خبر نکاح ہے، فتح القدیر میں ہے:

"والمراد بالمجلس مجلس بلوغها بان حاضت فی مجلس وقد کان بلغها النکاح او مجلس بلوغ خبر النکاح اذا کانت بکرا بالغة وجعل الخصاف خیار البکر ممتدا الی آخر المجلس وهو قول بعض العلماء مال الیه وهو خلاف روایت المبسوط "۔

خیار کو آخر مجلس تک ممتد نہ ماننے کی صورت میں ایک جزئیہ قابل غور رہے کہ دم حیض دیکھنے کے بعد اسے عدم رضا کے گواہ بنالینا چاہئے، لیکن اگر رات کے وقت اسے حیض آیا تو اس صورت میں اسے چاہئے کہ اس وقت تو زبان سے اظہار کردے اور صبح کو گواہ بنالے، لیکن یہ

بتائے کہ میں نے اسی وقت دم حیض دیکھا ہے۔

"وعلی هذا قالوا ینبغی ان تطلب مع رویة الدم فان رأته لیلا تطلب بلسانها فتقول فسخت نکاحی وتشهد اذا اصبحت وتقول رأیت الدم الآن"

چونکہ اس صورت میں عورت کی جانب سے کذب بیانی کا ارتکاب پایا جاتا ہے اس لئے یہ محل اشکال ضرور ہے، امام محمدؒ سے یہ اشکال کیا گیا تو آپ نے فرمایا چونکہ اصل بات کو ظاہر کرنے کی صورت میں اس کا دعوی قابل تسلیم نہ ہوگا اور اس کا حق خیار باطل ہوجائے گا اس لئے اپنے حق کو حاصل کرنے کے واسطے اس کے لئے جھوٹ بولنے کی گنجائش ہوگی۔

"قیل لمحمد وهو کذب وانما ادرکت قبل هذا فقال لا تصدق فی الاسناد فجاز لها ان تکذب کیلا یبطل حقها"۔

اس جزئیہ میں اس کے حق کی جو رعایت کی گئی ہے اس کے پیش نظر یہ گنجائش نظر آتی ہے کہ خیار بلوغ آخر مجلس تک ممتد ہونے میں خصاف کے قول پر فتوی دیا جائے بہر حال یہ ایک رائے تھی، اور جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں اس کا ذکر آ گیا لڑکی کو دم حیض دیکھنے کے بعد چاہئے کہ عدم رضاء پر گواہ بنالے پھر گواہ بنانے کے بعد اگر قاضی کے پاس مرافعہ میں ایک دو ماہ کی تاخیر بھی ہوگئی تو اس کا حق خیار باقی رہے گا۔

"ثم اذا اختارت واشهدت ولم تتقدم الی القاضی الشهر او الشهرین فهی علی خیارها کخیار العیب" (فتح القدیر)۔

ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد نے نکاح کردیا تو اس کی مختلف صورتیں ہیں: ۱- اقرب موجود ہے اور ولایت کا اہل بھی ہے، ۲- اقرب موجود تو ہے لیکن ولایت کا اہل نہیں، ولی اقرب غیبۃ منقطعۃ کی حد پر ہے جس کی حد اکثر کے نزدیک یہ ہے کہ مسافت قصر کی دوری پر ہو، لیکن سرخسیؒ اور محمد بن الفضلؒ کا قول یہ ہے کہ اتنی دور ہو کہ اس کی اجازت آنے تک کفوء الا پیغام فوت ہونے کا اندیشہ ہو پہلی صورت میں ابعد نے جو نکاح کیا وہ اقرب کی اجازت

پر منحصر ہے، دوسری صورت میں چونکہ اقرب ولایت کا اہل نہیں ہے اس لئے ابعد نے جو نکاح کیا وہ درست ہے، تیسری صورت میں بھی یہی حکم ہے (عالمگیری)۔

۶- باپ دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء کو ولایت الزام حاصل نہیں ہے، لہذا ان کے کئے ہوئے نکاح میں بلوغ کے بعد بہر صورت خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے، باپ دادا نے جو نکاح کیا خواہ وہ کفو میں ہو یا غیر کفو میں اور مہر مثل میں یہ نکاح ہوا ہو یا اس سے کم پر تمام صورتوں میں نکاح لازم ہو جاتا ہے لیکن اگر قاضی کے پاس مرافعہ کے بعد لڑکی یہ ثابت کر دے کہ ولی نے اس کے مفادات کا خیال نہیں کیا ہے اور وہ معروف بسوء الاختیار ہے تو قاضی اس نکاح کو باطل قرار دیگا، معروف بسوء الاختیار کا مطلب یہ ہے کہ لالچ اور ذاتی فائدے کے لئے لڑکی کے مفاد اور مصالح کا خیال نہ رکھنے میں مشہور ہو، فاسق متہتک کا مفہوم یہ ہے کہ بے باک اور بے غیرت واقع ہوا ہو کمافی الشامی اور ماجن کا مفہوم یہ ہے کہ ولی لاابالی ہو۔

"فی الدر ولزم النکاح ولو بغبن فاحش الخ او زوجها بغیر کفو، ان کان الولی المزوج الخ ابا او جدا الخ لم یعرف منهما سوء الاختیار مجانة وفسقا وان عرف لا یصح النکاح اھ وفی الشامی فی المغرب الماجن الذی لا یبالی ما یصنع وما قیل له الخ وفی شرح المجمع حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لا یجوز عقده اجماعا اھ والحاصل ان المانع هو کون الاب مشهورا بسوء الاختیار قبل العقد الخ ثم اعلم ان مامر من النوازل من ان النکاح باطل معناه سیبطل کما فی الذخیرة"۔

نابالغ کا سب سے قریبی ولی باپ ہے پھر دادا پر دادا وغیرہ ان کے بعد حقیقی بھائی، پھر علاتی بھائی، پھر حقیقی بھتیجہ، پھر علاتی بھتیجہ، پھر حقیقی چچا کا لڑکا، پھر علاتی چچا کا لڑکا، اس کے بعد باپ کا حقیقی چچا، پھر اس کا علاتی چچا، اس کے بعد علی الترتیب ان کے لڑکے، پھر دادا کا حقیقی چچا، پھر علاتی اور اس ترتیب سے ان کے لڑکے اور لڑکوں کے لڑکے (عالمگیری)۔

یہی ترتیب قاضی خاں وغیرہ نے بھی لکھی ہے، یکساں درجے کے ایک سے زیادہ ولی ہوتو ان میں سے جو بھی نکاح کردے تو وہ صحیح مانا جائے گا، اگر دونوں نے الگ الگ نکاح کئے تو ان میں سے صرف پہلا درست مانا جائے گا، لیکن اگر یہ واضح نہ ہو سکے کہ پہلا کون ہے اور دوسرا کون تو پھر دونوں نکاح باطل قرار دیئے جائیں گے، عالمگیری میں ہے:

''واذا ...... للصغير والصغيرة وليان مستويان كالاخوين والعمين فايهما زوج جاز عندنا كذا في فتوى قاضي خان سواء اجاز الاخر أو فسخ الخ زوجاها على التعاقب جاز الاولى دون الثاني وان زوجها كل واحد منهما من رجل اخر فوقعا معا اولا يعلم ايهما اول بطل العقدان'' (فتوی قاضی خاں ۱/۲۸۵)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا سراج الدین قاسمی ☆

۱-ولایت کا مفہوم:

شریعت اسلامیہ نے والدین (وغیرہما) کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کے حق میں تمام پہلوؤں کو سوچ سمجھ کر رشتہ ازدواج کی طرف قدم بڑھائیں تا کہ اولاد کا مستقبل خوشگوار رہو اور زندگی بھر کے رونے سے بچا جا سکے، اسی حق کو فقہ کی اصطلاح میں ''ولایت'' کہتے ہیں۔

ولایت کے اقسام اوران کی شرطیں:

حضرات فقہاء کرام نے ولایت کی چار قسمیں بیان کی ہیں: ۱-ولایت ملک، ۲-ولایت قرابت، ۳-ولایت ولاء، ۴-ولایت امامت۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی تعریف الگ ہے اور ہر ایک کی شرائط بھی الگ الگ ہیں۔

۱- **ولایت ملک:** کسی کا مالک ہونے کے بعد جو ولایت حاصل ہوتی ہے اس کو ''ولایت ملک'' کہتے ہیں۔

ولایت کی اس قسم کے لئے تین شرطیں ہیں:

۱۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ مالک عاقل ہو، اگر مجنون ہوگا تو اس کو ولایت ملک حاصل نہ ہوگی، چنانچہ اگر کوئی مجنون اپنے غلام یا باندی کا نکاح کرائے تو یہ درست نہ ہوگا۔

☆ جامعہ تبلیل الرشاد امروہہ۔

۲۔دوسری شرط یہ ہے کہ مالک بالغ ہو، چنانچہ اگر کوئی بچہ (نابالغ) خواہ عقلمند بھی ہو اپنے غلام یا باندی کا نکاح کرانا چاہے تو نکاح درست نہ ہوگا۔

۳۔تیسری شرط جو سب سے اہم شرط ہے وہ یہ ہے کہ مالک کو ملک مطلق حاصل ہو، یعنی ملکیت رقبہ بھی ہو اور قبضہ بھی ہو جیسے کہ غلام پر قبضہ بھی ہوتا ہے اور اس کا مالک بھی ہوتا ہے، چنانچہ اگر بالغ عاقل آقا اپنے غلام، باندی، ام ولد، مدبر اور مدبرہ کا نکاح کرائے تو یہ درست ہوجائے گا، اور اگر مکاتب یا مکاتبہ کا نکاح بغیر ان کی رضامندی کے کرانا چاہے تو نکاح درست نہ ہوگا، کیونکہ یہاں پر ملک مطلق حاصل نہیں ہے بلکہ صرف آقا کو ملکیت رقبہ حاصل ہے اور قبضہ نہیں ہے، کتابت کی وجہ سے قبضہ ختم ہوگیا، اور غلام وغیرہ کے اندر قبضہ و ملک رقبہ دونوں حاصل ہے تو وہاں پر بغیر غلام کی رضامندی کے بھی نکاح کرانا درست ہوگیا (بدائع ۲/۲۳۷)۔

۲–ولایت قرابت :قرابت ورشتہ داری کے ناطہ سے جو ولایت حاصل ہوتی ہے اس کو ''ولایت قرابت'' کہتے ہیں، اب احناف کے نزدیک یہ قرابت خواہ قریبہ ہو یا بعیدہ ہو، عام ہے، البتہ قرابت قریبہ والے ولی کو احناف کے نزدیک مقدم کیا جائے گا، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کو یہ ولایت نہیں ہوگی، چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ باپ اور دادا یہ قریبی قرابت والے ہیں تو ان کو تو یہ ولایت ملے گی لیکن باقی چچا، بھائی وغیرہ کو کسی کے نکاح کرانے کا اختیار نہ ہوگا، احناف کے نزدیک چوں کہ عموم ہے اس وجہ سے ان کے یہاں سب کو نکاح کرانے کا اختیار رہوگا (بدائع ۲/۲۳۸)۔

ولایت قرابت کے لئے بھی چند شرطیں ہیں جن میں سے بعض تو اتفاقی ہیں اور بعض اختلافی ہیں:

۱۔پہلی شرط یہاں پر بھی عقل ہے، یعنی مجنون شخص ولی نہیں ہوسکتا، ۲۔دوسری شرط بلوغ ہے، لہٰذا نابالغ بچہ ولی نہیں ہوسکتا، ۳۔تیسری شرط وراثت ہے، یعنی ولی وہی ہوگا جو کہ وراثت کا حق دار بھی ہو، یہ تین شرطیں تو اتفاقی ہیں، ۴۔چوتھی چیز عصبیت ہے، حضرات صاحبین

فرماتے ہیں کہ اس ولایت کے لئے عصبیت شرط ہے اور امام صاحب کے نزدیک عصبیت شرط نہیں ہے، ۵۔ پانچویں چیز ہے عدالت یعنی نیک و متقی ہونا، حضرات احناف کے نزدیک اس ولایت کے لئے عدالت شرط نہیں ہے، اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک عدالت شرط ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اگر باپ بھی فاسق ہے تو وہ اپنے بیٹوں و بیٹیوں کا نکاح نہیں کراسکتا، حضرات احناف کے نزدیک کراسکتا ہے، ۶۔ چھٹی چیز ہے اسلام، بالاتفاق ولایت کے لئے یہ شرط نہیں ہے بایں معنی کہ ایک کافر دوسرے کافر کا ولی ہوسکتا ہے "**الذین کفروا بعضهم أولیاء بعض**" (اس کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع ۲/ ۲۴۱۔ ۲۴۷)۔

۳- ولایت ولاء: ولاء کے معنی ترکہ کے آتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں: ولاء عتاقہ، ولاء موالات۔ ولاء عتاقہ تو یہ ہے کہ کسی نے اپنے غلام کو آزاد کیا اور اس غلام کا کوئی نسبی عصبہ بھی نہیں ہے، تو اب اس غلام کے مرنے پر اس کا ترکہ آزاد کرنے والے شخص کو ملے گا۔

ولاء موالاۃ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام لایا اور اسلام لاتے وقت یہ عہد و پیمان ہوگیا کہ آج سے آپ ہی ہمارے خیر خواہ، غم خوار اور دوست ہو تو اب اس اسلام لانے والے کے مرنے پر اس کا ترکہ اس شخص کو ملے گا جس کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا اور اس کو دوست بنایا تھا۔

پہلی قسم میں جس کو ترکہ ملتا ہے اس کو مولی العتاقہ اور دوسری قسم میں جس کو ترکہ ملتا ہے اس کو مولی الموالاۃ کہتے ہیں۔

اب چونکہ ولاء کی حیثیت نسب کی طرح ہے "**الولاء لحمة كلحمة النسب**" (الحدیث، بدائع ۲/ ۲۵۲) تو جس طریقہ سے نسب کی وجہ سے ولایت نکاح ثابت ہوتی، اسی طرح ولاء کی وجہ سے بھی ولایت نکاح ثابت ہوگی (ولایت ولاء کے شرائط کے لئے دیکھئے: بدائع ۲/ ۲۵۲)۔

۴-ولایت امامت: ولایت کی چوتھی قسم ولایت امامت ہے اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں:
۱۔اجبار، ۲۔استحباب۔

جوشرائط ولایت قرابت کے لئے ہیں وہی شرائط یہاں پر بھی ہیں لیکن مزید برآں دو شرطیں اور ہیں: ایک شرط تو ولایت امامت کی دوقسموں (اجبار واستحباب) کے لئے ہے، اور دوسری شرط صرف ولایت امامت استحباب کے لئے ہے۔

چنانچہ وہ پہلی شرط جو دونوں کے لئے ہے یہ ہے کہ وہاں پر مولی علیہ کا کوئی ولی نہ ہو، کیونکہ اگر وہاں پر اس کا کوئی کسی طرح کا ولی ہوگا تو ولایت امامت نہ ملے گی "السلطان ولي من لا ولي له" (بدائع ۲/ ۲۵۲)۔

دوسری شرط جو صرف استحباب کے لئے ہے یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ کے ولی نے نکاح کرانے سے روک رکھا ہو یعنی کہ ولی کو حکم یہ ہے کہ اگر عاقلہ بالغہ کسی کفو میں اپنا نکاح کرنا چاہے تو یہ کرادے، اب ولی اس کو منع کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عاقلہ بالغہ کو نقصان پہنچا رہا ہے، اور امام جو ہوتا ہے وہ نقصان دور کرنے کے لئے مقرر ہوتا ہے، تو اس وجہ سے اب یہ ولایت امام کو مل جائے گی (بدائع ۲/ ۲۵۲)۔

۲- کن کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار ہے اور کن کا اختیار اولیاء کے حوالہ ہے؟

یہ مسئلہ ولایت سے متعلق ہے، یعنی جہاں پر اولیاء کو ولایت اجبار حاصل ہے وہاں پر لڑکی اور لڑکے کے نکاح کا اختیار شریعت نے ان کے حوالہ نہیں کیا بلکہ اولیاء کے حوالہ کیا ہے، اور جس جگہ ولایت اجبار نہیں ہے بلکہ ولایت استحباب ہے وہاں پر شریعت نے خود لڑکی اور لڑکے کے حوالہ نکاح کا اختیار کیا ہے، لیکن ولایت اجبار اور ولایت استحباب کا معیار اور اس کی شرطوں میں چونکہ احناف وشوافع کے بیچ اختلاف ہے، اس وجہ سے اس کا اثر یہاں پر بھی پڑے گا۔

(الف) ولایت کے بارے میں لڑکی اور لڑکے میں کیا فرق ہے؟

حضرات احناف کے نزدیک لڑکی اور لڑکے میں کوئی فرق نہ ہوگا بلکہ دونوں جب تک نابالغ رہیں گے تب تک ولی کو ولایت رہے گی اور جب یہ بالغ ہوجائیں گے تب ولی کی ولایت ختم ہوجائے گی۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: ”**بالبلوغ عن عقل زال العجز حقیقةً وقدرت علی التصرف في نفسها حقیقةً فتزول ولایة الغیر عنها وتثبت الولایة لها**“ (بدائع الصنائع ۲/۲۴۸)۔

اور آگے چل کر لکھتے ہیں: ”**ولهذا المعنی زالت الولایة عن إنکاح الصغیر العاقل إذا بلغ وتثبت الولایة له**“ (بدائع الصنائع ۲/۲۴۸)۔

حضرات شوافع کے نزدیک لڑکی اور لڑکے میں فرق ہوگا، چنانچہ لڑکا جب تک نابالغ ہے اس پر ولایت ہوگی، اور جب بالغ ہوجائے گا تو یہ ولایت ختم ہوجائے گی، لڑکی اگر باکرہ ہوگی تو اس پر ولایت ہوگی، اور اگر ثیبہ ہوگئی تو ولایت ختم ہوجائے گی، خواہ ابھی نابالغ ہی ہو۔

(ب) عاقلہ بالغہ کے اپنے نفس پر اختیارات:

شریعت نے عاقلہ بالغہ کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار دیا ہے، وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے بغیر ولی کی رضا کے اپنا نکاح کرسکتی ہے۔

ویسے فقہاء کرام نے اس سلسلہ میں احناف کی تقریباً سات روایات نقل کی ہیں: دو امام ابوحنیفہ کی، تین امام ابو یوسف کی، دو امام محمد کی۔

حضرت امام صاحب کی ظاہر روایت یہ ہے کہ نکاح مطلقاً (خواہ کفو میں کیا ہو یا غیر کفو میں) ہوجائے گا، دوسری روایت امام صاحب کی جس کو امام حسن بن زیاد نے روایت کیا ہے یہ ہے کہ اگر کفو میں عاقلہ بالغہ نے بغیر ولی کی رضا کے نکاح کیا ہے تو ہوجائے گا اور اگر غیر کفو میں کیا ہے تو نہ ہوگا۔

امام ابو یوسف کی پہلی مشہور روایت یہ ہے کہ بغیر ولی کے عاقلہ بالغہ کا نکاح ہوگا ہی نہیں، جب کہ دوسری روایت یہ ہے کہ کفو میں ہوجائے گا غیر کفو میں نہ ہوگا، تیسری روایت مطلقاً جواز کی ہے۔ امام محمد کی پہلی روایت یہ ہے کہ اجازت ولی پر موقوف ہوگا، دوسری روایت یہ ہے کہ مطلقاً ہوجائے گا۔

حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ صاحبین نے امام صاحب کی ظاہر روایت کی طرف رجوع کرلیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تمام احناف صورت مذکورہ کے مطلقاً جواز کے قائل ہیں (فتح القدیر ۳/۱۵۷، بحر الرائق ۳/۱۱۰)۔

حضرت امام شافعی وغیرہ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوگا کیونکہ ان کے یہاں ولایت استحباب کے لئے ''عبارۃ الولی'' شرط ہے یعنی عقد نکاح ولی کے ذریعہ ہونا چاہئے، عبارت نساء کا ان کے یہاں اعتبار ہی نہیں ہے۔

''**وقال مالک والشافعي لا ينعقد النكاح بعبارة النساء أصلاً**'' (ہدایہ مع الفتح ۳/۱۵۷)۔

اب جبکہ احناف کے نزدیک عاقلہ بالغہ بغیر ولی کے نکاح کرنے کی مجاز ہے اور ایسا نکاح منعقد بھی ہوجائے گا خواہ غیر کفو میں ہی کرلیا ہو، تو ایسا کرنے سے لڑکی کا گنہگار رہنا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

(ج) عاقلہ بالغہ کا بغیر اجازت ولی نکاح کرلینا اور ولی کے رد یا اتفاق کا اس نکاح پر اثر؟

ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر عاقلہ بالغہ کا نکاح احناف کے نزدیک منعقد ہوجائے گا، لیکن لازم ہوگا کہ نہیں اس بارے میں تفصیل ہے، اور وہ یہ کہ اگر عورت نے کفو میں نکاح کیا ہے تو لازم بھی ہوجائے گا اور اگر غیر کفو میں یہ نکاح کیا ہے تو لازم نہ ہوگا۔

اور حضرات فقہاء کرام نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ لازم اس کو کہتے ہیں جس کا ختم کرنا اور فسخ کرنا اب ممکن نہ ہو، اور غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں چونکہ نکاح کو فسخ کرانا ممکن ہوتا ہے اس وجہ سے صرف منعقد ہوگا لازم نہ ہوگا۔

لہٰذا اگر عاقلہ نے کفو میں نکاح کیا ہے اور بعد میں ولی کو علم ہو رہا ہے تو یہاں پر ولی کو کسی طرح کا کوئی حق ہی شریعت نے جب نہیں دیا ہے تو اس کے اتفاق یا رد کرنے کا بھی کوئی

مطلب نہیں۔

ہاں البتہ اگر غیر کفو میں یہ نکاح کیا ہے تو اب ولی کو علم ہونے کے بعد اعتراض کا حق ہے، "**لکن للولي الاعتراض**" (ہدایہ مع الفتح ۳/۱۶۰)، یہاں پر ولی کی اجازت ورد کا اثر پڑ جائے گا، اور وہ یہ کہ اگر ولی اس نکاح سے اتفاق کرتا ہے، اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے خواہ صراحۃً رضامندی کا اظہار کرے یا دلالۃً، مثلاً زبان سے کہہ دے کہ میں اس نکاح سے اتفاق کرتا ہوں یا مثلاً لڑکی کے شوہر سے مہر وصول کرے تو یہ بھی رضا شمار ہوگی، تو اب ایسا کرنے سے جو نکاح لازم نہ ہوا تھا وہ لازم ہو جائے گا۔

اور اگر رد کرتا ہے یعنی علم ہونے کے بعد کہتا ہے کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا ہے ہم اس کو فسخ کرائیں گے، یا یہ کہ زبان سے نہ کہہ کر نا گواری کا اظہار کرتا ہے تو اب نکاح پر اثر یہ پڑے گا کہ نکاح لازم نہ ہوگا، اور شامی میں ہے کہ اگر ولی علم ہونے کے بعد خاموش رہا تب بھی اجازت شمار نہ ہوگی اور نکاح لازم نہ ہوگا، کیونکہ مرد کی خاموشی کو شریعت نے رضا شمار نہیں کیا ہے (ردالمحتار ۲/۳۱۵)۔

۳- عاقلہ بالغہ کے از خود نکاح کر لینے سے اولیاء کو اعتراض کا حق ہے کہ نہیں؟

عاقلہ بالغہ لڑکی اگر بغیر ولی کے نکاح کرلے تو اس نکاح کا فی نفسہ کیا حکم ہے، اس سلسلہ میں تفصیلی بحث تو ماقبل میں گذر چکی ہے، احناف کی ظاہر روایت کے اعتبار سے یہ نکاح منعقد ہو جائے گا خواہ کفو میں کیا ہو یا غیر کفو میں، "**نفذ نکاح حرة مكلفة بلا ولي**" (البحر الرائق ۳/۲۹)۔

پھر اگر عاقلہ بالغہ لڑکی نے یہ نکاح کفو میں کیا ہے تو اس نکاح پر اولیاء کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، البتہ اگر یہ نکاح غیر کفو میں کیا ہے تو اب اولیاء کو اعتراض کرنے کا پورا پورا حق ہوگا، یعنی اولیاء اس نکاح کو اب بذریعہ قاضی فسخ کرا سکتے ہیں (بدائع ۲/۳۱۸، ہدایہ مع الفتح ۳/۱۶۰)۔

لیکن یہاں پر یہ یاد رہے کہ اولیاء کو یہ اعتراض کرنے کا حق اس وقت تک ہے جب تک کہ لڑکی کے شوہر سے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا ہو، اور اگر کوئی بچہ پیدا ہو گیا تو یہ حق فسخ اب اولیاء سے ساقط

ہوجائے گا اور نکاح جو غیر کفو میں عاقلہ بالغہ نے کرلیا ہے لازم ہوجائے گا (کفایہ علی الفتح ۳؍۱۶۰)۔

۴-زمانۂ نابالغی کا نکاح اور اس نکاح کا فسخ:

اس مسئلہ پر تمام فقہاء کرام متفق نظر آتے ہیں کہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے، مگر یہ نکاح وہ خود نہیں کرسکتے کیونکہ جب تک یہ بالغ نہ ہوجائیں شریعت نے کوئی بھی عقد کرنے کا اختیار ان کو نہیں دیا ہے بلکہ ان کے اولیاء کے حوالہ کیا ہے، چنانچہ ان نابالغ لڑکے و لڑکی کا نکاح بھی ان کے اولیاء ہی کریں گے۔

البتہ کن اولیاء کو نابالغ کا نکاح کرنے کا اختیار ہے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

چنانچہ حضرت امام مالک اور مشہور روایت کے بموجب امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ صرف باپ کو یہ حق حاصل ہے، اس کے علاوہ اور کوئی نابالغ کا نکاح نہیں کرسکتا۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ باپ کی طرح دادا بھی نابالغ کا نکاح اپنی صوابدید سے کرسکتا ہے، مگر امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک چونکہ فاسق کو ولایت نہیں ہے، بالفاظ دیگر ان کے نزدیک ''ولایت قرابت'' کے لئے عدالت شرط ہے، اس لئے اگر باپ دادا نالائق یا فاجر ہوں گے تو اب یہ حق ان کو نہ ہوگا۔

حضرات احناف کے نزدیک باپ دادا کے علاوہ دیگر تمام اولیاء کو بھی نابالغ کا نکاح کرانے کا اختیار ہے، بالفاظ دیگر ہر ولی کو نابالغ پر ''ولایت اجبار'' حاصل ہے۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح کردیا گیا مگر وہ اپنے نکاح سے خوش نہیں ہے تو اب یہ لڑکی اس نکاح کو فسخ کراسکتی ہے کہ نہیں؟ نیز کس ولی کے نکاح کو فسخ کرسکتی ہے؟

چنانچہ حضرت امام ابو یوسف تو یوں فرماتے ہیں کہ نابالغ کا نکاح کسی بھی ولی نے کیا ہو بس وہ لازم ہوجائے گا، اب بالغ ہونے پر کسی طرح کا کوئی فسخ کرانے کا حق لڑکی کو نہ ہوگا (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴؍۳۰)۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ و امام محمد اس مسئلہ میں تھوڑی تفصیل کرتے ہیں اور یوں

فرماتے ہیں کہ اگر باپ دادا نے یہ نکاح کرایا تھا تو اب لڑکی مطمئن ہو یا نہ ہو اس کو بالغ ہونے پر فسخ نہیں کراسکتی ہے۔

اسی مسئلہ کے اندر بہت ہی تتبع وتلاش بسیار کے بعد ایک تیسری رائے قاضی شریح کی ملی ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے۔

قاضی شریح فرماتے ہیں کہ اگر باپ نے ہی نکاح کیا ہو اپنی نابالغ اولاد کا تب بھی بالغ ہونے کے بعد ان کو اختیار رہوگا کہ وہ چاہیں تو اپنے نکاح کو فسخ کرالیں یا باقی رکھیں۔

"إذا زوج الرجل ابنه أو بنته فالخيار لهما إذا شبّا" (مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۱۴۱)۔

واضح رہے کہ حضرت قاضی شریح خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے دور سے لے کر حضرت علیؓ کے زمانہ تک اجلّہ صحابہ کی موجودگی میں منصب قضاء پر فائز رہے ہیں، اور یہ بات کتاب وسنت پر ان کی گہری نظر، دین کی مزاج شناسی اور تفقہ کی بیّن دلیل ہے۔

نیز بعض قرائن ایسے بھی ہیں جو قاضی صاحب کی تائید بھی کررہے ہیں:

مثلاً حضور علیہ السلام نے حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی حضرت امامہؓ کا نکاح نابالغی کے زمانہ میں کیا اور جب وہ بالغ ہوئیں تو ان کے لئے خیار بلوغ کو باقی رکھا، **"وجعل لها الخيار إذا بلغت"** (فقہ السنۃ ۲/۱۳۰)۔

تو یہاں پر آپ علیہ السلام نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ چونکہ اس کے باپ دادا نے یہ نکاح نہیں کیا ہے اس لئے خیار بلوغ ملے گا بلکہ آپ علیہ السلام نے تو مطلقاً یہ بات ارشاد فرمائی کہ اس کو خیار بلوغ ملے گا، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ کو خیار ہوگا، خواہ نکاح باپ کرے یا کوئی اور کرے۔

دوسری چیز یہ بھی سمجھ میں آنے والی ہے کہ جب باپ کو بالغ اولاد پر رشتہ کے سلسلہ میں جبر واکراہ کرنے کا حق نہیں دیا گیا ہے تو اب اس نابالغ کو بالغ ہونے پر اس رشتہ کے سلسلہ میں خیار ہونا چاہئے جو اس پر نابالغی کے زمانہ میں زبردستی تھوپا گیا تھا، تاکہ اس رشتہ میں اب اس کی

رضا شامل ہوجائے۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ باپ نے اپنے نابالغ بچہ کا نکاح کسی نابالغ بچی سے موجودہ حالات کو بہتر دیکھ کر کردیا ہو مگر بعد میں حالات کے بگڑ جانے کی وجہ سے زوجین میں سے کسی ایک میں تقویٰ وسلامتی نہ رہی ہو، اور نابالغی کے نکاحوں میں ایسا عام طور سے ہوسکتا ہے، تو پھر بھی زوجین کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھے رکھنا یہ کہاں کی شفقت وہمدردی ہے؟

ان امور کی روشنی میں اگر قاضی شریح کی رائے پر عمل کرلیا جائے تو زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔

۵-خیار بلوغ کب حاصل ہوتا ہے؟

نابالغ لڑکی کا نکاح کردیا گیا تو شریعت اسلامیہ نے اس کو (علی اختلاف الفقہاء) یہ حق دیا ہے کہ بالغ ہونے پر چاہے تو اس نابالغی کے نکاح کو فسخ کرادے یا چاہے تو باقی رکھے، اسی کو خیار بلوغ کہتے ہیں۔اس کی دو شکلیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ لڑکی کو بالغ ہونے کے وقت یا بالغ ہونے سے پہلے ہی اپنے نکاح کا علم ہو، دوسری شکل یہ ہے کہ بالغ ہونے تک اس کو اپنے نکاح کا علم ہی نہیں ہے۔

پہلی شکل میں خیار بلوغ بالغ ہونے پر لڑکی کو حاصل ہوگا، دوسری شکل میں جب بالغ ہونے تک لڑکی کو اپنے نکاح کا علم ہی نہیں تو اب جب بھی علم ہوگا تب ہی خیار بلوغ لڑکی کو حاصل ہوجائے گا خواہ بالغ ہونے کے بعد کتنا ہی زمانہ کیوں نہ گزر جائے، کیونکہ جب تک کسی چیز کا علم نہ ہو تو اس کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے: "**وان لم تعلم بالنکاح فلها الخیار حتی تعلم فتسکت**" (ہدایہ ۲/۲۹۷)۔"**ولهما خیار الفسخ بالبلوغ أو العلم بالنکاح بعده**" (تنویر الابصار مع رد المحتار ۲/۳۰۶)۔

واضح رہے کہ خیار بلوغ لڑکی کو بالغ ہونے سے پہلے نہیں ملے گا، چنانچہ اگر لڑکی بلوغ سے پہلے ہی کوئی فیصلہ کرنا چاہے مثلاً نکاح پر رضامندی ظاہر کرے، تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا

بلکہ اب بلوغ کے بعد خیار بلوغ اس لڑکی کو دیا جائے گا۔

اور اس کی وجہ علامہ کاسانی نے یہ بیان کی ہے کہ چونکہ بلوغ سے پہلے پہلے اس کے اندر رضا و عدم رضا کی اہلیت ہی نہیں ہے بلکہ یہ تو بلوغ کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے تو اس وجہ سے بلوغ سے پہلے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، بلوغ کے بعد ہی خیار بلوغ دیا جائے گا۔

"لأن أهلية الرضا تثبت بعد البلوغ لا قبله فيثبت الخيار بعد البلوغ لا قبله" (بدائع الصنائع ۲/۳۱۶)۔

خیار بلوغ کب ساقط ہوتا ہے؟

نابالغ لڑکی کو جو بالغ ہونے پر خیار بلوغ ملتا ہے اس کے ساقط ہونے کے فقہاء نے دو اسباب بیان کئے ہیں: نص اور دلالت۔ نص کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی اپنی زبان سے یا اپنے کسی عمل سے شوہر کے ساتھ رہنے پر یعنی نابالغی کے نکاح کو باقی رکھنے پر رضامندی ظاہر کردے، اور دلالت کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی سکوت یعنی بالغ ہونے کے بعد خاموشی اختیار کرے، زبان یا عمل سے کچھ نہ کرے، اس کے بعد یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ لڑکی دو طرح کی ہوسکتی ہے، ایک تو باکرہ یعنی کہ اس نے ابھی تک شوہر سے ملاقات تک نہ کی ہو، دوسرے ثیبہ کہ جس سے شوہر نے بلوغ سے قبل وطی کرلی ہو۔ اب فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اوپر ذکر کردہ دو اسباب میں سے پہلا سبب اگر پایا گیا خواہ لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ، یعنی صاف طریقہ سے اپنی زبان سے یا عمل سے باکرہ نے یا ثیبہ نے رضامندی کا اظہار کردیا تو اب خیار بلوغ ساقط ہوجائے گا۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: **"فما يبطل به الخيار نوعان نص ودلالة، أما النص فهو صريح الرضاء بالنكاح نحو أن تقول رضيت بالنكاح.................. فيبطل خيار الفرقة ويلزم النكاح"** (حوالہ سابق)۔

دوسرا سبب دلالت جس کا مطلب تھا سکوت، خموشی، اس کے بارے میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس کا اعتبار صرف باکرہ کے سلسلہ میں کیا جائے گا ثیبہ کے حق میں نہیں، یعنی باکرہ

لڑکی اگر بالغ ہونے کے بعد خاموش رہی تو یہ خموشی اس کی رضامندی تصور کی جائے گی اور اب خیار بلوغ ساقط ہو جائے گا، ثیبہ لڑکی اگر خاموش رہی تو یہ رضامندی تصور نہ ہوگا، چنانچہ محض ثیبہ کے سکوت سے اس کا خیار بلوغ ساقط نہ ہوگا بلکہ اس کے خیار بلوغ کے سقوط کے لئے پہلی چیز یعنی نص ہی ضروری ہے۔

"وسکوت البکر رضاء ھا (شرح وقایہ ۲/۴۴)**، وان کانت بکراً یبطل خیارھا بالسکوت"** (عنایہ علی الفتح ۳/۱۷۸)۔

خیار بلوغ کا استعمال:

فقہاء احناف نے اس کی بھی تفصیل بیان کی ہے، چنانچہ اس کے لئے تین مرحلے ہیں:

۱۔ پہلا مرحلہ تو یہ ہے کہ باکرہ لڑکی جس وقت بھی بالغ ہو تو خاموش نہ رہے بلکہ فوراً ہی کہہ اٹھے کہ میں اپنے نکاح کو رد کرتی ہوں۔

اگر باکرہ نے خموشی اختیار کر لی تو چاہے ابھی بلوغ کی مجلس ختم نہ ہوئی ہو باکرہ کا خیار بلوغ ساقط ہو جائے گا، کیونکہ باکرہ کا خیار بلوغ مجلس کے آخر تک باقی نہیں رہتا ہے (شرح وقایہ ۲/۴۴، بدائع ۲/۳۱۶)۔

۲۔اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ عورت فوراً دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں تلاش کرے اور ان کو گواہ بنا کر ان کے سامنے کہے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں اور تم کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں اپنا نابالغی کا نکاح رد کرتی ہوں۔

۳۔تیسرا اور آخری مرحلہ یہ ہے کہ عورت اب قاضی سے رجوع کرے، وہاں جا کر کہے کہ میں جب نابالغ تھی تو میرا نکاح ہو گیا تھا، اب جب میں بالغ ہوئی تو میں نے اس نکاح پر ناراضگی کا اظہار کر دیا تھا، اب میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ذریعہ اس نکاح کو فسخ کرا لوں، چنانچہ پھر قاضی فیصلہ کرے گا اور اس طرح یہ نکاح ختم ہو جائے گا۔

ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد کا نکاح کرانا:

قریب تر ولی کی موجودگی یعنی زندگی میں ولی ابعد نے اگر کسی لڑکی یا لڑکے کا نکاح کردیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر وہ اجازت دیدے گا تو نکاح درست ہوجائے گا، اور اگر اجازت نہ دے گا تو نکاح درست نہ ہوگا (درمختار ۲/۳۱۵)۔

پھر ولی اقرب جو اجازت دے تو یہ عام ہے کہ چاہے تو اجازت صراحۃً دے یا دلالۃً۔ صراحۃً کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے اس نکاح کی اجازت دے دی، میں اس نکاح سے راضی ہوں، اور دلالۃً کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عمل سے اجازت دے یعنی کوئی ایسا عمل کرے جس سے نکاح پر رضامندی سمجھی جائے، مثلاً شوہر سے مہر وصول کرے۔

۶-لڑکی اپنا نکاح فسخ کراسکتی ہے کہ نہیں؟

اس صورت مسئلہ کے سلسلہ میں فقہاء کرام نے جو تفصیل بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے غیر مناسب جگہ لڑکی کا نکاح کیا تھا تو حضرت امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک بذریعہ قاضی اس نکاح کو فسخ کرایا جاسکتا ہے، اور اگر یہ نکاح باپ یا دادا نے کرایا تھا تو اس کو فسخ نہیں کرایا جاسکتا ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک کسی بھی صورت میں فسخ نہیں کرایا جاسکتا، جب کہ قاضی شریح کے نزدیک ہر حالت میں فسخ کرایا جاسکتا ہے۔

مگر علامہ شامی نے اس کی مزید تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ باپ دادا نے اگر یہ نکاح کرایا ہے جس سے کہ لڑکی خوش نہیں ہے اور معاملہ قاضی کے پاس پہنچتا ہے تو قاضی اس بات کی تحقیق کرے گا کہ یہ ولی معروف بسوء الاختیار، ماجن، فاسق معتک ہے کہ نہیں؟ اگر ولی ایسا نہیں ہے تو پھر یہ نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا، اور اگر ولی ایسا ہے تو قاضی گواہوں کے بیانات کی روشنی میں نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔

ماجن کے معنی علامہ شامی نے "مغرب" کے حوالہ سے یہ بیان کئے ہیں کہ جس کو اپنے

کرنے کی اور دوسرے کے کہنے کی کوئی پرواہ نہ ہو یعنی نشہ کی حالت میں رہتا ہو (ردالمحتار ۲/ ۳۰۴)۔

معروف بسوء الاختیار کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اختیارات کو غلط اور بیجا استعمال کرنے میں پہلے سے مشہور ہو یعنی پہلے بھی کوئی واقعہ ایسا ہو کہ جس میں وہ لڑکی کا نکاح غیر مناسب جگہ کر چکا ہو، یا کوئی اور معاملہ ہو جہاں پر اس نے اپنے اختیارات کا بیجا استعمال کیا ہو۔

فاسق متہتک اس کو کہتے ہیں جو گناہوں پر خوب جری ہو، کھلم کھلا گناہ کرتا ہو، فسق وفجور میں مبتلا رہتا ہو، اپنی عزت وبےعزتی کی پرواہ نہ ہو (حوالہ بالا)۔

تو اب مطلب یہ نکلا کہ امام صاحب کے نزدیک اگر یہ ولی مذکورہ صفات رذیلہ سے متصف ہو اور اب یہ اپنی لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کرا دیتا ہے یا خلاف مصلحت کرا دیتا ہے، مثلاً مہر بہت کم مقرر کر دیتا ہے یا کسی اور وجہ سے لڑکی مطمئن نہیں ہے تو قاضی بیانات کی روشنی میں اس نکاح کو فسخ کرانے کا مجاز ہوگا۔

۷- ولی کون ہے یعنی ولایت کس کو حاصل ہے؟

یہ مسئلہ ماقبل میں گذر چکا ہے کہ امام مالک علیہ الرحمہ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک صرف باپ کو ولایت حاصل ہے، امام شافعی کے نزدیک باپ کے ساتھ دادا کو بھی ولایت حاصل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اس سلسلہ میں "**الولي هو العصبة**" کے الفاظ عام طور سے کتب فقہ میں ملتے ہیں کہ ولایت عصبہ کو حاصل ہوگی (ہدایہ مع الفتح ۳/ ۱۷۲)۔

واضح رہے کہ عصبہ کی تین قسمیں ہیں: ۱- عصبہ بنفسہ، ۲- عصبہ لغیرہ، ۳- عصبہ مع غیرہ۔

یہاں پر عصبہ بنفسہ مراد ہے: "**وهو عند الإطلاق منصرف إلى العصبة بنفسه**" (البحر الرائق ۳/ ۱۱۹)۔

عصبہ اس وارث کو کہتے ہیں جو میت کے ذوی الفروض نہ ہونے کی صورت میں میت

کے تمام مال کا اور ذوی الفروض کے موجود ہونے کی صورت میں ان سے باقی رہے مال کا حقدار بن جائے (حوالہ بالا)۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک باپ دادا کے علاوہ بھی دیگر ولی ہوسکتا ہے جو کہ عصبہ بنفسہ کا درجہ رکھتا ہو۔

اولیاء میں ترتیب کیا ہے؟

احناف کے نزدیک ولایت جب متعدد حضرات کو مل سکتی ہے تو اب سوال یہ ہے کہ تقدیم وتاخیر کے اعتبار سے ان میں ترتیب کیا ہوگی؟

چنانچہ اس سلسلہ میں تمام فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جو ترتیب وراثت کے باب میں ہے وہی ترتیب یہاں پر ہے، "**والترتيب في ولاية النكاح كالترتيب في الإرث والأبعد محجوب بالأقرب**" (ہدایہ مع الفتح ۳/۱۷۵)۔

چنانچہ ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد محروم ہوجاتا ہے وراثت سے، اسی طریقہ سے یہاں پر ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد کو ولایت نہ ملے گی، چنانچہ اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

سب سے پہلے لڑکا، اس لڑکے کا لڑکا، اسی طرح آگے نیچے تک، پھر باپ، باپ کا باپ، اسی طرح آگے اوپر تک، حقیقی بھائی (ماں باپ شریک)، علاتی بھائی، پھر حقیقی بھائی کا لڑکا، پھر اس لڑکے کا لڑکا، اسی طرح حقیقی چچا کا لڑکا، پھر اس لڑکے کا لڑکا، اسی طرح نیچے تک، پھر حقیقی چچا، علاتی چچا، حقیقی چچا کا لڑکا، اس لڑکے کا لڑکا، اسی طرح نیچے تک، پھر علاتی چچا کا لڑکا، اس لڑکے کا لڑکا، اسی طرح نیچے تک، پھر باپ کا حقیقی چچا، باپ کا علاتی چچا، پھر باپ کے حقیقی چچا کا لڑکا، اس لڑکے کا لڑکا، اسی طرح نیچے تک، پھر باپ کے علاتی چچا کا لڑکا، اس لڑکے کا لڑکا، اسی طرح نیچے تک، دادا کا حقیقی چچا، پھر دادا کا علاتی چچا، دادا کے حقیقی چچا کا لڑکا، پھر اس لڑکے کا لڑکا، اسی طرح نیچے تک، پھر دادا کے علاتی چچا کا لڑکا، پھر اس لڑکے کا لڑکا، اسی طرح نیچے تک، پھر معتق

(مولی العتاقہ) خواہ عورت ہی کیوں نہ ہو، پھر اس کا لڑکا، اسی طرح نیچے تک، پھر اس معتق کے نسبی عصبہ، اوپر کی ترتیب کے مطابق (مستفاد از بحر الرائق ۳/۱۱۹، رد المحتار ۲/۳۱۱، فتح القدیر ۳/۱۷۵)۔

۸- کیا ایک درجہ کے چند اولیاء میں سے سب کی اجازت ضروری ہے؟

نکاح کے لئے ولی کی اجازت وہاں پر ہی ضروری ہے جہاں پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے اور ولایت اجبار صرف نابالغ بچے پر ہوتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نابالغ کے نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے، بغیر ولی کی اجازت کے نکاح درست نہ ہوگا، درست نہ ہونے کا مطلب یہ کہ نکاح منعقد تو ہو جائے گا (احناف کے نزدیک) مگر اس کا نفاذ موقوف رہے گا ولی کی اجازت پر (بدائع ۲/۳۳۳)۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ کسی نابالغ کے ایک ہی درجہ کے چند ولی ہیں، مثلاً باپ نہ ہو تو بھائی کو ولایت حاصل ہوتی ہے، اور اب یہ حقیقی بھائی دو یا تین ہیں، تو اب صرف ان میں سے ایک کی اجازت کافی ہے یا سب سے اجازت لینا ضروری ہے؟

اس سلسلہ میں احناف کے درمیان اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ اور اسی طرح امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ صرف ایک کی اجازت کافی ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ سب اولیاء کی اجازت ضروری ہوگی۔

علامہ کاسانی نے اس اختلاف کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے اور دونوں فریق کے دلائل بھی۔

چنانچہ حضرت امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ سارے اولیاء برابر درجہ کے ہیں جس کی وجہ سے سب کا برابری کا حق ہے، لہذا ہر ایک کا حق تب ہی ختم ہوگا جب کہ وہ اجازت دے دے، صرف ایک کے اجازت دینے سے دوسروں کی اجازت کیسے شمار ہوگی؟ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ چند آدمیوں کا کسی کے اوپر قرض ہو تو اگر ان میں سے ایک اپنا قرض معاف کر دے تو سب کا معاف نہیں ہوگا بلکہ ان کا اپنا حق باقی رہے گا۔

حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ یہ حق ایک ہی حق ہے، اور یہ ایسا حق ہے جس کی تقسیم نہیں ہوسکتی، نیز یہ جو حق تمام اولیاء کو ملا ہے تو وہ ایسے سبب کی وجہ سے ملا ہے جو تقسیم نہیں ہوسکتا اور وہ قرابت ورشتہ داری ہے، اور ایسی چیز جس کی تقسیم نہ ہوسکتی ہو اگر اس کے ایک جزء کو ساقط کردیا جائے تو وہ سارا ہی ساقط ہوجاتا ہے، لہذا جب بعض اولیاء نے اجازت دے کر اپنا حق ساقط کردیا تو اب سب ہی کا حق ساقط ہوجائے گا اور سب ہی کی طرف سے اجازت شمار ہوگی، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قصاص، کہ چند آدمیوں کا کسی پر قصاص واجب ہو اور ان میں سے بعض ساقط کردیں تو سارا ہی قصاص ساقط ہوجاتا ہے، تو اسی طرح معاملہ یہاں پر ہے (بدائع ۳۱۸/۲)۔

☆☆☆

ولایت فی النکاح کے متعلق سوالوں کے جوابات

مولانا عبدالقیوم پالنپوری☆

۱- ولایت کے لغوی معنی محبت، نصرت اور قدرت کے ہیں، اور اصطلاح فقہ میں ولایت علی النفس دوسرے پر بات یا حکم نافذ کرنے کا نام ہے۔

"معناها اللغوی: المحبة والنصرة" (رد المحتار) "والولاية تنفيذ القول على الغير" (الدر المختار مع الرد ۳/۵۵)۔

اس کی دو قسمیں ہیں: ولایت اجبار اور ولایت اختیار۔

ولایت اجبار یہ ہے کہ دوسرے پر بات یا حکم نافذ کیا جائے، خواہ وہ دوسرا چاہے یا انکار کرے، یعنی ولی کا حکم ماننا ضروری ہے، اگر نہ مانے تب بھی حکم نافذ ہو جائے گا، اس کا دوسرا نام ولایت ختم وایجاب ہے۔

ولایت اختیار یہ ہے کہ ولی دوسرے کے نفس پر کوئی تصرف کرے اور ولی کے اس تصرف وحکم کو دوسرے کے لئے ماننا ضروری نہ ہو، یعنی اگر نہ مانے تو اس پر یہ تصرف نافذ نہ ہو، جیسے عاقلہ بالغہ حرہ پر ولی کو ولایت اختیار رہے، اس ولایت کا دوسرا نام ولایت ندب واستحباب ہے، البتہ عاقلہ بالغہ کے لئے خود عقد نہ کرنا بلکہ اپنے ولی کو عقد نکاح کے امور سونپنا مستحب ہے۔

"(قوله ولاية ندب) أي يستحب للمرأة تفويض أمرها إلى وليّها، كي لا تنسب إلى الوقاحة (بحر)۔ وللخروج من خلاف الشافعيؒ في البكر، وهذه في

☆ جامعہ نذیریہ کاکوسی، شمالی گجرات۔

الحقيقة ولاية وكالة" (ردالمحتار ۳/۵۵) "فهي الولاية على الحرة البالغة العاقلة بكراً كانت أو ثيباً في قول أبي حنيفةؒ و زفرؒ" (بدائع ۲/۵۱۳)۔

ولایت اجبار میں یہ شرط ہے کہ ولی عاقل بالغ اور وارث یا حاکم مسلم ہو، لہذا مجنون، معتوہ اور بچے کو ولایت حاصل نہ ہوگی، اسی طرح کافر کو مسلم یا مسلمہ پر اور مملوک اور مرتد کو کسی پر بھی ولایت حاصل نہ ہوگی، اور فی الجملہ ولایت کے ثبوت کے لئے ولی کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، لہذا کافر کو کافر یا کافرہ پر ولایت حاصل ہوگی، اور اسی طرح ولی کا عادل ہونا بھی احنافؒ کے یہاں شرط نہیں ہے (برخلاف امام شافعیؒ کے) لہذا فاسق باپ کا اپنے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کرنا صحیح ہوگا، البتہ ولی معروف بسوء الاختیار یا فاسق متہتک ہو یا نشہ کی حالت میں ہو تو اس کا نکاح کرنا غیر کفو میں یا مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ صحیح نہ ہوگا، جیسا کہ بدائع میں ہے:

"ومنها عقل الولي ومنها بلوغه فلاتثبت الولاية للمجنون والصبي...... ومنها أن يكون ممن يرث الخ......فنقول: لا ولاية للملوک على أحد...... ولا للمرتد على أحد...... ولا للكافر على المسلم، وكذلک إن كان الولي مسلما والمولي عليه كافرا، وأما إسلام الولي ليس بشرط لثبوت الولاية في الجملة، فيلي الكافر الكافر، وكذا العدالة ليست بشرط لثبوت الولاية عند أصحابنا وللفاسق أن يزوج ابنه وابنته الصغيرين وعند الشافعيؒ شرط" (بدائع الصنائع ۲/۵۰۰-۵۰۱)۔

اور امام صاحبؒ کے نزدیک ولی کا مذکر ہونا بھی شرط نہیں، لہذا ولی عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں ماں، دادی، نانی وغیرہ کو علی الترتیب ولایت حاصل ہوگی، چنانچہ بدائع میں ہے:

"وأما شرط التقدم فشيئان: أحدهما العصوبة عند أبي حنيفة، فتقدم العصبة على ذوي الأرحام سواء كانت العصبة أقرب أو أبعد و عندهما هي شرط ثبوت أصل الولاية" (۲/۵۱۸) "وأما من غير العصبات فكل من يرث

يزوج عند أبي حنيفةؒ ومن لا فلا" (بدائع الصنائع ۲/ ۵۱۹)۔

اور ولایت اجبار میں مولی علیہ (یعنی جس پر ولایت حاصل ہوگی) کا نابالغ لڑکا یا نابالغہ لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، یا مجنون کبیر یا مجنونہ کبیرہ ہونا شرط ہے، لہذا عاقل بالغ لڑکے اور عاقلہ بالغہ لڑکی پر ولایت حاصل نہ ہوگی (بدائع ۲/ ۵۰۴)۔

۲- (الف، ب) عاقل بالغ لڑکا اور عاقلہ بالغہ لڑکی کو شریعت نے خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے، البتہ عاقلہ بالغہ لڑکی کے لئے مستحب ہے کہ اپنے نکاح کا معاملہ ولی کو سونپ دے۔

"فلا تثبت هذه الولاية على البالغ العاقل ولا على العاقلة البالغة (بدائع ۲/ ۵۰۴) **ولاية الندب والاستحباب فهي الولاية على الحرة البالغة العاقلة بكراً كانت أو ثيباً**" (بدائع ۲/ ۵۱۳)۔

اور نابالغ لڑکا یا نابالغ لڑکی یا مجنون و مجنونہ کے نکاح کا اختیار شریعت نے ان کے اولیاء کے حوالہ کیا ہے جیسا کہ سوال نمبر ایک کے تحت بدائع کی عبارت گزری۔

نابالغ لڑکے اور لڑکی پر ان کے اولیاء کی ولایت اجبار ان دونوں کے بالغ ہونے پر ختم ہوجائے گی، اور مجنون یا مجنونہ پر ان کے جنون سے افاقہ اور شفا پا جانے پر ولایت اجبار ختم ہوجائے گی۔

عاقل بالغ لڑکے کو اپنا نکاح کرنے کا شرعاً مکمل اختیار رہے، چاہے کفو میں کرے یا غیر کفو میں، یا مہر مثل پر یا اس سے زائد پر، ہر صورت میں نکاح صحیح و لازم ہوگا، اور ولی کو حق اعتراض و فسخ حاصل نہ ہوگا۔ اور احناف کے یہاں عاقلہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح کفو میں مہر مثل یا اس سے زیادہ پر کرے تو وہ نکاح صحیح و لازم ہے، اور ولی کو کوئی حق اعتراض نہ ہوگا اور ایسا کرنے سے وہ شرعاً گنہگار نہ ہوگی۔

اور اگر عاقلہ بالغہ اپنا نکاح بلا اجازت ولی غیر کفو میں مہر مثل پر یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کرے گی تو مفتی بہ قول کے مطابق صحیح نہ ہوگا بلکہ باطل ہے، اور اگر کفو میں مہر مثل سے کم پر

کرے گی تو نکاح صحیح ہے لیکن لازم نہیں، لہذا ولی کو حق اعتراض حاصل رہے گا، اور مہر مثل مکمل نہ کرنے کی صورت میں قاضی کے ذریعہ سے نکاح فسخ کراسکتا ہے (دیکھئے: فتح القدیر ۲/ ۳۹۱، رد المحتار ۳/ ۵۶)۔

جب عاقلہ بالغہ کا کوئی ولی نہ ہو اور وہ غیر کفو میں مہر مثل سے کم پر نکاح کرتی ہے تو وہ نکاح صحیح ولازم ہے۔

''وأما إذا لم يكن لها ولي فهو صحيح نافذ مطلقا'' (رد المحتار ۳/ ۵۷)۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے کفو میں مہر مثل پر نکاح کیا ہے تو یہ نکاح صحیح اور لازم بھی ہے، لہذا بعد میں ولی کے اتفاق کرنے یا رد کرنے سے اس نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا اور اگر اس نے ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کیا ہے تو یہ نکاح صحیح ہے، لیکن لازم نہیں، لہذا علم کے بعد ولی کے اتفاق واجازت سے یہ نکاح لازم بھی ہو جائے گا اور فسخ کا اختیار ختم ہو جائے گا، اور اگر علم کے بعد ولی نے اس کو رد کر دیا تو اس کے رد کرنے سے نکاح رد تو نہ ہو گا ہاں اس کو خیار فسخ حاصل ہے، لہذا مہر مثل مکمل نہ کرنے کی صورت میں قاضی کے ذریعہ وہ نکاح فسخ کراسکتا ہے۔

اور اگر بالغہ عاقلہ نے بلا اجازت ولی غیر کفو میں (خواہ مہر مثل پر یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ) نکاح کیا ہے تو مفتی بہ قول کے مطابق نکاح باطل ہے، لہذا بعد النکاح علم ہونے کے بعد ولی کے اتفاق واجازت سے بھی یہ نکاح صحیح نہ ہوگا، اور یہ نکاح رد و باطل ہے، لہذا بعد میں ولی کے رد کرنے سے بھی کوئی اثر نہ پڑے گا۔

۳- اس سوال کا جواب سوال دوم کے جواب میں ضمناً آ چکا ہے۔

۴- ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں ہے: اگر باپ نابالغ کا نکاح کر دے تو وہ نکاح لازم ہو جاتا ہے، یعنی بلوغ کے بعد بھی لڑکے لڑکی کو اس کے فسخ کرانے کا اختیار نہیں رہتا، خواہ کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں اور مہر مثل مقرر رہا ہو یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کیا ہو، مگر غیر کفو کے ساتھ اور غبن فاحش پر نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں:

اول یہ کہ وہ شخص نکاح کرنے کے وقت ہوش وحواس سالم رکھتا ہو، پس اگر نشہ کی حالت میں ایسا کیا تو نکاح باطل ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ معروف بسوء الاختیار نہ ہو، یعنی اس کے قبل کوئی واقعہ ایسا نہ ہوا ہو، جس کی بنا پر عموماً خیال ہو جاوے کہ یہ شخص معاملات میں لالچ وغیرہ کی وجہ سے مصلحت اور انجام بینی کو مدنظر نہیں رکھتا، پس اگر کوئی شخص لالچ اور ناعاقبت اندیشی کے سبب بدتدبیری میں معروف ومشہور ہو وہ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کردے یا مہر میں غبن فاحش کرے تو وہ نکاح بھی بالکل باطل ہے، اور فاسق متہتک یعنی بے باک اور بے غیرت ہو، وہ بھی سیئ الاختیار کے حکم میں ہے......اور جب باپ نہ ہو تو دادا ولی ہوتا ہے، اور دادا جو نکاح کرے اس میں وہی تفصیل ہے جو باپ کے متعلق گذر چکی ہے۔

اور دادا کے بعد بھائی، چچا وغیرہ کو بہ ترتیب ولایت کا حق پہنچتا ہے، مگر وہ باپ دادا کے برابر نہیں، بلکہ ان کا حکم جدا ہے، یعنی اگر باپ دادا کے سوا کوئی دوسرا ولی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا غیر کفو میں نکاح کردے یا مہر غبن فاحش کے ساتھ مقرر کردے تب تو نکاح بالکل ہی نہیں ہوتا، خواہ اس نے نہایت ہی خیر خواہی سے ایسا کیا ہو، اور اگر کفو کے ساتھ مہر مثل پر کیا ہو تو اس وقت نکاح صحیح تو ہو جاتا ہے لیکن لازم نہیں ہوتا، یعنی لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار رہتا ہے کہ اس نکاح کو باقی رکھیں یا فسخ کرالیں (الحیلۃ الناجزۃ/۱۹۵،۱۹۶)۔

۵- بالغ ہونے پر فسخ نکاح کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو لڑکی بالغ ہونے پر نکاح فسخ کروانا چاہتی ہے اگر وہ باکرہ ہے تو اس کو خیار فسخ حاصل ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس وقت آثار بلوغ ظاہر ہوں (یعنی جب ان کا ظہور ۱۵ سال سے قبل ہو جاوے، ورنہ پورے پندرہ سال قمری جب ہو جائیں اس وقت کا اعتبار کیا جائے گا) اسی وقت فوراً بلا کسی تاخیر کے زبان سے یہ کہہ دے کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں، چاہے اس وقت اس کے پاس کوئی موجود ہو یا نہ ہو، ہر حال میں فوراً زبان سے کہنا شرط ہے، البتہ اگر کھانسی یا چھینک وغیرہ یا کسی نے جبراً

منہ بند کر دیا، ایسی کسی مجبوری کی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو اس کے باعث خیار باطل نہیں ہوتا، بشرطیکہ مجبوری رفع ہوتے ہی فوراً کہہ دیا ہو، اور بدون کسی مجبوری کے اگر زبان سے کہنے میں ذرا بھی دیر کی تو یہ اختیار باطل ہو گیا اور فسخ کرانا جائز نہ رہا، اگر غلط بیانی کر کے نکاح فسخ کرائے گی تو سخت گنہگار ہو گی، اور نیز باکرہ کو اس کی بھی ضرورت ہے کہ زبان سے کہنے پر کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لے تاکہ قاضی وغیرہ کے پاس معاملہ پیش ہونے پر کام آوے۔ گواہ بنانے کا تفصیلی حکم ''حیلۂ ناجزہ'' میں بعنوان ''فائدہ موعودہ'' صفحہ ۱۹۸ پر مذکور ہے۔

اور اگر وہ لڑکا ہے یا ثیبہ لڑکی ہے تو بالغ ہوتے ہی فوراً کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ جب تک رضامند نہ ہو گی اس وقت منظور رکھنے، نہ رکھنے کا اختیار باقی رہتا ہے، چاہے کتنا ہی زمانہ گذر جاوے، صرف خاموش رہنے کی وجہ سے لڑکے اور ثیبہ لڑکی کا خیار باطل نہیں ہوتا، البتہ اگر بلوغ کے بعد لڑکا یا لڑکی زبان سے کہہ دے کہ یہ نکاح منظور ہے، یا کوئی کام ایسا کرے جس سے رضامندی پائی جائے تو اختیار باطل ہو جائے گا۔ یہ سب تفصیل جب ہے جبکہ بلوغ سے پہلے ان کو نکاح کی اطلاع ہو چکی ہو، اور اگر کسی کو بلوغ سے پیشتر نکاح کی خبر نہ ہوئی ہو تو جب خبر ملے تب خیار بلوغ حاصل ہو گا، اور اختیار باقی رہنے یا نہ رہنے کی جو تفصیل ابھی گذری اس سب کا لحاظ خبر ملنے کے وقت سے کیا جائے گا (الحیلۃ الناجزۃ بحذف وتغیر، ص ۱۹۷، ۱۹۸)۔

قریب تر ولی زندہ ہو اور ولی بعید نے نابالغ کا نکاح کر دیا تو اگر قریب تر ولی موجود ہے تو اس کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت پر یہ نکاح موقوف رہے گا۔

''فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب توقف على إجازته (الدر المختار)، فلا يكون سكوته إجازة لنكاح الأبعد وإن كان حاضرا في مجلس العقد، مالم يرض صريحا أو دلالة'' (رد المحتار ۳/۸۱)۔

اور گر قریب تر ولی موجود نہیں اور اتنی دور ہے کہ اگر اس کا انتظار کریں اور اس سے رائے لیں تو یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا اور پیغام دینے والا اتنا انتظار نہ کرے گا اور پھر ایسا رشتہ

مشکل سے ملے گا تو ایسی صورت میں اس کے بعد والا ولی بھی نکاح کرسکتا ہے اور وہ نکاح صحیح ہوگا، لیکن اگر ولی اقرب قریب ہو یا آسانی سے رائے لی جاسکتی ہو تو پھر ولی بعید کا نکاح کرنا اس کی اجازت پر موقوف رہے گا(ردالمحتار ۳/۸۱)۔

۶- معروف بسوء الاختیار وہ شخص ہے کہ کوئی واقعہ اس سے ایسا سرزد ہوا ہو جس کی بنا پر عموماً خیال ہو جائے کہ یہ شخص معاملات میں لالچ وغیرہ کی وجہ سے مصالح اور مفادات کو مدنظر نہیں رکھتا، اور فاسق متہتک اور ماجن وہ شخص ہے جو بے باک، بے غیرت اور بے حیا ہو کہ گناہ کے کام کرنے میں کوئی عار اور شرم محسوس نہ کرے(الحیلۃ الناجزہ ص ۱۹۶) "**وفي المغرب: الماجن الذی لا یبالي ما یصنع وما قیل له**" (ردالمحتار ۳/۶۶)۔

اگر ولی معروف بسوء الاختیار یا فاسق متہتک ہو اور اس نے نابالغ کا نکاح اس کے مفادات کو مدنظر رکھے بغیر اپنے مفاد کی خاطر یا کسی دباؤ میں آکر نامناسب جگہ غیر کفو میں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کیا ہے تو یہ نکاح بالکل ہی باطل ہے، لہذا اس کو فسخ کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اور اگر وہ ولی باپ یا دادا پہلے سے سوء اختیار میں معروف نہ تھا اور اسی نکاح کی وجہ سے معروف بسوء الاختیار ہوا ہے تو اس کا کیا ہوا یہ نکاح صحیح اور لازم ہے، اگرچہ غیر کفو یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ ہو، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

"**الحاصل أن المانع هو کون الأب مشهورا بسوء الاختیار قبل العقد، فإذا لم یکن مشهورا بذلک ثم زوّج من فاسق صحّ، وإن تحقق بذلک أنه سیئ الاختیار واشتهر به عند الناس، فلو زوّج بنتا أخری من فاسق لم یصحّ الثاني، لأنه کان مشهورا بسوء الاختیار قبله بخلاف العقد الأول**" (ردالمحتار ۳/۶۷)۔

اور اگر اس نے کفو میں مہر مثل پر نکاح کیا ہے تو یہ باپ یا دادا کا کیا ہوا نکاح صحیح اور لازم ہے، اس میں لڑکی کو خیار بلوغ بھی حاصل نہیں، لہذا فسخ نہیں ہوسکتا ہے، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: "**ومقتضی التعلیل أن السکران أو المعروف بسوء الاختیار لو**

زوّجها من کفء بمهر المثل صحّ لعدم الضرر المحض" (ردالمحتار ۳/۶۷)۔

۷- امام صاحبؒ کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق اولاً ولایت عصبات پھر ذوی الارحام کو حاصل ہے، اوران میں ترتیب یہ ہے کہ اولاً باپ کو، پھر دادا، پھر پر دادا کو حاصل ہے، پھر حقیقی بھائی، پھر علاتی بھائی، پھر حقیقی بھائی کے لڑکے، پھر علاتی بھائی کے لڑکے، پھر علاتی چچا، پھران کے لڑکے علی الترتیب، پھر باپ کے حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھر ان کے لڑکے، پھر دادا کے حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھران کے لڑکے، پوتے علی الترتیب۔ یہ سب نہ ہوں توماں کو ولایت حاصل ہوتی ہے، پھر دادی، نانی، نانا، پھر حقیقی بہن، علاتی بہن، اخیافی بہن، پھوپھی، ماموں، خالہ وغیرہ کو علی الترتیب ولایت حاصل ہوگی (ردالمحتار مع الدرالمختار ۳/۷۸۔۷۹، بہشتی زیور حصہ چہارم ص ۶)۔

اگرکوئی مجنونہ ہے اوراس کا ولی لڑکا اور باپ دونوں ہوں اور مجنونہ کا نکاح کرانا چاہتے ہیں تو اس کا ولی لڑکا ہے کیونکہ ولی ہونے میں لڑکا باپ سے مقدم ہے: "(قوله: فیقدم ابن المجنونة علی أبیها) هذا عندهما خلافا لمحمد حیث قدم الأب، وفي الهندیة عن الطحاوي: إن الأفضل أن یأمر الأب الابن بالنکاح حتی یجوز بلا خلاف" (ردالمحتار ۳/۷۶)۔

۸- کسی لڑکی کے یکساں درجے کے ایک سے زائد ولی ہوں اوراس کے نکاح کی صحت یا لزوم ولی کی اجازت پر موقوف ہو توان برابر درجے کے ولی میں سے ایک کی اجازت نکاح کی صحت یا لزوم کے لئے کافی ہے، سب کی اجازت اور اتفاق ضروری نہیں ہے۔ درمختار میں ہے:

"فرضا البعض من الأولیاء قبل العقد أو بعده کالکل لثبوته لکل کملا" (ردالمحتار ۳/۵۷) "فأما إذا کانا في الدرجة سواء کالأخوین والعمین ونحو ذلک، فلکل واحد منهما علی حباله أن یزوج، رضي الآخر أو سخط، بعد أن کان التزوج من کفؤ بمهر وافر، وهذا قول عامة العلماء" (بدائع الصنائع ۲/۵۲۱) "لو زوجت نفسها من غیر کفؤ من غیر رضا الأولیاء لا یلزم، للأولیاء حق

الاعتراض...... ولو رضی به بعض الأولیاء سقط حق الباقین فی قول أبی حنیفة ومحمد و عند أبی یوسف لا یسقط“ (بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۴)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا عبدالرشید قاسمی ☆

اقسام ولایت:

حنفیہ نے ولایت کی تین قسمیں کی ہیں:

۱-ولایت علی النفس، ۲-ولایت علی المال، ۳-ولایت علی النفس والمال۔

ولایت علی النفس:

معذور یا کم فہم لوگوں کی نگرانی کرنا اور ان کے معاملات کو درست طریقے پر انجام دینا مثلاً عقد نکاح، تعلیم، علاج ومعالجہ اور دوسرے مشاغل، یہ ولایت باپ، دادا اور تمام اولیاء کو حاصل ہے۔

ولایت علی المال:

نافہم کمزور دماغ کے لوگوں کے مال کا انتظام کرنا مثلاً خرچ، حفاظت مال میں تصرف، تجارت وغیرہ، اور یہ ولایت باپ، دادا اور ان کے وصی اور قاضی کے وصی کو حاصل ہے۔

ولایت علی النفس والمال:

اس ولایت میں بھی کم فہم، کمزور دماغ، مریض وغیرہ کی ذات اور مال کی نگرانی ہوتی ہے، اور یہ ولایت صرف باپ اور دادا کو حاصل ہوتی ہے (الفقہ الاسلامی ۷/ ۱۸۷)۔

☆ رشید بکڈپو، گوریی، کھیتاسرائے، ضلع جونپور یوپی۔

شرائط ولایت:

ولایت نفس کی دو قسمیں ہیں: ایک ولایت اجبار اور دوسری ولایت اختیار، یا یوں کہئے کہ ایک ولایت واجب اور دوسری ولایت مستحب ہے۔ ولایت اجبار کا ثبوت چار شرطوں سے ہوتا ہے: قرابت، ملکیت، ولاء اور امامت، لہٰذا ولایت قرابت ثابت ہوتی ہے مولی کی سبب قرابت سے۔ قرابت، قرابت قریبہ ہوگی جیسے باپ، دادا، بیٹا، یا قرابت بعیدہ ہوگی جیسے ماموں زاد اور چچا زاد بھائی۔

ولایت ملک: ولایت آقا کے لئے غلام پر ثابت ہوتی ہے، اسی وجہ سے آقا کو اختیار ہے کہ وہ اپنے غلام یا باندی کا عقد نکاح جبراً کردے اور اگر غلام یا باندی از خود شادی کرلیں تو یہ آقا کی اجازت پر موقوف ہوگی، اور ولایت ملک آقا کو اس شرط پر حاصل ہوگی کہ آقا عاقل ہو بالغ ہو زیرک ہو، اگر آقا مجنون یا ضعیف العقل ہے تو اس کی ولایت کا ثبوت نہ ہوگا، اور اگر آقا نابالغ بچہ ہے تو وہ اپنے غلام اور باندی کی شادی پر قادر نہ ہوگا۔

ولایت ولاء:

اس کی بھی دو قسم ہے: ایک تو یہ کہ غلام کو آقا نے آزاد کردیا، اب اس آزاد شدہ غلام کو ولاء حاصل ہوگا، اور دوسری ولاء کی قسم یہ ہے کہ آقا مرجائے یا اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس آزاد شدہ شخص کو اپنے آقا کی ولاء حاصل ہوگی۔

ولاء عتاقہ:

یہ حق شرعی ہے جو معتق کے لئے عتیق پر ثابت ہوتا ہے یہاں تک کہ معتق عتیق (آزاد شدہ) کا وارث ہوگا اور آزاد کرنے کے بعد بھی آقا کو اختیار رہے کہ وہ آزاد شدہ غلام جب کہ وہ نابالغ بچہ ہو یا مجنون ہو یا ضعیف العقل تو اس کا عقد نکاح کردے، اور معتق کے لئے یہ ولایت اس شرط پر حاصل ہوگی کہ معتق عاقل اور بالغ ہو۔

ولاء موالات:

ایسے دو شخصوں کو حاصل ہوتی ہے جنہوں نے غلام کو اس شرط پر خریدا کہ غلام دونوں کی خدمت کرے گا، اب کسی وقت بھی اگر غلام نے جنایت کی تو یہ دونوں آقا تاوان ادا کریں گے، اور جب غلام مرجائے گا تو دونوں آقا وارث ہوں گے، اس ولایت کی بنا پر یہ شرط ہے کہ آقا بالغ، عاقل اور آزاد ہوں۔

ولایت امامت:

یہ ولایت امام عادل یا اس کے نائب کو حاصل ہوتی ہے، جیسے بادشاہ اور قاضی، انہیں شریعت مطہرہ کی جانب سے اجازت ہے کہ یہ ایسے لوگوں کا عقد نکاح کریں جن میں نکاح کی اہلیت نہ ہو مثلاً ضعیف العقل یا مجنون وغیرہ ہوں، بشرطیکہ ان کا کوئی ولی قریب نہ ہو، اور امام عادل یا اس کے نائب کو یہ ولایت درج ذیل حدیث کی بنا پر حاصل ہوتی ہے: **''السلطان ولي من لا ولي له''** (الفقہ الاسلامی ۷/۱۸۸)۔

۱- شریعت اسلامیہ میں ولایت کا مفہوم:

الولاية لغة إما بمعنى المحبة والنصرة كما في قوله تعالىٰ: "ومن يتولّ الله ورسوله والذين آمنوا فإن حزب الله هم المفلحون"، وقوله سبحانه: ''والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض"۔

''واما بمعنى السلطة والقدرة يقال :الوالي أي صاحب السلطة"۔

اور اصطلاح فقہاء میں ولایت کا مفہوم یوں ہے:

"القدرة على مباشرة التصرف من غير توقف على إجازة أحد ويسمى متولي العقد الولي ومنه قوله تعالىٰ: "فليملل وليّه بالعدل" (الفقہ الاسلامی ۷/۱۸۶)۔

صاحب درمختار نے ولی کی لغوی تعریف دوست، اور عرفی تعریف عارف باللہ، اور شرعی تعریف ولی ایسے شخص کو کہیں گے جو بالغ عاقل اور وارث ہو، سے کی ہے (درمختار ۲/۳۲۰-۳۲۱)۔

ولایت علی النفس کی شرطیں:

ولایت علی النفس چار شرطوں سے حاصل ہوتی ہے:قرابت، ملکیت، ولاء اورامامت۔

ولایت علی النفس کا دوسرا نام ولایت اجبار ہے، اور ولایت اجبار صغیرہ پر جائز ہے اگرچہ وہ ثیبہ ہو۔

"وولایة إجبار علی الصغیرۃ ولو ثیباً ومعتوھۃ ومرقوقۃ" (الدرالمختار ۳۲۱/۲)۔

ولایت علی النفس میں ولی پر بھی چند شرطیں لاگو ہوں گی، یا یوں کہئے کہ ولی علی النفس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالغ اور عاقل اور لڑکے کی تربیت پر قادر اور اس کے اخلاق کی نگہبانی کرنے والا ہو، اور مولی (جس کی سرپرستی کی جارہی ہے) کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، اب اگر ولی علی النفس نابالغ اور نافہم یا سفیہ معذور ہو تو ان لوگوں کی ولایت اس کو حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ یہ خود اس بات کا محتاج ہے کہ اس کی کوئی سرپرستی کرے، اور اسی طرح فاسق اور مجنون کو ولایت حاصل نہیں ہے، کیونکہ انہیں کچھ معلوم نہیں کہ یہ کر کیا رہے ہیں (الفقہ الاسلامی ۷/۷۴۷۔۷۴۸)۔

۲- بالغوں کا عقد نکاح:

شریعت اسلامیہ نے بالغ لڑکے اور لڑکیوں کو خود اپنا نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، اس مسئلہ کی بابت پہلے نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ ملاحظہ ہوں:

ارشاد ربانی ہے:**"والذین یتوفون منکم ویذرون أزواجاً یتربصن بأنفسھنّ أربعۃ أشھر وعشرا، فإذا بلغن أجلھنّ فلا جناح علیکم فیما فعلن في أنفسھنّ بالمعروف"** (سورۂ بقرہ:۲۳۴)۔

آیت بالا میں آئندہ شادی کا معاملہ واضح طور پر شوہر دیدہ عورت کے ہاتھ میں دیا گیا ہے، یعنی جب عدت ختم ہوگئی تو اب نکاح کی ترویج وغیرہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔

"فإن طلّقها فلا تحلّ له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره" (سورۂ بقرہ:۲۳۰)۔

اس آیت میں بھی نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے کہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر لے۔ تنکح (نکاح) یہاں اپنے اصطلاحی شرعی معنی میں یعنی عقد نکاح کے مرادف نہیں بلکہ اپنے اصلی اور لغوی معنی میں یعنی ہم بستری کے مرادف ہے، محض عقد کا مفہوم تو خود لفظ زوجاً سے نکل آتا ہے، تنکح سے مقصود ہم بستری کو ظاہر کرنا ہے۔

"العقد فهم من زوجاً والجماع من تنكح يحتمل أن تفسير النكاح بالإصابة" (تفسیر ماجدی ۱/ ۴۳۳)۔

"فلا تعضلوهنّ أن ينكحن أزواجهنّ إذا تراضوا بينهم بالمعروف" (سورۂ بقرہ:۲۳۲)۔

اس آیت میں بھی نکاح کا معاملہ عورت کے حوالہ کر دیا گیا ہے مگر معروف کی قید کے ساتھ، اگر وہ شریفانہ دستور کے موافق نکاح کر رہی ہے تو اس میں رکاوٹ کی ضرورت نہیں ہے۔

أزواجهنّ: یعنی ان کے تجویز کئے ہوئے شوہر، عام اس سے کہ وہ نئے ہوں یا وہی پرانے ہوں جو ایک بار انہیں چھوڑ چکے ہوں۔"أي الذين يرغبن منهم ويصلحون لهنّ"۔

ينكحن، اس لفظ سے معلوم ہوا کہ عورتیں خود بھی اپنا نکاح کر سکتی ہیں، اور علماء احناف کا استدلال یہیں سے ہے کہ نکاح بغیر ولی کے بھی جائز ہے،"قد دلت هذه الآية من وجوه على جواز النكاح اذا عقدت على نفسها بغير ولي ولا إذن وليها أحدها إضافة العقد إليها من غير شرط إذن الولي واحتج لها أصحاب أبي حنيفة على أن تزوج المرأة نفسها" (قرطبی، تفسیر ماجدی ۱/ ۴۳۸، الجصاص)۔

حدیث میں ہے: "الأيم أحقّ بنفسها من وليّها والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها" (مسلم: کتاب النکاح/ ۴۵۵)

نظریات فقہاء:

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ آزاد مکلفہ (بالغہ عاقلہ) کا عقد نکاح بلا رضامندی ولی نافذ ہوجائے گا اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔

احناف کی متن المتون کتاب کنزالدقائق میں اسی کی یوں ترجمانی کی گئی ہے:

"نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي ولا تجبر بالغة بالنكاح ومن نكحت غير كفوء فرق الولي" (کنزالدقائق ۱۰۲)۔

عاقلہ بالغہ بلا کفو شادی کرلے تو یہ عقد فاسد ہوگا اگرچہ بعد میں ولی راضی ہوجائے لیکن بعد العقد ولی کی رضامندی عقد کو صحیح نہیں کرے گی۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی اور محققین کی رائے میں یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔

"والمفتىٰ به أن المرأة إذ تزوجت غير كفوء وقع العقد فاسداً فلو رضي الولي بعد العقد لا ينقلب صحيحاً"۔

شیخین کی ظاہر الروایہ میں بنیاد یہ ہے:

"الأيم أحقّ بنفسها من وليّها والبكر تستأمر في إذنها وإذنها صماتها۔ والأيم التي لا زوج لها بكراً كانت أو ثيباً"۔

حدیث بالا اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عورت اپنے عقد نکاح کا حق رکھتی ہے۔

شیخین کی دلیل عقلی ملاحظہ ہو:

عورت تمام تصرفات مالیہ میں کامل اہلیت رکھتی ہے، مثلاً بیع، اجارہ، رہن، سلم وغیرہ، لہذا یہ خود اپنا نکاح کرنے کی اہلیت رکھتی ہے کیونکہ نکاح اس کا حق خاص ہے اور وہ اپنے حق خاص میں تصرف کررہی ہے (الفقہ الاسلامی ۷/ ۱۹۴)۔

جمہور کی رائے ان کے خلاف ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ بلا اجازت ولی نکاح صحیح نہ ہوگا، عورت خود اپنے نکاح کی اور

نہ دوسرے کی مالک ہے اور نہ ہی اپنے عقد نکاح میں کسی کو وکیل بنا سکتی ہے، لہٰذا اگر عاقلہ بالغہ نے ایسا کیا تو نکاح صحیح نہ ہوگا، اور یہ رائے صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت کی ہے، مثلاً عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور تابعین کی ایک کثیر جماعت اسی رائے کی عامل ہے، مثلاً سعید ابن مسیّب، حسن بصری، عمر ابن عبدالعزیز، جابر ابن زید، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، عبداللہ ابن مبارک، عبید اللہ العمری، اسحاق اور ابوعبیدہ رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں، ان کے دلائل ملاحظہ فرمایئے:

–''حديث عائشة وأبي موسى وابن عباس: لا نكاح إلا بولي'' ۔

–''حديث عائشة: أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل باطل باطل''۔

احادیث بالا کے مطابق اگر کسی عاقلہ بالغہ نے بلا اجازت ولی عقد کیا اور شوہر نے جماع بھی کیا تو مہر ثابت ہوجائے گی۔

''وحديث أبي هريرة: لا تزوج المرأة نفسها وان الزانية هي التي تزوج نفسها''۔

تطبیق آراء:

احناف اور جمہور کے دلائل اور ان کی آراء میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے مگر تضاد نہیں ہے بلکہ ان میں تطبیق ممکن ہے، اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ کہ جن حدیثوں میں بلا اجازت ولی نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے وہ حدیثیں سنداً اتنی قوی نہیں ہیں جتنی وہ حدیثیں ہیں جن میں بالغہ کو بلا اجازت ولی نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔

دوسری بات یہ کہ ولی سے اجازت ولی حدیث کو امام ابوحنیفہ نے صغیرہ اور کمزور دماغ لڑکی یا لونڈی وغیرہ پر محمول کیا ہے اور دوسری حدیث کو عاقلہ بالغہ راشدہ پر، اس لئے ان میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہوجاتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ جمہور کے نزدیک بھی اگر کسی عاقلہ بالغہ نے بلا اجازت ولی عقد کرلیا اور شوہر نے جماع بھی کیا تو جمہور کے نزدیک عورت کے لئے مہر کا ثبوت ہوگا۔ معلوم یہ ہوا کہ اصلاً نکاح صحیح نہ ہونے پر اختلاف نہیں ہے بلکہ استحبابی طور پر اختلاف ہے کہ عاقلہ بالغہ کے لئے مستحب ہے کہ وہ اولیاء کے واسطے سے نکاح کرائیں ورنہ ثبوت مہر کا مطلب کیا ہوگا۔

نابالغوں کا عقد نکاح:

اس بابت بھی پہلے ایک نص قرآنی اور حدیث نبوی ﷺ ملاحظہ فرمایئے:

قرآن مجید میں ہے: ''**والـلائي يئسن من المحيض من نسائكم إن ارتبتم فعدّتهن ثلثة أشهر واللائي لم يحضن**'' (سورۂ طلاق:۴)۔

ظاہر ہے عدت کا تعلق طلاق یا موت سے ہونا چاہئے، قرآن کریم کی آیت بالا سے نابالغہ کے نکاح کا جائز ہونا بتلادیا گیا ہے، نیز حدیث رسول ﷺ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

''**عن عائشة أن النبي ﷺ تزوجها وهي بنت سبع سنين وزفت إليه وهي بنت تسع سنين ولعبها معها ومات عنها وهي بنت ثماني عشر**'' (مشکوۃ ۲/۲۷۰)۔

حضرات ائمہ اس امر پر متفق نظر آتے ہیں کہ جن کے اندر خود عقد نکاح کرنے کی اہلیت نہ ہو یا ناقص ہو، خواہ صغر یا جنون یا دماغی کمزوری وغیرہ کوئی بھی سبب ہو تو ان پر ولایت اجبار جائز ہوگی اور وہ از خود نکاح کرنے کے مکلف نہ ہوں گے۔ سیدنا امام مالک مجنون، مجنونہ کی بابت فرماتے ہیں کہ اس کی صحت کا انتظار کیا جائے گا، اگر افاقہ ہوگیا تو اجازت لی جائے گی اور اس کی رضامندی سے شادی کردی جائے گی، کیونکہ فقہاء مالکیہ کے نزدیک ولایت اجبار کی علت بکارت اور صغر ہے۔

فقہاء شافعیہ نے ثیبہ صغیرہ کو اس حکم سے مستثنیٰ کردیا کیونکہ ان کے نزدیک ولایت

اجبار کی علت صرف بکارت ہے اور ثیبہ صغیرہ میں یہ علت نہیں پائی جاتی ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ خود شادی نہیں کرے گی جب تک بالغ نہ ہو، اور اگر ولی نکاح کر رہا ہے تو اجازت لینا ضروری ہے، دلیل یہ حدیث ہے:

"الثیب أحق بنفسها من ولیّها، والبکر تستأذن في نفسها وإذنها سکوتها"۔

فقہاء حنابلہ کی رائے مالکیہ کی رائے ہے، ان کے یہاں بھی ولایت اجبار کی علت بکارت اور صغر ہے، لہٰذا باپ کے لئے جائز ہے کہ اپنی باکرہ لڑکیوں کا عقد بلوغ کے بعد بلا ان کی اجازت کے کرسکتا ہے، دلیل یہ ہے:

"الأیم أحق بنفسها من ولیّها والبکر تستأمر وإذنها صماتها"۔

فقہاء حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اس امر پر متفق ہیں کہ ولایت اجبار صغیر اور صغیرہ اور مجنون کبیر اور مجنونہ کبیرہ، صغیرہ خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، پر ہے، اور ولایت اجبار عاقل بالغ اور عاقلہ بالغہ پر نہیں ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک ولایت اجبار کی علت صغر اور وہ اعذار ہیں جو اس کے ہم معنی ہوں مثلاً جنون، ضعیف العقل وغیرہ۔

باکرہ بالغہ عاقلہ پر ولایت اجبار جمہور کے نزدیک ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان کی علت بکارت ہے، اور حنفیہ کے نزدیک یہ علت ثابت نہیں ہوگی۔

خلاصۂ کلام: اسلامی شریعت نے عاقل بالغ، عاقلہ بالغہ کو ازخود نکاح کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ کفاءت، مہر مثل وغیرہ کی رعایت کریں، اور نابالغ، نابالغہ، ضعیف العقل، سفیہ، مجنون، مجنونہ وغیرہ کو ازخود شادی کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اولیاء من مانی جہاں چاہیں شادی کریں بلکہ ان پر بھی عموماً شرائط بالا نافذ ہوتی ہے۔

(الف) فقہاء احناف کے نزدیک لڑکے پر ولی کی ولایت پندرہ سال پورے ہونے یا علامات بلوغ میں سے کسی علامت کے ظاہر ہونے پر ختم ہوجاتی ہے بشرطیکہ لڑکا عاقل، مامون علی النفس ہو، ورنہ ولایت باقی رہتی ہے۔ لڑکی پر ولی کی ولایت عقد نکاح کے بعد ختم ہوجاتی ہے، ولی

نے جب لڑکی کا عقد کردیا تو شوہر کا حق ہے کہ وہ اسے اپنے گھر میں ٹھہرائے، اور اگر لڑکی کا عقد نہیں ہوا مگر وہ مسنہ مامون علی النفس ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ تنہا رہائش اختیار کرے یا اپنی ماں کے ساتھ رہے۔

(ب) عاقلہ بالغہ لڑکی جو اپنے نفس پر اختیارات رکھتی ہے اگر وہ ازخود نکاح کر لیتی ہے تو شرعاً معتبر ہوجائے گا، اس سلسلے میں علامہ ابن ہمام امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے دو فقہی روایتیں نقل فرماتے ہیں:

"عن أبي حنيفة تجوز مباشرة البالغة العاقلة عقد نكاحها ونكاح غيرها مطلقاً إلا أنه خلاف المستحب وهو ظاهر المذهب ورواية الحسن انعقدت مع كفء جاز ومع غيره لا يصحّ واختيرت للفتوىٰ" (فتح القدیر ۲/۲۵۵)۔

اسی طرح انہوں نے امام ابو یوسف سے تین روایتیں اور امام محمد سے دو روایتیں نقل کی ہیں (ایضاً ۲/۲۵۶)۔

علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ امام محمد سے ظاہر مذہب کی طرف رجوع مروی ہے، علامہ کے نزدیک ائمہ ثلاثہ متفق ہیں مطلقاً جواز پر، خواہ عاقلہ بالغہ نے کفو میں شادی کی ہو یا غیر کفو میں، لیکن روایت حسن کو ترجیح دی گئی ہے...... لہٰذا اگر عاقلہ بالغہ نے ازخود نکاح کیا وہ بھی مہر مثل اور کفو میں تو یہ نکاح درست ہوگا، اور اگر غیر کفو یا مہر مثل سے کم پر کیا تو فتویٰ کے اعتبار سے یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا (ایضاً)۔

مسئلہ بالا کی ترجمانی علامہ شامی یوں کر رہے ہیں:

"فإن حاصله أن المرأة إذا تزوجت نفسها من كفء لزم على الأولياء وإن زوجت من غير كفء لا يلزم أو لا يصحّ" (شامی ۱/۴۳۶)۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرلیا اور جب ولی کو اس نکاح کا علم ہوا تو اس نے اس نکاح سے اگر اتفاق کرلیا تو صحیح ہے، اور اگر رد کردیا تو شرعاً اس رد کا نکاح

پر کوئی اثر نہ ہوگا(تفصیل کے لئے دیکھئے: الحیلۃ الناجزۃ/۱۰۵)۔

۳- عاقلہ بالغہ کے ازخود نکاح کر لینے کی صورت میں اولیاء کو اس نکاح پر حق اعتراض صرف دو صورتوں میں حاصل ہوتا ہے:

ایک یہ کہ عاقلہ بالغہ نے ازخود نکاح غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر کیا ہو۔

دوسرا یہ کہ عاقلہ بالغہ نے کفو میں عقد نکاح کیا لیکن مہر مثل سے کم پر، اگر شوہر نے قبول کرلیا تو عقد لازم ہو جائے گا، اور اگر قبول نہ کیا تو یہ مقدمہ قاضی کے پاس جائے گا تا کہ قاضی نکاح فسخ کر دے(فقہ السنہ ۲/ ۱۱۳)۔

اور اگر اس عاقلہ بالغہ کا کوئی وارث نہ ہو یا بالکل کوئی ولی ہی نہ ہو یا ولی ہو مگر وہ عصبہ میں سے نہ ہو تو ان میں سے کسی کو بھی حق اعتراض حاصل نہیں ہوگا، خواہ وہ عورت کفو میں یا غیر کفو میں نکاح کرے، مہر مثل یا اس سے کم پر کرے کیونکہ معاملہ اس حالت میں تنہا اسی کی طرف لوٹتا ہے اور وہ اپنے حق خاص میں تصرف کی مالک ہے، اور چونکہ اس کے لئے ایسا کوئی ولی بھی نہیں ہے جو غیر کفو میں شادی کرنے سے منع کرے لہذا معاملہ ساقط ہو جائے گا (ایضاً)۔

۴- زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں کر دیا، لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو دیکھا یہ جائے گا کہ اولیاء میں سے کس ولی نے یہ نکاح کیا ہے، اگر باپ دادا نے عقد کیا ہے تو لڑکی کو نکاح فسخ کرانے کا حق نہیں ہے، اور اگر باپ دادا کے علاوہ نے نکاح کیا ہے تو لڑکی کو حق فسخ حاصل ہے، اسی کو صاحب ہدایہ یوں فرماتے ہیں:

"فإن زوّجهما الأب أو الجد يعني الصغير والصغيرة فلا خيار لهما بعد بلوغهما لأنهما كاملا الرأي وافرا الشفقة" (ہدایہ بر فتح القدیر ۳/ ۲۹۶، شرح وقایہ ۲/ ۲۳، اور مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فقہ السنہ ۲/ ۱۱۴)۔

۵- خیار بلوغ کا حق لڑکی کو بعد البلوغ فوراً حاصل ہوتا ہے اگر وہ اپنی ناخوشی و ناراضگی کا اظہار کر دے تو نکاح فسخ کرا سکتی ہے، اور اگر اس میں تاخیر کی تو پھر یہ حق اس کو حاصل نہ ہوگا۔

''ولا یمتد خیارها إلی آخر المجلس وإن جهلت بالخیار'' (شرح وقایہ ۲/۲۴)۔

نیز صاحب درمختار کا قول یہ ہے کہ باکرہ بالغہ کو جب اس کے نابالغی کے زمانے کے عقد نکاح کا علم ہوا اور وہ خاموش رہی تو خیار بلوغ باطل ہو گیا، اور اگر اس نے مہر کے بارے میں سوال کیا خلوت سے پہلے یا خود مہر کا سوال شوہر سے کر دیا یا یہ معاملہ گواہوں کے حوالہ کیا تو اس کا خیار باطل نہیں ہوگا (درمختار ۳/۳۳۵)۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمہ نے الحیلۃ الناجزۃ میں اس مسئلہ کو مفصلاً بیان فرمایا ہے:

اس لڑکی کو جب بھی علم ہوا ور فی الحال فوراً زبان سے کہنا شرط ہے البتہ کھانسی، چھینک وغیرہ کی وجہ سے یا کسی نے جبراً منھ بند کر دیا ہو جس کی وجہ سے وہ بولنے پر قادر نہ ہو تو اس تاخیر کی وجہ سے خیار فسخ باطل نہیں ہوتا، اور اگر بلا مجبوری کے زبان سے کہنے میں ذرا بھی دیر کی تو یہ اختیار باطل ہو جائے گا، اگر غلط بیانی کر کے نکاح فسخ کرا لے گی تو سخت گنہگار ہوگی (الحیلۃ الناجزۃ ہر ۱۰۰)۔

امام محمدؒ کے نزدیک خیار ممتد ہوگا یعنی وہ لڑکی جان لے کہ اس کے لئے خیار ہے۔

''وقال محمد أن خیارها ممتد إلی أن تعلم أن لها خیاراً'' (شامی ۳/۳۳۷)۔

اگر قریب تر ولی زندہ ہو اور نسبتاً دور کے ولی نے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

''فلو زوج الأبعد حال قیام الأقرب توقف علی إجازته'' (رد المحتار ۳/۳۴۱)۔

۶- باپ دادا نے نابالغ بچوں کی شادی کسی دباؤ یا لالچ یا مفاد کی خاطر، یا باپ دادا معروف بسوء الاختیار ہوں، ماجن اور فاسق متہتک ہوں، یا نشہ یا جنون کی حالت میں کیا ہو تو یہ نکاح باطل ہو جائے گا (دیکھئے: درمختار ۳/۳۳۰)۔

معروف بسوءاختیار، ماجن اور فاسق متہتک ہونے سے مراد یہ ہے کہ ولی بے باک اور بے غیرت قسم کا ہو، اس کو گناہ کرنے میں کوئی شرم نہ ہوتی ہو۔

نیز وہ لالچی قسم کا ہو یعنی یہ بات مشہور ہو کہ وہ لالچ اور ذاتی مفادات میں غلط جگہوں پر شادی کرتا ہے، وہ ہوش وحواس کی حالت میں اپنے نابالغ بچوں کا نکاح نہیں کرتا ہے بلکہ نشہ کی حالت میں کرتا ہے، یا اکثر وبیشتر جنون کی وجہ سے اس کے ہوش وحواس کا کوئی بھروسہ ہی نہیں رہتا۔

حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ نے بھی معروف بسوء الاختیار کا مطلب یہی بیان کیا ہے کہ یہ ایسا شخص ہے جو معاملات میں لالچ وغیرہ کی وجہ سے مصلحت اور انجام بینی کو مدنظر نہیں رکھتا (الحیلۃ الناجزۃ/۹۸)۔

۷- اولیاء میں باہم ترتیب یوں ہے:

لڑکے اور لڑکی کا ولی سب سے پہلے باپ ہے، اگر باپ نہ ہو تو دادا، اور دادا نہ ہو تو پردادا، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو حقیقی بھائی، اور وہ نہ ہوں تو باپ شریک بھائی، اگر یہ نہ ہوں تو حقیقی چچا، اگر یہ نہ ہوں تو باپ شریک چچا، اگر یہ نہ ہوں تو پھر بھتیجہ، اگر بھتیجہ نہ ہو تو بھتیجہ کا لڑکا ولی ہوگا، بھتیجوں کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ ان کا بالغ ہونا ضروری ہے۔

اگر یہ نہ ہوں تو پھر باپ یا دادا کا حقیقی یا باپ شریک چچا ولی ہوگا، اگر یہ بھی نہ ہوں تو باپ کے چچازاد بھائی یا چچا ولی ہوں گے۔

اگر مذکورہ بالا لوگوں میں سے کوئی نہ ہو تو پھر ماں ولی ہوگی، ماں نہ ہو تو نانی، پھر دادی، پھر نانا، پھر حقیقی بہن، پھر باپ شریک بہن، پھر ماں شریک بھائی بہن، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر پھوپھی زاد بھائی، پھر ماموں زاد بھائی، پھر خالہ زاد بھائی۔

اگر یہ لوگ بھی نہ ہوں تو پھر بادشاہ یا اس کا نائب یا قاضی کیونکہ قاضی بھی بادشاہ کا مسلمانوں کے لئے ولی ہوتا ہے، حدیث میں ہے: **السلطان ولي من لا ولي له**۔

اولیاء کی یہ ترتیب صاحبین کی رائے کے مطابق ہے:

امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ عصبات کے علاوہ ذوی الارحام کو بھی ولایت حاصل ہے (الفقہ الاسلامی ۷/۱۹۹)۔

۸- کسی لڑکی کے اگر یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں مثلاً دو سگے بھائی، اور دونوں اپنی نابالغ بہن کا نکاح جدا جدا جگہ کرنا چاہتے ہیں تو جو پہلے نکاح کرے گا اس کا نکاح صحیح ہو جائے گا، اور اگر دونوں ایک ہی جگہ کرنا چاہتے ہیں تو دونوں کو ایک دوسرے سے مشورہ کر کے نکاح کرنا چاہئے، اور اگر بلا مشورہ کئے کسی نے کر دیا تو دوسرے کی اجازت پر نکاح موقوف رہیگا، اور اگر دونوں دو الگ جگہ کرنا چاہتے ہیں اور ایک ہی وقت میں دونوں نے اس کا نکاح دو الگ جگہ کر دیا تو دونوں کا نکاح باطل ہو جائے گا۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا اسعد اللہ قاسمی ☆

۱- ولایت کا مفہوم:

ولی کا اطلاق لغت میں بہت سے معانی پر ہوتا ہے، چنانچہ ولی کے لغوی معنی محبت کرنے والا، دوست، مددگار، پڑوسی، حلیف، تابع، اور وہ شخص جو کسی کام کا منتظم اور ذمہ دار ہو (المنجد عربی ر ۹۱۹)۔

اصطلاح صوفیاء میں ولی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی مع اس کی صفات کے مکمل معرفت حاصل ہو اور حسب مقدور خیر کے کاموں پر عمل پیرا ہو اور گناہوں سے بچتا ہو اور لذات وخواہشات میں بالکلیہ مشغول نہ ہو (شرح عقائد نسفی ر ۱۴۴، ۱۴۵)۔

اور اسلامی شریعت میں ولی اس عاقل بالغ وارث شخص کو کہتے ہیں جس کے اندر اپنا حکم دوسرے پر نافذ کرنے کی صلاحیت واہلیت موجود ہو، اور جس پر حکم نافذ کیا جائے اس کا اس حکم سے راضی ہونا ضروری نہیں۔ مجنون، غلام، نابالغ اور کافر کے اندر مسلمان پر تنفیذ کی صلاحیت نہیں تو وہ کسی کے ولی بھی نہیں ہوسکتے، علامہ تمرتاشی فرماتے ہیں: "الولي هو البالغ العاقل الوارث، والولاية تنفيذ القول على الغير شاء أو أبىٰ" (تنویر الابصار ر ۴ ر ۵۳)۔

☆ مدرسہ قاسمیہ تعلیم الاسلام، سٹھلہ، موانہ، ضلع میرٹھ۔ ۲۵۰۴۰۲، یوپی۔

ولایت علی النفس کی شرائط:

ولایت علی النفس کے لئے تین شرطیں ہیں:

۱۔عقل، ۲۔بلوغ، ۳۔وراثت۔

پس ان تین شرائط کی وجہ سے پاگل، بچہ، غلام اور کافر نکل گئے۔غلام اور کافر تیسری شرط سے نکلے ہیں کیونکہ غلام کسی کا وارث نہیں ہوتا، اسی طرح کافر بھی کسی مسلم کا وارث نہیں ہوتا، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

"والولي العاقل البالغ الوارث فخرج الصبي والمعتوه والعبد والكافر على المسلمة" (فتح القدیر ۳/۱۵۷)۔

مگر علامہ شامی کو تیسری شرط پر اشکال ہے،وہ فرماتے ہیں کہ وراثت شرط نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ اس کی وجہ سے حاکم نکل جاتا ہے، اس لئے کہ وہ وارث نہیں ہوتا، پھر علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ شرائط اگر جہت قرابت کے ساتھ خاص کی جائے تو پھر ان شرائط کا ہونا ٹھیک ہے،تو گویا کہ تعریف جہت قرابت کے ساتھ خاص ہوگی، چنانچہ بہتر یہی ہے کہ صرف عقل اور بلوغ کو ہی شرط قرار دیا جائے (ردالمحتار ۴/ ۱۵۳،۶/ ۵۷۹)۔

۲- ولایت کس پر ہوتی ہے اور کس پر نہیں؟

لڑکا اور لڑکی اگر حد بلوغ کو نہیں پہونچے اور حد بلوغ کی جو علامتیں ہیں ان میں سے ابھی کوئی ظاہر نہیں ہوئی تو ایسے لوگ اپنا نکاح خود نہیں کرسکتے بلکہ ان کے نکاح کا اختیار ان کے اولیاء کو ہوگا، اگر مذکورہ لوگ خود نکاح کریں گے تو ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور جن پر ولایت ہے ان کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"(وهو) أي الولي (شرط) صحة (نكاح صغير ومجنون ورقيق) لا مكلفة الخ" (درمختار ۴/ ۱۵۵)۔

اور جن لوگوں پر ولی کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہوتی وہ آزاد، عاقل، بالغ لڑکے اور

لڑکیاں ہیں، ان کو ولی مجبور نہیں کرسکتا اوران لوگوں کو اپنا نکاح وغیرہ خود کرنے کا اختیار کلی حاصل ہوتا ہے، یہ لوگ اپنی مرضی سے اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہیں نکاح کرسکتے ہیں اوران کا کیا ہوا نکاح صحیح اور درست ہوتا ہے، کیونکہ ایسے افراد کو اپنے تمام ترحقوق میں تصرف کرنے کا اختیار رہوتا ہے اور نکاح بھی ایک حق اور معاملہ ہے تو اس میں بھی تصرف کرنے اور نکاح کرنے کا اختیار رہوگا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم يعقد عليها ولي بكراً كانت أو ثيباً عند أبي حنيفة وأبي يوسف في ظاهر الرواية" (ہدایہ) صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمام نے اس مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہوئے سات روایات نقل فرمائی ہیں (فتح القدیر ۳/ ۱۵۷، نیز دیکھئے: بدائع ۲/ ۲۴۷)۔

(الف) لڑکا اور لڑکی کے مابین کیا کچھ فرق ہے؟

لڑکا اور لڑکی کے درمیان خواہ ولایت اجبار ہو یا ولایت ندب واستحباب دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں جس کو تحریر میں لایا جائے، البتہ اتنی بات ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے لڑکی کے اندر لڑکا کے مقابلہ میں کچھ زیادہ شرم وحیا رکھی ہے، پس اس شرم وحیا کا لحاظ کرتے ہوئے لڑکی از خود اپنا نکاح نہ کرے بلکہ ولی سے اپنے نکاح کے بارے میں مطالبہ کرے، اس کی وجہ سے لڑکی برائی سے بچی رہے گی جو اعزہ واقارب کے لئے باعث عار ہے۔

"ولها اختيار الأزواج وإنما يطالب الولي بالتزويج كي لا تنسب إلى الوقاحة" (ہدایہ ۳/ ۵۸ اوبمعناہ فی البدائع ۲/ ۲۴۸)۔

خلاصہ یہ کہ لڑکی کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ ولی سے نکاح کا مطالبہ کرے۔

ولایت کا خاتمہ کب ہوتا ہے؟

جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہوجائیں، یا اگر پاگل تھے تو عاقل ہوجائیں، یا اگر غلام تھے تو آزاد ہوجائیں تو بالغ، عاقل اور آزاد ہوتے ہی ان پر سے ولایت اجبار ختم ہوجائے گی، اب

ولی کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ مذکورہ لوگوں کو کسی چیز پر یا نکاح پر مجبور کرے، البتہ صرف مشورہ دے سکتا ہے، یا پھر مذکورہ لوگ خود ہی ولی سے مطالبہ کریں کہ ہمارا نکاح کردو تو پھر ولی کا نکاح کرنا صحیح ہوگا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۲۳۳۔۲۴۸)۔

(ب) بغیر ولی کی رضا کے لڑکی کا از خود نکاح کرنا کیسا ہے؟

جب لڑکی عاقلہ بالغہ ہوجاتی ہے تو شریعت کے قوانین اور احکام اس کے اوپر لازم اور ضروری ہوجاتے ہیں، عبادات بھی، معاملات بھی اور حدود وقصاص بھی، ان سب کا اجراء عاقل بالغ لڑکی پر ہونے لگتا ہے، لہذا جب یہ سب کچھ ہونے لگتا ہے تو پھر لڑکی کو اپنے حقوق میں تصرف کرنے کا بھی اختیار ہوجاتا ہے، اور نکاح بھی ایک حق ہے، تو ایسی لڑکی کا اپنے ولی کی مرضی کے بغیر از خود نکاح کرلینا جائز اور درست ہے، اور از خود نکاح کرلینے کی وجہ سے لڑکی گنہگار بھی نہیں ہوگی اور نکاح بھی درست ہوگا (ہدایہ ۳/ ۱۵۷، ۱۵۸)۔

(ج) لڑکی کے از خود کئے ہوئے نکاح سے ولی کا اتفاق واختلاف اور اس کا اثر:

عاقلہ بالغہ لڑکی پر کسی کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہے بلکہ اس کو مکمل اختیار رہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہے جس سے چاہے نکاح کرلے، ولی اس کو مجبور نہیں کرسکتا، خواہ ولی اس سے متفق ہو یا اختلاف کرتا ہو، ولی کے اختلاف کرنے کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا بلکہ نکاح بدستور قائم رہے گا، کیونکہ عورت عاقلہ بالغہ کو اپنے حقوق میں تصرف کرنے کا مکمل اختیار ہے لہذا نکاح بھی ایک حق ہے تو اس میں بھی تصرف کرنے کا اختیار ہوگا۔

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی ابن ابوبکر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

”ووجه الجواز أنها تصرفت في خالص حقها وهي من أهله لكونها عاقلة مميزة، ولهذا كان لها التصرف في المال ولها اختيار الأزواج“ (ہدایہ ۳/ ۱۵۸)۔

۳-کیالڑکی کے از خود کیے ہوئے نکاح پر ولی کو حق اعتراض ہے:

فقہاء کرام یہ لکھتے ہیں کہ اگر عاقلہ بالغہ لڑکی از خود اپنا نکاح ہم پلہ کفو میں کر لیتی ہے تو اس پر کسی کو حق اعتراض نہیں ہے، اور اگر غیر کفو میں نکاح کرتی ہے تو پھر ولی کو اعتراض کا حق ہوتا ہے اور ولی کو حق فسخ نکاح بھی ہوتا ہے، اور علت یہ بیان کی ہے کہ غیر کفو میں نکاح کر لینے کی صورت میں ولی کو شرم اور عار محسوس ہوتی ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

(واذا زوجت نفسها من غير كفء فللأولياء أن يفرقوا بينهما) دفعاً لضرر العار عن أنفسهم" (ہدایہ ۳/۱۸۷)۔

اشکال: اس مسئلہ میں اگر ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے اور سوچا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فقہاء کرام غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں جو علت "**دفعاً لضرر العار عن أنفسهم**" بیان کرتے ہیں یہ علت ایک اور جگہ بھی موجود ہے، وہ جگہ یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی لڑکی نافرمان اور فاسق ہے اور گھر سے بھاگ جاتی ہے خواہ تنہا بھاگے یا کسی ہم کفو لڑکے کے ساتھ بھاگ جائے اور پھر عدالت میں جا کر یا ویسے ہی کسی جگہ جا کر شرائط نکاح کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں ہم کفو کے ساتھ ایجاب و قبول کر لے تو یہ نکاح عند الاحناف صحیح اور درست ہوتا ہے، حالانکہ اس صورت میں بھی تو اولیاء کے لئے عار اور شرم ہے بلکہ شرفاء اور دینداروں کی نظر میں یہ حرکت اشد عار ہے مگر اس صورت میں کسی نے بھی اولیاء کے لئے حق اعتراض کا قول نہیں کہا، پس جب یہاں حق اعتراض نہیں جبکہ یہ اشد عار ہے تو پھر غیر کفو میں نکاح کر لینے کی صورت میں کیوں حق فسخ اور حق اعتراض ہوگا؟ جو علت یہاں ہے وہی علت وہاں بھی ہے، چنانچہ ان لوگوں کے قول کے بموجب جو نسب و حرفت کو بھی کفاءت میں شمار کرتے ہیں کتنے ہی ایسے واقعات کہ لڑکی کسی ہم کفو کے ساتھ بھاگ جاتی ہے اور نکاح کر لیتی ہے اور اولیاء کسی بھی طرح سے علیحدگی کی صورت اختیار کرنے پر بضد رہتے ہیں کیونکہ وہ اس کو اشد عار سمجھتے ہیں، اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ زور و زبردستی علیحدگی کرا دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکی زندگی سے

ہی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے (خودکشی کرلیتی ہے)، ایسی حالت میں جان کی طرف نظر ہوگی یا حق فسخ کی طرف؟

بہر حال اگر "**دفعاً لضرور العار عن أنفسهم**" کو ہی حق اعتراض اور حق فسخ کی علت قرار دیا جائے تو یہ علت اس صورت میں بھی ہوگی جب کہ لڑکی ہم کفو کے ساتھ گھر سے بھاگ جائے اور نکاح کرلے۔

چنانچہ اسی وجہ سے مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ دونوں کے درمیان فرق نہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور اگر عورت بالغہ اپنا نکاح کسی غیر کفو سے آپ کرلے تو اس پر کسی کو اختیار نہیں کہ فسخ کرے (تقویۃ الایمان/ ۱۵۱ مطبوعہ دار الکتاب دیوبند)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں، موجودہ دور کے اعتبار سے یہی لائق عمل ہونا چاہئے، کیونکہ اولیاء کو حق فسخ ہونے کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں اور بہت سے لڑکے اپنی زندگی سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

۴- نابالغی کے زمانہ میں ولی نے نکاح کردیا اور اب یہ لڑکی اس نکاح سے مطمئن نہیں ہے تو بالغ ہونے تک یہ نکاح برقرار رہیگا، جب لڑکی بالغ ہوجائے گی تو اس کو اپنا نکاح فسخ کرانے کا اختیار رہوگا، یہ اس صورت میں حکم ہے جب کہ ولی باپ دادا کے علاوہ ہو (یعنی بھائی چچا وغیرہ) اور اس نے نابالغی کے زمانہ میں نکاح کیا ہو، اور فسخ کے لئے قضاء قاضی شرط ہے، بغیر قاضی کے فسخ نہیں ہوگا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"**وإن زوجهما غير الأب فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام علی النكاح وإن شاء فسخ ويشترط فيه القضاء**" (ہدایہ ۳/ ۱۷۵، و بمعناہ فی در المختار ۴/ ۱۷۴)۔

اور اگر مذکورہ لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے کیا ہے تو پھر بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو فسخ کا اختیار نہ ہوگا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: "**(فإن زوجهما الأب والجد) أي الصغير**

والصغيرة (فلا خيار لهما بعد بلوغهما) لأنهما كاملا الرأى وافرا الشفقة فيلزم العقد بمباشرتهما'' (ہدایہ ۳/۱۷۵، وبمعناہ فی درالمختار ۴/۱۷۱)۔

البتہ اگر لڑکی باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح سے مطمئن نہیں ہے اور علیحدگی چاہتی ہے تو اس کو خلع کرنے یا طلاق علی المال کی شکل اختیار کرنے کی شرعاً گنجائش ہوگی، مگر ارباب حل وعقد کو یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ وہ عدم اطمینان کا اظہار کس بنا پر کررہی ہے تا کہ وہ خلع وغیرہ کے گناہ سے بچ سکے، مثلاً اگر لڑکی آوارہ ہے اور اس کا شوہر دیندار ہے اور پھر لڑکی عدم اطمینان ظاہر کررہی ہے تو خلع وغیرہ کی اجازت نہیں ہوگی۔

۵- خیار بلوغ کا وقت کب تک ہے؟

لڑکی کی زندگی میں دو حالتیں وجود میں آتی ہیں، ایک حالت بکر ہے اور دوسری حالت ثیب ہے، خیار بلوغ کے وقت کے سقوط کے بارے میں دونوں حالت کے درمیان قدرے فرق ہے، چنانچہ باکرہ لڑکی کا خیار بلوغ بالغ ہونے کے فوراً بعد سکوت سے ختم ہوجاتا ہے، مگر اس کے لئے دو شرطیں ہیں:

ایک شرط تو یہ ہے کہ وہ لڑکی جس کو خیار بلوغ حاصل ہے وہ علی الفور کلام کرنے پر قادر ہو یعنی اس کو کوئی ایسا مرض لاحق نہ ہو جس کی وجہ سے وہ اپنی زبان سے الفاظ نہ نکال سکے، اگر ایسا ہو تو مرض صحیح ہونے تک خیار ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کو نکاح کا بھی علم ہو، چنانچہ اگر اس کو اپنے نکاح کا علم نہیں ہے کہ آیا اس کا نکاح ہوا ہے یا نہیں یا اصل نکاح سے ہی واقف نہیں تو ایسی صورت میں علم ہونے تک اس کو خیار ہوگا۔ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

''(وبطل خيار البكر بالسكوت) لو مختارة (عالمة بـ) أصل (النكاح) فلو سألت عن قدر المهر قبل الخلوة أو عن الزوج أو سلمت على الشهود لم يبطل خيارها'' (درمختار ۴/۱۸۷، وبمعناہ فی الفتح ۳/۱۷۷)۔

اور ثیبہ لڑکی کا خیار بالغ ہوجانے کے بعد صریح رضامندی کے بغیر یا کسی ایسی دلالت کے بغیر جس سے کہ رضامندی ظاہر ہوتی ہو ختم نہیں ہوگا بلکہ ثیبہ کو اپنی زبان سے رضامندی ظاہر کرنی ضروری ہوگی یا بوس وکنار کے بعد اس کی رضامندی سمجھی جائے گی، خواہ کتنا ہی وقت بالغ ہونے کے بعد گذر جائے (دیکھئے: درمختار ۴/ ۱۹۰، نیز فتح القدیر ۳/ ۱۷۸)۔

ولی اقرب کی حیات میں ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح کیسا ہے؟

نابالغی کے زمانہ میں لڑکا یا لڑکی کا نکاح ولی ابعد نے کردیا حالانکہ ولی اقرب زندہ ہے تو اس بارے میں دو شکلیں سامنے آتی ہیں:

ایک شکل تو یہ ہے کہ ولی اقرب زندہ ہے لیکن غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہے تو ایسی صورت میں ولی ابعد نے نابالغ لڑکا یا لڑکی کا نکاح کردیا تو یہ نکاح جائز اور درست ہوگا، صاحب ہدایہ نے اس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

”(وإذا غاب الولي الأقرب غيبة منقطعة جاز لمن هو أبعد منه أن يزوج) وقال زفر لا يجوز .... ولنا أن هذه ولاية نظرية وليس من النظر التفويض إلى من لا ينتفع برأيه ففوضناه إلى الأبعد وهو مقدم على السلطان كما إذا مات الأقرب“ (ہدایہ ۳/ ۱۸۳۔۱۸۴، و بحاشیہ فی ردالمحتار ۴/ ۱۹۹)۔

اور غیبت منقطعہ سے مراد یہ ہے کہ ولی اقرب ایسی جگہ پر ہو کہ اگر اس کے حاضر ہونے کا یا اس کی رائے معلوم کرنے کا انتظار کیا جائے تو کفو فوت ہوجائے گا (ردالمحتار ۴/ ۲۰۰)۔

اور یہ حکم صرف اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ ولی اقرب کا کچھ پتہ نہ ہو، اور اگر ولی اقرب کا پتہ معلوم ہے تو پھر موجودہ دور میں خواہ کتنی دوری ہو فوری طور پر کسی ذریعہ سے رائے معلوم ہوسکتی ہے، ایسی صورت میں ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

دوسری شکل یہ ہے کہ ولی ابعد جس جگہ نکاح کررہا ہے ولی اقرب اس جگہ موجود ہے تو اس صورت میں نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا، ولی اقرب اگر زبان سے یا دلالت

سے اجازت دے گا تو نکاح صحیح ہوگا، محض ولی اقرب کا سکوت کافی نہ ہوگا، اور اگر عدم رضا کا اظہار کرتا ہے تو نکاح صحیح نہ ہوگا (ردالمحتار ۴/ ۱۹۹)۔

۶-لڑکی کے مصالح کالحاظ کئے بغیر ولی کا نکاح کرنا:

ولی نے نابالغ لڑکی کا نکاح اپنے مفاد کی خاطر یا کسی سے دب کر کسی ایسی جگہ کردیا کہ لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور راضی نہیں ہے اور ولی نے لڑکی کے مصالح کا بھی خیال نہیں کیا، مثلاً کسی ۸ سال کی لڑکی کا نکاح ۵۰ سال کے مرد سے کردیا تو اس نکاح میں لڑکی کے مصالح کا بالکل خیال نہیں رکھا گیا، یا کسی بدچلن فاسق سے دیندار کا نکاح کردیا یا اور کوئی ایسی صورت پیش ہو کہ جہاں لڑکی کے مصالح کا خیال نہ رکھا گیا ہو، بہر صورت یہ دیکھا جائے گا کہ ولی کیسا ہے؟

اگر ولی سیئ الاختیار ہے خواہ باپ ہو یا اور کوئی، اور اس نے نابالغ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کردیا یا بہت کم مہر پر کیا، بہر دو صورت نکاح باطل ہے، پس جب اس صورت میں سرے سے نکاح ہی باطل ہے تو پھر فسخ کہاں ہوگا؟ مگر شرط یہ ہے کہ اس نکاح میں ولی باپ کی طمع اور اپنے مفاد کی خاطر صغیرہ پر عدم النظر ظاہر اور متیقن ہو (مستفاد از کشف الغبار عن مسئلۃ سوء الاختیار ملحق بہ احسن الفتاویٰ جلد ۵، نیز دیکھئے: درمختار ۴/ ۱۷۲، فتح القدیر ۳/ ۱۹۴)۔

ولی کے معروف بسوء الاختیار ہونے سے کیا مراد ہے؟

سیئ الاختیار، ماجن، فاسق متہتک یہ سارے الفاظ قریب المعنیٰ ہیں بلکہ ان الفاظ کو مترادف المعنیٰ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے، اور ان کا مطلب یہ ہے کہ باپ بیہودہ، بے غیرت، لاپرواہ، لالچی قسم کا انسان ہو، ان کے مترادف المعنیٰ ہونے کو علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

”وبه ظهر أن الفاسق المتهتک وهو بمعنی سیئ الاختیار“ (ردالمحتار ۴/ ۱۵۳)۔

اب یہ بحث رہ جاتی ہے کہ باپ کا ان عیوب میں معروف ومشہور ہونا ضروری ہے یا یہ کہ ان عیوب کا محض تحقق اور تیقن ہی کافی ہے۔

تو یہ بات مخفی نہیں کہ عیوب مذکورہ کا تحقق اور ان عیوب میں معروف ہونا یقینی طور پر متلازم ہیں، یعنی جس شخص میں یہ عیوب یقینی طور پر موجود ہوتے ہیں وہ عموماً ان عیوب میں مشہور بھی ہوتا ہے، اس لئے معروف بسوء الاختیار کا اطلاق کردیا جاتا ہے ورنہ تو اصل مقصد مذکورہ عیوب کا تحقق اور تیقن ہے، پس اگر ولی باپ کا معروف بسوء الاختیار رہنا متحقق ہوجائے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو اوپر بیان ہوا (مستفاد از کشف الغبار عن مسئلۃ سوء الاختیار ملحق بہ احسن الفتاوی جلد ۵)۔

۷- اولیاء کون ہیں اور ان میں باہم کیا ترتیب ہے؟

ولایت چار چیزوں سے وجود میں آتی ہے: ا قرابت، ۲- ملک، ۳- ولاء، ۴- امامت۔

اور نکاح میں ولایت کی باہم ترتیب انہی چار چیزوں کی ترتیب پر وجود میں آتی ہے، چنانچہ اولاً ولی عصبہ نسبی ہوں گے، اور باب نکاح میں عصبہ نسبی کی ترتیب باب الارث کی ترتیب کے موافق ہے، قریب تر ولی کی موجودگی میں بعید والا ولی محروم ہوگا، علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

"الولي في النكاح العصبة بنفسه بلا توسط أنثىٰ على ترتيب الإرث والحجب" (تنویر الابصار ۴/ ۱۹۰-۱۹۱)۔

پس عصبہ نسبی میں پہلے مجنونہ کا لڑکا ولی ہوگا، پھر باپ، پھر دادا، پھر سگا بھائی، پھر سوتیلا (باپ شریک) بھائی، پھر بھتیجا، پھر سوتیلا بھتیجا، پھر چچا، پھر سوتیلا چچا (یعنی چچا کا سوتیلا بھائی)، پھر باپ کا چچا، پھر باپ کا چچا زاد بھائی، پھر دادا کا چچا، پھر دادا کا چچا زاد بھائی وغیرہ ولی ہوں گے (رد المحتار ۴/ ۱۹۱، ۱۹۲)۔

ثانیاً ولی عصبہ سببی ہوں گے خواہ مذکر ہوں یا مؤنث، پھر ان کی اولاد اگر چہ نیچے تک ہوں، پھر عصبہ سببی کے جو عصبہ نسبی ہیں وہ ولی ہوں گے، مذکورہ ترتیب کے مطابق یہ سلسلہ جاری ہوگا (رد المحتار ۴/ ۱۹۲)۔

ثالثاً ولایت ماں کے سپرد ہوگی جب کہ عصبہ موجود نہ ہوں (اور اس دور میں عصبہ سببی

موجود بھی نہیں)، پھر دادی، پھر نانی، پھر نانا ولی ہوں گے، علامہ تمرتاشی فرماتے ہیں:

”فإن لم يكن عصبة فالولاية للأم (تنویر الأبصار) فتحصل بعد الأم أم الأب ثم أم الأم ثم الجد الفاسد“ (ردالمحتار ۴/۱۹۵)۔

پھر ولایت بہن کو، پھر سوتیلی بہن کو، پھر اخیافی (ماں شریک) بھائی بہن کو، پھر ان کی اولاد کو حاصل ہوگی، پھر پھوپھی کو، پھر ماموں کو، پھر خالہ کو، پھر چچازاد بہنوں کو، پھر اسی ترتیب پر ان کی اولاد کو ولایت حاصل ہوگی۔

رابعاً ولایت مولی الموالاۃ کو حاصل ہوگی، اور مولی الموالاۃ کی دو قسمیں ہیں اور دونوں کو یہ ولایت شامل ہے:

۱۔ صغیرہ کا باپ جس کے ہاتھ پر اسلام لایا ہو۔

۲۔ دو آدمیوں نے آپس میں عہد کرلیا ہو کہ ہم دونوں بھائی بھائی ہیں، اگر ہم میں سے کوئی ایک جرم کرے گا تو دوسرا اس کی دیت میں شریک ہوگا، اسی طرح ایک کے مرنے کے بعد دوسرا اس کا وارث ہوگا۔

خامساً ولایت حاکم وقت کو حاصل ہوگی بشرطیکہ حاکم مسلمان ہو، پھر حاکم کے قائم کردہ قاضی کو ولایت حاصل ہوگی، پھر قاضی کے نائب کو جب کہ نکاح وغیرہ کا قاضی نے مکلّف بنایا ہو، اور اگر قاضی کی طرف سے نائب کو نکاح کا مکلّف نہیں بنایا گیا تو پھر نائب کو ولایت حاصل نہ ہوگی (درمختار ۴/۱۹۶)۔

۸- ایک درجہ کے اولیاء میں صرف ایک کا کیا ہوا نکاح؟

اگر کسی نابالغ لڑکی کا نکاح یکساں درجہ کے اولیاء میں سے کسی ایک ولی نے کردیا ہے تو یہ نکاح صحیح اور درست ہوگا، اور ایک کی رضامندی سب کی رضامندی سمجھی جائے گی خواہ دوسرے اولیاء اس نکاح سے رضامند ہوں یا ناراض ہوں، اور دوسرے اولیاء کو حق اعتراض بھی نہ ہوگا (درمختار ۴/۱۵۸، بدائع الصنائع ۲/۱۵۱)۔

ولایت تزویج کے احکام ومسائل

مولانا تنویر عالم قاسمی ☆

۱- ’’ولایت‘‘ لغت میں محبت اور نصرت کو کہتے ہیں۔

’’فمعناها اللغوي المحبة والنصرة كما في المغرب‘‘ (شامی ۲/۲۹۶)۔

عرف میں ولی کہتے ہیں ایسے شخص کو جو اللہ تعالیٰ کی ذات مع صفات کا عارف ہو اور ممکن حد تک اطاعت کا پابند اور معاصی سے کنارہ کش ہو، ترک شہوات ولذات ان کا شیوہ ہو (شامی ۲/۲۹۵)۔

تنویر الابصار میں ولی کی شرعی اور فقہی تعریف دو طرح سے مذکور ومنقول ہے:

پہلی تعریف کے الفاظ یہ ہیں:

’’وشرعاً البالغ العاقل الوارث‘‘ (درمختار ۲/۲۹۵)۔

یعنی شرعی طور پر ولی وہ شخص ہوگا جو بلوغ، عقل اور وراثت یعنی قرابت تینوں وصف سے متصف ہو۔

دوسری تعریف کے الفاظ یہ ہیں:

’’والولاية تنفيذ القول على الغير شاء أو أبى‘‘ (شامی ۲/۲۹۶)۔

یعنی ولی اس شخص کو کہیں گے جس میں یہ صلاحیت ہو کہ اپنے قول وحکم کو دوسرے پر خواہ اس کی رضامندی ہو یا نہ ہو نافذ اور لاگو کردے۔

☆ استاذ الجامعۃ العربیہ اشرف العلوم، مقام و پوسٹ کنہواں، ہوایا پر یہار، ضلع سیتامڑھی، بہار۔

مذکورہ بالا تعریف ''ولی'' کی ساری قسم کو عام ہے، ولایت کا ثبوت یا اس کے اسباب چار ہیں: قرابت، ملک، ولاء، امانت۔

ولایت کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم ولایت ندب واستحباب، دوسری قسم ولایت اجبار۔

ولایت استحبابی کا مطلب یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ کے لئے بہتر یہ ہے کہ امور نکاح اپنے ولی کے حوالہ اور سپرد کردے، ولی کے انتخاب کو بہتر انتخاب سمجھے، جس سے فائدہ یہ ہوگا کہ وہ عورت عرف اور ماحول میں حیادار کی نگاہ سے دیکھی جائے گی، ورنہ بے حیا اور بے شرم قرار پائے گی۔

''**(قوله ولاية ندب) أي يستحب للمرأة تفويض أمرها إلى وليّها كيلا تنسب إلى الوقاحة**'' (شامی ۲/۲۹۶)۔

جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ولی عاقلہ بالغہ کو اس کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

ولایت کی دوسری قسم ''اجباری'' ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ولی کی رائے اور اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا، اس کی صواب دیدگی اور پسندیدگی کے آگے صغیر وصغیرہ وغیرہ مجبور و بے بس ہوں گے، کیوں کہ جس پر ولی کو ولایت ملے گی مجور علیہم ہونے کی وجہ سے ان کے اقوال شرعاً کالعدم اور غیر معتبر ہیں۔

''**وهي نوعان ولاية ندب على المكلفة ولو بكراً وولاية إجبار على الصغيرة ولو ثيباً ومعتوهة ومرقوقة**'' (درمختار ۲/۲۹۶)۔

ولایت علی النفس کی شرطیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ ولی آزاد ہو، غلام نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ولی مکلف ہو، صغیر اور مجنون نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ولی مسلمان ہو۔

''**وبشرط حرة وتكليف وإسلام في حق مسلمة تريد التزوج**'' (شامی ۲/۳۱۲)۔

علامہ شامیؒ نے بشرط حرۃ کے تحت چوتھی شرط کا اضافہ فرمایا ہے کہ اب وجد جس کو اپنے

او پر ولایت ہے سوء اختیار کے ساتھ معروف ومشہور نہ ہو(۲/ ۳۱۳)۔

۲- اسلامی شریعت نے ان تمام مرد وعورت کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے جو عاقل وبالغ ہوں اور آزاد ہوں، اور ان تمام مرد وعورت کے نکاح کا اختیار اولیاء کے حوالہ کیا ہے جو غیر مکلّف ہوں مثلاً صغیر وصغیرہ، مجنون ومجنونہ، معتوہ ومعتوہہ اور مرقوق ومرقوقہ۔

جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو شرعاً مکلّف اور تصرف کے اہل ہیں ایسے لوگ اپنا نکاح کرنے میں خود مختار اور آزاد ہیں، اور جو شرعاً غیر مکلّف اور تصرف کے اہل نہیں ایسے لوگوں کے نکاح کا اختیار اولیاء کے سپرد ہے (درمختار ۲/ ۲۹۶)۔

(الف) لڑکا اور لڑکی پر ولایت اس وقت ختم ہوجاتی ہے جب یہ دونوں عاقل وبالغ ہوجائیں، دونوں کی ولایت میں کوئی فرق نہیں، ہاں البتہ لڑکی جب عاقل وبالغ ہوجائے تو اس پر ولی کی ولایت استحبابی رہتی ہے، جب کہ ایسی بات لڑکے میں نہیں ہے۔

(ب، ج) دونوں شق کا جواب سوال نمبر ۳ کے تحت آرہا ہے۔

۳- عاقلہ بالغہ پر ولی کی ولایت اجباری نہیں بلکہ ولایت استحبابی ہے، اسے اپنے نفس پر مکمل تصرف کا حق حاصل ہے، وہ خود اپنے بارے میں مستقبل کا نفع ونقصان مدنظر رکھ کر بہتر سے بہتر فیصلہ کرسکتی ہے، لیکن اسے چاہئے کہ اپنے تصرف پر خاندانی شرافت اور خاندان کو جو عرفی حیثیت حاصل ہے اس کو ملحوظ رکھ کر ایسا اقدام کرے جو خاندان کے لئے شرم وعار اور باعث ذلت نہ ہو، لہٰذا وہ لڑکی ایسے شخص کی زوجیت میں جاتی ہے جو اس کا خاندانی اعتبار سے ہمسر اور مقابل تو ہے لیکن مہر مثل کی مقدار سے اتنے کم پر نکاح ہوا ہے جو عام طور پر گوارہ نہیں کیا جاتا جسے تفاوت یا غبن فاحش کہتے ہیں، تو ایسی صورت میں ولی کو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کا حق حاصل ہے، قاضی یا تو مہر مثل کی کمی دور کرے ورنہ نکاح فسخ کردے۔ دوسری صورت یہ کہ اگر عاقلہ بالغہ غیر کفو میں بلا اجازت ولی نکاح کرلے تو اس صورت میں غیر مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ ولی باستعانت

قاضی نکاح فسخ کرانے کا حق رکھتا ہے، لیکن مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ ایسی صورت میں اصلاً نکاح کا انعقاد اور اس کا وجود ہی نہیں ہوا، "ویفتي في غیر الکفوء بعدم جوازہ أصلاً وھو المختار للفتویٰ لفساد الزمان" (درمختار ۲/۲۹۷)۔

۴- باپ یا دادا کا زیر ولایت لڑکی کا کیا ہوا نکاح لازم ہے، خیار بلوغ حاصل نہیں، گرچہ یہ نکاح غیر کفو یا مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ کیوں نہ ہوا ہو، بشرطیکہ اب وجد معروف بسوء الاختیار نہ ہوں (درمختار ۲/۳۰۴)۔

نابالغ یا نابالغہ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ دوسرے ولی نے غیر کفو میں یا مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ کیا ہے تو نکاح کا انعقاد ہی نہیں ہوگا۔

"وإن کان المزوج غیرھما أي غیر الأب وأبیہ ولو الأم أو القاضي أو وکیل الأب لا یصحّ النکاح من غیر کفوء أو بغبن فاحش أصلاً" (درمختار ۲/۳۰۵)۔

اور اگر کفو میں مہر مثل پر نکاح کیا ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن بعد البلوغ خیار بلوغ یعنی فسخ نکاح باستعانت قاضی کا اختیار ملے گا۔

"وإن کان من کفوء وبمھر المثل صحّ ولکن لھما أي لصغیر وصغیرۃ وملحق بھما خیار الفسخ بالبلوغ أو العلم بالنکاح بعدہ لقصور الشفقۃ" (درمختار ۲/۳۰۶)۔

مذکورہ بالا بحث سے اب وجد اور دوسرے اولیاء کے درمیان دو فرق معلوم ہوئے:

پہلا فرق یہ کہ اب وجد کا نکاح لازم ہوگا، بعد البلوغ فسخ نکاح کا اختیار نہ ملے گا، اس کے علاوہ دوسرے اولیاء کے تزویج میں خیار بلوغ ملے گا، یہ اس وقت ہے جبکہ نکاح کفو میں مہر مثل پر کرے۔

دوسرا فرق یہ کہ غیر کفو اور مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ اب وجد کی تزویج صحیح اور لازم ہے، برخلاف دوسرے اولیاء کے کہ نکاح کا انعقاد ہی نہیں ہوتا۔

فرق کی وجہ یہ ہے کہ طبعی اور خلقی طور پر باپ دادا میں یہ فکر وسوچ بھر پور رہتی ہے کہ بچہ، بچی کا مستقبل کامیاب رہے اور وہ سکھ چین سے زندگی گذارے جسے فقہاء ''وفور شفقت'' سے تعبیر کرتے ہیں، اور دیگر اولیاء میں شفقت اس انداز کی فطرتاً نہیں ہوتی جسے فقہاء ''قصور شفقت'' سے تعبیر کرتے ہیں کما ھو مصرح في کتب الفقہ۔

۵- خیار بلوغ کا حق لڑکی کو کب تک حاصل ہوتا ہے اور کب ساقط ہوجاتا ہے، اس سوال کے جواب میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے الحیلۃ الناجزہ میں تفصیل سے گفتگو کی ہے اور وہ بحث وافی اور کافی ہے اس لئے بعینہ حضرتؒ کی عبارت پیش کررہا ہوں:

بالغ ہونے پر فسخ نکاح کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس میں اس امر کا خیال رکھنا بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ کب تک باقی رہتا ہے اور کس کس وجہ سے نکاح لازم ہو کر فسخ کا اختیار باطل ہوجاتا ہے، لہذا اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے تاکہ عمل کے وقت اس کا خاص طور پر دھیان رکھا جائے۔

تفصیل یہ ہے کہ جو لڑکی بالغ ہونے پر نکاح ختم کرانا چاہتی ہے اگر وہ باکرہ ہو تو اس کو اختیار فسخ حاصل ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس وقت آثار بلوغ ظاہر ہوں اسی وقت فوراً بلا کسی تاخیر کے زبان سے یہ کہہ دے کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں، چاہے اس وقت کوئی اس کے پاس موجود ہو یا نہ ہو، ہر حال میں فوراً زبان سے کہنا شرط ہے، البتہ اگر کھانسی یا چھینک وغیرہ کی وجہ سے فوراً بولنے کی قدرت نہ ہوئی یا کسی نے جبراً منہ بند کردیا ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے جو تاخیر ہوجاوے اس کے باعث خیار فسخ باطل نہیں ہوگا بشرطیکہ مجبوری رفع ہوتے ہی فوراً کہہ دیا ہو، اور بدون کسی مجبوری کے اگر زبان سے کہنے میں ذرا بھی دیر کی تو یہ اختیار باطل ہوگیا اور فسخ کرانا جائز نہ رہا، اگر غلط بیان کرکے فسخ کرالے گی تو سخت گنہگار ہوگی۔

نیز باکرہ کو اس کی بھی ضرورت ہے کہ زبان سے کہنے پر کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالے تاکہ قاضی وغیرہ کے پاس معاملہ پیش ہونے پر کام آویں اور گواہ بنانے کا

تفصیلی حکم روایات فقہیہ کے بعد بعنوان فائدہ موعودہ آوے گا اس کو ضرور دیکھ لیا جاوے۔

اور اگر وہ لڑکی ثیبہ ہے تو پھر اس کو فوراً کہنا ضروری نہیں بلکہ جب تک رضامندی نہ ہوگی اس وقت تک منظور رکھنے نہ رکھنے کا اختیار باقی رہتا ہے، چاہے کتنا ہی زمانہ گذر جاوے، صرف خاموش رہنے کی وجہ سے ثیبہ کا خیار بلوغ باطل نہیں ہوتا، البتہ اگر بعد بلوغ زبان سے کہہ دے گی کہ یہ نکاح منظور ہے یا کوئی ایسا کام کرے گی جس سے رضامندی پائی جائے تو اختیار باطل ہو جائے گا، اور پھر ثیبہ کو نامنظوری پر گواہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ اس کو صرف یہ دعویٰ کرنا کافی ہے کہ میں ثیبہ ہوں اور بالغ ہو چکی ہوں اب اس نکاح کو فسخ کرانا چاہتی ہوں اور لڑکے کا بھی حکم یہی ہے جو ثیبہ کا ہے، یعنی بالغ ہوتے ہی فوراً زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ جب تک قولاً یا فعلاً منظور نہ کرے اس وقت تک اختیار باقی رہتا ہے، پس اگر کسی لڑکے یا ثیبہ لڑکی نے بعد بلوغ ایک مرتبہ بھی زبان سے کہہ دیا کہ یہ نکاح منظور ہے تو اب فسخ کا مطالبہ حرام ہے خواہ اس منظوری کو بالکل تنہائی میں یا آہستہ کہنے کی وجہ سے کسی اور نے سنا بھی نہ ہو، اسی طرح اگر بلوغ کے بعد تقبیل وغیرہ کی نوبت آئی ہو تب بھی خیار فسخ نہیں رہتا، نیز دعویٰ کی صورت بھی لڑکے کے واسطے وہی ہے جو ثیبہ کے لئے ابھی گذری۔

اور یہ سب تفصیل جب ہے جب کہ بلوغ سے پیشتر ان کو نکاح کی اطلاع ہو چکی ہو، اور اگر کسی کو بلوغ سے پیشتر نکاح کی خبر ہی نہ ہوئی ہو تو جب خبر ملے تب خیار بلوغ حاصل ہوگا، اور لڑکی لڑکے کے واسطے اختیار باقی رہنے نہ رہنے کی جو تفصیل ابھی گذری ہے ان سب کا لحاظ خبر ملنے کے وقت سے کیا جائے گا (ص/ ۹۹ تا ۱۰۱، مذکورہ بالا مسئلوں کے دلائل (درمختار ۲/ ۳۰۹، ۳۱۱، ۹۰۷) میں بالتفصیل موجود ہیں، نیز دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ ص ۱۰۳، ۱۰۴)۔

ولی اقرب کے رہتے ہوئے ولی البعد کا نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر وہ اجازت دیدے تو نکاح درست ورنہ مردود ہوگا۔

اگر ولی اقرب اتنی دوری پر ہے کہ اس کی رائے اور خیال و مرضی معلوم کرنے یا اس کی

آمد کے انتظار میں کفو کے فوت ہونے کا اندیشہ غالب ہے تو ایسی صورت میں ولی اقرب "غیبۃ منقطعہ" قرار پاکر اب ولی ابعد کا قائم کردہ رشتہ نکاح مطلقاً صحیح اور درست ہوگا، ولی اقرب کی اجازت پر موقوف نہ ہوگا۔

"وفي الدر المختار وللولي الأبعد التزويج بغيبة الأقرب، فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب توقف على إجازته، وفي الشامية تحت (قوله مسافة القصر) قال في الذخيرة الأصح أنه إذا كان في موضع لو انتظر حضوره أو استطلاع رأيه فات الكفو الذي حضر فالغيبة منقطعة وإليه أشار في الكتاب" (شامی ۲/ ۳۱۵)۔

۶- یہ مسئلہ تو متفق علیہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء نے صغیر وصغیرہ کا نکاح غیر کفو یا مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ کردیا تو اس نکاح کا انعقاد ہوگا ہی نہیں بلکہ وہ نکاح اصلاً باطل ہوگا، جیسا کہ درمختار میں ہے: "وإن كان المزوج غيرهما .....لا يصحّ النكاح من غير كفوء أو بغبن فاحش أصلاً، وفي الشامية تحت قوله أصلاً أي لا لازماً ولا موقوفاً على الرضا بعد البلوغ" (۲/ ۳۰۵)۔

جہاں تک باپ ودادا کا سوال ہے تو ان کا قائم کردہ نکاح غیر کفو یا مہر مثل میں غبن فاحش کے باوجود صحیح ودرست ہی نہیں بلکہ یہ نکاح ایسا لازم ہے کہ صغیر وصغیرہ کو خیار بلوغ کا بھی حق نہیں ملتا بشرطیکہ اب وجد معتک، سوء اختیار اور ماجن نہ ہو، اور وہ نکاح حالت سکر میں نہ کیا ہو، جیسا کہ درمختار میں ہے:

"ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفوء إن كان الولي أبا أوجدا لم يعرف منهما سوء الاختيار مجانة وفسقا وإن عرف لا يصح النكاح اتفاقاً وكذا لو كان سكران" (درمختار ۲/ ۳۰۴، ۳۰۵)۔

اس مقام پر فقہاء حضرات نے دو طرح سے کلام کیا ہے: پہلا کلام اب وجد کا معروف

ومشہور بسوء الاختیار اور تحقق بسوء الاختیار سے کیا ہے اور دوسرا کلام اصالۃً وابتداءً بطلان نکاح اور نکاح صحیح غیر لازم سے کیا ہے، ہم اگلی عبارت میں دونوں بحث کا جائزہ لیں گے۔

اول: علامہ شامیؒ کے نزدیک اب وجد کا معروف بسوء الاختیار ہونا ضروری ہے، صرف تحقق وتیقن سوء اختیار کافی نہ ہوگا، پھر معروف بسوء الاختیار کی تفسیر بطریقہ تخصیص یہ کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اس نے لڑکی کا نکاح قصداً وعمداً اس کے مصالح کے خلاف کیا ہو تو اس لڑکی کا نکاح صحیح اور درست ہوگا کیونکہ وہ اس وقت معروف بسوء الاختیار نہیں، لیکن دوسری لڑکی کا نکاح پہلی لڑکی کی طرح کردے تو اس لڑکی کا نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ اب وہ معروف بسوء الاختیار ہے (شامی ۲/ ۳۰۵)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی کے نزدیک معروف بسوء الاختیار صرف تعدد نکاح کے ساتھ منحصر ہے۔

لیکن امام رافعیؒ کی عبارت سے "معروف" کی قید وشرط معلوم نہیں ہوتی، وہ تحریر فرماتے ہیں: "**فعلی هذا إذا کان الولي متهتکا أو سئ الاختیار لا یصحّ تزویجه بنقص من مهر المثل أو من غیر کفوء**" (تقریر الرافعی/ ۱۸۴)۔

سوء اختیار کے سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کی دو عبارتیں ہیں: ایک جگہ الحیلۃ الناجزہ میں اور دوسرے امداد الفتاویٰ میں، دونوں جگہ کی عبارت سے قدر مشترک یہ بات واضح ہے کہ نکاح کے بطلان کے لئے اب وجد کا فی نفسہ سوء اختیار میں معروف ومشہور ہونا ضروری ہے قطع نظر اس سے کہ معروف بسوء الاختیار تعدد تزویج یا دیگر طریقے سے ہو (الحیلۃ الناجزۃ/ ۹۸، امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۲۷)۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمہ کی تحقیق یہ ہے کہ سوء اختیار کا صرف تحقق وتیقن اور ثبوت کافی ہے، معروف ومشہور ہونا شرط نہیں، اور یہ کہ ایسی صورت میں اب وجد کا تزویج صحیح غیر لازم ہوگا یعنی خیار بلوغ ملے گا، انہوں نے تین صفحہ سے زائد فقہاء کی مختلف عبارتوں کی روشنی میں تفصیلی گفتگو کی ہے، چنانچہ اخیر میں لکھتے ہیں:

جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں ترک شفقت اور مسامحت یقینی ہوجائے تو اس کا کیاہوا نکاح بھی لازم نہ ہوگا (دیکھئے: احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۱۱)۔

صاحب احسن الفتاویٰ نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے، اس بحث میں معروف بسوء اختیار اور ثبوت سوء اختیار دونوں طرح کی روایت فقہیہ پیش کر کے تمام متعارض روایتوں کا حل پیش کیا ہے اور مناسب تطبیق دی ہے، یہ بحث احسن الفتاویٰ جلد پنجم میں صفحہ ۱۱۲ سے لے کر صفحہ ۱۲۴ تک پھیلی ہوئی ہے، انہوں نے عبارت فقہاء کے علاوہ مختلف نظائر وقرائن سے یہ ثابت کیا ہے کہ عدم انعقاد نکاح کے لئے سوء اختیار کا تحقق کافی ہے نہ کہ شہرت۔

جہاں تک میرا قلبی رجحان ومیلان ہے وہ یہ ہے کہ فی نفسہ اب وجد کا معروف بسوء الاختیار ہونا بطلان تزویج کے لئے شرط ہونا چاہئے، فی نفسہ کا مطلب یہ ہے کہ اب یا جد کا بداندیش، لاپرواہ، اور بے مروت اور طامع زر ہونا بین الناس معروف ومشہور ہو۔

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ باپ کا متہتک، ماجن، طامع زر اور سفیہ ہونا لوگوں کے درمیان معروف ومشہور ہو تو یہ اوصاف صحت تزویج کے لئے مانع ہوتے ہیں، تعدد تزویج کے ذریعہ معروف ہونا شرط نہیں جیسا کہ علامہ شامیؒ نے معروف بسوء الاختیار کو تعدد تزویج پر بنیاد ٹھہرایا ہے۔

دوم: صورت مذکورہ (علی حسب الاختلاف معروف بسوء الاختیار یا تحقق بسوء الاختیار) میں آیا نکاح باطل اور غیر منعقد ہوگا یا یہ کہ نکاح صحیح غیر لازم یعنی خیار بلوغ ملے گا؟

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کا خیال اور فتویٰ یہ ہے کہ اصلاً نکاح صحیح لیکن غیر لازم ہوگا، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں ترک شفقت اور مسامحت یقینی ہوجائے تو اس کا کیاہوا نکاح لازم نہ ہوگا (احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۱۱)۔

حضرت والا کا استدلال اس جیسی عبارت سے ہے: "ثم اعلم أن ما مرّ عن النوازل من أن النكاح باطل معناه أنه سيبطل" (شامی ۲/ ۳۰۵)۔

اورحضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ صورت مندرجہ میں باپ کے کئے ہوئے نکاح پر بھی نابالغہ کو خیار فسخ ملے گا، شرائط کے مطابق عدالت مسلمہ سے نکاح فسخ کرالے تو فسخ ہوجائے گا اور نکاح ثانی کی اجازت ہوجائے گی (احسن الفتاویٰ ۵/۱۱۱)۔

لیکن زیر بحث مسئلہ میں فقہاء حضرات کی عبارتیں بہت واضح اورصاف ہیں کہ اصلاً نکاح کا انعقاد ہی نہ ہوگا، روایات فقہیہ درج ذیل ہیں:

۱- "لم يعرف منهما سوء الاختيار مجانة وفسقاً وإن عرف لا يصح النكاح اتفاقاً" (درمختار ۲/۳۰۴)۔

۲-"وفي شرح المجمع حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده إجماعا" (شامی ۲/۳۰۴)۔

۳-"قال ابن نجيم وقيده الشارحون وغيرهم بأن لا يكون معروفاً بسوء الاختيار حتى لو كان معروفاً بذلک مجانة وفسقا فالعقد باطل على الصحيح" (بحرالرائق ۳/۱۳۵)۔

۴-"وقال ابن همام لو كان الأب معروفاً بسوء الاختيار مجانة وفسقا كان العقد باطل على قول أبي حنيفة على الصحيح" (فتح القدیر ۳/۱۹۴)۔

مذکورہ بالا اوراس جیسی دیگر روایات فقہیہ کی بنیاد پر صاحب احسن الفتاویٰ کا اصرار ہے کہ اصلاً تزویج ہی باطل ہے۔

پیچھے حضرت تھانویؒ کی عبارت امداد الفتاویٰ اور الحیلۃ الناجزہ سے نقل کی جاچکی ہے جس کا مقتضا بھی بطلان تزویج ہی ہے۔

۷-اولیاء میں باہم ترتیب:

ولی فی النکاح عصبات بنفسہا علی ترتیب الارث ہیں، ان میں سے کوئی بھی نہ ہوتو ماں، پھر دادی، پھر نانی، پھر اسی ترتیب سے دادی اور نانی کے مؤنث اصول، پھر بیٹی، پھر پوتی،

پھرنواسی اورنواسا، پھر پر پوتی یعنی مجنونہ کے فروع غیر عصبات اگر قرب وبعد میں مختلف ہوں تو قریب کوترجیح ہے اور برابر درجہ کے ہوں تو عصبہ کی بیٹی کو ترجیح ہے۔فروع کے بعد جد فاسد اور جدۂ فاسدہ بلحاظ قرب وبعد، پھر بہن عینی، پھر علّی، پھر اخیافی بھائی اور بہن، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچا کی بیٹی، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد، پھر سلطان (احسن الفتاویٰ ۵/ ۹۴، نیز دیکھئے: درمختار ۲/ ۳۱۱۔۳۱۳)۔

۸- یکساں درجہ کے چند اولیاء ہوں تو امام اعظمؒ کے نزدیک ان میں سے ہر ایک ولی کو تزویج کا کامل ومکمل اور مستقل ولایت ہے، یہ ولایت تجزی اور تقسیم واشتراک کو ان کے نزدیک قبول نہیں کرتی، لہذا ان اولیاء میں سے جو بھی ولی اول مزوّج بنے وہ تزویج صحیح اور درست ہوگی اور باقی اولیاء کی ولایت جاتی رہے گی، خواہ اس نکاح سے غیر مزوّج اولیاء رضامند ہوں یا نہ ہوں (دیکھئے: درمختار ۲/ ۲۹۸، المغنی ۷/ ۳۷۳، بدائع ۲/ ۳۱۸)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا محمد مصطفی قاسمی آواپوری☆

۱-شریعت اسلامیہ میں ولایت کا مفہوم:

نکاح کی صحت و درستگی شوہر اور بیوی کے لئے آرام و راحت کا سرچشمہ، اور نکاح کی نااستواری اور غیر درستگی شوہر اور بیوی کے لئے باعث رنج و غم ہوتی ہے، اس لئے سخت ضرورت ہے کہ ازدواجی زندگی کے ان دونوں پہلوؤں پر نظر رکھنے والا ایسا شخص ہو جو رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے والے جوڑے کی صحیح رہنمائی کر سکے۔شریعت نے ایسی رہنمائی اور رہبری کا نام ولایت اور ایسے رہبر و رہنما کا نام ولی رکھا ہے، اور ایسے رہنما کا بعض صورتوں میں ہونا ضروری ہوا کرتا ہے، اس لئے بسا اوقات بغیر اس کے نکاح ہی صحیح نہیں ہوتا مثلاً جب مرد و عورت میں سے کوئی ایک یا دونوں نابالغ، ناسمجھ اور پاگل ہوں اور بسا اوقات ضروری بھی نہیں ہوتا مثلاً جب شادی کرنے والے لڑکے لڑکی دونوں بالغ ہوں، دونوں عقل مند اور سمجھدار ہوں (فتح القدیر ۳/ ۲۵۵، البحرالرائق ۳/ ۱۱۷)۔

ولایت علی النفس کی شرطیں:

ولایت علی النفس کے لئے چار شرطیں ہیں: ۱۔آزاد ہونا، ۲۔بالغ ہونا، ۳۔عاقل ہونا، ۴۔مسلمان ہونا (دیکھئے: ہدایہ ۲/ ۳۱۸)۔

☆ مدرسہ اسلامیہ شکرپور، پوسٹ بھروارہ، وایا سنگھواڑہ، ضلع دربھنگہ، بہار۔

کسی کافر کو کسی مسلمان کی ولایت کا حق حاصل نہیں ہوسکتا گو وہ اس کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح مسلمان کو بھی کافر کی ولایت حاصل نہیں ہوسکتی گو وہ اس کا رشتہ دار ہو۔

"قال النبي ﷺ لا يتوارث أهل ملتين شيئاً" (بدائع الصنائع ۲/۲۳۹)۔

مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ملک شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ سے فرمایا: "كنتم أقل الناس فكثركم الله بالإسلام وكنتم أذل الناس فأعزكم الله بالإسلام مهما تطلبوا العزة بغير الله يذلكم الله" (تم تعداد میں سب سے کم اور سب سے زیادہ کمزور تھے تم کو محض اسلام کی وجہ سے عزت وشوکت ملی ہے، تو خوب سمجھ لو اگر تم اسلام کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے عزت حاصل کرنا چاہو گے تو خدا تم کو ذلیل کردے گا) (معارف القرآن ۲/ ۵۸۳)۔

۲- شریعت اسلامیہ میں عاقل بالغ لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے اپنے نکاح کا اختیار رہے، ولی بھی ان پر جبر نہیں کرسکتا، اگر زبردستی اپنے اختیار و مرضی سے ولی ان کا نکاح کرادے گا تو نکاح درست نہ ہوگا (درمختار ۲/ ۳۲۴)۔

بالغ لڑکوں کا نکاح بلاواسطہ ولی بالاتفاق درست ہوجاتا ہے اور کوئی اسے باطل نہیں کہتا، اسی طرح ظاہر یہی ہے کہ اگر بالغ لڑکی اپنا نکاح خود کرلے تو وہ بھی درست ہوجائے گا، البتہ خلاف سنت کام کرنے پر ملامت کے دونوں مستحق ہوں گے (فتح القدیر ۳/ ۲۵۵، البحر الرائق ۳/ ۱۱۷)۔

شریعت اسلامیہ نے نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاح کا معاملہ ان کے اولیاء کے حوالہ کیا ہے، یہ جبری ولایت کہلاتی ہے، ولایت اجبار کا مدار صغر اور کبر پر ہے، لہذا صغیر وصغیرہ پر ولایت اجبار رہے اور کبیر وکبیرہ پر نہیں خواہ لڑکا شادی شدہ ہو یا نہ ہو، لڑکی کبیرہ خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ الغرض صغیر اور صغیرہ باکرہ پر بالاتفاق ولایت اجبار ہے اور کبیر اور کبیرہ ثیبہ پر بالاتفاق ولایت اجبار نہیں (درمختار ۲/ ۳۲۱-۳۲۲، بدائع الصنائع ۷/ ۲۳۷-۲۴۱)۔

بالغ لڑکے اور لڑکیاں اگر فاتر العقل ہوں، ان کا دماغ صحیح نہ رہتا ہو تو انہیں بھی اپنے نکاح کا اختیار نہ ہوگا بلکہ ان کی ولایت کا حق واختیار ولی کو ہوگا (ردالمحتار ۲/ ۳۲۱-۳۲۲)۔

خلاصہ یہ کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ولایت اجبار کا مدار عورت کے باکرہ اور ثیبہ ہونے پر ہے یعنی باکرہ پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، اور ثیبہ پر ولایت اجبار نہیں خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

اس کے برعکس امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک ولایت اجبار کا مدار صغر اور کبر پر ہے، لہذا صغیرہ پر ولایت اجبار ہے اور کبیرہ پر نہیں خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، گویا صغیرہ باکرہ پر بالاتفاق ولایت اجبار ہے اور کبیرہ ثیبہ پر بالاتفاق ولایت اجبار نہیں، اور کبیرہ باکرہ پر شافعیہ کے نزدیک ولایت اجبار ہے، حنفیہ کے نزدیک نہیں، اور صغیرہ ثیبہ پر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ولایت اجبار ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں۔ اس اختلاف کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع (۲/ ۲۴۱-۲۴۵) فتح القدیر (۳/ ۲۵۵-۲۹۹)، نیز دلائل ائمہ کے لئے: ابوداؤد (۱/ ۲۸۶) ابن ماجہ (۱/ ۱۳۴) نسائی (۲/ ۷۶)۔

(الف) ولایت کے بارے میں لڑکی اور لڑکے میں کچھ فرق وامتیاز نہیں ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۱-۲۴۵)۔

(ب) لڑکی ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح خود کرسکتی ہے۔ ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار نہ ہوگی، بلکہ اگر لڑکی نے اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کی خاطر یہ اقدام کیا ہو تو عنداللہ ماجور ہوگی۔ "قال رسول الله ﷺ: "للمرأة ستران الزوج والقبر أسترهما القبر" (رواہ الطبرانی)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورت کے لئے دو پردے ہیں: اول شوہر، دوم قبر، اور دونوں میں زیادہ پردہ والی چیز قبر ہے)۔ (اس کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ہدایہ ۲/ ۳۱۳، فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۹۲، ردالمحتار ۲/ ۳۲۲، درمختار ۲/ ۳۲۲-۳۲۳، بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۱-۲۴۵، بحر ۳/ ۱۱۷-۱۱۸)۔

(ج) عاقلہ بالغہ لڑکی نے جب ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرلیا تو یہ نکاح صحیح

ہوجائے گا، مگر عاقلہ بالغہ بجائے کفو کے غیر کفو میں نکاح بغیر رضامندی ولی کے کرلے تو اس صورت میں نکاح درست نہ ہوگا بلکہ ولی کو فسخ کرانے کا حق حاصل رہے گا (اس مسئلہ کے بارے میں تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر الرائق ۳؍ ۱۱۷۔ ۱۱۸، الجوہرۃ النیرۃ ۳؍ ۱۷۔ ۱۸، فتاویٰ ہندیہ ۱؍ ۲۹۳)۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی غیر کفو میں بلا اجازت ولی ازخود نکاح کرلے تو اس نکاح پر اولیاء کو اعتراض کرنے کا حق ہے، اس مسئلہ میں ائمہ کے دلائل اور ان کے اختلاف کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (بدائع الصنائع ۲؍ ۳۱۸، الجوہرۃ النیرۃ ۳؍ ۱۷۔ ۱۸، بدایۃ المجتہد ۲؍ ۷، المغنی ۶؍ ۴۴۹۔ ۴۵۰، المجموع شرح المہذب ۱۵؍ ۳۰۲، المحلی ۹؍ ۴۵۱، ہدایہ ۱؍ ۳۱۳، شرح معانی الآثار ۲؍ ۷، ترمذی ۱؍ ۲۰۹، ابواب النکاح، ابوداؤد ۱؍ ۲۸۴، ابن ماجہ ۱؍ ۱۳۵، فتاویٰ ہندیہ ۱؍ ۲۹۳۔ ۲۹۴، موطا امام مالک ۲۱۶، کتاب الطلاق)۔

۴- زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں کردیا تھا لیکن بعد میں وہ لڑکی اس نکاح سے مطمئن نہیں ہے اور نہ خوش ہے تو اس صورت میں ہونے کے باوجود بھی وہ لڑکی اپنا نکاح فسخ کرانے کی مختار نہیں ہے، نابالغہ لڑکی کا نکاح باپ یا دادا کرے تو چاہے غیر کفو میں یہ نکاح کیا گیا ہو پھر بھی یہ نکاح لازم ہوجائے گا۔ باپ دادا کے علاوہ اگر کسی اور ولی نے نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کردیا تو یہ نکاح ہی صحیح نہ ہوا، ہاں اگر کفو میں کیا تھا تو جوان ہونے کے بعد اس کو اختیار حاصل ہوگا، چاہے تو اس نکاح کو باقی رکھے اور چاہے تو مسلمان حاکم کے پاس مقدمہ دائر کرکے فسخ کراسکتی ہے (ہدایہ ۲؍ ۳۱۷، ردالمحتار ۲؍ ۳۳۲، فتاویٰ ہندیہ ۱؍ ۲۸۵، البحر الرائق ۳؍ ۱۳۳)۔

۵- خیار بلوغ کا حق لڑکی کو کب تک حاصل ہوگا اور کب ساقط ہوجاتا ہے؟

ولایت اجبار میں لڑکوں اور لڑکیوں کو بعد بلوغ اپنے اپنے نکاح کو فسخ کرنے کا پورا پورا اختیار رہے، مگر شرط یہ ہے کہ اگر نکاح کی خبر پہلے سے معلوم ہو تو بالغ ہوتے ہی فوراً رد کردے، لیکن اگر نکاح کی خبر پہلے سے نہ ہو تو حالت بلوغ میں جس وقت اسے معلوم ہوجائے رد کردے، لیکن اگر بالغ ہوتے ہی خبر ہونے کے باوجود یا حالت بلوغ میں ہوتے ہی اس نے رد نہ کیا تو پھر اسے بعد میں رد کرنے کا بالکل اختیار نہ ہوگا (علم الفقہ ۶؍ ۶۳۔ ۶۴، ردالمحتار ۲؍ ۳۳۵۔ ۳۳۶)۔

قریب تر ولی زندہ ہو اور نسبۃً دور کے ولی نے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ ولی اقرب کی موجودگی میں اگر ولی ابعد نکاح کردے تو وہ نکاح اس ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر وہ اپنی رضامندی ظاہر کردے گا تو نکاح صحیح ہوگا ورنہ باطل ہوجائے گا، ولی اقرب اگر نکاح کرنے سے انکار کردے تو ولی ابعد نکاح کر دینے کا اختیار رکھتا ہے (فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۸۵، ردالمحتار ۲/۳۴۱-۳۴۳، علم الفقہ ۶/۶۴)۔

۶- اگر ولی نے لڑکی کا نکاح کرتے وقت مصالح ومفادات کا لحاظ نہیں کیا بلکہ کسی دباؤ یا اپنے کسی مفاد کی خاطر نامناسب جگہ لڑکی کی شادی کر دی، لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور راضی نہیں ہے اور قاضی کے یہاں فسخ نکاح کا دعویٰ لے کر آئی ہے، بیانات اور گواہوں کے بعد قاضی یہ محسوس کرتا ہے کہ ولی نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح ومفادات کا سرے سے لحاظ نہیں کیا تو قاضی کو اختیار تامہ حاصل ہے کہ اس نکاح کو فسخ کردے (فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۹۴، فتح القدیر ۳/۲۸۵، البحر الرائق ۳/۱۳۳، ردالمحتار ۲/۳۲۱)۔ اس سلسلہ میں جو واقعات احادیث میں مروی ہیں ان کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (ابن ماجہ ۱/۱۳۴، ترمذی ۱/۲۱۰، بخاری ۲/۷۷۱-۷۷۲، نسائی ۲/۷۷)۔

ولی کے معروف بسوء الاختیار، ماجن اور فاسق متہتک ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ بے غیرت، دیوث اور فاسق ہو یا دیوانہ یا اپنے اختیارات کے غلط استعمال میں معروف ومشہور ہو تو ایسے ولی کا کیا ہوا نکاح باطل قرار دیا جائے گا اور نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔

۷- آزاد آدمی کا ولی اس کا وہ رشتہ دار ہے جو عصبہ بنفسہ ہو، اگر کئی عصبات بنفسہ ہوں تو ان میں مقدم وہ ہے جو وراثت میں مقدم ہو، اگر عصبات بنفسہ میں کوئی نہ ہو تو ماں کو ولایت حاصل ہوگی، پھر دادی کو، پھر بیٹی کو، پھر پوتی کو، پھر پر پوتی کو، پھر نواسی کی بیٹی کو، وعلی ہذا اور اگر عصبات بھی نہ ہوں اور ماں دادی بھی نہ ہوں اور پوتیاں نواسیاں وغیرہ بھی نہ ہوں تو نانا کو ولایت حاصل ہوگی، پھر حقیقی بہن کو، پھر علاتی بہن کو، پھر اخیافی بہن کو، پھر ان تینوں کی اولاد کو اسی ترتیب

ہے،اور اگر ان میں سے بھی کوئی نہ ہوتو ذوی الارحام کوولایت حاصل ہوگی۔ذوی الارحام میں سب سے پہلے پھوپھیاں ولی ہوں گی ،ان کے بعد ماموں،ان کے بعد خالائیں،ان کے بعد چچا کی بیٹیاں، پھراسی ترتیب سے ان کی اولاد،اگر رشتہ دار کوئی نہ ہو، نہ عصبہ نہ غیر عصبہ،تو مولی الموالاۃ کوحق ولایت حاصل ہوگا،اگر وہ بھی نہ ہوتو بادشاہ وقت ولی ہے بشرطیکہ مسلمان ہو،بادشاہ وقت کا نائب بھی نکاح کا ولی ہوسکتا ہے بشرطیکہ بادشاہ کی طرف سے اس کو یہ اختیار دیا گیا ہو (ردالمحتار ۲/ ۳۳۷۔۳۴۰)۔

اولیاء میں باہم ترتیب:

ازروئے شرع اگرچہ باپ موجود ہو مردو عورت کی ولایت کا حق اولاً صالح جوان بیٹے کو ہے،بیٹا نہ ہوتو پوتا، پوتا نہ ہوتو پرپوتا ولایت کا حق دار ہوگا،لیکن اگر بیٹے،پوتے اور پرپوتے نہ ہوں یا ہوں،مگر جوان اور بالغ نہ ہوئے ہوں توان صورتوں میں شادیاں کرانے کا پہلا ذمہ دار جو ولی ہوگا وہ باپ ہوگا،باپ نہ ہوتو دادا اور اگر دادا نہ ہو بلکہ پردادا ہوتو پردادا ہی ولایت کا حق دار ہوگا اور وہی شادی کرائے گا (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۸۳)۔

اگر ان سب میں سے کوئی بھی نہ ہوتو ولایت کا ذمہ دار سگا بھائی ہوگا،سگا بھائی نہ ہوتو پھر سوتیلا بھائی ہوگا،لیکن اگر سگے اور سوتیلے بھائیوں میں سے بھی کوئی نہ ہوتو پھر ولایت کا ذمہ دار بھتیجا ہوگا،بھتیجا نہ ہوتو بھتیجا کا لڑکا،ورنہ پھر اس کا پوتا ہی ولایت کا حق دار ہوگا (درمختار ۲/ ۲۳۸)۔

اگر یہ لوگ بھی نہ ہوں تو سگا چچا ولایت کا ذمہ دار ہوگا،سگا چچا نہ ہوتو پھر سوتیلا چچا ہوگا، سوتیلا چچا نہ ہوتو پھر چچازاد بھائی ولی ہوگا،اگر یہ بھی نہ ہوتو چچازاد بھتیجا ہوگا،اور اگر یہ بھی نہ ہوتو پھر سوتیلا چچازاد بھتیجا ولایت کا حق دار ہوگا (ردالمحتار ۲/ ۲۳۸)۔

اور اگر ان تمام لوگوں میں سے بھی کوئی نہ ہوتو چچازاد دادا یعنی باپ کے چچا کو ولایت کا حق حاصل ہوگا،پھر اس کے بعد اس کی اولاد ولایت کی حق دار ہوگی،اور پھر اس کی عدم موجودگی میں اس کے پوتے پرپوتے وغیرہ ولایت کے حق دار ہوں گے،اگر ان میں بھی کوئی نہ رہا تو پھر

دادا کے چچا ہوں گے، دادا کے چچا کے بعد ان کے لڑکے پوتے اور پھر پرپوتے وغیرہ ایک دوسرے کے نہ ہونے پر ہوجائیں گے (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۸۳)۔

ولایت کی ترتیب مذکورہ میں سے کوئی بھی فرد اگر باقی نہ رہا ہو تو اس کے بعد سب سے پہلے ولایت کا حق ماں کو پہنچے گا، ماں کے بعد دادی، پھر بیٹی، پھر پوتی، پھر نواسی، پھر نواسی کی بیٹی، پھر نانا، اور پھر سگی بہن، پھر سوتیلی بہن، اور پھر ماں شریک بھائی اور ان کی اولاد ولایت کی حق دار ہوں گی، اور اگر ان میں سے کوئی موجود نہ ہو تو پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، اس کے بعد چچازاد بہن اور اسی ترتیب سے ان کی اولاد، ان کی ولایت کی حق دار ہوں گی (درمختار ۲/ ۳۳۹)۔

اور اگر ان سب میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر وہ شخص ولایت کا حق دار ہوگا جس کے ہاتھ پر اس کا باپ مسلمان ہوا ہو اور اس کے وارث ہونے کا عہد کیا ہو، اور اگر ایسا شخص بھی نہ ہو تو پھر اس کی ولایت شاہ اسلام کو حاصل ہوگی، اور اگر شاہ اسلام بھی نہ ہو تو پھر وہ قاضی شریعت جس کو حکومت نے نابالغوں کے نکاح کا اختیار دے دیا ہو، اور اگر وہ قاضی بھی موجود نہ ہو بلکہ اس کا نائب ہو تو نائب ہی قاضی کی اجازت پر ولایت کا مستحق ہوگا (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۸۳۔ ۲۸۴)۔

الغرض خاندان میں جس مرد سے رشتہ زیادہ قریب ہوگا وہی ولایت کا مستحق ہوگا اور اس کی عدم موجودگی پر دور کا رشتہ دار ولایت کا مستحق ہوگا بشرطیکہ قریب کا رشتہ دار اتنا دور ہو کہ اس کا انتظار کرنے پر کفو ہاتھ سے نکل جائے گا۔

نیز ولایت کے حصول استحقاق میں پھوپھی کی اولاد ماموں اور خالہ کی اولاد پر مقدم ہوگی، اور ماموں کی اولاد خالہ کی اولاد پر، اور خالہ کی اولاد چچازاد بہن کی اولاد پر مقدم ہوگی (رد المحتار ۲/ ۳۳۹۔ ۳۴۰، فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۸۴، بحر الرائق ۳/ ۱۲۶۔ ۱۲۸، فتح القدیر ۳/ ۲۸۵۔ ۲۸۶، بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۹۔ ۲۵۰، فتاویٰ قاضی خاں ۱/ ۳۵۴۔ ۳۶۰)۔

۸- کسی لڑکی کے اگر یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں اور اجازت ولی کو شرط صحت قرار دیا جائے تو نکاح کی صحت کے لئے کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی، تمام مساوی اولیاء کا

اتفاق ضروری نہیں (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۸۴، فتاویٰ قاضی خاں ۱/ ۵۶۳، البحر الرائق ۳/ ۱۲۸، فتح القدیر ۳/ ۲۸۹،
الموسوعۃ الفقہیہ ۳۴/ ۲۸۴، رد المحتار ۲/ ۳۴۱)۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات:

چوتھا باب

تحریری آراء

مسئلہ ولایت

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی ☆

۱-شریعت میں ولایت کا مفہوم:

ولایت کے معنی: ”تنفيذ القول على الغير شاء أو أبى“(بحرالرائق ۳/۱۰۹)”الولاية تنفيذ القول على الغير تثبت بأربع: قرابة و ملك وولاء وإمامة“ (ردالمحتار ۲/۲۹۶)۔

اس کی دوقسمیں ہیں:(الف)ولایت ختم وایجاب،(ب)ولایت ندب واستحباب۔

جیسا کہ درمختار میں ہے:”وهي نوعان: ولاية ندب..........ولاية إجبار على الصغيرة............“ (درمختار) ولایت علی النفس سے مراد، اگر ولایت إنکاح ہے تو اس کے لئے عقل، بلوغ، حریت، ملکیت، اسلام، قرابت (یا امامت) ولی کے شروط ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۲۳۹)۔

۲- ہر عاقل، بالغ، آزاد مرد وعورت کو اسلامی شریعت کی طرف سے اپنے نکاح کا اختیار دیا گیا ہے، البتہ مجنون و نابالغ اور مملوک کو یہ اختیار نہیں ہے، لیکن بالغہ عاقلہ آزاد عورت کا یہ اختیار بعض اعتبار سے محدود ومقید ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۲۴۱)۔

(الف) اوپر کے جواب سے اس شق (الف) کا جواب بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ بلوغ پر، مرد وعورت دونوں کی ولایت اجبار حنفیہ کے نزدیک ختم ہوجاتی ہے، البتہ لڑکی (بالغ عورت) پر

☆ نائب صدر اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) واستاذ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

خودنکاح کرنے پر نکاح کے لازم ہونے کے بارے میں بعض شرطیں ہیں جن کی تفصیل اگلے نمبروں کے ذیل میں آرہی ہے۔

(ب) عاقلہ بالغہ عورت اگر اپنا نکاح خود اولیاء کی اجازت کے بغیر کفو میں اور مہرمثل پر کر لے تو یہ نکاح منعقد ولازم ہو جاتا ہے، اگر چہ عورت گنہگار ہوگی والد کی نافرمانی کی وجہ سے (اسی طرح دیگر قریبی ولی کی)۔ لیکن اگر غیر کفو میں یا مہرمثل سے کم پر نکاح کیا تو وہ صحیح ہو جائے گا، مگر ظاہر الروایہ کے مطابق اولیاء کو حق اعتراض یعنی فسخ کرانے کا حق ہوگا، لیکن مفتی بہ قول۔ امام صاحب سے حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق۔ یہ ہے کہ یہ نکاح (غیر کفو میں، بالغ لڑکی کا، اولیاء کی اجازت کے بغیر کیا ہوا نکاح) منعقد ہی نہیں ہوگا (عالمگیری ۱/۲۱۱، درمختار ۲/۴۴۶، ردالمحتار ۲/۴۰۸)۔

(ج) ولی کے اتفاق کرنے کی صورت میں نکاح صحیح ہو گیا (ظاہر الروایہ کے مطابق) اتفاق نہ کرنے کی صورت کا حکم اوپر "ب" میں بیان ہوا۔

۳- سوال نمبر ۲ کی شق "ب" کے تحت جواب گذر چکا (بظاہر یہ سوال مکرر معلوم ہو رہا ہے) سوال نمبر ۲ اور اس کی شقوں الف، ب، ج کے اندر اس کا مفہوم آ گیا ہے۔

۴- اگر باپ، دادا نے اپنی نابالغ لڑکی، لڑکے، یا پوتی، پوتے کا نکاح کیا ہے اور وہ فاسق متہتک یا معروف بسوء الاختیار (فاسق متہتک اور معروف بسوء الاختیار کی تشریح آگے آرہی ہے) نہیں ہیں تو یہ نکاح لازم ہو گیا کہ اب انہیں (منکوحات کو) بالغ ہونے کے بعد بھی فسخ کا اختیار نہیں ہوگا، لیکن ان دو (باپ، دادا) کے علاوہ کسی اور ولی نے نکاح کیا ہے تو بلوغ کے بعد انہیں اس نکاح کے باقی رکھنے یا فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، جیسا کہ فقہ حنفی کی تقریباً تمام اہم ومعتبر کتابوں میں مذکور ہے، مثلاً عالمگیری (۱/۲۸۵) میں ہے:

"فإن زوجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما، وإن زوّجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ، هذا عند أبي حنيفة و محمد ويشترط فيه القضاء"۔

۵- بالغ ہونے کے بعد آزاد عورت کو فوراً اختیار استعمال کرنے کا حق ہے، لیکن تھوڑی دیر سکوت بھی اس کا یہ حق ختم کردیتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے ہدایہ مع عنایہ بر فتح ۴۰۹/۲-۴۱۱)۔

لڑکی ولڑکے کے قریب تر ولی کی زندگی میں نسبۃً بعید ولی کے نکاح کرنے کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں حسب ذیل تفصیل ہے:

اگر ولی قریب مسافت قصر کے بقدر دوری پر ہے اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس کی آمد یا منظوری حاصل کرنے کا انتظار نہ کیا جائے گا تو مناسب رشتہ جو اس وقت میسر ہے باقی نہیں رہے گا، تو ایسی صورت میں ولی البعد کا کیا ہوا نکاح منعقد ہو جائے گا، ورنہ ولی البعد کا کیا ہوا نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا (درمختار مع ردالمحتار ۳۱۵/۲)۔

۶- ولی (خواہ باپ یا دادا) ماجن، معروف بسوء الاختیار یا فاسق متہتک ہو (ان دونوں کلمات کی تشریح آگے آرہی ہے) اور اپنی مولیہ کا نکاح اگر غیر کفو میں اور مہر مثل سے کم پر کردے تو اس کا کیا ہوا نکاح صحیح نہ ہوگا، جیسا کہ درمختار مع ردالمحتار میں ہے:

''إذا كان متهتكا لا ينفذ تزويجه إياها ينقص عن مهر المثل ومن غير كفء'' (۲۹۵/۲) لیکن اگر ولی ایسا نہیں ہے تو اس کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا (طحطاوی ۵۲/۲)۔

فاسق متہتک کے معنی ہیں علانیہ اور کھلم کھلا شرعی احکام کی خلاف ورزی کرنے والا (طحطاوی ۵۲/۲، عالمگیری ۱/۲۰۱ طبع قدیم)۔

معروف بسوء الاختیار سے مراد ہے کہ ولی کے بارے میں واضح طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنے نابالغ یا مجنون یا معتوہ لڑکے، لڑکی، پوتے، پوتی کے لئے بیوی یا شوہر کا انتخاب جان بوجھ کر کسی لالچ یا کسی اور غرض فاسد کی بنا پر صحیح نہیں کیا ہے، یعنی کسی باپ دادا سے خیر خواہی اور شفقت پر مبنی رویہ کی جو امید کی جاتی ہے وہ اس سے پوری نہیں ہوئی (طحطاوی ۵۲/۲)۔

ماجن کے معنی مشہور فقہی لغت کی کتاب المغرب صفحہ ۴۲۴ میں یہ بیان ہوئے ہیں:

''الماجن الذي لا يبالي ما صنع وما قيل له، و مصدره المجون والمجانة اسم

منہ۔اور ردالمحتار میں یہ بھی کہا گیا ہے:وفي شرح المجمع: حتی لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو طمعه لا يجوز عقده إجماعا'' (رد المحتار ۳۰۴/۲)۔

''وفي الطحطاوي: المجانة مصدر مجن فهو ماجن أی لايبالي قولا وفعلا كأنه صلب الوجه . . . . والفسق عطف لازم'' (طحطاوی ۵۲/۲)۔

۷- جو وراثت میں عصبات کی ترتیب ہے وہی ولایت نکاح میں ہے،جیسا کہ فقہ حنفی کی تمام مشہور ومعتبر کتابوں میں ہے،مثلاً بدائع میں ہے:''لا خلاف بين أصحابنا في أن لغير الأب والجد من العصبات ولاية الإنكاح والأقرب فالأقرب على ترتيب العصبات في الميراث واختلفوا في غير العصبات'' (بدائع الصنائع ۲۴۰/۲)۔

اورعالمگیری میں ہے: ''أقرب الأولياء إلى المرأة الابن، ثم ابن الابن وإن سفل، ثم الأب، ثم الجد أبوالأب وإن علا، ثم الأخ لأب وأم، ثم الأخ لأب، ثم ابن الأخ لأب، وإن سفلوا، ثم العم لأب وأم، ثم العم لأب، ثم ابن العم لأب وأم، ثم ابن العم لأب وإن سفلوا'' (فتاویٰ عالمگیری ۲۹۹/۱)۔

۸- اگر یکساں درجہ کے کئی اولیاء ہوں تو ہر ایک کو یہ ولایت حاصل ہوگی، ان میں سے جو بھی پہلے نکاح کردے گا اس کا کیا ہوا نکاح نافذ ہوجائے گا اور دوسرے کا اختیار ختم ہوجائے گا، جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے:

''وإذا اجتمع للصغير أو الصغيرة وليان مستويان كالأخوين والعمين فأيهما زوّج جاز عندنا، كذا في فتاوى قاضي خان سواء أجاز الآخر أو فسخ وإن زوجاها على التعاقب جاز الأول دون الثاني'' (عالمگیری ۲۰۱/۱)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مفتی محبوب علی وجیہی☆

ہر سماج میں نکاح جیسے اہم مسائل میں بڑے، ہمدرد اور مخلصین کو اہمیت دی گئی ہے، اس لئے کہ نوجوان لڑکی ہو یا لڑکا جوش جوانی کی وجہ سے گہری سوچ اور دور رس نتائج پر نظر نہیں رکھتے جس کی وجہ سے روز نئے نئے فتنے ان لوگوں کی زندگی میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، اسے روکنے کے لئے ولایت کا مسئلہ شریعت مطہرہ میں رکھا گیا ہے۔

۱- شریعت اسلامیہ میں وہ آدمی جو عاقل، بالغ ہے اور وارث بھی ہے اگر چہ فاسق ہو لیکن اس کا فسق حد تہتک کو نہ پہنچا ہو، وہ ولی کہلاتا ہے، اور شرعاً ولی وہ ہے جو اپنا قول غیر پر نافذ کردے، یہ ولایت چار چیزوں سے ثابت ہوتی ہے:

۱۔قرابت، ۲۔ملک، ۳۔ولاء، ۴۔امامت۔

پھر ولایت کی دو قسمیں ہیں:

ولایت ندب اور ولایت اجبار۔

ولایت ندب بالغ عورت پر ہوتی ہے اور ولایت اجبار صغیرہ اور معتوہ وغیرہ پر ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اپنا نکاح خود کرنا لوگوں کی نظر میں باعث طعن ہے اور سماج میں ایسی عورت کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا ہے، اس لئے گو بالغہ کفو میں اپنا نکاح خود کر سکتی ہے لیکن مذکورہ خرابیوں کی وجہ سے ولی کا موجود ہونا بہتر ہے، ولایت علی النفس کے لئے بالغ عاقل

☆ دارالعلوم فرقانیہ، انگوری باغ، رامپور۔

ہونا شرط ہے اور چونکہ صغیر،صغیرہ اور مجنون اپنے نفس کے مالک نہیں ہوتے اس لئے ولی کو ان پر جبر کا حق ہے۔

۲- عاقل بالغ حرّ اپنا نکاح خود کر سکتا ہے اور مجنون معتوہ مرقوق اپنا نکاح خود نہیں کر سکتے، نیز صغیر وصغیرہ بھی اپنا نکاح خود نہیں کر سکتے، ان کا اختیار اولیاء کو ہے۔

(الف)لڑکی جب بالغ ہو جائے تو ولایت اس پر ختم ہو جاتی ہے، ایسے ہی لڑکے میں، جیسا کہ درمختار میں ہے:

''ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ'' ۔

اس پر شامی نے لکھا ہے:

''ولا الحرّ البالغ والمكاتب والمكاتبة ولو صغيرين حينئذ'' ۔

(ب)عاقلہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح خود کر سکتی ہے ۔درمختار میں ہے:''فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا'' ۔

اور اگر یہ نکاح کفو میں ہے تو ولی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے، البتہ اگر غیر کفو میں کیا تو ولی کو اعتراض کا حق ہے، مگر اس میں قضاء قاضی شرط ہے، قضاء قاضی کے بغیر نکاح فسخ نہیں ہوگا، اور یہ حق اس وقت تک ہے جب تک کہ اس کے بچہ پیدا نہیں ہوا ہے، تا کہ بچہ ضائع نہ ہو، اور چونکہ لڑکی بالغ ہے اور اپنے نفس کی مختار ہے اس لئے خود نکاح کرنے میں گناہ گار نہیں ہوگی، ہاں اگر غیر کفو میں کرے گی تو گناہ کا خطرہ ہے۔

(ج)اگر عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنا نکاح کر لیا، جب ولی کو علم ہوا تو اس نے اس نکاح سے رضامندی اور اپنا اتفاق ظاہر کیا تو نکاح درست ہو گیا، اگر چہ غیر کفو میں ہو، اور اگر اس نے غیر کفو میں نکاح کیا اور ولی نے اتفاق نہیں کیا تو جو لوگ کفاءت کے قائل ہیں ان کے نزدیک نکاح نہیں ہوگا، اور جو لوگ کفاءت کے قائل نہیں ان کے نزدیک نکاح

ہوجائے گا۔

۳- عاقلہ بالغہ خود اپنا نکاح کرلے اور ولی کو خبر نہ ہو تو اس صورت میں اگر غیر کفو میں کیا ہے تو نکاح نہیں ہوگا، اور اگر کفو میں کیا ہے تو ہوجائے گا۔ غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں اگر ولی کو اعتراض ہو تو قاضی کے یہاں دعویٰ کرے اور قاضی اس کے حق میں فیصلہ کرے تب فسخ ہوگا۔

لیکن عام طور سے غیر کفو میں عدم جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔

احقر کو اس سے اتفاق نہیں ہے، کیونکہ جن آیات قرآنیہ میں عورت کو حق دیا گیا ہے اس سے یہ بات موافقت نہیں رکھتی ہے اور وہ حدیثیں جن میں بغیر اجازت ولی کے نکاح کو باطل کہا گیا ہے ضعیف ہیں یا مؤول ہیں۔ ہاں اگر ولی کو کوئی اعتراض ہے تو قاضی سے رجوع کرے، وہ حالات زمانہ کے عرف کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرے گا، کیونکہ ہم نے بیشتر مقامات پر دیکھا ہے کہ محض ضد اور انا کی خاطر اولیاء اعتراض کرتے ہیں اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے جبکہ زوجین کے حق میں نکاح مناسب ہوتا ہے۔

۴- اگر نابالغی میں لڑکی کے ولی نے لڑکی کا نکاح کرا دیا تو دیکھا جائے گا کہ ولی کون ہے؟ باپ یا دادا کے علاوہ کسی نے نکاح کرایا ہے اور لڑکی اس نکاح سے خوش نہیں ہے تو جیسے ہی بالغ ہو وہ اس نکاح کو فسخ کردے اور اس پر کسی کو گواہ بھی بنالے۔ اگر اس نے دیر کی یا اسے مسئلہ معلوم نہ تھا، کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا تو اختیار جاتا رہا اور اگر باپ یا دادا نے کرایا تو ان کی شفقت بچوں پر اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے، اس بنا پر وہ کوئی کام بچوں کے لئے نقصان دہ یا باعث ایذا نہیں کرسکتے، بالعموم یہ وہی کام کرتے ہیں جو بچوں کے حال اور مستقبل کے لئے بہتر اور مصلحت پر مبنی ہوتا ہے، اگر باپ یا دادا نے نکاح غبن فاحش کے ساتھ کرایا یا ان کا سوء اختیار مشہور ہے، یا کسی دلیل سے ثابت ہوگیا تو وہ بھی منعقد نہیں ہوگا، ماجن وہ شخص ہے جو اپنے کاموں کے صحیح یا غلط ہونے کی پرواہ نہیں کرتا، نہ اسے اپنی بات کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ اس کی پرواہ ہوتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔

۵- اس کا جواب نمبر ۴ میں آ گیا، البتہ اگر بالغ ہونے پر لڑکی کو اطلاع نہیں ہوئی تو جب اطلاع ہوگی تب ہی اس کو حق فسخ ملے گا۔

ولی اقرب اگر موجود ہے تو ولی البعد کا کرایا ہوا نکاح موقوف ہوگا، اگر ولی اقرب اجازت دیدے تو باقی رہے گا ورنہ باطل ہو جائے گا۔

درمختار میں ہے: "فلو زوّج الأبعد حال قیام الأقرب توقف علی إجازته"۔

اور اگر ولی اقرب موجود نہیں ہے اور ولی البعد نے نکاح کرایا تو منعقد ہو جائے گا۔ غیبت اقرب میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ کنز اور دیگر کتابوں میں یہ ہے کہ اس سے مراد مسافت قصر ہے، اور زیلعی نے کہا کہ اکثر کا یہی قول ہے اور اسی پر فتوی ہے، اور ذخیرہ میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ اقرب ایسے مقام پہ ہو کہ اگر اس کے آنے کا یا اس کی رائے جاننے کا انتظار کریں تو یہ کفو انتظار نہیں کرے گا تو یہ غیبت منقطعہ ہے، اسی پر فقہائے محققین ہیں اور اسی پر فتوی ہے۔

۶- صورت مسئولہ میں قاضی کو یقیناً نکاح فسخ کر دینا چاہئے۔ ولی کے ماجن، فاسق اور متہتک ہونے کی تفسیر پہلے آ چکی ہے۔

۷- نکاح میں ولی وہ ہوگا جس کو عصبہ بنفسہ کہتے ہیں:

"وهو من يتوصل بالميت بلا توسط الأنثى على ترتيب الإرث والحجب بشرط التكليف والحرية والإسلام في حق مسلمة وولد مسلم لعدم الولاية، وكذا لا ولاية في نكاح ولا في مال لمسلم على كافرة"۔

(عصبہ بنفسہ وہ ہوتا ہے جو بلا عورت کے درمیان میں آئے اور وہ وراثت اور حجب کی ترتیب پر ولی ہوگا جیسے کسی مجنونہ کا باپ بھی ہو اور بیٹا بھی ہو تو بیٹا عصبہ ہوگا اور وہی ولی ہوگا۔ اور

مسلمان کیلئے مسلمان ہونا بھی شرط ہے اور عاقل بالغ ہونا اور آزاد ہونا بھی شرط ہے)۔

۸- صورت مذکورہ میں اگر دونوں ولی برابر درجہ کے ہیں تو ایک کا اجازت دینا اور راضی ہونا کافی ہے، سب کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

درمختار میں ہے:

''فرضا البعض من الأولياء قبل العقد أو بعده كالكل لثبوته لكل كملا كولاية أمان وقود ولو استووا في الدرجة''۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مفتی شیر علی گجراتی ☆

۱- ولایت کے لغوی معنی محبت اور نصرت کے آتے ہیں، اور اصطلاح شرع میں اپنا قول اپنے علاوہ پر نافذ کرنا ولایت کہلاتا ہے خواہ غیر چاہے یا نہ چاہے، جیسا کہ درمختار میں ہے:

''الولاية تنفيذ القول على الغير شاء أو أبى'' (شامی ۵۵/۳)۔

ولایت علی النفس کے لئے عقل، بلوغ اور حریت شرط ہے، اور ولایت علی الغیر کے لئے عقل، بلوغ اور حریت کے بعد قرابت، ملک، ولاء اور امامت میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے، اور مسلمان پر ولایت کے لئے اسلام بھی شرط ہے۔

ولی کی تعریف:

ولی لغت میں دوست اور خیر خواہ کو کہتے ہیں اور عرف عام میں عارف باللہ اور عامل بالشریعۃ کو کہتے ہیں، اور اصطلاح شرع میں عاقل بالغ وارث کو ولی کہتے ہیں اگر چہ وہ فاسق ہو بشرطیکہ اپنی عزت کا خیال رکھتا ہو، جیسا کہ درمختار میں ہے:

''الولي لغة خلاف العدو، وعرفاً العارف بالله تعالى، و شرعاً البالغ العاقل الوارث ولو فاسقاً على المذهب مالم يكن متهتكا'' (شامی ۵۴/۳)۔

۲- شریعت مطہرہ نے آزاد، عاقل، بالغ مرد اور عورت کو اپنا نکاح کرنے کی اجازت دی

☆ دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، ضلع سورت ۳۹۴۱۷۰، گجرات۔

ہے اگر چہ ولی اجازت نہ دے۔ہدایہ میں ہے:

"**وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم يعقد عليها ولي بكراً كانت أو ثيباً**" (فتح القدیر ۳/ ۱۵۷)۔

نابالغ لڑکا اورلڑکی، مجنون اور مجنونہ کے نکاح کا اختیار شریعت نے ان کے اولیاء کو دیا ہے،اگر مذکورین نے اپنا نکاح ازخود کرلیا تو ان کا نکاح نافذ نہیں ہوگا (شامی ۳/ ۵۵)۔

(الف) لڑکے پر ولی کا اختیار بالغ ہونے پر ختم ہوجاتا ہے اگر چہ وہ غیر کفو میں نکاح کرے، اورلڑکی کو اپنا نکاح کرنے کا حق بلوغ کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اس کا نکاح نافذ ہوتا ہے بشرطیکہ وہ نکاح کفو میں کرے،اس لئے کہ لڑکی کے لئے کفو کی رعایت ضروری ہے اور لڑکے کے لئے کفو کی رعایت ضروری نہیں (عالمگیری ۱/ ۲۹۰)۔

اوراگر لڑکی نے غیر کفو میں نکاح کیا تو شیخین کے نزدیک ولی کو تولد تک نکاح فسخ کرانے کا حق ہے،تولد کے بعد حق فسخ ختم ہوجائے گا۔

"**لكن للولي حق الفسخ إذا تزوجت غير كفء مالم تلد من الزوج، أما إذا ولدت منه فليس للأولياء حق الفسخ كيلا يضيع الولد**" (فتح القدیر ۳/ ۱۶۰)۔

اورامام محمدؒ کے نزدیک غیر کفو میں نکاح نافذ ہی نہیں ہوگا...... "**ويروى رجوع محمد إلى قولهما**" (فتح القدیر ۳/ ۱۶۰)۔

(ب) آزاد عاقلہ بالغہ عورت کو اپنی ذات پر تصرف کا اختیار ہے یعنی وہ اپنا نکاح کرسکتی ہے،شریعت نے اس کو اپنے نکاح کا پورا اختیار دیا ہے،کوئی اسے منع نہیں کرسکتا بشرطیکہ وہ اپنا نکاح کفو میں کرے،ولی کی ناراضگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے،اس کا نکاح نافذ ہوجائے گا اور عورت پر کوئی گناہ نہیں ہوگا،البتہ عرف میں بے حیائی سمجھی جائے گی (عالمگیری ۱/ ۲۸۷)۔

نوٹ: اوپر جو لکھا گیا ہے کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورت غیر کفو میں نکاح کرے تو اولیاء کو وہ نکاح تولد تک فسخ کرانے کا حق ہے، یہ متقدمین فقہاء کی رائے ہے،لیکن موجودہ ہندوستان میں

نسب میں کفاءت کی رعایت کولازم قرار دینا محل غور ہے، اس لئے کہ اہل عجم نے اپنے انساب ضائع کردیئے ہیں، لہذا اگر کسی عالی سمجھے جانے والے خاندان کی عاقلہ بالغہ لڑکی کسی سافل سمجھے جانے والے خاندان میں نکاح کرلے گی تو اولیاء کو فسخ کا حق نہیں رہے گا، اسی طرح صنائع و حرف میں بھی کفاءت معتبر نہیں ہے، اس لئے کہ صنائع و حرف میں تحول ممکن ہے، نیز صنائع و حرف میں عرف مختلف رہتا ہے، کوئی پیشہ کسی جگہ عالی سمجھا جاتا ہے، کسی جگہ سافل۔ البتہ مال میں کفاءت معتبر ہوگی یعنی شوہر کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ مہر معجّل ادا کر سکے اور نفقہ دے سکے، اگر شوہر دونوں پر یا کسی ایک پر قادر نہ ہو تو اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا حق رہے گا، اسی طرح دینداری میں بھی کفاءت معتبر ہوگی، اگر کسی دیندار گھرانے کی عورت نے کسی فاسق و فاجر شخص سے نکاح کر لیا ہو تو اولیاء کو فسخ نکاح کا حق رہے گا۔ یہ اور بات ہے کہ عموماً موجودہ زمانہ میں لوگ دینداری کو اہمیت نہیں دیتے اور اس کی وجہ سے نکاح پر کوئی اعتراض نہیں کرتے الا ماشاء اللہ۔ ان کے نزدیک منتہائے ترقی عصری تعلیم ہی ہے حالانکہ یہ لوگ عموماً دینی اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں۔

(ج) عاقلہ بالغہ حرہ نے ولی کے علم کے بغیر نکاح کرلیا تو نکاح صحیح اور نافذ ہوجائے گا، ولی کی ناراضی کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور نہ ولی کو ناراض ہونے کا حق ہے۔ تفصیل مع حوالہ (الف) کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی کے از خود نکاح کر لینے کی صورت میں اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بشرطیکہ اس لڑکی نے کفو میں نکاح کیا ہو، ایسی صورت میں اولیاء بذریعہ قاضی اس نکاح کو فسخ نہیں کرا سکتے، اور اگر غیر کفو میں کیا ہو تو اولیاء کو تولد سے پہلے فسخ کرانے کا حق ہوگا، تولد کے بعد نہیں۔ حوالہ گذر چکا۔

۴- زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانے میں کردیا، لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو باپ، دادا کا کیا ہوا نکاح وہ فسخ نہیں کرا سکتی اور باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء کا نکاح لڑکی بالغ ہوتے ہی رد کر سکتی ہے، اور اگر بالغ ہوتے ہی رد نہیں کیا تو بعد

میں رد نہیں ہوگا (دیکھئے: فتح القدیر ۳/ ۱۷۵)۔

۵- خیار بلوغ کا حق لڑکی کو بلوغ کے بعد فوراً حاصل ہوتا ہے، اگر وہ کنواری ہے اور بالغ ہونے کے بعد فوراً خاموش رہی تو خیار ساقط ہوجائے گا اور اگر وہ ثیبہ ہو اگرچہ ثیبہ ہونا عقد کے بعد قبل البلوغ عند الزوج ہو، تو خیار صرف سکوت سے ساقط نہیں ہوگا جب تک قول سے رضا ظاہر نہ کرے یا اس کی طرف سے کوئی ایسا فعل پایا جائے جو رضا پر دلالت کرے (عالمگیری ۱/ ۲۸۶)۔

اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ولی بعید نے کردیا اس حال میں کہ ولی قریب شہر میں موجود ہو اور اس کو بلانے پر اور خبر دینے پر ولی بعید قادر ہو تو ولی بعید کا نکاح ولی قریب کی اجازت پر موقوف رہے گا، اور اگر ولی قریب غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہو تو ولی بعید کا نکاح جائز ہے، جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

"وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضراً وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته..... وإن كان الأقرب غائبا غيبة منقطعة جاز نكاح الأبعد كذا في المحيط" (۱/ ۲۸۵)۔

اور غیبت منقطعہ سے مراد یہ ہے کہ ولی اس طرح غائب ہو کہ اس کے انتظار کی صورت میں کفو حاضر کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو، خواہ ولی قریب اسی شہر میں موجود ہو (عالمگیری ۱/ ۲۸۵)۔

۶- اگر ولی نے نکاح میں لڑکی کے مصالح و مفادات کا سرے سے لحاظ نہ کیا ہو، مثلاً جذامی، ابرص، یا غیر کفو، شرابی، جواری سے نکاح کردیا یا مہر مثل میں بہت زیادہ کمی کے ساتھ نکاح کردیا اور ولی لوگوں کے درمیان معروف بسوء الاختیار ہو، تو قاضی لڑکی کے بلوغ کے بعد فوری مطالبہ پر اس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے، اور اگر ولی معروف بسوء الاختیار نہ ہو تو قاضی نکاح کو فسخ نہیں کرسکتا۔ شامی میں ہے:

"ولزم ولو بغبن فاحش أو بغير كفء إن كان الولي أباً أو جداً لم

یعرف منهما سوء الاختیار وإن عرف لا" (شامی ۳/۵۴)۔

۷- ولایت نکاح میں عصبات کی ترتیب علی ترتیب الارث ہے اور عصبۂ ابعد، اقرب سے محجوب ہوگا۔

"والترتیب في العصبات في ولایة النکاح کالترتیب في الإرث والأبعد محجوب بالأقرب" (ہدایہ مع فتح القدیر ۳/۱۷۵، عالمگیری ۱/۲۸۳)۔

۸- کسی لڑکی کے اگر یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں تو نکاح کی صحت کے لئے کسی ایک ولی کا عقد اور اجازت کافی ہوگی، تمام مساوی اولیاء کا اتفاق ضروری نہیں۔ عالمگیری میں ہے:

"وإذا اجتمع للصغیر والصغیرة ولیان مستویان کالأخوین والعمین فأیهما زوّج جاز عندنا، کذا في فتاوی قاضي خان سواء أجاز الآخر أو فسخ" (عالمگیری ۱/۲۸۴)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

۱- عاقل بالغ آزاد مسلمان کو خود اپنی ذات پر بھی ولایت حاصل ہوتی ہے یعنی اس کا قول وعمل اس کی ذات پر بھی نافذ اور مثبت احکام ہوتا ہے، اور بشرط امانت قرابت اور ملک وولاء دوسرے پر بھی اس کا قول نافذ اور مثبت احکام ہوتا ہے۔

۲- (الف) علی الترتیب اولیاء کو کچھ شرائط کے ساتھ صغیر وصغیرہ دونوں پر ولایت ہوتی ہے، اور بعد بلوغ دونوں میں سے کسی پر کسی کی ولایت نہیں رہ پاتی۔

(ب) عاقلہ بالغہ آزاد مسلمان عورت کو شریعت نے کچھ شرائط کے ساتھ اپنا نکاح خود کر لینے کا بھی حق دیا ہے، اگرچہ اس کے لئے بھی شریعت نے احسن طریقہ اسی کو قرار دیا ہے کہ وہ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی ہی کے حوالے کرے، ہاں وہ مسلمہ جو عاقلہ بالغہ اور آزاد نہ ہو اس کے نکاح کا اختیار کچھ شرائط کے ساتھ ان کے اولیاء کو دیا ہے، یہ خود اپنا نکاح آپ نہیں کر سکتی۔

۳- اگر کسی عاقلہ بالغہ آزاد مسلمہ عورت نے شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے اپنا نکاح از خود کر لیا ہے تو ولی کو حق اعتراض نہیں رہتا، ہاں اگر بلا لحاظ شرط مثلاً غیر کفو میں یا مہر مثل سے نہایت کم مہر کے بدلے نکاح کیا تو دفع عار کے لئے ولی کو حق اعتراض ملتا ہے، چنانچہ بعض صورتوں میں بذریعہ قاضی اس نکاح کو ولی فسخ کرا سکتا ہے۔

☆ ناظم، اشرف العلوم کنہواں سیتا مڑھی۔

۴- زیر ولایت صغیر وصغیرہ کا نکاح اگر اس کے باپ دادا نے کیا ہو تو عام حالت میں بعد بلوغ خیار بلوغ نہیں حاصل ہوتا اور ایسے نکاح کو فسخ نہیں کرایا جاسکتا۔ہاں باپ دادا کے سوا دوسرے اولیاء کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ حاصل ہوگا اور ایسے نکاح کو فسخ کرایا جاسکتا ہے۔

۵- جس نکاح میں صغیر وصغیرہ کو خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے اس میں اگر لڑکی نے مجلس بلوغ ہی میں فوراً نکاح سے اظہار ناراضی نہیں کیا تو پھر خیار ساقط ہوجاتا ہے، لیکن لڑکا بلوغ کے بعد جب تک کوئی ایسا عمل لمس، وطی، تقبیل اور ادائیگی مہر وغیرہ میں سے جو نکاح کی پسندیدگی پر دلالت کرتا ہے، نہیں کرے گا تب تک اسے خیار بلوغ حاصل رہے گا، یا پھر صراحۃً زبان ہی سے نکاح سے راضی ہونے کا اعلان واعتراف کرلے۔

ولی اقرب کے رہتے ہوئے ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا، ہاں اگر ولی اقرب کہیں باہر اتنی دوری پر ہو کہ اس کی رائے اور اجازت حاصل کرنے میں مناسب اور مصالح سے بھرپور رشتہ کے منقطع اور فوت ہوجانے کا ظن غالب ہوجائے تو پھر ولی ابعد کا نکاح کردینا صحیح اور لازم ہوجاتا ہے۔

۶- باپ دادا کے علاوہ اگر کسی دوسرے ولی نے بظاہر نامناسب جگہ اور ہتک آمیز قسم کا نکاح کیا ہو، مثلاً غیر کفو میں یا مہر مثل سے بھی نہایت کم مہر کے بدلے، تو یہ نکاح اصلاً باطل غیر منعقد ہوگا، خواہ وہ خاص مصالح کے تحت ہی ایسا کرنے کا مدعی ہو، اس کا یہ دعوی قابل قبول نہ ہوگا۔

باپ دادا مخصوص مصالح کے تحت غیر کفو سے یا مہر مثل سے کم پر نکاح کریں تو اس کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں:

(الف) باپ دادا کا طرز عمل ہمیشہ صغیر وصغیرہ کے لئے بہی خواہانہ اور مشفقانہ رہا ہوگا، اس نے ہمیشہ ان کے مصالح ومفاد کی رعایت کی ہوگی، ایسے معروف وافر الشفقہ باپ دادا نے

اگر شادی کے معاملہ میں کفو ومہر کے سلسلے میں تساہل سے کام لیا ہے یا کسی اور دوسرے اعتبار سے وہ رشتہ بظاہر نامناسب معلوم ہوتا ہے، تب بھی ان کا کیا گیا نکاح صحیح اور لازم ہوگا، اس میں خیار بلوغ نہیں ملے گا۔

(ب) باپ دادا کا طرز عمل اپنی اولاد کے ساتھ عام طور پر اس طریقہ کے خلاف رہا ہوگا جو ابھی شق (الف) میں اوپر ذکر کیا گیا تو ایسا ولی سیئ الاختیار کہلائے گا، اگر شواہد وقرائن سے واضح طور پر ثابت ہوجائے کہ اس نکاح میں ولی نے محض اپنا ذاتی مفاد مدنظر رکھا ہے جس سے صغیر یا صغیرہ راضی ومطمئن نہیں ہے تو خیار بلوغ کے شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے بلوغ کے بعد قاضی سے ایسے نکاح کے فسخ کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

باپ دادا کے معروف بسوء الاختیار اور فاسق، ماجن ومتہتک ہونے کی صورت میں کئے گئے نکاح کے سلسلے میں کتب فقہ کی اکثر عبارتیں بطلان نکاح پر دلالت کرتی ہیں، دیکھا جائے: (درمختار ۲/ ۴۰۳، بحر ۳/ ۵ ۱۳، فتح ۳/ ۱۹۴، احسن الفتاوی ۵/ ۱۱۱، الحیلۃ الناجزۃ ص ۹۸)، البتہ مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمہ کی یہ رائے اور تحقیق ہے کہ نکاح منعقد ہوگا مگر غیر لازم رہے گا، خیار بلوغ رہے گا، عدالت مسلمہ سے نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے۔

میرا رجحان اسی طرف ہے، کیونکہ جب ولایت کے لئے تدین وامانت شرط ہے تو "إذا فات الشرط فات المشروط" گویا ایسا باپ دادا حکماً ولی ہی نہیں رہا، اور اصیل ووکیل تو ہے ہی نہیں تو بس فضولی کی طرح ہوگیا، ادھر عقد نکاح کے متعلق کہا گیا ہے: ''ھزلھن جد''، اس لئے ورع واحتیاط کا تقاضہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح فضولی کی طرح اسے بھی کم از کم منعقد ضرور مانا جائے، اور جب فضولی جو من کل الوجوہ محض فضولی ہی ہوتا ہے اس کا کیا ہوا نکاح منعقد مگر موقوف علی الاجازۃ ہوتا ہے تو یہ باپ، دادا جو اپنی ذات میں ولی کی حیثیت رکھتے ہیں صرف امانت وتدین کے فقدان کے سبب وصفاً وحکماً فضولی ہوجاتے ہیں، ان کا کیا ہوا نکاح بدرجہ اولی منعقد غیر لازم ہونا چاہئے، تاکہ بعد بلوغ خیار بلوغ کے ذریعہ قاضی شریعت سے اپنا نکاح فسخ کرا کے اپنی

ذات سے دفع ضرر بھی کر سکے، اور دوسری طرف ورع واحتیاط کی رعایت بھی ہو جائے۔

ماجن وفاسق اور متہتک مصداق کے اعتبار سے تقریباً مترادف ہیں، جو فاسق صغائر پر اصرار کرنے والا اور مرتکب کبائر ہوگا وہ حدود شرع سے متجاوز اور احکام شرع کی پردہ دری کرنے والا بھی ہوگا، اور اس طرح وہ ایک قسم کا نہایت جری، بے باک، بے پرواہ بھی ہوگا جسے نہ قول میں صدق وکذب اور حسن کی پرواہ ہوگی، نہ عمل میں مناسب غیر مناسب، صحیح غلط، حرام وحلال کی فکر و سوچ ہوگی۔

رہا یہ سوال کہ کسی ولی کے معروف بسوء الاختیار ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو اس سلسلے میں فقہاء کی رائیں باہم مختلف ہیں۔ علامہ شامی کے یہاں زیر ولایت صغیر وصغیرہ کے معاملہٗ نکاح ہی میں اس کا سیئ الاختیار ہونا معروف ومشہور ہوگیا ہو جس کا تحقق تعدد انکاح وتزویج ہی سے ہوسکتا ہے (دیکھئے: شامی ۲/ ۳۰۴) مگر امام رافعی بلا قید ''معروف'' کے مطلقاً سیئ الاختیار ولی کے غیر کفو یا مہر مثل سے کم میں کئے ہوئے نکاح کو غیر صحیح کہتے ہیں (تقریر الرافعی/ ۱۸۴)۔

ہمارے اکابر میں حضرت تھانویؒ نے جو کچھ امداد الفتاوی اور حیلہ ناجزہ ص ۹۸ میں لکھا ہے، اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ معروف بسوء الاختیار ہونے کے لئے تعدد انکاح وتزویج ضروری نہیں بلکہ کسی بھی معاملہ میں اس کے طرز عمل سے عام طور پر یہ تأثر ہوتا ہو کہ یہ شخص معاملات میں لالچ وغیرہ کی وجہ سے مصلحت بینی اور حسن انجام کو مدنظر نہیں رکھتا، اس کی بے تدبیری، عاقبت نااندیشی معروف ومشہور ہو چکی ہو تو اسے سیئ الاختیار کہا جائے گا جس کا کیا ہوا نکاح صحیح اور لازم نہیں ہوگا۔

اور مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے آخر فیصلہ یہی کیا ہے کہ صغیر وصغیرہ سے متعلق کسی بھی معاملہ میں اس کا بے تدبیر ہونا یقینی اور عاقبت نااندیش ہونا معلوم ہو جائے تو اس کی تزویج منعقد مگر غیر لازم ہوگی، سیئ الاختیار کا معروف ہونا تعدد تزویج وانکاح پر موقوف نہیں، اور یہی بات اوفق بالدلائل معلوم ہوتی ہے۔

۷- ''الولي في النكاح عصبات بنفسه علی ترتیب الإرث'' جیسی فقہی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ استحقاق وراثت کی ترتیب کے مطابق تزویج وانکاح کی ولایت اولاً عصبہ بنفسہ کو ملتی ہے، پھر ماں دادی، بہن وغیرہ کی طرف یہ ولایت منتقل ہوتی ہے۔

۸- یکساں درجہ کے چند اولیاء کی موجودگی میں کسی بھی ولی کی اجازت ورضا سے کیا ہوا نکاح صحیح اور لازم ہو جاتا ہے، اور نکاح کے بعد اسی درجہ کے کسی دوسرے ولی کو کسی قسم کا کوئی حق اعتراض نہیں حاصل ہوتا، احناف کا یہی مسلک ہے، البتہ صرف امام مالکؒ کے نزدیک ایک درجہ کے تمام اولیاء کا متفق الرائے ہونا ضروری ہے (بدائع ۲/۳۱۸، المغنی ۷/۳۷۳)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا عبدالحنانؒ ☆

ا-شریعت اسلامیہ میں ولایت کا مفہوم:

علاء الدین حصکفی نے درمختار میں ولی کی تعریف میں لکھا ہے، لغت میں ولی کے معنی دوست کے آتے ہیں، اور عرف میں عارف باللہ کو کہتے ہیں، اور شرع میں بالغ، عاقل اور وارث کو، اگر چہ وہ فاسق ہی ہو بنابر مذہب صحیح، اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ نابالغ لڑکا، مجنون، معتوہ یا وصی یا کافر یا غلام مسلمان آزاد عورت کا ولی نہیں ہوسکتا۔

ولایت کے معنی:

دوسرے پر قول کو نافذ کرنا، اپنے قول کو غیر پر نافذ کرنے کی چار صورتیں ہیں: اول: قرابت، جیسے بیٹی کا نکاح باپ کرے۔ دوم: ملک، جیسے لونڈی یا غلام کا نکاح مالک کرے۔ سوم: ولاء، آزاد کرنے سے سید کو جو حق ولاء ہوتا ہے یعنی اپنے آزاد کردہ لونڈی یا غلام کا نکاح مالک کردے، چہارم: امامت، جیسے لاوارث کا نکاح بادشاہ یا قاضی کردے۔

ولایت کی دو قسمیں ہیں:

اول ولایت ندب: ولی کو جو ولایت عاقلہ بالغہ باکرہ پر ہوتی ہے یعنی عورتیں چونکہ طبعًا باحیا ہوتی ہیں، اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ خود نکاح کا ایجاب وقبول کریں، اس لئے مستحب اور

☆ سابق ناظم جامعہ اسلامیہ قاسمیہ، مقام و پوسٹ بالاساتھ، وایا رائے پور، ضلع سیتامڑھی، بہار۔

مقتضاء حیا یہ ہے کہ عورتیں اپنے نکاح کے معاملہ کو ولی کے سپرد کردیں تا کہ خاندان میں بے حیا مشہور نہ ہوں۔

دوسری ولایت اجبار ہے: وہ ولایت لڑکی اور لڑکے پر ہے جب دونوں نابالغ ہوں، اور بالغ لڑکے اور لڑکیوں پر ولایت اجبار اس وقت ہوتی ہے جب مجنون یا معتوہ ہوں یا غلام ہوں۔

ولایت علی النفس کی شرائط:

ولی کا وارث یعنی عصبات میں ہونا اور ولی کا خود مسلمان آزاد بالغ عاقل ہونا شرط ہے، پھر وہ عصبہ جس کو صغیر صغیرہ کے ساتھ قرب قرابت ہو (درمختار ۳/۵۵، بدائع الصنائع ۲/۲۵۰)۔

۲- ایک آزاد بالغہ عاقلہ لڑکی اپنا نکاح اپنی مرضی سے اپنے کفو میں کرلے تو صحیح ہے، لیکن آزاد عاقلہ بالغہ نے غیر کفو میں نکاح کیا اور ولی اس سے راضی نہیں ہے تو فساد زمان کی وجہ سے اس قسم کا نکاح منعقد نہیں ہوگا، (درمختار ۳/۵۵-۵۷، ہدایہ مع الفتح ۳/۱۶۰) لیکن عورتیں چونکہ طبعًا باحیا ہوتی ہیں، اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ خود نکاح کا ایجاب یا قبول کریں، اس لئے مستحب اور مقتضائے حیا یہ ہے کہ عورتیں اپنے نکاح کے معاملہ کو ولی کے سپرد کردیں تا کہ خاندان میں بے حیا مشہور نہ ہوں، لیکن ولی کو جائز نہیں ہے کہ اپنی بالغہ عاقلہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرے، اور اگر وہ ایسا کردے تو نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، اگر وہ اس کو منظور کرلے تو نافذ ہوجاتا ہے ورنہ نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلامی شریعت نے آزاد عاقلہ بالغہ عورت کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے، اور نابالغ لڑکا اور لڑکی نیز بالغہ عورت جبکہ وہ باندی ہو، یا بالغہ عورت مجنونہ یا معتوہہ ہو، ان چاروں کے نکاح کا اختیار اولیاء کے حوالہ کیا ہے۔

(الف) صغیر اور صغیرہ چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ، ولی کو ان پر ولایت نکاح حاصل ہے، اور صغیر صغیرہ کے بالغ ہوتے ہی ولایت ختم ہوجاتی ہے، جبکہ دونوں عاقلہ بھی ہوں۔

(ب)عاقلہ بالغہ لڑکی خود اپنے عقد نکاح کا اختیار رکھتی ہے، ولی کی مرضی کے بغیر عاقلہ بالغہ نے اپنا نکاح اگر کفو میں کیا ہے تو وہ نکاح منعقد ہو جائے گا، اور اگر غیر کفو میں کیا تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

(ج)اس کا جواب مذکورہ بالا تحریر میں آ گیا۔

۳- اس سوال کا جواب سوال نمبر ۲ کے ضمن میں گذر چکا۔

۴- نابالغ لڑکے اور لڑکی پر باپ دادا کو کامل شفقت ہوتی ہے اور قرب قرابت کی وجہ سے ولایت ملزمہ حاصل ہوتی ہے۔لڑکا لڑکی بالغ ہونے کے بعد باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کرانے کا حق نہیں رکھتے،البتہ بے وقوفی یا لالچ کی وجہ سے باپ دادا کا سوء اختیار معلوم ہو جائے تو وہ نکاح بالاتفاق جائز نہیں ہے اور باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء کو صغیر صغیرہ پر شفقت ناقص اور بُعد قرابت کی وجہ سے ولایت ملزمہ حاصل نہیں ہے۔بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ کی وجہ سے اگر اس نکاح میں ان کو بھلائی معلوم ہوتی ہو تو اس نکاح کو باقی رکھیں ورنہ فسخ کرنے کا اختیار رہے، اور فسخ نکاح کے لئے قضاء قاضی ضروری ہے (ہدایہ ۲/ ۱۷۔۳۱۳،فتاویٰ شامی ۳/ ۶۶۔۶۷)۔

۵-خیار بلوغ:

یعنی جس وقت آثار بلوغ (مثلاً حیض وغیرہ) ظاہر ہوں اسی وقت بغیر توقف کے اسی مجلس میں زبان سے کہہ دے کہ میرے بچپن میں فلاں ولی نے جو میرا نکاح کیا تھا میں اس کو رد کرتی ہوں اور دو آدمیوں کو شاہد بنا لے،اور اگر دو آدمی وہاں موجود نہ ہوں تو ان کو بلوا لے اور ان کے سامنے کہے کہ میں ابھی بالغہ ہوئی ہوں اور نکاح کو میں نے رد کر دیا ہے،اس رد اور انکار کے بعد لڑکی کو اختیار ہو جاتا ہے کہ حاکم مسلم (مسلمان جج یا مجسٹریٹ) کی عدالت میں درخواست دے کر نکاح کو فسخ کرا لے۔اگر وقت بلوغ اور مجلس بلوغ میں فوراً رد نہ کر سکی تو پھر خیار فسخ اس کو حاصل نہیں رہتا اور نکاح لازم ہو جاتا ہے اور موقع سے فائدہ نہ اٹھانے کا نقصان یا الزام خود اسی

پر عائد ہوتا ہے۔

اگر ایسا اتفاق پیش آیا کہ صغر سنی میں اولیاء مذکور میں سے کسی نے لڑکی کا نکاح کر دیا اور بلوغ کے بعد لڑکی کو معلوم ہوا کہ فلاں ولی نے بلوغ سے قبل اس کا نکاح کر دیا تھا تو جس وقت اس کو معلوم ہوا اسی وقت رد کر دینے سے خیار فسخ اس کو حاصل ہو جائے گا اور حکم حاکم کے بعد نکاح ٹوٹ جائے گا۔ یہی حکم نابالغ لڑکے کے اس نکاح کا ہے جس کو باپ دادا کے سوا دوسرے ولی نے کیا ہو کہ جب تک بالغ ہو کر صراحۃً یا دلالۃً اظہار رضا نہ کرے اس کو اختیار باقی رہے گا۔

ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد اگر نکاح کر دے:

اگر ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد نابالغہ کا نکاح کر دے تو ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، وہ چاہے تو اس کو باقی رکھے یا رد کر دے، اگر رد کر دے تو اسی وقت ٹوٹ جاتا ہے کیوں کہ جو زیادہ قریب کا ہے وہی منافع کا زیادہ لحاظ رکھ سکتا ہے، پھر یہ کہ اقرب کے ہوتے ہوئے دوسرے کو مداخلت کا اختیار نہیں۔

"فلو زوج الأبعد حال قیام الأقرب توقف علی إجازته"۔

۶- اگر کسی جگہ یہ معلوم ہو جائے کہ باپ یا دادا نے جو نکاح صغیرہ کا کیا ہے اس میں لڑکی کی مصلحتوں کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے تو شریعت ایسے نکاح کو صحیح نہیں کہتی، اگر بیوقوفی یا لالچ کی وجہ سے باپ کا سوء اختیار معلوم ہو جائے تو وہ نکاح بالاتفاق جائز نہیں، مثلاً لڑکی کا باپ لالچی یا فقیر ہے یا کسی مقدمہ میں ماخوذ ہے یا اس کا کوئی عزیز کسی مقدمہ میں پھنسا ہوا ہے، تو وہ لالچ کی خاطر یا روپیہ کمانے کے لئے یا اپنے کو مقدمہ سے بچانے کے لئے یا اپنے عزیز کو مصیبت سے چھڑانے کے لئے ایسے لوگوں میں لڑکی کا نکاح کر دینے پر رضامند ہو جاتا ہے جن کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ وہ لوگ بدخلق یا رذیل و کمتر درجہ کے لوگ ہیں یا لڑکی وہاں آرام سے زندگی نہیں بسر کر سکے گی، اس کی حیثیت باندیوں سے بدتر ہو گی، لیکن چونکہ اپنے منافع سامنے ہوتے

ہیں اس لئے وہ اپنے لخت جگر کو قربان کر دیتا ہے۔

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ نے مسئلہ سوء اختیار پر ایک رسالہ "**كشف الغبار عن مسئلة سوء الاختيار**" کے نام سے تحریر فرمایا ہے اور اس رسالہ کو احسن الفتاوی جلد خامس میں بھی شامل کیا ہے، طویل بحث کے بعد حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہو گیا کہ سیئ الاختیار باپ کا غیر کفو میں کیا ہوا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مسئلہ زیر بحث میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوا بلکہ بالکل باطل اور کالعدم ہے تو یہ بحث ہی ختم ہو گئی کہ اس میں قضا شرط ہے یا نہیں (احسن الفتاوی ۵/ ۱۲۲۔۱۲۳)۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مسئلہ سوء اختیار کے ضمن میں تحریر فرمایا کہ اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح باپ یا دادا نے کیا ہے، اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نہیں نظر کی جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا (امداد الفتاوی ۲/ ۲۲۷، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: درمختار ۳/ ۶۶۔۶۷)۔

۷- ولی کون لوگ ہیں اور اولیاء میں باہم کیا ترتیب ہے؟

اولیاء اور ان کی باہمی ترتیب حسب ذیل ہے: نکاح میں سب سے مقدم ولی بیٹا ہوتا ہے، بیٹا نہ ہو تو پوتا، پھر باپ، باپ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو بھتیجا، پھر چچا، وہ نہ ہو تو چچا کا بیٹا، پھر باپ کا چچا، وہ نہ ہو تو اس کا بیٹا، پھر دادا کا چچا، وہ نہ ہو تو اس کا بیٹا، بشرطیکہ مسلمان ہو کافر نہ ہو، آزاد ہو غلام نہ ہو، بالغ ہو نابالغ نہ ہو۔

اگر عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو پھر والدہ کو ولایت حاصل ہوتی ہے، والدہ کے بعد دادی کو، وہ نہ ہو تو نانی کو، وہ نہ ہو تو لڑکی کو، وہ نہ ہو تو پوتی کو، وہ نہ ہو تو نواسی کو، پھر پوتے کی بیٹی کو، وہ نہ ہو تو نواسی کی بیٹی، پھر نانا کو، پھر بہن کو، پھر بھانجی، پھر پھوپھی کو، پھر ماموں کو، پھر خالہ کو، پھر پھوپھی کی بیٹی کو (فتاوی شامی ۳/ ۷۶)۔

۸-　کسی لڑکی کے اگر یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں تو صحت نکاح کے لئے کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہے، لیکن اگر مساوی درجہ کے اولیاء میں سے دو ولیوں نے لڑکی کا نکاح کردیا اور یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ دو ولیوں میں سے پہلا نکاح کس نے کیا، ایسی صورت میں دونوں کے کئے ہوئے نکاح باطل ہوں گے، ایسے ہی اگر دو یا دو سے زائد اولیاء نے لڑکی کا ایک ساتھ نکاح کیا تب بھی تمام نکاح باطل ہوں گے۔

"ولو زوجها وليان مستويان قدم السابق فإن لم يدر أو وقعا معا بطلا" (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۳/۸۱)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا ابوسفیان مفتاحی☆

۱- شریعت اسلامیہ میں ولایت کا مفہوم یہ ہے کہ دوسرے پر بات کو نافذ کر دیا جائے وہ چاہے یا نہ چاہے۔ ولایت کی دو قسمیں ہے:۱۔ ولایت ندب بالغہ عاقلہ پر، اگر چہ باکرہ یا ثیبہ ہو، ۲۔ ولایت اجبار نابالغہ لڑکی پر، اگر چہ وہ ثیبہ ہو (درمختار ۲/ ۳۲۱)۔

ولایت علی النفس کی شرطیں:

شرائط انعقاد نکاح میں ولایت فی النکاح بھی ہے، لہذا اس شخص کا نکاح منعقد نہ ہوگا جس کا کوئی ولی نہیں۔ اور نکاح کے باب میں ولایت کی چار قسمیں ہیں:۱۔ ولایت ملک، ۲۔ ولایت قرابت، ۳۔ ولایت ولاء، ۴۔ ولایت امامت۔

۱۔ ولایت ملک کے لئے تین شرائط ہیں:۱۔ عاقل ہونا، ۲۔ بالغ ہونا، لہذا مجنون و غیر عاقل مرد اور عاقل بچہ ولی فی النکاح نہیں ہو سکتے، ۳۔ ملک مطلق، جس کی صورت یہ ہے کہ مالک کی ملکیت اس پر مکمل طریقہ سے ہو (بدائع الصنائع ۲/ ۲۳۷)۔

۲۔ ولایت قرابت: جس کا مرجع ولی ہے، اس کی دو شرطیں ہیں:۱۔ ولی کا عاقل ہونا، ۲۔ اور ولی کا بالغ ہونا، لہذا بچہ اور مجنون ولی فی النکاح نہیں ہو سکتے۔ مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، نیز عادل ہونا بھی شرط نہیں ہے۔

اور جس کا مرجع مولی علیہ ہے یعنی جس شخص پر ولایت ملتی ہے اس ولایت کی دو قسمیں

☆ جامعہ عربیہ مفتاح العلوم ہشاہی کٹرا، مئو۔

ہیں: ۱۔ ولایت ایجاب، ۲۔ ولایت ندب۔ ولایت ایجاب کی شرط نابالغ یا نابالغہ ہونا ہے یا مجنون کبیر اور مجنونہ کبیرہ ہونا ہے، لہذا یہ ولایت عاقل مرد وعورت، اور بالغ مرد وعورت پر نہ ہوگی (بدائع الصنائع ۲/۲۴۱)۔

ولایت ندب: یہ آزاد عاقلہ بالغہ پر ثابت ہوتی ہے خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اس ولایت کے لئے مولی علیہ کا فقط راضی ہونا شرط ہے (بدائع الصنائع ۲/۲۴۷)۔

۳۔ ولایت ولاء: اس کا سبب ثبوت ولاء ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ولاء ایک لوتھڑا ہے نسب کے گوشت کے لوتھڑے کی طرح، پھر چونکہ نسب سبب ولایت ہے تو اسی طرح ولاء سبب ولایت ہوگا۔

اس ولایت کے ثبوت کی شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والے مولی کے لئے قرابت کی جہت سے کوئی عصبہ نہ ہو، اگر کوئی عصبہ ہوگا تو آزاد کرنے والے مولی کو ولایت نہ ملے گی (بدائع الصنائع ۲/ ۲۵۲)۔

۴۔ ولایت امامت: اس کے لئے وہی شرائط ہیں جو ولایت قرابت کے لئے ہیں، ہاں مزید دو شرطیں اور ہیں: ۱۔ وہاں کوئی ولی نہ ہو، ۲۔ ولی کی طرف سے روک دینا۔

۲- اسلامی شریعت نے آزاد عاقل و بالغ مرد وعورت کو کفاءت کی شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا نکاح خود ہی کرنے کا اختیار دیا ہے، یعنی ولی کی رضامندی کے بغیر بھی ان کا نکاح نافذ ہوجائے گا، کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ جس کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے اس کو اپنے نفس میں بھی تصرف کا حق ہے، لیکن غیر کفو میں نکاح کی صورت میں ولی کو جبکہ عصبہ ہو اگر چہ غیر محرم ہو جیسے چچا زاد بھائی، اعتراض کا حق ہے، لہذا اعتراض کی صورت میں قاضی ایسے نکاح کو فسخ کردے گا (درمختار ۲/ ۳۲۲)۔

جہاں تک ان دو حدیثوں کا تعلق ہے یعنی ''أیما امرأة نکحت نفسها بغیر إذن ولیّها ......'' اور ''لا نکاح إلا بولي'' تو چند وجوہ سے یہ مرجوح ہیں:

۱۔یہ دونوں حدیثیں "الأيم أحق بنفسها" کے خلاف ہیں۔

۲۔حدیث ''لاأیم......''سند کے اعتبار سے قوی ہے اور اس کی صحت پر ائمہ صحاح ستہ وغیرہ کا اتفاق ہے۔

۳۔مذکورہ بالا دونوں حدیثیں ضعیف ہیں یا محض حسن ہیں۔

۴۔ان دونوں سے مراد غیر کفو میں شادی کرنا ہے۔

۵۔ان دونوں میں نفی کمال مراد ہے۔

۶۔حدیث میں ولی مذکور سے مراد وہ شخص ہے جس کی اجازت پر نکاح موقوف ہوتا ہے۔

(الف)ولایت کے باب میں لڑکی اور لڑکے میں کچھ فرق نہیں ہے، دونوں پر ولایت بلوغ وعقل سے ختم ہوجاتی ہے (درمختار ۲/ ۳۲۱۔۳۲۴)۔

(ب) عاقلہ بالغہ لڑکی اپنی مرضی سے از خود اپنا نکاح کفو میں کرسکتی ہے، اور ایسا کرنے سے وہ گنہگار نہ ہوگی اور شرعاً یہ نکاح منعقد وصحیح ہوجائے گا، البتہ اگر غیر کفو میں اپنی مرضی سے نکاح کرے تو جائز نہ ہوگا، اس شرط کے ساتھ کہ اس کا کوئی ولی ہو، اور اگر کوئی ولی نہ ہو تو غیر کفو میں نکاح صحیح ونافذ ہوگا۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت ومرضی کے بغیر اپنا نکاح کرلیا تو یہ نکاح نافذ وصحیح ہوجائے گا، کیونکہ ایسی لڑکی کے لئے ولی کی مرضی شرط نہیں ہے جبکہ کفو میں ہو، اور جب شرعاً اس کا نکاح نافذ وصحیح ہوگیا تو بعد میں ولی کو اس کا علم ہونے اور اجازت دیدینے کا اثر محض یہ ہوگا کہ وہ نکاح مستحکم ہوجائے گا، اور اگر رد کردیا تو شرعاً اس کے رد کرنے سے یہ نکاح رد نہ ہوگا بلکہ صحیح ونافذ رہے گا۔

۳۔ عاقلہ بالغہ لڑکی کے از خود نکاح کرلینے کی صورت میں اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا حق اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس نے غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا ہو، نیز مہر مثل سے کم پر نکاح کی صورت میں بھی اولیاء کو اعتراض کا حق ہے، اور اولیاء اس نکاح کو

بذریعہ قاضی فسخ کرا سکتے ہیں (درمختار ۲/ ۳۲۲)۔

۴- زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں کر دیا لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن وخوش نہیں ہے، تو اگر یہ نکاح باپ و دادا کا کرایا ہوا ہے تو بالغ ہونے کے بعد لڑکی اس نکاح کو فسخ نہیں کرا سکتی، یہ نکاح لازم ہو جائے گا، اگر چہ مہر میں کمی وزیادتی کے ساتھ ہو اور غیر کفو میں ہو۔

اور اگر باپ و دادا کے علاوہ دوسرے کسی ولی نے نابالغی کے زمانہ میں نکاح کر دیا تو لڑکی اس نکاح سے مطمئن وخوش نہ ہونے کی صورت میں بلوغ کے بعد اس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے، اور اگر یہ نکاح غیر کفو میں ہو یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ ہو تو صحیح نہ ہوگا، نہ لازم ہوگا، اور نہ بلوغ کے بعد مرضی پر موقوف ہوگا (درمختار ۲/ ۳۲۹-۳۳۳)۔

۵- خیار بلوغ کا حق لڑکی کو بلوغ تک یا بعد بلوغ نکاح کا علم ہونے تک حاصل رہتا ہے، یہ خیار آخر مجلس بلوغ یا آخر مجلس علم بالنکاح تک ممتد نہ ہوگا، لہذا اگر بلوغ کے بعد یا نکاح کا علم ہونے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے بھی خاموش رہے گی تو اس کا خیار فسخ باطل ہو جائے گا اگر چہ مجلس بدلنے سے پہلے ہی ہو۔

نابالغ لڑکے اور ثیبہ کو خیار بلوغ بعد بلوغ صراحۃً رضامندی کے اظہار تک یا دلالۃً رضا تک حاصل رہتا ہے، جیسے بیوی کو بوسہ دینا یا چھونا یا مہر دیدینا، اور ان دونوں کے مجلس سے اٹھ جانے سے خیار باطل نہیں ہوتا۔

اگر قریب تر ولی زندہ ہو لیکن غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہو یعنی ۴۸ میل کی دوری پر ہو، یا غیبت منقطعہ کی اصح تعریف کے مطابق (جو مبسوط، مجتبی، البحر الرائق، ذخیرہ اور فتح القدیر میں ہے) اتنی دوری پر ہو کہ اگر اس کے آنے یا رائے معلوم کرنے کا انتظار کیا جائے تو کفو کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو نسبۃً دور کے ولی کے لئے نکاح کرا دینا صحیح اور جائز ہے اور یہ نافذ ہوگا، کیونکہ نسبۃً

دور کے ولی کو ولایت تامہ حاصل ہے، البتہ اگر دور کا ولی قریب تر ولی کے موجود رہتے ہوئے نکاح کردے تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا (درمختار ۲/۳۴۱-۳۴۲)۔

۶- اگر ولی نے لڑکی کا نکاح کرتے وقت خود لڑکی کے مصالح و مفادات کا لحاظ نہیں کیا، بلکہ کسی دباؤ یا اپنے مفاد کی خاطر نامناسب جگہ لڑکی کی شادی کردی اور لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور راضی نہیں ہے اور قاضی کے یہاں فسخ نکاح کا دعویٰ لے کر آئی ہے، بیانات اور گواہوں کے بعد قاضی یہ محسوس کرتا ہے کہ ولی نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح اور مفادات کا سرے سے لحاظ نہیں کیا تو قاضی ولی کے اس نامناسب نکاح کو فسخ کرسکتا ہے، کیونکہ باتفاق یہ نکاح صحیح نہیں ہے (درمختار ۲/۳۳۳)۔

لیکن اگر سکران یا سیئ الاختیار ولی نے لڑکی کا نکاح کفو میں مہر مثل کے ساتھ کردیا تو نکاح ضرر محض نہ ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔

ولی کے معروف بسوء الاختیار ہونے سے مراد اس کا بیوقوف و ناسمجھ ہونا اور مناسب رشتہ نہ تلاش کرسکنا کہ جس سے لڑکی کا معروف طریقہ سے گذر بسر ہوسکے، یا اس کا لالچی ہونا۔

ماجن سے مراد لاپرواہ آدمی ہے یعنی اس کو یہ پرواہ نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے اور کیا اس سے کہا جاتا ہے۔

فاسق سے مراد شرابی یا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، نیز عیاش و بے نمازی وغیرہ (درمختار ۲/۳۳۱-۳۳۳)۔

۷- نکاح میں ولی عصبہ بنفسہ ہوتا ہے وراثت وحجب کی ترتیب کے مطابق، جس کے درمیان میں کوئی مؤنث نہ ہو، لہذا مجنون عورت کا لڑکا اس عورت کے باپ پر مقدم ہوگا، کیونکہ مجنونہ کا لڑکا اس کے باپ کو حجب نقصان کے ساتھ محجوب کردیتا ہے، نیز باپ یا دادا کا سیئ الاختیار نہ ہونا بھی شرط ہے اور مکلف ہونا بھی شرط ہے، اور مسلمان عورت کے حق میں اسلام ولی بھی شرط ہے، لہذا صغیر و مجنون اور کافر ولی نہ ہوں گے، اور عصبہ بنفسہ میت کا قریبی رشتہ دار ہوتا ہے (درمختار

۲/۳۳۷۔۳۳۸)۔

اولیاء میں باہم ترتیب یہ ہے: بیٹا اور پوتا، پھر باپ، پھر دادا، حقیقی بھائی، باپ شریک بھائی، حقیقی بھائی کا بیٹا، باپ شریک بھائی کا بیٹا، حقیقی چچا، باپ شریک چچا، حقیقی چچایا باپ شریک چچا کا بیٹا، باپ کا چچا، باپ کے چچا کا بیٹا، دادا کا چچا، دادا کے چچا کا بیٹا، ان میں ہر ایک کو صغیر وصغیرہ کے نکاح میں ولایت اجبار حاصل ہے، اسی طرح بالغ مجنون مرد وعورت کے نکاح میں بھی ولایت اجبار حاصل ہے (شامی ۲/۳۳۸)۔

ولی اگر عصبہ نہ ہو تو ترتیب اولیاء یوں ہے: دادی، ماں، بیٹی، پوتی، نواسی، پوتے کی لڑکی، نواسی کی لڑکی، نانا، حقیقی بہن، باپ شریک بہن، ماں کی اولا دلڑکے ولڑکیاں، ان کے لڑکے ولڑکیوں کی اولاد۔ ذوی الارحام میں پھوپھیاں، ماموں، خالائیں، چچازاد بہنیں، اوراسی ترتیب سے ان کی اولاد میں پھوپھی زاد بھائی وبہن، ماموں زاد بھائی وبہن، خالہ زاد بھائی وبہن، چچا زاد بھائی وبہنوں کی اولاد، مولی الموالاۃ، سلطان، قاضی جس کے منشور میں یہ تحریر ہے، قاضی کے نائبین، اگر قاضی کو یہ ذمہ داری حوالہ کی گئی ہے ورنہ نہیں (شامی ۲/۳۳۹۔۳۴۰)۔

۸۔ کسی لڑکی کے ایک درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں تو اس لڑکی کے نکاح کی صحت کے لئے کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی، تمام مساوی اولیاء کا اتفاق ضروری نہیں ہے، اگر تقدم وتأخر کے ساتھ نکاح ہوا ہے تو جو پہلے ہوگا وہ صحیح ہوگا، اور اگر تقدم وتأخر معلوم نہ ہو تو دونوں نکاح باطل ہوں گے (درمختار ۲/۳۴۱)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا محمد رضوان القاسمیؒ ☆

۱- دوسرے شخص پر اس کی رضامندی کے بغیر اپنے تصرف کو نافذ کرنے کا حق ولایت ہے، اور اس کا مقصود چھوٹے اور ناسمجھ کی حفاظت، تربیت، تعلیم اور نکاح کرانے کی ذمہ داری کی تکمیل ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۷۴۶)۔

ولایت علی النفس سے متعلق شرائط تین طرح کی ہیں: ۱- ولی سے متعلق شرائط، ۲- زیر ولایت رہنے والے سے متعلق شرائط، ۳- تصرف سے متعلق شرائط (بدائع الصنائع ۲/ ۵۰۰)۔

ولی سے متعلق شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ولی کا عاقل ہونا، ۲- بالغ ہونا، ۳- قرابت دار ہونا، ۴- مسلمان ہونا، ۵- امانت دار ہونا (حوالہ سابق)۔

زیر ولایت رہنے والے (مولی علیہ) کے اعتبار سے ولایت کی دو قسمیں ہیں: ۱- ولایت ایجاب، ۲- ولایت استحباب۔

ولایت ایجاب و اجبار کے لئے شرط ہے کہ زیر ولایت رہنے والا نابالغ بچہ یا بچی ہو، یا بالغ ہو لیکن پاگل ہو (بدائع الصنائع ۲/ ۵۰۴)۔

ولایت استحباب عاقلہ بالغہ لڑکی پر حاصل ہوتی ہے چاہے وہ شادی شدہ ہو یا کنواری، اس ولایت کے لئے صرف اس کی رضامندی شرط ہے (بدائع ۲/ ۵۱۳)۔

☆ سابق ناظم دارالعلوم سبیل السلام، صلالہ بارکس، پوسٹ بالاپور، حیدرآباد۔

تصرف سے متعلق شرط یہ ہے کہ تصرف زیر ولایت شخص کے حق میں منفعت بخش ہو، مضر نہ ہو(بدائع ۲؍ ۵۱۰)۔

۲- (الف) حنفیہ کے نزدیک لڑکا اور لڑکی کی ولایت میں کوئی فرق نہیں، نابالغی کی حالت میں ان پر ولایت اجبار ہوگی، بالغ ہونے کے بعد کسی پر ولایت اجبار نہیں ہوگی، البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بالغ ہونے کے بعد بھی کنواری پر ولایت اجبار باقی رہے گی(فتاوی ہندیہ ۱؍ ۲۸۳، بدائع الصنائع ۲؍ ۵۰۴)۔

(ب) عاقلہ بالغہ لڑکی کو اپنے اوپر ولایت حاصل ہے، ولی کی مرضی کے بغیر وہ اپنا نکاح خود کرسکتی ہے، یہ نکاح شرعاً منعقد ہوجائے گا، لیکن یہ خلاف مستحب ہے (فتح القدیر ۳؍ ۲۵۵، البحرالرائق ۳؍ ۱۰۹)اور والدین کی نافرمانی کی صورت میں لڑکی گنہگار ہوگی۔

(ج) ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کے بعد ولی کی اجازت اور رد سے اس نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

"ويروى رجوع محمد إلى قولهما يعني ينعقد نكاحها عنده أيضاً بلا ولي ولا يتوقف على الإجازة" (العنایہ مع الفتح ۳؍ ۲۶۰)۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی نے اپنا نکاح اگر کفو میں کیا ہو تو حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق ولی اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار نہیں رکھتا (بدائع الصنائع ۲؍ ۵۱۵) لیکن اگر غیر کفو میں کیا ہو تو ولی اس نکاح پر اعتراض کرسکتا ہے، دوسرے فقہاء کے نزدیک "ولی" کے بغیر عاقلہ و بالغہ خود اپنا نکاح نہیں کرسکتی۔

۴- حنفیہ کے نزدیک نابالغ لڑکی کا نکاح اگر باپ دادا نے کرایا ہو تو بالاتفاق اس کو فسخ نکاح کا حق نہیں ہوگا، باپ دادا کے علاوہ کسی نے نکاح کرایا ہو تو خیار بلوغ حاصل ہوگا(ہدایہ مع الفتح ۳؍ ۲۷۷، ۲۷۸)۔

۵- لڑکی کو اگر پہلے سے معلوم ہو کہ باپ دادا کے علاوہ دوسرے کے نکاح کرانے سے خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے، تو بالغ ہونے کے بعد تھوڑی ہی دیر تک اس کا خیار بلوغ باقی رہے گا، اگر وہ

بالغ ہونے کے بعد خاموش ہی رہی تو یہ خیار ساقط ہوجائے گا، اس مجلس کے اخیر تک یہ اختیار باقی نہیں رہے گا۔

"ويبطل هذا الخيار في جانبها بالسكوت إذا كانت بكراً ولا يمتد في آخر المجلس، حتى لو سكتت كما بلغت وهي بكر بطل الخيار" (فتاوی ہندیہ ۲۸۶/۱)۔

قریب تر ولی کے رہتے ہوئے نسبتاً دور کے ولی نے نکاح کرایا تو قریب تر ولی کی اجازت پر یہ نکاح موقوف رہے گا۔

"وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضراً وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته" (فتاوی ہندیہ ۲۸۵/۱)۔

لیکن اگر ولی اقرب اتنا دور رہو کہ اس سے ربط کرنا مشکل ہو تو ولی ابعد کا نکاح کرانا درست ہوگا اور ولی اقرب کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا۔

۶- ولی نے لڑکی کا نکاح کرتے وقت اس کے مفادات کا لحاظ نہیں رکھا، بلکہ اپنے مفاد کی خاطر نامناسب جگہ لڑکی کی شادی کردی جس سے وہ مطمئن نہیں ہے، اس نے قاضی کے یہاں فسخ نکاح کا دعوی دائر کیا تو اگر ولی سوءِ اختیار میں مشہور ہو تو قاضی یہ نکاح فسخ کرسکتا ہے (ردالمحتار ۱۷۲/۴)۔

۷- ولی عصبات (مردمیں سے قریبی رشتہ دار) ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے ولایت کا حقدار بیٹا ہے، پھر باپ، پھر سگا بھائی، پھر باپ شریک بھائی، پھر سگے بھائی کا بیٹا (بھتیجا)، پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا، پھر سگا چچا، پھر سوتیلا چچا، پھر سگے چچا کا لڑکا، پھر سوتیلے چچا کا لڑکا، پھر باپ کے سگے چچا، پھر باپ کے سوتیلے چچا، پھر باپ کے سگے چچا کے لڑکے، پھر باپ کے سوتیلے چچا کے لڑکے، پھر دادا کے سگے چچا، پھر دادا کے سوتیلے چچا، پھر دادا کے سگے چچا کے لڑکے، پھر دادا کے سوتیلے چچا کے لڑکے، اخیر میں سلطان اور قاضی (البحرالرائق ۱۱۸/۳، ۱۱۹)۔

۸- اگر یکساں درجہ کے ایک سے زیادہ ولی ہوں تو نکاح درست ہونے کے لئے کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی، تمام کا متفق ہونا ضروری نہیں ہوگا (البحرالرائق ۱۲۹/۳)۔

نکاح میں ولایت کا مسئلہ

مفتی جمیل احمد نذیری☆

۱-ولایت کے اقسام اور ان کی شرائط:

ولایت کے لغوی معنی محبت ونصرت کے ہیں، ولایت کی فقہی تعریف یہ ہے: "تنفیذ القول علی الغیر شاء أو أبی" (درمختار ۲/۳۲۱، البحر الرائق ۳/۱۰۹) اپنی بات دوسرے پر نافذ کرنا، خواہ وہ اس بات کو پسند کرے یا نہ کرے۔

ولایت نفس کا اثبات چار طریقوں سے ہوتا ہے:

قرابت، ملک، ولاء، امامت (مسلم حکمراں یا اس کا نائب)۔

ولی عرفاً اللہ والا کہلاتا ہے، لیکن شرعاً ولی کی تعریف یہ ہے:

"البالغ العاقل الوارث ولوفاسقا علی المذهب ما لم یکن متهتکا" (درمختار مع ردالمحتار ۲/۳۲۱)۔

بالغ، عاقل، وارث اگرچہ فاسق ہو، مذہب صحیح کی بنیاد پر، جب تک متہتک نہ ہو۔

۲- درج ذیل افراد کے نکاح کا اختیار شریعت نے ولی کو دیا ہے:

۱-نابالغ، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، ۲-پاگل، ۳-غلام وباندی۔

نابالغ جب بالغ ہوجائے تو ولی کا اختیار ختم ہو جاتا ہے، "لانقطاع الولایة

☆ مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام، محلہ نواده، مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ۔

بالبلوغ" (درمختار ۲/ ۳۲۴)۔

(الف) ولایت کے باب میں لڑکا اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں ہے، بالغ ہوجانے سے دونوں پر ولی کی ولایت ختم ہوجاتی ہے۔

(ب) عاقلہ بالغہ خود اپنے نفس پر اختیار رکھتی ہے، وہ ولی کی مرضی کے بغیر نکاح کرسکتی ہے، بشرطیکہ کفو میں کیا ہو، یہ نکاح شرعاً منعقد ہوگا، لڑکی گنہگار نہ ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر الرائق ۳/ ۱۰۹، ردالمحتار ۲/ ۳۲۱)۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے جو نکاح ولی کی اجازت ومرضی کے بغیر کیا ہے، اگر کفو میں کیا ہے تو ولی اس سے اتفاق کرے یا نہ کرے، نکاح پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔

"وھو أی الولی شرط صحة نکاح صغیر و مجنون ورقیق لا مکلفة فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضا ولی" (درمختار ۲/ ۳۲۱، ۳۲۲)۔

(ولی کا ہونا، نابالغ، مجنون اور غلام کے نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے، عاقلہ بالغہ کے لئے شرط نہیں ہے، لہٰذا آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح بلا ولی کی رضامندی کے نافذ ہوجائے گا)۔

۳- اگر عاقلہ بالغہ نے اپنا نکاح غیر کفو میں کرلیا ہو تو اولیاء کو اعتراض کا حق ہے، وہ اس نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں، بلکہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایسا نکاح منعقد ہی نہ ہوگا (درمختار مع ردالمحتار ۲/ ۳۲۲-۳۲۴، فتح القدیر ۳/ ۱۵۷، البحر الرائق ۳/ ۱۱۰)۔

۴- نابالغی کے زمانہ کا نکاح اگر باپ، دادا نے کیا ہو تو بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو فسخ کا اختیار نہیں، اور دوسرے اولیاء نے کیا ہو تو فسخ کا اختیار ہے (ملاحظہ ہو: فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۸۵، ہدایہ ۲/ ۳۱۷)۔

۵- ایسی لڑکی کو بالغ ہوتے ہی اپنی ناخوشی ظاہر کردینی چاہئے، اگر تاخیر کردی تو حق ختم ہوجائے گا (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۸٦)۔

عام فقہی عبارتوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ "خیار بلوغ" سے ناواقفیت اور لاعلمی عذر نہ بنے گی، اور خیار ساقط ہوجائے گا، لیکن ہدایہ وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ان مقامات کے لئے

ہے جہاں احکام شرع سیکھنے کے خوب مواقع تھے، پھر بھی اس نے نہیں سیکھے، یہاں تک کہ خاص عورتوں سے متعلق مسائل بھی نہیں جانے، لہذا لاعلمی، کوتاہی اور غفلت کی دلیل ہوئی، عذر نہ ہوئی (ہدایہ ۲/۳۱۷، باب فی الأولیاء والاکفاء)۔

(لیکن جو دار، دارالاسلام نہ ہو، دارالحرب ہو، یا دارالحرب کی ہی کوئی قسم دارالأمن وغیرہ ہو، یا ایسے حالات میں اس کی پرورش ہوئی جہاں والدین کی غفلت یا کسی مجبوری کے نتیجہ میں وہ ان مسائل سے واقف نہ ہوسکی تو کیا اس "جہل" کو عذر تسلیم کیا جائے گا؟ اس پر اہل علم غور فرمائیں)۔

اگر قریب تر ولی زندہ ہو اور دور کے ولی نے نکاح کر دیا تو یہ نکاح قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل نیز اس سلسلہ میں غیبت منقطعہ کی تعریف اور مفتیٰ بہ قول کے لئے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۸۵، ہدایہ ۲/۳۱۹)۔

۶- باپ یا دادا نے لڑکی کا نکاح نابالغی کے زمانہ میں کیا اور یہ باپ، دادا معروف بسوء الاختیار تھے، ماجن وفاسق تھے لڑکی کے مفادات ومصالح کا انہوں نے لحاظ نہیں کیا، ایسی صورت میں اس لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ حاصل ہوگا، قاضی کے یہاں نکاح فسخ کرا سکتی ہے (جواہر الفقہ جلد ثانی ص ۱۱۳ تا ۱۲۰)۔

"وان عرف لا يصح النكاح اتفاقا، وكذا لو كان سكران فزوّجها من فاسق أو شرير أو فقير أو ذي حرفة دنيئة لظهور سوء اختياره فلا تعارضه شفقته المظنونة" (درمختار ۲/۳۳۰)۔

(اگر سوء اختیار معلوم ہو جائے تو نکاح بالاتفاق صحیح نہ ہوگا۔ یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب نشہ میں ہو اور اس کی شادی کسی فاسق یا شریر یا فقیر سے کر دی، یا ایسے پیشہ ور سے کر دی جو ذلیل پیشہ والا تھا، اس لئے کہ سوء اختیار ظاہر ہو گیا، لہذا اس کی وہ شفقت جو موہوم ہے اس سوء

اختیار کے معارض نہ ہوگی)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب واضح طور پر ثابت ہوجائے کہ باپ نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح پر نظر کئے بغیر کسی لالچ یا اپنے نفع کے لئے کر دیا ہے تو باپ کا سوء اختیار معروف اور غیر مشتبہ ہوگیا، اب اس کے کئے ہوئے نکاح کو لازم قرار دینے کی وہ علت باقی نہیں رہی جس کی بنا پر باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو دوسرے اولیاء سے امتیاز دیا گیا ہے، یعنی باپ دادا کا وافر شفقت اور اولاد کی منفعت پر گہری نظر ہونا (جواہر الفقہ ۲/ ۱۱۷، ۱۱۸)۔

صاحب درمختار نے سوء اختیار کی تشریح میں ''مجانۃ وفسقا'' لکھا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

''(قوله مجانة و فسقا) نصب على التمييز، وفي المغرب: الماجن الذى لا يبالي ما يصنع وما قيل له، ومصدره المجون، والمجانة اسم منه، والفعل من باب طلب۔ وفي شرح المجمع: حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده إجماعا'' (ردالمحتار ۲/ ۳۳۰)۔

۷- ولی بالترتیب درج ذیل لوگ ہیں:

باپ، دادا، پر دادا، سگا بھائی، سوتیلا بھائی، باپ شریک بھائی، سگا بھتیجا، باپ شریک بھتیجا، بھتیجے کا لڑکا، بھتیجے کا پوتا، سگا چچا، سوتیلا چچا، سگے چچا کا لڑکا، سگے چچا کا پوتا، سوتیلے چچا کا لڑکا، پھر اس کا پوتا۔

ان میں سے کوئی نہ ہو تو باپ کا چچا، پھر اس کی اولاد، اگر باپ کا چچا یا اس کے لڑکے پوتے وغیرہ نہ ہوں تو دادا کا چچا، پھر اس کے لڑکے، پوتے، پر پوتے وغیرہ۔

ان میں سے کوئی نہ ہو تو ترتیب اس طرح ہوگی ماں ولی ہے، دادی، نانی، نانا، حقیقی بہن، باپ شریک بہن، جو بھائی بہن ماں شریک ہوں، پھوپھی، خالہ وغیرہ (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۸۳،

بہشتی زیور ۴/ ۶ ولی کا بیان)۔

۸- اگر لڑکی کے یکساں درجہ کے کئی ولی ہوں تو صرف ایک کی اجازت کافی ہے، سب کا اتفاق ضروری نہیں ہے:

"فرضا البعض من الأولياء قبل العقد أو بعده كالكل لثبوته لكل كملا"(درمختار ۲/ ۳۲۳)۔

بعض اولیاء کا راضی ہونا، عقد سے پہلے ہو یا عقد کے بعد، سارے اولیاء کے راضی ہونے کی طرح ہے، اس لئے کہ حق ولایت ہر ایک کے لئے مکمل طور پر ثابت ہوتا ہے۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مفتی حبیب اللہ قاسمی ☆

۱- ولایت مصدر ہے، اس کا لغوی معنی محبت ونصرت ہے۔لیکن فقہ وشریعت کی اصطلاح میں اس کا مفہوم ہے دوسرے پر قول کو نافذ کرنا، خواہ یہ تنفیذ ذات میں ہو، یا مال میں، یا دونوں میں، چنانچہ صاحب درمختار ولایت کی تعریف میں رقم طراز ہیں:

''**والولاية تنفيذ القول على الغير تثبت بأربع: قرابة و ملك وولاء وامامة**'' (درمختار مع الشامی ۲/ ۲۹۶)۔

ولایت علی النفس کی شرطیں:

ولایت علی النفس کے باب میں کچھ شرائط ایسی ہیں جو ولی کے لئے ہیں اور کچھ شرائط مولی علیہ کے لئے ہیں۔

ولی کی شرائط یہ ہیں: ولی کا عاقل ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، وارث ہونا، لہذا بچہ، غلام، مجنون، مرتد ولی نہیں ہوسکتے، اسی طرح کافر مسلمان کا ولی نہیں ہوسکتا۔

مولی علیہ کی شرائط:

مولی علیہ سے متعلق شرائط ذکر کرنے سے قبل یہ امر قابل ذکر ہے کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ولایت اجبار والزام، ۲۔ولایت ندب واستحباب۔

☆ بانی ومہتمم، دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ۔

ولایت اجبار والزام کے لئے یہ شرط ہے کہ مولی علیہ نابالغ لڑکا یا لڑکی ہو، لہذا عاقل و بالغ پر خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، ولایت اجبار نہیں ہوگی البتہ ولایت ندب واستحباب ہوگی۔

"وأما الذی یرجع إلی المولی علیه فنقول: الولایة بالنسبة إلی المولی علیه نوعان: ولایة حتم وإیجاب وولایة ندب واستحباب۔

وأما ولایة الحتم والایجاب فشرط ثبوتها علی أصل أصحابنا کون المولی علیه صغیرا أو صغیرة أو مجنونا کبیرا أو مجنونة کبیرة سواء کانت الصغیرة بکرا أو ثیبا فلا تثبت هذه الولایة علی البالغ العاقل ولا علی البالغة العاقلة" (بدائع الصنائع للکاسانی ۲/ ۲۴۱)۔

نیز ضروری ہے کہ تصرف مولی علیہ کے حق میں نفع رساں وسودمند ہو، لہذا ضرر کی صورت میں تصرف نافذ نہیں ہوگا۔

"وأما الذی یرجع إلی نفس التصرف فهو أن یکون التصرف نافعا فی حق المولی علیه لا ضارا فی حقه" (بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۵)۔

۲- شریعت اسلامیہ نے نکاح ودیگر تصرفات کے سلسلہ میں عاقل بالغ آزاد کو خود مختار قرار دیا ہے، لہذا ان کو شریعت کے بیان کردہ رہنما اصول کے مطابق نکاح کرنے کا حق حاصل ہے۔

البتہ نابالغ لڑکا ولڑکی کے نکاح کا اختیار اولیاء کے حوالہ کیا گیا ہے۔

(الف) حضرات حنفیہ کے مسلک کے مطابق نابالغ لڑکا یا لڑکی کی ولایت میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی صغیر وصغیرہ کے اولیاء کو ولایت اجبار حاصل ہے، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک فرق ہے، انہوں نے ولایت اجبار کا مدار لڑکے کے بارے میں صغر اور لڑکی کے بارے میں باکرہ ہونے پر رکھا ہے۔

لہذا ثیبہ خواہ صغیرہ ہی ہو اس پر ان کے مسلک کے مطابق ولایت اجبار نہیں، جبکہ ہمارے مسلک کے مطابق ولایت اجبار حاصل ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۱)۔

(ب) عاقلہ بالغہ حرہ کو اپنے نفس پر اختیارات حاصل ہیں، لہٰذا ولی کی مرضی کے بغیر وہ اپنا نکاح کرسکتی ہے اور یہ نکاح صحیح ہے، اس میں شرعاً کوئی گناہ نہیں، لیکن اگر غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ نکاح کیا ہو تو ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے (درمختار ۲/۲۹۶۔۲۹۷)۔

(ج) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق عاقلہ بالغہ لڑکی کے اپنا نکاح خود کر لینے کی صورت میں خواہ بلا مرضی ہو نکاح درست ہے، لہٰذا اگر بعد میں ولی کو علم ہوا اس پر ولی نے اجازت دی یا رد کردیا، دونوں صورتوں میں نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، نکاح بحالہ صحیح و درست رہے گا (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۷ ہدایہ ۲/ ۲۹۳، باب فی الأولیاء والاکفاء)۔

۳- عاقلہ بالغہ آزاد لڑکی نے اگر خود اپنا نکاح کفو میں کیا ہے تو یہ نکاح درست و صحیح ہے، لیکن اگر اس نے غیر کفو میں نکاح کیا ہے تو اس میں فقہاء حنفیہ کی آراء مختلف ہیں، بعض حضرات کے نزدیک یہ نکاح بالکلیہ منعقد ہی نہیں ہوا یعنی فاسد و باطل ہے جبکہ دوسرے حضرات اس کی صحت وانعقاد کے قائل ہیں، البتہ انہوں نے اولیاء کو اعتراض کا حق دیا ہے کہ قاضی سے نکاح فسخ کرا کے اس کا کفو میں نکاح کردیں۔ صاحب درمختار نے دوسرے حضرات کے قول کو فساد زمانہ کی وجہ سے مختار للفتوی قرار دیا ہے، اسی طرح علامہ شامیؒ نے بھی دوسرے قول کو احوط یعنی زیادہ محتاط قرار دیا ہے، لیکن ظاہر الروایہ پہلا ہی قول ہے یعنی خواہ نکاح کفو میں کیا ہو یا غیر کفو میں، دونوں صورتوں میں نکاح درست و صحیح ہے، البتہ غیر کفو کی صورت میں اولیاء کو اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے (درمختار ۲/ ۲۹۷، ہدایہ ۲/ ۲۹۴، بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۷)۔

۴- صغیر یا صغیرہ کا نکاح نابالغی کے زمانہ میں کردیا گیا تو ان کو بلوغت کے بعد خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے، یعنی ان کو اختیار رہے کہ نابالغی کے زمانہ میں ولی کے منعقد کردہ نکاح کو فسخ کردیں یا برقرار رکھیں یعنی فسخ نہ کریں، لیکن خیار بلوغ اس وقت حاصل ہوگا جب کہ باپ یا دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے ان کا نکاح کرایا ہو، لہٰذا اگر باپ یا دادا نے نکاح کرایا ہو تو صغیر و صغیرہ کو خیار بلوغ

حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ باپ اور دادا کامل الرائے اور کامل الشفقت ہیں جبکہ دیگر اولیا ء ناقص الشفقت ہیں (ہدایہ ۲/ ۲۹۷ کتاب النکاح، فتاوی ہندیہ ۱/ ۳۰۴، کفایت المفتی ۵/ ۴۶-۴۷)۔

۵- نابالغ لڑکا یا لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے، اگر صغیرہ بالغ ہوگئی اور رد کرنا چاہ رہی ہے تو اس کو بعد البلوغ فوراً رد کرنے کا اختیار ہے، لہذا اگر وہ خاموش رہی تو یہ خیار ساقط ہوجائے گا، مجلس بلوغ کے اخیر تک یہ خیار حاصل نہیں ہوگا، اور اگر وہ بالغہ ثیبہ ہو تو بعد البلوغ اس کو خیار بلوغ اس وقت تک حاصل ہوگا جب تک کہ کوئی صراحۃً یا دلالۃً رضامندی معلوم نہ ہوجائے، بلوغ کے بعد محض سکوت سے یہ اختیار ساقط نہیں ہوگا، اسی طرح مجلس بلوغ سے اٹھ کر چلے جانے کی صورت میں بھی یہ اختیار ساقط نہ ہوگا (درمختار ۲/ ۳۰۹-۳۱۱، ہدایہ ۲/ ۲۹۷، فتاوی ہندیہ ۱/ ۳۰۴)۔

اگر ولی اقرب حاضر ہو اور ان کی موجودگی میں ولی ابعد صغیر یا صغیرہ کا نکاح کرائے تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر اقرب اجازت دیدے تو نافذ ہوجائے گا اور اگر ناراضگی کا اظہار کرے تو نافذ نہیں ہوگا (فتاوی ہندیہ ۱/ ۳۰۳، کفایت المفتی ۵/ ۴۷، درمختار ۲/ ۳۱۰)۔

اور اگر ولی اقرب کی غیوبت غیبت منقطعہ ہو تو پھر ولی ابعد کو نکاح کرانے کا اختیار حاصل ہے (ہدایہ ۲/ ۲۹۹)۔

۶- کتب فقہیہ کے مطالعہ سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں جو ہم ذیل کے سطور میں درج کررہے ہیں:

ولی یا تو باپ یا دادا ہوگا یا ان دونوں کے علاوہ دیگر اولیاء عصبہ یا ذوی الارحام ہوں گے، دونوں صورتوں میں حکم الگ الگ ہے، اگر ولی باپ یا دادا ہو اور اس نے صغیر یا صغیرہ کا نکاح غبن فاحش کے ساتھ کردیا، مثلاً غیر کفو میں نکاح کردیا یا مہر مثل سے کم میں نکاح کردیا تو ان دونوں کا کیا ہوا نکاح نافذ و صحیح ہے، بشرطیکہ یہ دونوں بداختیاری میں لوگوں کے درمیان مشہور نہ ہوں، لیکن اگر ان کی بداختیاری قبل العقد لوگوں کے درمیان مشہور ہو تو یہ نکاح نافذ نہیں ہوگا۔

مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ باپ یا دادا کے علاوہ دیگر اولیاء نے صغیر یا صغیرہ کا نکاح غبن فاحش کے ساتھ کیا تو یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا۔مندرجہ بالا تفصیل سے سوال نمبر ٦ کا جواب خود بخود حل ہوگیا۔

معروف بسوء الاختیار، ماجن، فاسق متہتک، ولی کے معروف بسوء الاختیار سے مراد یہ ہے کہ ولی کی بداختیاری اس عقد سے قبل لوگوں کے درمیان معروف ومشہور ہو، مثلاً وہ فاسق ہو یا ماجن ہو یا لالچی ہو یا بیوقوف ہو۔

فاسق اس کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور ماجن اس کو کہتے ہیں جو اپنے فعل کی پرواہ نہ کرے، اور اگر اس کو کچھ کہا جائے تب بھی وہ اس کی کوئی پرواہ نہ کرے یعنی وہ ہلکے دماغ کا ہو (دیکھئے شامی ۲/۳۰۴)۔

۷- نکاح کے معاملہ میں حقیقتاً واصلاً ولی عصبات ہیں اور ان میں الاقرب فالاقرب کی ترتیب ہوگی، لہٰذا سب سے پہلے ولی عصبہ بنفسہ ہے، اس کے بعد عصبہ بغیرہ، اس کے بعد عصبہ مع غیرہ، اور اگر عصبات موجود نہ ہوں تو ذوی الارحام کو الاقرب فالاقرب کے اعتبار سے ولی قرار دیا جائے گا، اور اگر ذوی الارحام بھی موجود نہ ہوں تو بادشاہ وقت، پھر قاضی (درمختار ۲/۳۱۱-۳۱۳، ہدایہ ۲/۲۹۶)۔

۸- اگر کسی لڑکی کے یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں تو ایک یا بعض ولی کی اجازت سے نکاح صحیح ودرست ہے، تمام مساوی اولیاء کا اتفاق ضروری نہیں، اس لئے کہ اس میں تجزی نہیں ہے۔

"فرضا البعض من الأولياء قبل العقد أو بعده كالكل لثبوته لكل كملا لو استووا في المرجة" (درمختار علی الشامی ۲/۲۹۸)۔

☆☆☆

نکاح میں ولایت کا مسئلہ

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی☆

اس میں شبہ نہیں کہ نکاح سماجی زندگی کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب اللہ میں ازدواجی زندگی کے مختلف مسائل کے حل کے سلسلہ میں سماجی اقدار، باہم صلاح ومشورہ کے ذریعہ معاملہ طے کرنے اور صحت مند رسم ورواج کے اختیار کرنے کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، مثلاً:

۱۔حقوق زوجین کے سلسلہ میں ارشاد ہے: ''**ولهنّ مثل الذی علیهنّ بالمعروف**'' (سورہ بقرہ/۲۲۸)۔

۲۔طلاق کے بعد روک لینے یا جدا کر دینے کی ہدایت میں معروف کی پیروی ہونی چاہئے۔

''...**فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان**'' (سورۃ البقرہ/۲۲۹)،

''**فأمسکوهنّ بمعروف أو سرّحوهنّ بمعروف**'' (سورۃ البقرہ/۲۳۱)۔

''**فإذا بلغن أجلهنّ فأمسکوهنّ بمعروف أو فارقوهنّ بمعروف**'' (سورۃ الطلاق/۲)۔

۳۔مطلقہ عورت کو اپنے سابق شوہروں سے نکاح سے روکا نہ جائے اگر وہ معروف کے مطابق نکاح کرنے پر رضامند ہوجائیں ''**فلا تعضلوهنّ أن ینکحن أزواجهنّ إذا تراضوا بینهم بالمعروف**'' (سورۃ البقرہ/۲۳۲)۔

۴۔نان ونفقہ کے سلسلہ میں ہے: ''**وعلی المولود له رزقهنّ وکسوتهنّ**

☆ کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی، جدہ، سعودی عربیہ۔

بالمعروف"(سورۃ البقرہ/۲۳۳)۔

"**ومتّعوهنّ على الموسع قدره و على المقترقدره متاعاً بالمعروف**"
(سورۃ البقرہ/۲۳۶)۔

"**وللمطلّقات متاع بالمعروف حقاً على المتقين**"(سورۃ البقرہ/۲۴۱)۔

۵۔مطلقہ سابق شوہر کے گھر زمانہ عدت میں قیام کرنے کے بجائے خود وہاں سے نکل جائے،اس سلسلہ میں ارشاد ہے:

"**فإن خرجن فلا جناح عليكم في ما فعلن في أنفسهنّ من معروف**"
(سورۃ بقرہ/۲۴۰)۔

۶۔عورتوں کے ساتھ معاشرت معروف کے مطابق ہو:"**وعاشروهنّ بالمعروف**"(سورۃ النساء/۱۹)۔

۷۔ادائیگی مہر معروف کے مطابق ہو۔"**وآتوهنّ أجورهنّ بالمعروف**" (سورہ نساء/۲۵)۔

"**فلا جناح عليكم إذا سلّمتم ما آتيتم بالمعروف**"(سورۃ بقرہ/۲۳۳)۔

۸۔رضاعت کے سلسلہ میں باہم مشورہ سے معاملہ طے ہو۔

"**فإن أرضعن لكم فآتوهنّ أجورهنّ وأتمروا بينكم بمعروف**" (سورہ طلاق/۶)۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ازدواجی معاملات میں معروف (صحت مند رسم و رواج یا عرف و عادت) کو اپنانا (جہاں کوئی واضح حکم نہ ہو) عین مطلوب شریعت ہے۔

سماجی اقدار اور عرف و عادات کے تحت طے ہونے والے کسی عہد کے مسائل کا بدلتے ہوئے حالات میں غیر موافق ہو جانا کسی طرح تعجب خیز نہیں ہے۔ان مسائل کو از سر نو طے کرنے

کے لئے وہی منہج وطریقہ کار اپنانا ہوگا جو دور اول کے علماء ومجتہدین نے اپنایا، یعنی قرآن وحدیث کی روشنی میں موجودہ عرف وعادات اور معروف کا اعتبار کرتے ہوئے حل تلاش کیا جائے۔

راقم کے نزدیک ولایت وکفاءت کے مسئلہ میں دور اول کے فقہاء نے جو حدود وقیود طے کئے ہیں ان میں بڑی حد تک اس دور کی سماجی قدروں اور عرف وعادت کو دخل رہا ہے۔ عصر حاضر میں سماجی قدروں میں تبدیلیوں کی وجہ سے ولایت وکفاءت سے متعلق بعض مسائل کا اٹھ کھڑا ہونا اسی وجہ سے ہے، اور ان کے حل کے سلسلہ میں موجودہ سماجی قدروں اور اس وقت کے معروف کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ولایت سے متعلق سوالات کا جواب دیتے وقت یہ بات ذہن میں مستحضر ہونی چاہئے کہ نکاح کے لئے ولایت کو شرط قرار دینے کے سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ کوئی براہ راست نص نہیں ہے، بلکہ کوئی ایسی آیت یا صحیح حدیث بھی نہیں ہے جو اس بابت بالکل ظاہر ہو۔ جن آیات و احادیث سے اس سلسلہ میں استدلال کیا جاتا ہے ان کے اندر عدم اشتراط کے معنی کا پورا پورا احتمال ہے، یہ صحیح ہے کہ بعض احادیث ولایت کے معنی میں ہیں لیکن ان کی صحت کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

ولایت کی شرط کے سلسلہ میں جن آیات سے استدلال کیا گیا ہے ان میں سب سے نمایاں آیت ہے: "**فلا تعضلوهنّ أن ينكحن أزواجهنّ**" (سورہ بقرہ/ ۲۳۲) حالانکہ اس آیت میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ ان عورتوں کے لئے ان کے رشتہ دار اپنے شوہروں سے نکاح کرنے میں رکاوٹ نہ پیدا کریں۔ عضل کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ صحت عقد میں اولیاء کی اجازت شرط ہے بلکہ اس کے مخالف معنی کا زیادہ احتمال ہے، اسی طرح ایک دوسری آیت جس سے استدلال کیا جاتا ہے وہ ہے: "**ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا**" (سورہ بقرہ/ ۲۲۱) جو اصحاب ولایت کو شرط قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس آیت میں خطاب اولیاء سے ہے، جو اس کے قائل نہیں ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس میں خطاب اولی الامر یا تمام مسلمانوں سے ہے، اگر یہ

کہا جائے کہ اس میں اولیاء بھی شامل ہیں تو یہ ممانعت تو شریعت کی عائد کردہ ہے، اس میں اولیاء کو کوئی دخل نہیں ہے، اگر صرف اولیاء سے خطاب مانا جائے تو اس پر عمل درآمد مشکل ہوتا جب تک اولیاء کی اقسام، صفات اور مراتب نہ بیان کردیئے جاتے، اور ایسا ہوا نہیں۔

دوسری طرف کئی آیتیں ایسی ہیں جن میں اولیاء کو نظر انداز کرکے نکاح کا فعل خود عورتوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے، مثلاً: "**فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهنّ بالمعروف**" (سورہ بقرہ/ ۲۳۴) یا خود مذکورہ بالا آیت "**.....أن ينكحن أزواجهنّ**" (سورہ بقرہ/ ۲۳۴) یا آیت "**.....حتى تنكح زوجاً غيره**" (سورہ بقرہ/ ۲۳۰)۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں ایک حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ:

"**أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل ثلاث مرات، وإن دخل بها فالمهر لها بما أصاب منها فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له**"۔

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے حدیث حسن کہا ہے، جب کہ بعض دوسروں نے اس کی صحت میں اختلاف کیا ہے، اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے صرف حصول اذن ضروری قرار پاتا ہے نہ کہ ولی کے ذریعہ نکاح کرنا۔

اشتراط ولی کی حمایت میں حضرت ابن عباسؓ کی درج ذیل حدیث بھی پیش کی جاتی ہے:

"**الأيم أحقّ بنفسها والبكر تستأمر في نفسها وإذنها صماتها**"۔

حالانکہ اس میں صرف ثیب اور بکر کے درمیان فرق کرنے کی بات کہی گئی ہے، لیکن اگر دونوں کی رائے معلوم کی جائے اور ولی ان کا نکاح کرائے تو "**الأيم أحقّ بنفسها من وليّها**" کا حاصل کیا ہوا؟

حضرت ابن عباسؓ کی ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے: "**لانكاح إلا بولي**

وشاهدی عدل" لیکن اس کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے، اسی طرح حضرت ام سلمہؓ سے حضور پاک ﷺ کے نکاح کے سلسلہ میں ان کے بیٹے کو ولی بنانے والی حدیث کی صحت بھی مشکوک ہے۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ ولی کے اشتراط کے سلسلہ میں کوئی مضبوط بات ہوتی تو تواتر کے ساتھ مروی ہوتی، کیونکہ اس سے ہر وقت اور ہر جگہ سابقہ پیش آتا رہا ہے۔

مندرجہ بالا تمہید کا مطلب یہ نہیں کہ ولایت کا نظام غیر شرعی یا غیر مفید ہے، بے شک اس کی ضرورت کے لئے شرعی و عقلی دلائل ہیں، جس طرح ملک کے نظم و نسق چلانے کے لئے اور اس کے مسائل کو حل کرنے کے لئے امیر یا حاکم کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح خاندان کے نظام کو چلانے کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے، مگر اس کو ایسے اختیارات نہیں دیئے جا سکتے جو شریعت یا عرف و عادت کے خلاف ہوں۔ ان معروضات کے بعد دیئے گئے سوالوں کے جوابات پیش ہیں:

۱- ولایت کے معنی معاملہ کا ذمہ دار ہونا یا سرپرستی و نگرانی کے ہیں، ولایت کے لئے اسلام، بلوغ اور ذکوریت کے شرائط پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ ان کے علاوہ حریت، رشد اور عدالت جیسے صفات بھی شرط ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۲- اسلامی شریعت نے ہر عاقل و بالغ مرد و عورت کو نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے، البتہ بالغ باکرہ عورت کے سلسلہ میں اولیاء رائے معلوم کر کے اس ذمہ داری کو انجام دیں، کیونکہ عام طور پر ان کے اندر اس طرح کے اقدام میں حیا مانع ہوتی ہے، لیکن اگر معاشرہ میں اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا ہو یعنی یہ معروف بن جائے تو اس کو بھی یہ حق دیا جا سکتا ہے۔

(الف) لڑکا ہو یا لڑکی، اولیاء اور ان کے ماتحتوں کے باہم رائے مشورہ اور ایک دوسرے کے جذبات کو سمجھتے ہوئے نکاح کو انجام دینا چاہئے، جہاں تک اس میں ذکور و اناث کے درمیان فرق کرنے کا سوال ہے یہ معروف کے مطابق کیا جائے گا۔ احادیث سے اشارہ ملتا ہے

کہ ثیب کو کافی آزادی حاصل ہے جبکہ باکرہ کے سلسلہ میں ولی کو فعال ہونا چاہئے، ہمارے ہندوستانی معاشرہ میں ثیب بھی اسی طرح ولی کی محتاج ہے جس طرح باکرہ، بلکہ اس سے زیادہ۔ لڑکوں کے سلسلہ میں اس طرح کا فرق نہیں ہے۔

(ب) عاقلہ بالغہ کو اصلاً اختیار حاصل ہے کہ اپنا نکاح خود کرے اگر سماجی قدریں اور عرف و عادت اجازت دیتے ہوں جیسا کہ مغربی معاشرہ میں ہے۔ مشرقی معاشرہ میں یہ چیز کراہت سے خالی نہیں ہوگی، تاہم شرعاً نکاح ہوجائے گا۔

(ج) ولی کی اجازت یا رد کا اس طرح کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑنا چاہئے۔

۳- کسی زمانہ کی قدریں اولیاء کو اس طرح کے نکاح پر اعتراض اور قاضی کے ذریعہ فسخ کی اجازت دیتی رہی ہوں، فی زمانہ اس میں خیر کی بہ نسبت شر کا پہلو غالب ہے۔

۴- بالکل فسخ کرا سکتی ہے، اسے خیار بلوغ حاصل ہوگا۔

۵- خیار بلوغ کا حق لڑکی کو علامت بلوغ یعنی پہلی بار رؤیت دم کے وقت حاصل ہوتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ دوسرے حیض کے آنے تک رہنا چاہئے، یا اس سے پہلے اس کے کسی عمل سے قبولیت و موافقت کا اظہار ہوجائے۔

قریب تر ولی زندہ ہو اور دور کے ولی نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ان کی مرضی سے کیا ہو تو صحیح اور نافذ ہوگا ورنہ نہیں، نابالغ کا نہیں ہوگا۔

۶- مذکورہ صورت میں قاضی نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔

۷- ولایت کا سب سے زیادہ حقدار باپ ہوتا ہے، اس کے بعد شریعت نے اولیاء کی کوئی ترتیب نہیں مقرر کی ہے۔ باپ کی غیر موجودگی میں گھر اور خاندان کے بڑے بوڑھے (Head of the family) جیسے دادا، چچا وغیرہ جن کی امارت سب تسلیم کرتے ہوں اور جو گھر کا خرچ چلاتے ہوں (بما أنفقوا....) اور جن کی کفالت میں لڑکی / لڑکا ہو وہ ولی ہوگا۔

۸- جس طرح کسی جماعت کا ایک سے زیادہ امام نہیں ہوسکتا اسی طرح برابر درجہ کے کئی ولی نہیں ہو سکتے، خواہ وہ رشتہ دار ہوں، کیونکہ معاملہ فہمی، خاندان میں اثر و رسوخ، لڑکی لڑکے پر خرچ کرنے اور توجہ دینے میں سب برابر نہیں ہو سکتے، ان معیارات پر جو پورا اترتا ہو وہی ولی قرار پانا چاہئے۔ اس کے طے کرنے میں معروف کو بھی کافی دخل ہوگا، کیونکہ شریعت میں اس طرف کوئی مخصوص رہنمائی نہیں کی گئی ہے۔

☆☆☆

ولایت فی النکاح کا مسئلہ

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

انسانی زندگی میں بعض ایسے حالات بھی ہوتے ہیں کہ انسان اپنے معاملات کو انجام دینے اور ان کے بارے میں مناسب فیصلہ کرنے سے قاصر اور دوسروں کے تعاون کا محتاج رہتا ہے، اسی لئے شریعت اسلامیہ نے ولایت کا نظام قائم فرمایا تا کہ معاشرہ کے اس طرح کے افراد خسارے اور ضرر سے محفوظ رہ سکیں۔

۱- ولایت کا مفہوم اور ولایت علی النفس کی شرطیں:

شریعت اسلامی میں ولایت سے مراد یہ ہے کہ کسی بات کو دوسرے شخص پر نافذ کر دیا جائے، خواہ وہ شخص اس پر راضی ہو یا نہ ہو، سید شریف جرجانی نے اپنی تصنیف کتاب التعریفات میں تحریر فرمایا ہے:

''الولاية في الشرع تنفيذ القول على الغير شاء الغير أو أبى'' (کتاب التعریفات ر ۲۵۴، البحر الرائق ۳ر ۱۱۷، عنایہ ۲ر ۳۵۲)۔

ولایت فی النکاح کی دو قسمیں ہیں: ولایت استحباب اور ولایت اجبار۔ ولایت استحباب سے مراد وہ ولایت ہے جو عاقل بالغ عورت پر ہو خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اور ولایت اجبار سے مراد وہ ولایت ہے جو نابالغ لڑکی پر ہو، خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اسی طرح یہ ولایت اس بالغ عورت پر بھی ہوتی ہے جو باندی ہو یا مجنون۔

☆ مظہر العلوم، وارانسی (یوپی)۔

البحر الرائق میں ہے:"وهي في النكاح نوعان: ولاية ندب واستحباب: وهي الولاية على العاقلة البالغة بكرا كانت أو ثيبا، و ولاية اجبار: وهي الولاية على الصغيرة بكرا كانت أو ثيبا وكذا لكبيرة المعتوهة والمرقوقة" (البحر الرائق ۱۱۷/۳)۔

صاحب بدائع الصنائع ولایت اجبار کے تعلق سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فشرط ثبوتها على أصل أصحابنا كون المولى عليه صغيرا أو صغيرة أو مجنونا كبيرا أو مجنونة كبيرة سواء كانت الصغيرة بكراً أو ثيباً" (بدائع الصنائع ۲۴۱/۲)۔

پھر ولایت علی النفس کے لئے آدمی کا آزاد ہونا، بالغ ہونا اور عاقل ہونا ضروری ہے، اسی وجہ سے غلام، نابالغ اور مجنون کو اپنے معاملات میں از خود تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"الأسباب الموجبة للحجر ثلاثة: الصغر والرق والجنون، فلا يجوز تصرف الصغير إلا بإذن وليّه، ولا تصرف العبد إلا بإذن سيده، ولا يجوز تصرف المجنون المغلوب بحال" (ہدایہ ۳۵۲/۳)۔

اور یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو دوسروں پر ولایت حاصل نہیں ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

"ولا ولاية لصغير و عبد و مجنون، لأنه لا ولاية لهم على أنفسهم، فأولى أن لا يثبت على غيرهم" (البحر الرائق ۱۲۳/۳، مجمع الانہر شرح ملتقی الأبحر ۳۳۷/۱)۔

۲- نکاح کرنے کا اختیار کس کو ہے؟

اسلام نے عاقل، بالغ آزاد مرد وعورت کو پورا پورا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنا نکاح اپنی مرضی سے کریں، اس میں ولی کے واسطے کی شرط نہیں ہے، لیکن اگر لڑکا یا لڑکی نابالغ، غلام یا مجنون ہوں تو ان کے نکاح کرنے کا حق ان کے اولیاء کو حاصل ہے، اس سلسلے کی مزید تفصیلات کچھ اس

طرح ہیں:

(الف)جب تک لڑکا نابالغ رہتا ہے ولی کی ولایت اس پر باقی رہتی ہے،اوراس کے بالغ ہوتے ہی ولی کی ولایت ختم ہوجاتی ہے، نہ اس پر ولایت اجبار رہتی ہے اور نہ ولایت استحباب، بلکہ وہ ازخود تصرف کرنے کا مجاز ہوجاتا ہے،کسی اور کی رضا کا محتاج نہیں رہتا،برخلاف لڑکی کے کہ وہ جب تک نابالغ رہتی ہے اس پر ولایت اجبار رہتی ہے اوراس کے بالغ ہوجانے کے بعد ولایت استحباب،جیسا کہ فقہاء کرام نے ولایت استحباب کی تصریح "وهي الولاية على العاقلة البالغة بكراً كانت أو ثيباً" سے فرمائی ہے(البحرالرائق ۳؍۱۱۷)۔

(ب)عاقل بالغ لڑکی ازخود نکاح کرسکتی ہے،اس میں ولی کی رضامندی شرط نہیں ہے،اور نہ شرعاً اس میں کوئی قباحت ہے، اور نہ وہ لڑکی ازروئے شرع گناہگار رہی ہوگی۔ہدایہ میں ہے:

"ينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم يعقد عليها الولي بكراً كانت أو ثيباً"(ہدایہ ۲؍۲۸۳،نیز درمختار ۲؍۳۲۲)۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی کسی عاقل بالغ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہیں کرسکتا۔

"لا تجبر بالغة على النكاح أي لا ينفذ عقد الولي عليها بغير رضاها" (البحرالرائق ۳؍۱۱۰،جامع الرموز ۲؍۲۵۳، إعلاء السنن ۲؍۶۷-۷۷، ۱۱؍۶۷)۔

(ج)اگر عاقلہ بالغہ نے اپنے ولی کی مرضی کے بغیر کفو میں نکاح کرلیا ہے تو وہ نکاح صحیح اور درست ہوگا،ولی کی اجازت وعدم اجازت کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا،یہی وجہ ہے کہ اگر ولی کسی کفو سے نکاح کرنا چاہتا ہے،مگرلڑکی اس سے راضی نہیں ہے تولڑکی کو مجبور نہیں کیاجائے گا، لیکن اگرلڑکی کسی کفو سے اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے اورولی اس سے راضی نہیں ہے تو ولی کو مجبور کیا جائے گا اورلڑکی کی مرضی کے مطابق عقد ہوگا،چنانچہ علامہ نووی نے ارشاد نبوی ﷺ "الأيم

أحقّ بنفسها من وليّها'' کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے:

''إن لها في نفسها في النكاح حقا ولوليّها حقا و حقها أوكد من حقه، فإنه لو أراد تزويجها كفؤا وامتنعت لم تجبر ولو أرادت أن تتزوج كفؤا فامتنع الولي أجبر، فإن أصرّ زوجها القاضي فدلّ على تأكد حقها ورجحانه'' (تحفۃ الأحوذی ۴/۲۰۶)۔

۳-ولی کو حق اعتراض کب حاصل ہوتا ہے؟

اگر کسی عاقل بالغ لڑکی نے اپنا نکاح از خود کسی کفو سے کرلیا ہے تو وہ نکاح صحیح ہے اور ولی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر کسی غیر کفو سے نکاح کرلیا ہے تو اس پر ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے اور وہ قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کر کے فسخ کراسکتا ہے۔

جامع الرموز میں ہے: ''نفذ نكاح حرة مكلفة من غير كفوء بلا ولي، وله الاعتراض ههنا'' (جامع الرموز ۲/۲۵۳، نیز فتاوی قاضی خاں ۱/۱۶۲)۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر کفو سے کیا ہوا نکاح بھی منعقد ہو جاتا ہے، مگر ولی کو حق اعتراض حاصل رہتا ہے، جبکہ امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ غیر کفو سے کیا ہوا نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔ البحر الرائق میں ہے:

''روى الحسن عن الإمام انه إن كان الزوج كفؤا نفذ نكاحها وإلا فلم ينعقد أصلا'' (البحر الرائق ۳/۱۱۰)۔

اور ہمارے اکثر مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور اسی پر فتوی دیا ہے (جامع الرموز ۲/۲۵۳)، نیز اسی کو اقرب إلی الاحتیاط بتایا ہے (درمختار ۲/۳۲۳)۔ صاحب درمختار نے بھی اسی کو مختار کہا ہے (۲/۳۲۳)۔

۴-خیار بلوغ کا مسئلہ:

اگر کسی نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے باپ دادا نے کیا ہے اور وہ لڑکی اس نکاح سے

راضی نہیں ہے تو اسے خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا، لیکن اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے اس کا نکاح کیا ہے تو اس کو اختیار رہوگا کہ بالغ ہوتے ہی اس نکاح کو باقی رکھے یا قاضی کے ذریعہ فسخ کرادے۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے:

"وإذا بلغ الصغير أو الصغيرة وقد زوجهما الأب أو الجد لا خيار لهما، ولهما خيار البلوغ في نكاح غير الأب والجد عند أبي حنيفة و محمد، و قال أبو يوسف: لا خيار لهما" (فتاویٰ قاضی خاں ۱/ ۱۶۴، نیز فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۸۵، البحر الرائق ۳/ ۱۲۰)۔

۵- خیار بلوغ کب تک رہتا ہے؟

خیار بلوغ کا حق لڑکی کے بالغ ہوتے ہی حاصل ہو جاتا ہے، اگر وہ باکرہ ہے تو اسے اپنا حق اختیار فوراً بلا تاخیر حاصل کرنا چاہئے، ورنہ تھوڑے سے سکوت سے بھی اس کا وہ اختیار ختم ہو جائے گا، اور اگر وہ ثیبہ ہے تو اس کا اختیار سکوت یا مجلس سے اٹھ کھڑے ہونے سے باطل نہیں ہوتا، تاوقتیکہ وہ اس نکاح پر اپنی رضامندی کا صراحۃً اظہار نہ کردے، یا اس سے کوئی ایسا فعل نہ صادر ہو جائے جس سے رضامندی کا پتہ چلتا ہو، جیسے جماع پر قدرت دینا یا نفقہ کا مطالبہ کرنا وغیرہ۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

"وإذا بلغت وهي بكر فسكتت ساعة بطل خيارها، فإن اختارت نفسها كما بلغت وأشهدت على ذلک صح" (فتاوی قاضی خاں ۱/ ۱۶۴، نیز دیکھئے: فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۸۶)۔

اگر ولی اقرب موجود ہو اور ولی ابعد نے زیر ولایت لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا تو وہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا، اور اگر ولی اقرب "غیبۃ منقطعہ" کے طور پر غائب ہو گیا ہو تو ولی ابعد کا نکاح صحیح ہو جائے گا۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

"وإن زوجهما الأبعد والأقرب حاضر يتوقف على إجازة الأقرب، وإن كان الأقرب غائبا غيبة منقطعة جاز إنكاح الأبعد عندنا" (قاضی خاں ۱/ ۱۶۳، نیز فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۸۵)۔

۶-باپ کے معروف بسوء الاختیار ہونے کا مطلب:

اگر باپ نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کیا، اور بعد میں پتہ چلا کہ اس نے اپنے اختیار کا غلط استعمال کیا ہے اور لڑکی کی مصلحتوں کو یکسر نظر انداز کر کے صرف اپنے مفادات کا لحاظ کرتے ہوئے کسی غیر مناسب جگہ نکاح کر دیا ہے تو اس صورت میں یہ نکاح نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ باپ سوء اختیار کے ساتھ مشہور ہونے کے بعد مسلوب الولایۃ ہو جاتا ہے۔

رد المحتار میں ہے:

"وفي شرح المجمع: حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده إجماعا" (رد المحتار ۲/ ۳۳۰، ۲/ ۳۲۱، جامع الرموز ۲/ ۲۵۷، در المنتقی ۱/ ۳۳۸، بوادر النوادر ۲/ ۹۶، جواہر الفقہ ۲/ ۱۱۵)۔

لیکن یہ اسی صورت میں ہے جبکہ باپ سوء اختیار کے ساتھ شہرت پا چکا ہو، اس لئے یہ واضح ہو جانا ازحد ضروری ہے کہ باپ کے معروف بسوء الاختیار ہونے سے مراد یہ ہے کہ کم از کم ایک بار ایسا ہو چکا ہو کہ اس نے لڑکی کے مفاد کا لحاظ کئے بغیر ہی نکاح کر دیا ہو، اس لئے کہ اس کے بغیر اس غلط ذہنیت کا اندازہ لگانا اور اس کا معروف بسوء الاختیار ثابت ہونا بہت مشکل ہے، ظاہر ہے کہ اس کے معروف بسوء الاختیار ثابت ہونے کے بعد ہی اس کی ولایت سلب ہوسکتی ہے نہ کہ اس سے پہلے، لہٰذا سوء اختیار سے کیا گیا پہلا نکاح اس لئے ہو جائے گا کہ اس کی اس تعلق سے کوئی شہرت پہلے سے نہیں رہی ہے لیکن دوسری لڑکی کا نکاح ہرگز نہیں ہوگا اس وجہ سے کہ وہ اب معروف بسوء الاختیار ہو چکا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۲/ ۳۳۰، جواہر الفقہ ۲/ ۱۱۵)۔

۷-ولی فی النکاح سے مراد:

نکاح میں ولی سے مراد عصبات ہیں۔ہدایہ میں ہے: **الولي هو العصبة** (ہدایہ ۲/۲۸۴)۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

"قوله النكاح إلى العصبات"وأقرب العصبات إلى الصغير والصغيرة الأب ثم الجد أب الأب وإن علا والابن من العصبة" (فتاویٰ قاضی خاں ۱/ ۱۶۳)۔

اور ان کے اولیاء کے درمیان ترتیب، وراثت کی ترتیب کی طرح ہے۔ہدایہ میں ہے:

"الترتيب في العصبات في ولاية النكاح كالترتيب في الإرث والأبعد محجوب بالأقرب" (ہدایہ ۲/ ۲۸۵)۔

۸-اگر ایک درجہ کے کئی ولی ہوں:

اگر ایک درجہ کے کئی ولی ہوں تو جس نے بھی پہلے نکاح کردیا اس کا نکاح صحیح ہوجائے گا، دیگر تمام اولیاء کا اس سے اتفاق ضروری نہیں ہے۔

"وإذا اجتمع فى الصغير و الصغيرة وليان فى الدرجة على السواء فزوّج أحدهما جاز، أجاز الآخر أو فسخ" (البحر الرائق ۳/ ۱۱۹، اور دیکھئے: فتاوی قاضی خاں ۱/ ۱۶۲، الجوہرۃ النیرۃ ۲/ ۴۷)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت پر ایک نظر

مولانا عطاء اللہ قاسمی ☆

۱-ولایت کا مفہوم:

شریعت اسلامیہ میں "ولایت" اس حیثیت و مرتبہ کا نام ہے جس کی وجہ سے دوسرے لوگ اس کے قول اور حکم کے مکلف ہوتے ہیں اور اس میں ان کی رضا و انکار کا دخل نہیں ہوتا۔ **والولاية تنفيذ القول على الغير شاء أو أبى** (تنویر الابصار مع الشامی ۲/ ۳۲۱)۔ یہ حیثیت و مرتبہ چار وجوہ سے ثابت ہوتی ہے: رشتہ، ملکیت، آزادی، امامت۔

شرائط ولایت:

"وشرعا (البالغ العاقل الوارث) ولو فاسقا على المذهب مالم يكن متهتكا وخرج نحو صبي ووصي مطلقا على المذهب" (درمختار مع التنویر ۲/ ۳۲۱)۔

ولایت علی النفس کے لئے فقہاء کرام نے تین شرطیں بیان کی ہیں:

۱۔بلوغت، ۲۔عقل، ۳۔وراثت۔

أما شرائط ثبوت هذه الولاية........فأنواع منها عقل الولي ومنها بلوغه.......ومنها أن يكون ممن يرث الخروج (بدائع الصنائع ۲/ ۲۳۹)۔

۲- اسلامی شریعت نے عاقل بالغ (لڑکا یا لڑکی) کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے،

☆ استاذ جامعہ عربیہ امداد العلوم، کوپا گنج، ضلع مئو، (یوپی)۔

اورصغیر ومجنون کا نکاح اولیاء کے حوالہ کیا ہے۔

(الف)ولایت کے بارے میں لڑکی اور لڑکے میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کی ولایت بلوغت سے ختم ہوتی ہے۔

(ب) نکاح کے بارے میں عاقلہ بالغہ لڑکی بااختیار ہے وہ اپنا نکاح خود کرسکتی ہے، اس کا کیا ہوا نکاح منعقد ہوگا، لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ ولی کے مشورے اور اس کی مرضی کی پابندی کرے(ردالمحتار ۲/ ۳۲۱)۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت ومرضی کے بغیر اپنا نکاح کرلیا، اور جب ولی کو اس نکاح کا علم ہوا تو اس کی اجازت ورد کا اس نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا(بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۱)۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی نے اگر کفو میں اور مہر مثل پر از خود نکاح کیا ہے تو اولیاء کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے، اور نہ ہی اسے بذریعہ قاضی فسخ کرا سکتے ہیں۔

”فأما أبوحنيفة فقال: إذا وضعت نفسها في كفاء ة ولم تقصر في نفسها في صداق فالنكاح جائز“ (مؤطا امام محمد/ ۲۴۹)۔

۴- زیرولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں کردیا، لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو وہ نکاح فسخ کرا سکتی ہے بشرطیکہ یہ نکاح باپ دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء نے کیا ہو، اس سلسلہ میں باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح اور دوسرے اولیاء کے کئے ہوئے نکاح میں لزوم اور عدم لزوم کا فرق ہے۔ **”أما شرائط اللزوم: فأنواع منها أن يكون الولي في إنكاح الصغير والصغيرة هو الأب والجد۔ فإن كان غير الأب والجد من الأولياء كالأخ والعم لا يلزم النكاح حتى يثبت لهما الخيار بعد البلوغ“**(بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۵)۔

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

اور باپ دادا کے بعد بھائی چچا وغیرہ کو بترتیب حق ولایت پہنچتا ہے مگر وہ باپ دادا کے برابر نہیں بلکہ ان کا حکم جدا ہے، یعنی اگر باپ دادا کے سوا کوئی دوسرا ولی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا غیر کفو میں نکاح کردے یا مہر غبن فاحش کے ساتھ مقرر کردے تب تو نکاح بالکل ہی نہیں ہوتا خواہ اس نے نہایت ہی خیر خواہی سے ایسا کیا ہو۔

اور اگر کفو کے ساتھ مہر مثل پر کیا ہو تو اس وقت نکاح صحیح تو ہو جاتا ہے لیکن لازم نہیں ہوتا، یعنی لڑکا اور لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار رہتا ہے کہ اس نکاح کو باقی رکھیں یا فسخ کرالیں(الحیلۃ الناجزۃ/۹۹)۔

۵-حق خیار بلوغ کی دو قسمیں ہیں اور دونوں کا حکم الگ الگ ہے:

۱۔حق خیار بلوغ: باکرہ (کنواری) لڑکی کے لئے۔

۲۔حق خیار بلوغ: ثیبہ اور لڑکے کے لئے۔

۱۔جو لڑکی بالغ ہونے پر نکاح فسخ کرانا چاہتی ہے اگر وہ باکرہ ہے تو اس کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا، بشرطیکہ جس وقت آثار بلوغ ظاہر ہوں اسی وقت فوراً بلا تاخیر زبان سے کہہ دے کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں، چاہے اس کے پاس اس وقت کوئی موجود ہو یا نہ ہو ہر حال میں فوراً زبان سے کہنا شرط ہے۔

"وينبغي أن تقول في فور البلوغ اخترت نفسي ونقضت النكاح، فبعده لا يبطل حقّها بالتأخير حتى يوجد التمكين" (شامی۲/۳۳۵)۔

البتہ کھانسی یا چھینک وغیرہ کی وجہ سے فوراً بولنے کی قدرت نہ ہوئی یا کسی نے جبراً منہ بند کردیا تو اس مجبوری کی وجہ سے جو تاخیر ہو جائے اس کے باعث خیار فسخ باطل نہیں ہوتا، بشرطیکہ مجبوری ختم ہوتے ہی فوراً کہہ دیا ہو، اور کسی مجبوری کے بغیر زبان سے کہنے میں ذرا بھی دیر کی تو یہ اختیار باطل ہو جائے گا۔

"(وبطل خيار البكر بالسكوت) لو مختارة۔ وفي الشامية تحت(قوله

لو مختارة)أما لو بلغها الخبر فأخذها العطاس أو السعال فلما ذهب عنها قالت: لا أرضي، جاز الرد إذا قالته متصلا، وكذا إذا أخذ فمها فترك فقالت: لا أرضي، جاز الرد" (درمختار مع الرد ۲/۳۳۵)۔

نیز باکرہ کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ زبان سے کہنے پر کم ازکم دومرد یا ایک مرد اور دوعورتوں کو گواہ بنالے تاکہ قضائے قاضی کے وقت پیش کئے جاسکیں۔

۲۔جوثیبہ یا لڑکا بالغ ہونے پر نکاح فسخ کرانا چاہتا ہے تو اس کو فوراً کہنا ضروری نہیں، بلکہ جب تک یہ لوگ رضامند نہ ہوں گے اس وقت تک نکاح کو باقی رکھنے یا ختم کردینے کا اختیار باقی رہتا ہے، چاہے کتنا ہی عرصہ گذر جائے، صرف خاموش رہنے سے ان کا خیار بلوغ ختم نہیں ہوتا۔

"**وخيار الصغير والثيب إذا بلغا لا يبطل) بالسكوت(بلاصريح) رضا (أو دلالة) عليه**" (تنویر الابصار مع الدر ۲/۳۳۷)۔

قریب تر ولی زندہ ہو اور نسبۂ دور کے ولی نے لڑکی یا لڑکے کا نکاح کردیا تو یہ نکاح قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، نیز اس کو فسخ نکاح کا حق بھی حاصل ہوگا۔"**والا فللأقرب منهم حق الفسخ**" (تنویر الابصار) بشرطیکہ قریب تر ولی زندہ اور اس طور پر موجود ہو کہ اس کی رائے اور مشورہ معلوم کرنا ممکن ہو، بصورت دیگر نسبۂ دور کے ولی کا کیا ہوا نکاح جائز اور نافذ ہوگا۔

"**فإذا غاب الولي الأقرب غيبة منقطعة جاز لمن هو أبعد منه أن يزوّج**" (ہدایہ ۲/۳۱۹)۔

۶- اگر ولی نے لڑکی کا نکاح کرتے وقت خود لڑکی کے مصالح و مفادات کا لحاظ نہیں کیا بلکہ کسی دباؤ یا اپنے کسی مفاد کی خاطر نامناسب جگہ لڑکی کی شادی کردی، لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور راضی نہیں ہے، چنانچہ قاضی کے یہاں فسخ نکاح کا دعوی لے کر آتی ہے، بیانات اور گواہوں

کے بعد قاضی یہ بات محسوس کرتا ہے کہ ولی نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح و مفادات کا سرے سے لحاظ نہیں کیا ہے تو قاضی اس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔

کیونکہ قاضی کا گواہوں اور بیانات سے اس بات پر مطمئن ہو جانا کہ نکاح میں لڑکی کے مصالح و مفادات بری طرح پامال کئے گئے ہیں۔ولی کا سیئ الاختیار رہنا محقق وغیر مشتبہ ہو چکا ہے، اس لئے یہ نکاح باطل ہے، اس میں قضائے قاضی کی ضرورت ہی نہیں ہے، لیکن اگر معاملہ قاضی تک آ گیا ہے تو قاضی اس نکاح کو ضابطے کے مطابق فسخ کرسکتا ہے۔

معروف بسوء الاختیار، ماجن اور فاسق متہتک سے کیا مراد ہے؟

"وفي المغرب: الماجن الذی لا یبالي ما یصنع و ما قیل له" (شامی ۳۳۰/۲)۔

"في القاموس" رجل منهتک و متهتک و مستهتک لا یبالي أن یهتک ستره وقال أیضا: وبه ظهر أن الفاسق المتهتک وهو بمعنی سئ الاختیار" (شامی ۳۲۱/۲)۔

سي الاختیار: لالچی، بیوقوف، نا عاقبت اندیش:

خلاصہ یہ ہے کہ اگر باپ کا لالچی، نا عاقبت اندیش، بے حیا اور بے غیرت ہونا ثابت ہو جائے تو باپ کا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ اور غیر کفو میں کیا ہوا نکاح باطل ہوگا۔واضح رہے کہ مذکورہ عیوب کا صرف تحقق کافی ہے، شہرت ضروری نہیں۔

دلیل:

۱-ان عیوب کا تحقق اور ان میں شہرت دونوں تقریبا لازم ملزوم ہیں، یعنی جس شخص میں یقینی طور پر یہ عیوب پائے جاتے ہیں وہ عموماً ان عیوب میں معروف و مشہور بھی ہوتا ہے، اسی لئے سوء اختیار کے ساتھ معروف کا اطلاق کر دیتے ہیں، ورنہ ان عیوب کا صرف تحقق ہی کافی ہے۔

۲-لم یعرف یا معروف کالفظ صرف سوء اختیار کے ساتھ استعمال ہوا ہے، ماجن متہتک اور سکران کے ساتھ یہ لفظ نہیں ہے۔

۳-منحۃ الخالق میں علامہ خیر الدین رملی سے "إن علم سوء تدبیره" منقول ہے، اس سے صرف تیقن وتحقق ثابت ہوتا ہے، شہرت نہیں۔

اب صاف اور واضح مطلب یہ ہوا کہ باپ نے اگر مہر میں غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو میں اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا تو غور کیا جائے گا، اگر نکاح سے پہلے کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے جس کی بنا پر لوگوں کی رائے یہ ہو چکی ہے کہ یہ شخص معاملات میں لالچ، بے حیائی، بے غیرتی وغیرہ کی وجہ سے مصلحت اور انجام بینی کو مدنظر نہیں رکھتا، تو ایسی صورت میں یہ نکاح باطل ہے، قضاء قاضی کی ضرورت نہیں، لیکن اگر معاملہ قاضی تک پہنچتا ہے تو قاضی باضابطہ طور پر اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔

۷- ولی فی النکاح عصبات بنفسہا علی ترتیب الارث ہیں۔ ان میں کوئی بھی نہ ہو تو ماں، پھر دادی، پھر نانی، پھر اسی ترتیب سے دادی اور نانی کے مؤنث اصول، پھر بیٹی، پھر پوتی، پھر نواسی اور نواسا، پھر پر پوتی، یعنی مجنونہ کے فروع غیر عصبات اگر قرب وبعد میں مختلف ہوں تو قریب کو ترجیح ہے اور برابر درجہ کے ہوں تو عصبہ کی بیٹی کو ترجیح ہے۔ فروع کے بعد جد فاسد اور جدۂ فاسدہ بلحاظ قرب وبعد، پھر بہن عینی، پھر بہن علاتی، پھر اخیافی بھائی اور بہن، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچا کی بیٹی، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد، پھر سلطان (تنویر الابصار مع الدر ر۷ ۳۳)۔

۸- نکاح میں ولی کی اجازت شرط صحت ہے، اگر کسی لڑکی کے یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں تو سارے اولیاء کا اتفاق بہر حال افضل ہے، لیکن اگر کسی ایک ولی کی اجازت سے نکاح کر دیا گیا تو یہ نکاح صحیح ہو جائے گا (ہدایہ ۲ر۳۱۹)۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ مساوی درجہ کے اولیاء میں ہر ایک کو نکاح کرنے کا حق ہے، تمام اولیاء کی رضامندی اور اتفاق ضروری نہیں، چنانچہ اگر کسی ایک ولی نے بھی مولیہ کا نکاح کفو میں پوری پوری مہر مثل پر کر دیا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا، اور دوسرے اولیاء کو اعتراض یا فسخ کا اختیار نہیں ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲/ ۲۵۱)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، میسور

۱- شریعت اسلامیہ میں نان ونفقہ چلانے والے اور بچوں کی حفاظت، عصمت، صحت اور عزت کا خیال رکھنے والے صالح لوگوں کو ولایت حاصل ہے، مثلاً باپ، دادا، چچا، بھائی، یا یتیموں کے ذمہ دار ونگہبان بھی ولی کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

وہ عاقل جو سن بلوغ کے بعد اپنی زندگی کی خوبی وخامی میں تمیز کرنے والا ہو اس کو ولایت علی النفس کے اختیارات حاصل ہیں، اس کے علاوہ بیوہ، مطلقہ کو بھی عدت کے بعد اختیارات حاصل ہیں۔

حنفیہ کے یہاں باپ، دادا، چچا، بھائی، یا یتیموں کے نگہبان صوابدیدگی کے تحت نابالغ کا نکاح کرسکتے ہیں، مگر عاقلہ بالغہ آزاد، باکرہ ہو یا ثیبہ، کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار رہے۔

۲- (الف) حیض، احتلام اور حمل بلوغ کی علامتیں ہیں، لڑکیاں نو سال کی عمر میں یا اس سے زائد عمر میں بالغ ہوتی ہیں مگر نو برس سے کم عمر میں بالغ نہیں ہوتیں اگرچہ جسیمہ ہوں، اور لڑکا بارہ برس سے پہلے بالغ نہیں ہوتا اگرچہ وہ جسیم ہو، لڑکے کا احتلام یا انزال بلوغ کی علامت ہے، اگر یہ علامتیں پائی نہ جائیں تو اس پر پندرہ سال کے بعد بلوغ کا حکم صادر کیا جائے گا (کما جاء في القدوری)۔

☆ دار القدرت ۔ ۱۵۵۱ اودیا گری، سیکنڈ اسٹیج، میسور۔۱۹، کرناٹک۔

عاقل آزاد لڑکے اور عاقلہ آزاد لڑکیوں کے سن بلوغ کے بعد ولی کی ولایت ختم ہوجاتی ہے (ہدایہ)۔

(ب) عاقلہ بالغہ اور آزاد شرعی حدود میں رہ کر اپنے کفو کے مطابق زوج کا انتخاب کرسکتی ہے، ولی کی اجازت کے بغیر مہر اور شہادتین کے ساتھ نکاح کرے تو شرعاً نکاح ہوسکتا ہے مگر ولی کی اجازت کے بغیر ایسی حرکت سے گنہگار ہوتی ہے۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر نکاح کرلیا اور جب ولی کو اس کا علم ہوا اور وہ اس سے اتفاق کرلے تو نکاح ہوجائے گا، اور اگر نکاح کے بعد ولی کو معلوم ہوا کہ وہ نکاح غیر کفو سے ہوا ہے تو ولی اس نکاح کو فسخ کراسکتا ہے۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی کے از خود نکاح کرلینے کی صورت میں اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا حق تو ہے مگر اس نکاح میں کفاءت ہو تو فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہے، اگر کفو نہ ہو تو ولی مجبر کو اختیار رہے خواہ نکاح قائم رکھے یا فسخ کرے (شرح وقایہ)۔

۴- زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے سن بلوغ سے پہلے کردیا لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو وہ سن بلوغ کے فوراً بعد فسخ کراسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں باپ دادا کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوتا ہے، بالغ ہونے کے بعد بھی اسے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے، اور اگر باپ دادا کے سوا کوئی اور ولی نابالغہ کا نکاح کرے تو بالغ ہوتے ہی اسی نشست میں فسخ کرسکتی ہے، مگر کچھ دیر کے بعد فسخ کرنے کا اختیار نہ رہے گا۔

۵- قریب تر ولی کے زندہ رہنے کے باوجود نسبتاً دور کے ولی نے لڑکی یا لڑکے کا نکاح کردیا تو ہوجائے گا مگر نسبۃً دور کا ولی گنہگار ہوگا، اس لئے کہ اس نے حق ولایت بالجبر حاصل کرلیا۔

نابالغ یا نابالغہ کا نکاح ولی ابعد نے ولی اقرب کی اجازت کے بغیر کرادیا تو ولی اقرب کو فسخ کرنے کا اختیار رہے۔

۶- قاضی اس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔

ولی دیوانہ، شرابی یا بد اخلاق ہو تو اس کا اختیار ولایت ٹھیک نہیں ہے۔

۷- باپ، دادا، پردادا، جس کا باپ دادا نہ رہے تو بھائی اور بھتیجا، پھر چچا یا چچازاد بھائی، ماموں، پھوپھی، خالہ، نانا، ولی الابعد ہوتے ہیں۔

۸- ایک سے زائد یکساں درجے کے اولیاء ہوں تو کسی ایک ولی کی اجازت کو شرط صحت قرار دیا جاسکتا ہے اور وہی کافی ہے۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا محمد صدر عالم قاسمی☆

۱- شریعت اسلامیہ میں ولایت اس صلاحیت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کسی شئ پر تصرف کرنے پر اس طرح قادر ہوتا ہے کہ کسی کی اجازت پر اس کی صحت موقوف نہیں ہوتی۔

الفقہ الاسلامی وأدلتہ میں ہے:

"وفي اصطلاح الفقهاء القدرة على مباشرة التصرف من غير توقف على إجازة أحد ويسمى متولي العقد "الولي"" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۱۸۶/۷)۔

ولایت علی النفس کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں:

قرابت، ملک، ولاء، امامت۔

درمختار میں ہے: **"تثبت بأربع قرابة وملك وولاء وامامة"** (درمختار ۳۲۱/۲)

(ولایت علی النفس ثابت ہوتی ہے چار شرطوں کے ساتھ: قرابت، ملک، ولاء اور امامت)۔

۲- اسلامی شریعت نے عاقلہ، بالغہ اور آزاد کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے، جبکہ صغیرہ، مجنونہ اور رقیقہ کا اختیار اولیاء کے حوالہ کیا ہے، لہذا بغیر اولیاء کے خود نکاح کرنا بصورت اولی درست ہے، منعقد ہوجائے گا، جب کہ بصورت ثانیہ منعقد نہیں ہوگا۔

درمختار میں ہے:

"(وهو) أي الولي (شرط) صحة نكاح صغير ومجنون ورقيق لا

☆ استاذ جامعہ عربیہ عین الاسلام، نوادہ، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ یوپی۔

مکلفة" (درمختار ۲/ ۳۲۱)۔

اور درمختار میں یہ بھی ہے:

"(فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا (ولي)، والأصل إن كل من تصرف في حاله تصرف في نفسه وما لا فلا" (۲/ ۳۲۲)۔

پس آزاد مکلفہ کا نکاح بغیر ولی کی رضا کے نافذ ہوجا تا ہے، اور اصل یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے مال میں تصرف کرسکتا ہے وہ اپنی جان میں بھی تصرف کرسکتا ہے اور جو اپنے مال میں تصرف نہیں کرسکتا وہ اپنی جان میں بھی تصرف نہیں کرسکتا۔

(الف) ولایت کی بابت لڑکی اور لڑکے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

عالمگیری میں بلاتفریق صغیرہ اور صغیر کا تذکرہ کیا گیا ہے:

"لولي الصغير والصغيرة أن ينكحهما وإن لم يرضيا كذا في البرجندي سواء كانت بكرا أو ثيبا كذا في العيني شرح الكنز" (عالمگیری ۱/ ۲۸۵)۔

(صغیر اور صغیرہ کے ولی کے لئے ان دونوں کا نکاح کردینا درست ہے اگرچہ دونوں راضی نہ ہوں جیسا کہ برجندی کے اندر ہے، خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، جیسا کہ عینی شرح کنز میں ہے)۔

صغیر وصغیرہ دونوں پر ولی کی ولایت بعد بلوغت ختم ہوجاتی ہے جیسا کہ درمختار کی عبارت سے مستفاد ہے:

"لا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ" (درمختار ۲/ ۳۲۴)۔

(بالغہ باکرہ نکاح پر مجبور نہیں کی جائے گی، بلوغ کی وجہ سے ولایت کے منقطع ہوجانے کی وجہ سے)۔

(ب) عاقلہ بالغہ کا ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح خود کرلینے کی صورت میں اس کا نکاح شرعاً منعقد ہوجائے گا اور وہ گنہگار نہ ہوگی، اس لئے کہ عقل اور بلوغ کی وجہ سے شریعت نے اس کو اپنے نفس پر تصرف کا حق دیا ہے۔

درمختار میں ہے:

”فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضا (ولي) والأصل إن کل من تصرف في ماله تصرف في نفسه ومالا فلا“(درمختار ۲/ ۳۲۲)۔

(پس نافذ ہوجائے گا آزادمکلفہ کا نکاح بغیر ولی کی رضامندی کے، اور اصل یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے اس کو اپنی جان میں بھی تصرف کا حق ہے)۔

(ج) عاقلہ بالغہ کا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلینے کے بعد ولی کے اتفاق اور عدم اتفاق کا کوئی اثر نکاح پر مرتب نہیں ہوگا (حوالہ مذکورہ)۔

۳- عاقلہ بالغہ کا اپنا نکاح غیر کفو میں کرلینے کی وجہ سے ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے، ورنہ نہیں (دیکھئے: ردالمحتار ۲/ ۳۲۲)۔

۴- اگر لڑکی کا نکاح باپ دادا نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں کیا ہے تو وہ نکاح فسخ نہیں کراسکتی خواہ وہ اس سے مطمئن ہو یا نہ ہو، لیکن اگر دوسرے اولیاء نے اس کا نکاح کیا ہے تو پھر بصورت عدم اطمینان اگر چاہے تو فسخ کراسکتی ہے (عالمگیری ۱/ ۲۸۵)۔

نیز باپ دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء کا اس کے غیر کفو یا غبن فاحش کے ساتھ نکاح کرنے کی صورت میں یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ہے (درمختار ۲/ ۳۳۱)۔

۵- خیار بلوغ کا حق لڑکی کو علم نکاح تک رہتا ہے، علم نکاح کے بعد بغیر آخر مجلس تک ممتد ہوئے خیار ساقط ہوجاتا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

”ثم عندهما إذا بلغت الصغیرة وقد علمت بالنکاح فسکتت فهو رضا، وإن لم تعلم فلها الخیار حتی تعلم فتسکت“(ہدایہ ۲/ ۲۹۷)۔

(طرفین کے نزدیک یہ ہے کہ جب صغیرہ بالغ ہوجائے اور اس نے نکاح کو جان لیا اور پھر خاموش رہی تو یہ رضامندی ہے، اور اگر اسے علم نہیں ہے تو اس کو اختیار رہے گا یہاں تک

کہ اسے علم ہوجائے اور پھر خاموش رہے)۔

ولی اقرب کی موجودگی میں اگر ولی ابعد نے نکاح کردیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا البتہ ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا، بصورت اجازت نکاح نافذ ہوگا ورنہ نہیں(دیکھئے: الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/۴۰)۔

اور عالمگیری میں ہے:

"وان زوّجها الأبعد حال قيام الأقرب حتی توقف علی إجازة الأقرب"

(عالمگیری ۱/۲۸۵)۔

(اگر ابعد نے اقرب کی موجودگی میں اس کی شادی کردی تو وہ اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا)۔

۶- اس سلسلے میں سب سے پہلے درمختار اور ردمختار کی عبارت کا ملاحظہ کیا جائے۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں:

"(أو) زوجها (بغير كفوء إن كان الولي) المزوج بنفسه بغبن (أبا أو جدا) وكذا المولي وابن المجنونة (لم يعرف منهما سوء الاختيار) مجانة وفسقا (وان عرف لا) يصح النكاح اتفاقا" (درمختار ۲/۳۳۰)۔

اور ردالمختار میں اس کے تحت لکھا ہے:

حاصل کلام یہ ہے کہ مانع وہ باپ کا عقد سے پہلے سوءاختیار کے ساتھ مشہور ہونا ہے، اور اگر اس سے مشہور نہ ہو پھر اپنی لڑکی کا نکاح فاسق سے کردیا تو درست ہوگا، اور اگر اس کے سلسلے میں متحقق ہوجائے کہ وہ سیئ الاختیار رہے اور اس وصف کے ساتھ لوگوں میں معروف ہو اور پھر دوسری لڑکی کا نکاح کسی فاسق سے کردے تو یہ نکاح درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ اس سے پہلے معروف بسوء الاختیار تھا بخلاف عقد اول کے، اس سے پہلے مانع کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اور اگر مانع بغیر شہرت کے صرف سوء اختیار کا تحقق ہو تو مسئلہ یعنی ان کا قول "ولزم النكاح ولو

بغبن فاحش أو بغير كفوء إن كان الولي أباً أو جداً" کا احالہ لازم آئے گا، اور رجان لو کہ جو کچھ نوازل کے حوالے سے بیان ہوا یعنی یہ کہ نکاح باطل ہے اس کا معنی یہ ہے کہ نکاح باطل ہوجائے گا جیسا کہ ذخیرہ کے اندر ہے (ردالمحتار ۲/۳۳۰)۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ ولی کے باپ یا دادا ہونے کی صورت میں لڑکی کو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا سوائے ایک صورت کے، اور وہ یہ کہ دونوں معروف بسوء الاختیار ہوں اور اس کا معیار یہ ہے کہ وہ اپنے اختیار ولایت میں پہلے ایک لڑکی کے بارے میں خلاف مصالح کر چکا ہو۔

علامہ خیرالدین رملی نے فتاویٰ خیریہ (ص/۲۳) میں اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ان کی عبارت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ باپ یا دادا کا لڑکی کا نکاح خلاف مصالح ومفادات کردینے کی صورت میں جب کہ خلاف مصالح ہونے کا یقین ہو لڑکی کو خیار فسخ ہوگا، باپ یا دادا کا معروف بسوء الاختیار ہونا ضروری نہیں۔ فتح القدیر کے حوالے سے ذکر کی گئی عبارت "**لأن ترك النظر مقطوع به**" کے اندر یہ کوئی قید نہیں کہ پہلے ایک لڑکی کی شادی اسی طرح کر چکا ہو۔ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ خیار فسخ کے لئے فقط ترک شفقت کا قطعی اشتباہ کافی ہے اسی سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ شامی میں فتح القدیر کے حوالے سے جو بات لکھی گئی ہے وہ محض ایک بحث ہے ابن ہمام کا فتویٰ نہیں، اسی سے وہ عبارت بھی حل ہوجاتی ہے جہاں معروف بسوء الاختیار کی قید لگائی گئی ہے، وہ یہ کہ مراد اس سے سوء الاختیار کا یقین ہے، لہذا اگر پہلی ہی لڑکی میں باپ کا سوء اختیار واضح اور یقینی ہوجاتا ہے تو لڑکی کو فسخ کا اختیار ملے گا، اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔

اور اگر ولی باپ دادا کے علاوہ ہے تو پھر خلاف مصالح ومفادات کی صورت میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا، تنویر الابصار میں ہے:

"**وإن كان المزوج غيرهما لا يصحّ من غير كفوء أو بغبن فاحش أصلاً**" (درمختار ۲/۳۳۱)۔

فاسق، سیئ الاختیار، ماجن، متہتک:

ان چاروں کے مفہوم اور مراد کے سلسلے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات سیئ الاختیار کو تزویج کے ساتھ خاص کرتے ہیں جب کہ بعض حضرات تینوں کو ہم معنی لفظ قرار دیتے ہیں، یعنی ایسے شخص کے اوپر چاروں کا اطلاق ہوتا ہے جو کسی لالچ میں یا اپنے مفاد کے پیش نظر لڑکی کے مفاد کا خیال نہ کرے (دیکھئے: ردالمحتار ۲/ ۳۲۱)۔

واضح رہے کہ یہ اختلاف لفظ کا ہے جس کا نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ سب کا حکم ایک ہی ہے۔

۷- اولیاء اور ان کے درمیان باہم ترتیب حسب ذیل ہے:

ولی عصبہ بنفسہ ہوتا ہے بہ ترتیب ارث وحجب، یعنی اولاً جز، ثانیاً اصل، ثالثاً جزء اصل قریب، رابعاً جزء اصل بعید۔ عصبہ نہ ہونے کی صورت میں ولایت ماں کو حاصل ہے، پھر دادی کو، بعض نے بالعکس کہا ہے، پھر پوتی، پھر نواسی، پھر پوتے کی بیٹی، پھر نواسی کی بیٹی کو، اس طرح آخر فرع تک، پھر حقیقی بہن، پھر علاتی بہن، پھر اخیافی بہن بھائی، پھر ذوی الارحام، اول پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچازاد بہن، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولادیں، پھر مولی الموالاۃ، پھر سلطان، پھر قاضی، پھر ان کے نائب کو (درمختار ۲/ ۳۳۹)۔

۸- ایک سے زائد مساوی درجہ کے اولیاء کی صورت میں صحت نکاح کے لئے صرف ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی جب کہ نکاح کفو اور مہر وافر کے ساتھ ہو، تمام اولیاء کا اتفاق ضروری نہیں (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۵۲۱)۔

الفقہ الاسلامی وأدلتہ میں ہے:

"إن تعدد الأولياء الأقارب كالإخوة الأشقاء ورضي بعضهم بالزواج ولم يرض الآخرون كان رضا البعض عند أبي حنيفة ومحمد مسقطا لحق الآخرين"

(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۲۳۸)۔

اگر متعدد قریبی اولیاء ہوں جیسے کہ حقیقی چند بھائی، ان میں سے بعض شادی سے راضی ہو اور دوسرے سارے کے سارے ناراض، تو بعض کا راضی ہونا امام ابوحنیفہ ومحمد رحمہا اللہ کے نزدیک دوسرے اولیاء کے حق کو ساقط کرنے والا ہوگا۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا روح الامین☆

۱- شریعت اسلامیہ میں ولایت کہتے ہیں غیر کے اوپر کسی بات کو نافذ کرنا، چاہے وہ مان لے یا انکار کردے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

"الولاية تنفيذ القول على الغير شاء أو أبىٰ" (الفتاویٰ الشامیۃ ۳/۵۵، البحر الرائق ۳/۱۰۹، مجمع الانہر ۱/۳۳۲)۔

ولایت علی النفس کے لئے مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

۱۔عاقل ہو، ۲۔بالغ ہو، ۳۔آزاد ہو، ۴۔ہم مذہب ہو، یعنی مسلمان کے لئے مسلمان ولی بن سکتا ہے نہ کہ کافر، اسی طرح کافر کے لئے کافر ولی بن سکتا ہے نہ کہ مسلمان، ۵۔مرتد نہ ہو، کیونکہ مرتد کسی کے لئے ولی نہیں بن سکتا، نہ مسلمان کے لئے، نہ کافر کے لئے اور نہ مرتد کے لئے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ولا ولاية للمملوك على أحد ولا للمكتوب على ولده ولا ولاية لصغير ولا مجنون ولا لكافر على مسلم ومسلمة ولا لمسلم على كافر وكافرة ......ولا ولاية للمرتد على أحد لا على مسلم ولا على كافر ولا على مرتد مثله" (فتاویٰ عالمگیری ۱/۲۸۴، البحر الرائق ۳/۱۳۳، البدائع ۲/۲۳۷)۔

☆ ممبر سنٹرل مجلس شوریٰ، اسلام پر چار کمیٹی، کیجابون مسجد کیمپس، ڈھاکہ-۱۰۰۰، بنگلہ دیش۔

۲- (الف)ولایت کے بارے میں لڑکا اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی جب یہ دونوں عاقل بالغ آزاد ہوں تو ان پر سے ولایت ختم ہوجاتی ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ" (فتاویٰ عالمگیری ۱/۲۸۵)۔

(ب) عاقلہ بالغہ لڑکی نے اگر از خود نکاح کرلیا ولی کی مرضی کے بغیر تو شرعاً یہ نکاح منعقد ہوگا، کیونکہ اس نے اپنے حق میں تصرف کیا ہے جس کی وہ اہل ہے۔ جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:

"نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي؛ لأنها تصرفت في خالص حقها وهي من أهله لكونها عاقلة بالغة" (البحر الرائق ۳/۱۰۹، مجمع الأنہر ۱/۳۳۲، الفتاویٰ الشامیہ ۳/۵۵)۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے جب ولی کی اجازت کے بغیر خود نکاح کرلیا تو شرعاً اس کا نکاح منعقد ہوجائے گا، چاہے وہ کفو میں کرے یا غیر کفو میں، البتہ اگر غیر کفو میں کرے گی تو اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:

"الحرة البالغة العاقلة إذا زوجت نفسها من رجل ......جاز عند أبي حنيفة وزفر وأبي يوسف رحمهم الله ......سواء زوجت نفسها من كفء أو غير كفء بمهر وافر أو قاصر غير أنها إذا زوجت نفسها من غير كفء فللأولياء حق الاعتراض" (بدائع الصنائع ۲/۲۴۷)۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی نے اگر از خود نکاح کرلیا تو وہ شرعاً منعقد ہوگیا، البتہ اگر غیر کفو میں کرے تو اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے اور قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کراسکتا ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے:

"نفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي ...... وله أي للولي إذا كان عصبة

...... الاعتراض في غير الكفء فيفسخه القاضي ويتجدد بتجدد النكاح"
(الفتاویٰ الشامیۃ ۵۶/۳)۔

۴- بلوغ سے قبل اگر لڑکی کا نکاح باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کر دیا تو بلوغت کے بعد لڑکی کو نکاح فسخ کرانے کا حق ہوگا، البتہ اگر باپ یا دادا نے نکاح کرایا تو اس صورت میں تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ باپ یا دادا معروف بسوء الاختیار نہ ہوں یعنی لڑکی کے مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے نکاح کرائے، لیکن اگر لڑکی کے مصالح اور اس کی بھلائی کا خیال نہیں رکھا بلکہ اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر نکاح کرایا تو ایسی صورت میں وہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوگا، جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے:

"وللولي إنكاح الصغير والصغيرة جبراً ولو ثيباً ......ولزم النكاح ولو بغبن فاحش ...... أو زوجها بغير كفء إن كان الولي ...... أباً أو جداً لم يعرف منهما سوء الاختيار مجانا أو فسقا وإن عرف لا يصحّ النكاح اتفاقاً" (الفتاویٰ الشامیۃ ۶۵/۳)۔

اور جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

"وإن زوجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام وإن شاء فسخ وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله ويشترط فيه القضاء" (فتاویٰ عالمگیری ۲۸۵/۱)۔

۵- خیار بلوغ کے ساقط ہونے میں تھوڑی تفصیل یہ ہے کہ دیکھا جائے گا کہ جس کو خیار حاصل ہو رہا ہے وہ لڑکی ہے یا لڑکا، اگر لڑکی ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ وہ باکرہ ہے یا ثیبہ، اگر باکرہ ہے تو اس کو اگر پہلے سے نکاح کا علم ہے تو فوراً ہی فسخ کا دعویٰ کرنا پڑے گا، اور اگر علم نہیں تھا تو علم ہوتے ہی دعویٰ کرنا پڑے گا، چاہے وہاں کوئی گواہ موجود ہو یا نہ ہو، مجلس کے آخر تک اختیار نہیں ہوگا، فقہاء نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر رات کو حیض کا خون دیکھے تو اسی وقت کہے کہ میں یہ نکاح فسخ کرتی ہوں، صبح گواہوں کو بلا کر یہ دعویٰ پیش کرے، بلوغت کے بعد اگر سکوت اختیار

کرے توحق فسخ ختم ہوجائے گا۔

اوراگر بالغہ ہونے والی لڑکی باکرہ نہ ہو بلکہ ثیبہ ہو یا وہ لڑکا ہو تو جب تک صریح الفاظ میں اپنی رضامندی یا عدم رضامندی کا اظہار نہیں کرے گا اس وقت تک ان کو خیار حاصل ہوگا۔

ہاں جب وہ زبان سے واضح الفاظ میں رضامندی کا اظہار کردے یا کوئی ایسا کام کرے جو رضامندی پر دلالت کرے جیسا کہ لڑکی ہو تو مہر قبول کرلے یا جماع پر قدرت دے دے وغیرہ وغیرہ، اوراگر لڑکا ہو تو مہر کی رقم بھیج دے یا نفقہ بھیج دے یا کوئی تحفہ بھیج دے وغیرہ وغیرہ، توحق فسخ ختم ہوجائے گا (دیکھئے: فتح القدیر ۱۷۹/۳، فتاویٰ شامیہ ۷۳/۳)۔

اگر ولی اقرب قریب موجود ہے تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا، یا اگر ولی اقرب کی اجازت سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوجائے تو اس وقت ابعد ہی اقرب بن جائے گا، تو ایسی صورت میں اب جو اقرب بنا ہے اس کو پھر نئے سرے سے اجازت دینی پڑے گی۔

جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے:

"فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب توقف على إجازته ولو تحولت الولاية إليه لم يجز إلا بإجازته بعد التحول" (الفتاویٰ الشامیہ ۸۱/۳)۔

اوراگر قریب موجود نہ ہو بلکہ دور ہو تو اس سلسلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، مفتیٰ بہ اور اصح قول یہ ہے کہ ولی اقرب اگر ایسی جگہ پر ہو کہ اس کی اجازت کا اگر انتظار کیا جائے تو یہ رشتہ ختم ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ولی اقرب کی اجازت کے بغیر ہی ابعد کو حق ہوگا کہ وہ نکاح کرادے۔

جیسا کہ فتاویٰ شامیہ میں ہے:

"وللولي الأبعد التزويج بغيبة الأقرب مسافة القصر، واختار في الملتقى مالم ينتظر الكفء الخاطب جوابه" (حوالہ سابق)۔

نیچے علامہ شامی لکھتے ہیں:

”وقال في الذخيرة الأصح أنه إذا كان في موضع لو انتظر حضوره أو استطلاع رأيه فات الكفء الذي حضر“ (الفتاویٰ الشامیہ ۸۱/۳)۔

۶- ولی اگر لڑکی کے مصالح کو سامنے رکھنے کے بجائے اپنے مفاد کی خاطر یا کسی کے دباؤ میں پڑ کر لڑکی کا نکاح ایسی جگہ کرا دے جہاں لڑکی کے لئے خیر نہ ہو تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا، جیسا کہ فتاویٰ شامیہ میں ہے:

”وفی شرح المجمع: حتی لو عرف من الأب سوء الاختیار لسفهه أو لطمعه لا یجوز عقده إجماعاً“ (الفتاویٰ الشامیہ ۶۶/۳)۔

۷- ولایت کی ترتیب وہی ہے جو میراث کی ترتیب ہے، جیسا کہ پہلے بیٹا، پھر پوتا، پر پوتا، وإن سفل، پھر باپ، دادا، پھر سگا بھائی، اسی طرح إلی آخرہ (البحر الرائق ۱۱۹/۳)۔

۸- اس صورت میں کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہے دونوں کی ضروری نہیں، جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے:

”وإن رضی أحد الأولیاء المتساویین في القریب فلیس لغیره الاعتراض“ (مجمع الانہر ۳۴۳/۱)۔

☆☆☆

اسلامی شریعت میں ولایت کا مقام ومرتبہ اور اس کے انواع واقسام

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی ☆

نکاح سماجی اور معاشی زندگی کا اہم ترین مسئلہ ہے، کیونکہ بنیادی طور پر نکاح ہی کے ذریعہ توالد و تناسل کا سلسلہ چلتا ہے، جس کے نتیجے میں خاندان وجود میں آتا ہے اسی لئے کتاب و سنت میں عبادات کے بعد سب سے زیادہ نکاح و طلاق، زوجین کے حقوق اور فرائض اور ازدواجی زندگی سے متعلق جزوی تفصیلات کا ذکر آیا ہے، اسلام نے زندگی کے متعلق جو احکامات و ہدایات دیئے ہیں اور ان کی روح یہ ہے کہ نکاح کا رشتہ زیادہ سے زیادہ مستحکم اور پائدار ثابت ہو، شریعت اسلامیہ نے اس کے لئے مختلف تدابیر اور لائحہ عمل اور طریقہ پیش کیا ہے، من جملہ ان کے ولایت و کفاءت کا مسئلہ بھی ہے۔

ولایت کے معنی:

"تنفیذ القول علی الغیر شاء لغیر أولا (قواعد الفقه) الحنفیة قالوا لا ولي إلا المجبر فمعنی الولایة تنفیذ القول علی الغیر أو لم یرض فلیس عندهم ولي غیر مجبر یتوقف علیه العقد، ویختص الولي المجبر بإجبار الصغیر والصغیرة مطلقا والمجنون والمجنونة الکبار علی تفصیل یأتي في المبحث

☆ بھیونڈی، مہاراشٹرا۔

الذي بعد هذا"(کتاب الفقہ ۴/۲۸)۔

غیر کی مشیت وارادہ کے بغیر اپنے عمل کو نافذ کرنے کا نام ولایت ہے، لیکن یہ وہاں پر ہے جہاں ولی کی ولایت ثابت بھی ہورہی ہو۔حضرات احناف نے کہا ہے کہ ولی تو ولی مجبر کے ساتھ ہی خاص ہے، اور ولایت کے معنی غیر پر اپنے قول وعمل کو ثابت و نافذ کرنا ہے خواہ غیر چاہے یا نہ چاہے، حاصل اس عبارت کا یہ ہوا کہ ولی غیر مجبر پر عقد کا مدار واعتبار نہیں ہے، اور ولی مجبر کو صغیر اور صغیرہ کے اجبار کے ساتھ خاص کیا گیا ہے بغیر کسی شروط وقیود کے، اسی طرح ولی مجبر کا اجبار مجنون کبیر اور مجنونہ کبیرہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔

ولایت علی النفس:

ولایت علی النفس یہ ہے کہ آدمی کو از خود اپنے فعل وعمل کے کرنے کا اختیار ہو، ظاہر ہے یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ اس کے اندر وہ صلاحیت ولیاقت پائی جائے، اور یہ صلاحیت اس وقت پائی جاتی ہے جب آدمی سن بلوغ کو پہنچ جاتا ہے جس سے آدمی عقل سلیم سے عموماً بہرہ ور ہوجاتا ہے، اس کے برخلاف صغر سنی اور کم عقلی اور دیوانگی کی صورت میں آدمی کا قول وعمل نافذ نہیں ہوگا۔

"لا ولاية إلا على الصغير والصغيرة والمجنون والمجنونة ولو كباراً"

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/۲۰)۔

(حق ولایت صرف نابالغ لڑکے اور نابالغہ لڑکیوں پر ہے، اسی طرح مجنون اور مجنونہ پر گرچہ یہ دونوں بڑے ہوں)۔

ولایت کے اقسام:

"ينقسم الولي إلى قسمين: ولي مجبر له حق تزويج بعض من له عليه الولاية بدون إذنه ورضاه ، وولي غير مجبر ليس له ذلک بل لا بدمنه ولكن لا يصح له أن يزوج بدون إذن من له عليه الولاية ورضاه وفي تعريف الولي المجبر

وغیرہ تفصیل المذاهب" (کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ۴/۲۹)۔

ولی کی دو قسمیں ہیں: ولی مجبر جس کو حق ولایت مکمل طور پر حاصل ہو، خواہ مولی علیہ راضی ہو یا نہ ہو، اور ولی غیر مجبر جس کو حق ولایت بغیر اذن اور اجازت کے حاصل نہ ہو، مندرجہ دونوں صورتوں کے بارے میں حضرات فقہاء کے یہاں بڑی تفصیلات وارد ہوئی ہیں۔

۲- ولی مجبر کے اختیارات:

"يختص الولي المجبر بتزويج الصغيرة والصغير والكبيرة والكبير إذا جنا، والكبيرة العاقلة البالغة إذا كانت بكرا حقية أو حكما فللولي المجبر تزويج هولاء بدون استئذان ورضا شروط، ويختص الولي غير مجبر بتزويج الكبيرة العاقلة البالغة بإذنها ورضاها سواء كانت بكرا أو ثيبا إلا أنه لا يشترط في إذن البكر أن تصرح برضائها فلو سكتت بدون أن يظهر عليها يدل على الرفض كان ذلك إذنا، أما الثيب فإنه لا بد في إذنها من التصريح بالرضا لفظا ويصح العقد بدون أن يباشره الولي كما لا يصح للولي أن يعقد بدون إذن المعقود عليها ورضاها، وفي كل ذلك تفصيل المذاهب" (کتاب الفقہ ۴/۲۹-۳۰)۔

متذکرہ عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ لڑکا ہو یا لڑکی، بعد البلوغ حق ولایت ان دونوں پر باقی نہیں رہتا۔

۲۔ لڑکے یا لڑکیاں گو بڑے ہی کیوں نہ ہوں لیکن اگر صفت جنون کے ساتھ متصف ہیں تو وہ صغیر اور صغیرہ کے حکم میں ہیں اور ان پر حق ولایت ولی کو مکمل طور پر ہوگا۔

۳۔ عاقلہ بالغہ اگر از خود نکاح کر لیتی ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، ساتھ ہی اگر ولی از خود عاقلہ بالغہ کا نکاح کرانا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں مطلقاً حق ولایت حاصل نہ ہوگی، بلکہ عاقلہ بالغہ کا اذن واجازت ہونا ضروری ہے اس بات سے قطع نظر کہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اسی طرح یہ بات بھی کہ اپنی رضا کا بالقول صراحت کرے ضروری نہیں بلکہ وہ سکوت جو دال علی القول ہو کافی

ہوگا،البتہ ثیبہ میں صراحت بالقول ضروری ہے۔

۳- عاقلہ بالغہ بلا اذن ولی اپنا نکاح کرلے اور ولی کو جب اس نکاح کا علم ہو تو وہ اس نکاح سے اتفاق کرے یا اختلاف کرے ہر صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا،البتہ اگر غیر کفو اور غیر ہمسر میں نکاح کا وجود ہوا ہے تو ایسی صورت میں ولی کو حق اعتراض ہے۔

۴-زیر ولایت نابالغہ لڑکی کا نکاح:

زیر ولایت نابالغہ لڑکی کا نکاح ولی نے اگر ایسی جگہ کردیا ہے کہ لڑکی اس سے خوش نہیں ہے، اور ولی باپ اور دادا ہیں اور سوء اختیار میں معروف نہیں ہیں تو ہر صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا،اور بعد بلوغ کسی طرح کا اختیار نہیں رہے گا،اگر ولی باپ اور دادا کے علاوہ ہے تو مذکورہ صورت میں بلوغ کے بعد فوراً فسخ کا اختیار رہے،اِلا یہ کہ کوئی غیر اختیاری امر پیش آگیا ہو جس کی وجہ سے تاخیر ہوگئی،ایسی صورت میں تاخیر کی وجہ سے اختیار فسخ نہ ہوگا،اسی طرح نابالغ لڑکے کا بھی وہی حکم ہے جو نابالغہ لڑکی کا ہے (دیکھئے: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۳۰-۳۱)۔

۵،۷-ولی اقرب کے رہتے ہوئے ولی ابعد کا نکاح کرانا:

ولی میں شریعت نے ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے، اور اقرب و ابعد کا خاص خیال کیا ہے، مذاہب اربعہ میں اولیاء کی ترتیب کی وضاحت تھوڑے سے فرق کے ساتھ کی گئی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۲۶-۲۸)۔

مذکورہ مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ ولی اقرب کے ہوتے ہوئے اگر ولی ابعد نے نکاح کرایا تو نکاح نہ ہوگا۔عقد نکاح میں ولی اقرب کا حق مقدم اور اول نمبر پر ہے،لہذا بغیر کسی استثنائی صورت کے ولی ابعد اگر عقد نکاح کے فریضہ کو انجام دیتا ہے تو نا درست قرار دیا جائے گا،ہاں ولی اقرب موجود نہیں ہے جس کی بہت سی صورتیں ہیں تو ایسی صورت میں ابعد کا عمل قابل قبول اور درست قرار دیا جائے گا (دیکھئے: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۳۷-۴۱)۔

۸- اگر ایک درجہ کے بہت سارے ولی ہوں تو ایسی صورت میں اتفاق رائے تو بہر حال ضروری ہے اور اگر سب مل کر کسی ایک کو معاملہ کا کلی اختیار دے دیتے ہیں تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، لیکن یہ صورت نہ ہو تو جملہ اولیاء جو کہ ایک درجہ کے ہیں ان میں خاص طور سے ان اولیاء کی رائے اور تصرف کو مدنظر رکھا جائے گا جس کی رائے اور عمل لڑکی کے حق میں موزوں اور مناسب ہو، اور لڑکی کے لئے مستقبل میں کسی طرح کی دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے، اسی طرح وہ ولی جو سوء اختیار کے ساتھ معروف ہو اس کی رائے نا درست قرار دی جائے گی اور اس کے تصرف کو غیر معتبر شمار کیا جائے گا، اور معروف بسوء اختیار یہ ہے کہ نا عاقبت اندیش مستقبل کے حالات سے نا آشنا اور لڑکی کے انجام کی بھلائی سے دور رہو، یا سکر وغیرہ کا غلبہ ہو، ایسے ولی قریب کی رائے اور تصرف کو نا درست مانا جائے گا۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت پر ایک نظر

مولانا فیاض عالم قاسمی ☆

نابالغ بچے شرعاً مکلف نہیں ہیں، جب تک وہ بالغ نہ ہوجائیں اس وقت تک ان کے اختیارات مسلوب ہوتے ہیں، وہ نہ اپنے مال میں کوئی تصرف کرسکتے ہیں اور نہ کوئی معاملہ کرسکتے ہیں، نہ اپنا نکاح خود کرسکتے ہیں، ان کے اولیاء مثلاً باپ، دادا، چچا وغیرہ کو ان پر ولایت حاصل ہے، وہ لوگ نابالغ بچے اور بچیوں کا نکاح کرسکتے ہیں، ان لوگوں کو ولایت اجبار بھی حاصل ہے، یعنی نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کی رضامندی کے خلاف بھی ان کا نکاح اپنی صوابدید سے کرسکتے ہیں، ہاں ولی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ولی آزاد ہو، مسلم ہو، عاقل و بالغ ہو، معتوہ و مجنون نہ ہو۔

ولایت کی دو قسم ہے: ا۔ ولایت علی المال، ۲۔ ولایت علی النفس۔

ولایت علی النفس کی بھی دو قسم ہے: ا۔ ولایت ندب و استحباب، ۲۔ ولایت اجبار۔

ا۔ ولایت کہتے ہیں اپنی بات کو کسی دوسرے پر نافذ کرنے کو، خواہ دوسرا اس سے راضی ہو یا نہ۔ نابالغ بچے اور بچیاں چونکہ غیر مکلف ہوتے ہیں، اپنا نفع اور نقصان کو نہیں سمجھ سکتے، اپنا نکاح از خود نہیں کرسکتے بلکہ اس کے باپ دادا اور دیگر رشتہ دار کسی جگہ اس کا نکاح کرنا مناسب سمجھیں، خواہ نابالغ اسے پسند کرتا ہو یا نہیں، وہ نکاح منعقد ہوجائے گا، شریعت نے باپ، دادا وغیرہ کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ ایسا کرسکتے ہیں، البتہ صغیر و صغیرہ پر ولی کو اس وقت ولایت حاصل ہوگی جب کہ ولی آزاد ہو، مسلم ہو، عاقل و بالغ ہو، معتوہ و مجنون نہ ہو، ہوش و حواس صحیح و سالم ہو، لاابالی پن کی

☆ دار القضاء بھاگلپور، بہار شریف۔

وجہ سے بداختیار نہ ہو۔

۲- آزاد عاقل وبالغ کو شریعت نے اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار دیا ہے، اور صغیر وصغیرہ یا معتوہ وغیرہ کے نکاح کا اختیار ان کے اولیاء کے حوالہ کیا ہے۔

(الف) ولایت کے بارے میں لڑکا اور لڑکی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح لڑکا جب عاقل وبالغ ہوجاتا ہے تو ولی کی ولایت اس پر ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح لڑکی بھی جب عاقلہ وبالغہ ہوجائے تو اس پر بھی ولی کی ولایت ختم ہوجائے گی۔

(ب) عاقلہ بالغہ لڑکی ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح خود کرسکتی ہے یا نہیں اور اگر کرلیا ہے تو یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دو قسم کی روایت حدیث میں موجود ہے:

"الأیم أحقّ بنفسها من ولیّها" (مسلم شریف) اور ترمذی شریف میں ہے: **"أیما امرأۃ نکحت بغیر إذن ولیّها فنکاحها باطل"**، اور ابوداؤد شریف میں ہے: **"لا نکاح إلا بولي"**۔

مذکورہ تینوں روایات میں سے دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ بغیر ولی کی اجازت کے اگر نکاح کرلیا ہے تو وہ نکاح باطل ہے، منعقد نہیں ہوا، تیسری روایت سے بھی بظاہر ایسا ہی سمجھ میں آتا ہے۔

لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ اگر عاقلہ بالغہ نے بغیر ولی کی اجازت کے اپنا نکاح خود کرلیا ہے تو وہ نکاح منعقد ہوجائے گا، اور ایسا کرنے کا حق عاقلہ بالغہ کو ہے، اس لئے کہ مسلم شریف کی روایت اس سلسلہ میں واضح ہے **"الأیم أحقّ بنفسها من ولیّها"**، ایّم کہا جاتا ہے بغیر شوہر والی عورت کو، چاہے وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ دوسرے یہ کہ قرآن پاک میں **"حتی تنکح"** استعمال ہوا ہے جس میں نکاح کی اضافت عورت کی طرف کی گئی ہے نہ کہ ولی کی طرف۔ مزید یہ کہ عورت عاقلہ بالغہ ہے، اور عاقلہ بالغہ کو جس طرح اپنے مال میں تصرف کا حق ہے اسی طرح اپنے نفس میں بھی تصرف کرنے کا حق پہنچتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت کو امۃ ،صغیرہ،معتوہہ پر محمول کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اگر اپنا نکاح ازخود بغیر ولی کے کرلیں تو وہ باطل ہوگا،اور ابوداؤد شریف کی روایت نفی کمال پر محمول ہے۔

خلاصہ یہ کہ عاقلہ بالغہ ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح خود کرسکتی ہے اور شرعاً اس کا نکاح منعقد بھی ہوگا اور ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار نہیں ہوگی۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنا نکاح کرلیا تو یہ نکاح منعقد ہوگیا،اب ولی کو اس کی خبر ہوئی اور اس نے اس سے اتفاق کیا یا اس کو رد کردیا تو اس کا اثر نکاح پر یہ پڑے گا کہ اگر لڑکی نے غیر کفو میں نکاح کیا ہے تو ولی کو یہ حق ہوگا کہ بذریعہ قاضی اس نکاح کو رد کرادے،اور اگر کفو میں کیا ہے تو ولی کو کوئی حق اعتراض نہیں ہوگا۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی نے اپنا نکاح ازخود کرلیا تو وہ نکاح شرعاً منعقد ہوگیا،اگر لڑکی نے یہ نکاح غیر کفو میں کیا ہو تو اب ولی کو حق اعتراض حاصل ہوگا،اگر ولی چاہے تو اس نکاح کو فسخ بھی کراسکتا ہے جیسا کہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے:"**امرأة تزوجت من غير كفوء فللولي أن يعترض ويرفع إلى القاضي حتى يفسخ**"۔

حاصل یہ کہ اگر عاقلہ بالغہ نے اپنا نکاح ازخود کرلیا ہے اور کفو میں کیا ہے تو ولی کو حق اعتراض و فسخ نہیں حاصل ہوگا اور اگر اس کے برعکس ہو تو ولی کو حق اعتراض و فسخ حاصل ہوگا۔

۴- زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں کردیا،لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو اس نکاح کو لڑکی فسخ کراسکتی ہے،اس سلسلہ میں باپ،دادا کے کئے ہوئے نکاح اور دوسرے اولیاء کے کئے ہوئے نکاح میں کوئی فرق نہیں ہے۔

دراصل بعض روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ باپ دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء نے نابالغ بچوں کا نکاح کیا اس بنا پر بعد بلوغ نکاح باقی رکھنے یا رد کردینے کا اختیار دیا گیا۔خود آپ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کی لڑکی کا نکاح نابالغی کی حالت میں کیا اور بالغ ہونے کے بعد خیار بھی

رکھا،لیکن اس روایت سے مطلق خیار کا ثبوت ہوتا ہے،خواہ باپ دادا، یا دوسرے اولیاء ہوں۔ احناف نے جو باپ، دادا اور دوسرے اولیاء کے درمیان فرق کیا ہے وہ ایک قیاس ہے کہ باپ دادا چونکہ وافر الشفقہ ہوتے ہیں بچوں کے حق میں، اور وہ ان کے حق میں اچھے ہی رشتے کا انتخاب کریں گے، اس لئے وہ نکاح لازم ہوگا، اور دوسرے اولیاء چونکہ وافر الشفقہ نہیں ہوتے ہیں اس لئے ان کا کیا ہوا نکاح لازم نہیں ہوگا اور بعد بلوغ خیار حاصل ہوگا۔ باپ دادا اور دوسرے اولیاء کے درمیان جو فرق کیا گیا ہے یہ ایک قیاسی چیز ہے، روایت سے ایسی کوئی ٹھوس دلیل نہیں ملتی ہے، اس لئے خیار بلوغ کے سلسلہ میں باپ دادا اور دوسرے اولیاء سب برابر ہوں گے، اور بعد بلوغ نابالغی میں کئے گئے نکاح کو فسخ کرانے کا حق ہوگا۔

۵-خیار بلوغ کا حق لڑکی کو کب تک حاصل ہوتا ہے اور کب ساقط ہو جاتا ہے؟

فقہاء احناف کے یہاں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ باکرہ لڑکی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس لمحہ بالغ ہو خاموش نہ رہے اور فوراً کہہ اٹھے کہ میں اپنا نکاح رد کرتی ہوں، اگر خاموشی اختیار کرلی تو چاہے ابھی بالغ ہونے کی مجلس ختم بھی نہ ہوئی ہو پھر بھی اس کا اختیار ختم ہوجائے گا، اس لئے کہ خیار بلوغ اختتام مجلس تک باقی نہیں رہتا ہے۔

لیکن خصاف نے لکھا ہے کہ باکرہ کا اختیار مجلس ختم ہونے تک باقی رہے گا، چنانچہ بلوغ کے بعد فوراً گواہ بنائے اور اس کے سامنے کہے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں اور گواہ بناتی ہوں کہ اپنا نابالغی میں کیا ہوا نکاح رد کرتی ہوں، اگر اس وقت گواہ نہیں بنا سکی اور کئی دن گذر گئے تو اب نکاح لازم ہوجائے گا اور اختیار ختم ہوجائے گا اور رہا بالغہ ثیبہ لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد اس وقت تک خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے جب تک کہ وہ اپنی زبان یا عمل سے اس شوہر کی رفاقت پر رضامندی کا اظہار نہ کردے، جیسے یہ کہے کہ میں اس سے راضی ہوں یا کوئی ایسی حرکت کرے جو میاں وبیوی کے درمیان ہوسکتی ہے تو اب اس کا اختیار ختم ہوجائے گا، جیسا کہ صاحب ہدایہ نے تحریر کیا ہے: "ولا يبطل خيار البلوغ مالم يقل رضيت أو يجئ منه ما يعلم أنه رضا

وکذلک الجاریة إذا دخل بها الزوج قبل البلوغ" (۲/۲۹۷)۔

اور اگر بالغ ہونے کے بعد بھی کنواری لڑکی کو اپنے نکاح کی اطلاع نہ ہو تو نکاح کی اطلاع تک اس کا خیار باقی رہے گا: "**وان لم تعلم بالنکاح فلها الخیار حتی تعلم**" (ہدایہ)۔

فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں ناواقفیت کا اعتبار نہیں ہے، چاہے مذکورہ دونوں قسم کی لڑکی اس بات سے ناواقف ہو کہ خیار بلوغ بھی کوئی چیز ہوتی ہے اور اس کے استعمال کا بھی شریعت نے اسے حق دیا ہے۔

دراصل یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی بنیاد قیاس واجتہاد ہے، اس سلسلہ میں کوئی نص موجود نہیں ہے، اس لئے خیار بلوغ کے سلسلہ میں جس طرح نابالغہ ثیبہ کو اس وقت تک حق رہتا ہے جب تک کہ وہ زبان سے یا اپنے کسی عمل سے رضا کا اظہار نہ کردے، اسی طرح باکرہ کو بھی یہ حق حاصل ہونا چاہئے اور ساتھ ساتھ ناواقفیت کو بھی ایک عذر مانا جانا چاہئے، خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اگر وہ اس سے ناواقف ہو کہ خیار بلوغ کیا چیز ہوتی ہے اور اس کا بھی حق اسے دیا گیا ہے، یا اپنی جہل وناواقفیت کی وجہ سے کوئی ایسا عمل کرلے جو خیار کو ساقط کردیتا ہے تو بھی اس کا حق خیار بلوغ باقی رہنا چاہئے۔

قریب تر ولی زندہ ہو اور رشتۂ دور کے ولی نے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردیا تو یہ نکاح قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا: "**فلو زوج الأبعد حال قیام الأقرب توقف علی إجازته**" (درمختار، باب الولي ۲/۳۲۷، اسی طرح عالمگیری میں بھی ہے)۔

اور اگر قریب تر ولی ولایت کی اہلیت نہیں رکھتا ہو تو ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح صحیح و نافذ ہوگا، یا یہ کہ غیبت منقطعہ ہو، یعنی ولی اقرب اتنی دوری پر ہو کہ اس کی رائے لینے تک وہ رشتہ جو طے ہو رہا ہے اور ہر اعتبار سے کفو میں ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا، ایسے وقت میں اگر ولی ابعد نے نکاح کردیا ہے تو یہ نکاح بھی صحیح و نافذ ہوگا۔

۶- اگر ولی نے لڑکی کا نکاح کرتے وقت خود لڑکی کے مصالح ومفادات کا لحاظ نہیں کیا بلکہ کسی دباؤ یا اپنے کسی مفاد کی خاطر نامناسب جگہ لڑکی کی شادی کردی،لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور راضی نہیں ہے اور قاضی کے یہاں فسخ نکاح کا دعویٰ لے کر آتی ہے،بیان اور گواہوں کے بعد قاضی یہ محسوس کرتا ہے کہ ولی نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح ومفادات کا سرے سے لحاظ نہیں کیا ہے تو قاضی کو یہ اختیار رہے کہ وہ اس نکاح کو فسخ کردے،چونکہ ولی نے لڑکی کے مفادات ومصالح کو پس پشت ڈال کر اپنے مفادات کی خاطر ایسا کیا ہے،اس لئے لڑکی کو فسخ کرانے کا حق ہونا چاہئے اور قاضی ایسے حالات میں فسخ نکاح کرسکتا ہے۔

معروف بسوء الاختیار اس وقت کہا جائے گا جب کہ ایک مرتبہ اس سے پہلے اس نے ایسی حرکت کی ہو کہ ایک لڑکی کا نکاح جانتے بوجھتے ہوئے اس کے مصالح کے خلاف کرچکا ہو تو پہلی مرتبہ پہلی لڑکی کا نکاح صحیح ہوگا،اس وقت معروف بسوء الاختیار نہیں ہوگا،لیکن اگر دوسری لڑکی کا نکاح اس طرح کرے گا تو اب وہ معروف بسوء الاختیار رہوگا جیسا کہ شامی نے بھی نقل کیا ہے، لیکن یہ تشریح محل نظر ہے،دراصل معروف بسوء الاختیار سے مراد یہ ہونا چاہئے کہ ولی نے لڑکی کے مصالح ومفادات پر نظر کئے بغیر کسی لالچ یا دباؤ یا اپنے کسی نفع کے لئے نکاح کردیا ہو۔

ماجن ایسے شخص کو کہا جائے گا جو اس درجہ بے پرواہ ہو کہ اسے کچھ خبر نہیں کہ وہ کیا کررہا ہے اور اس سے کیا نفع ونقصان پہنچے گا۔

فاسق متہتک ہونے سے یہ مراد ہے کہ بے غیرت فاسق ہو،گناہوں پر جری ہو،فسق اور گناہوں کی وجہ سے بدنام ہو۔

۷- ولی عصبات ہوتے ہیں،اولیاء کے درمیان باہم ترتیب یہ ہے کہ سب سے مقدم لڑکا، پھر پوتا ہوتا ہے،اس کے بعد باپ، دادا، حقیقی بھائی، علاتی بھائی، حقیقی بھائی کا بیٹا، علاتی بھائی کا بیٹا، حقیقی چچا، علاتی چچا، حقیقی چچا کا بیٹا، علاتی چچا کا بیٹا، پھر باپ کا حقیقی چچا، باپ کا علاتی چچا، اسی

ترتیب سے ان دونوں کی اولاد، پھر دادا کا حقیقی چچا، دادا کا علاتی چچا، اسی ترتیب سے ان دونوں کی اولاد۔ عصبات نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام میں سے جو رشتہ دار وارث ہو سکتا ہے وہ ولی ہوگا، سب سے اقرب ماں ہے، پھر لڑکی، لڑکے کی لڑکی، لڑکی کی لڑکی، پوتے کی لڑکی، سگی بہن، علاتی بہن، اخیافی بھائی و بہن، پھر بہنوں کی اولاد، پھوپھیاں، ماموں، خالائیں، چچاؤں کی بیٹیاں، پھوپھیوں کی بیٹیاں۔

۸- جب ایک درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں اور کسی ایک ولی نے نکاح کی اجازت دے دی تو نکاح نافذ و منعقد ہو جائے گا، تمام مساوی اولیاء کے اتفاق کا ہونا ضروری نہیں ہے، عالمگیری میں قاضی خاں کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر صغیر یا صغیرہ کے دو برابر مرتبہ کے ولی جمع ہوئے جیسے دو سگے بھائی یا دو چچا، تو ان دونوں میں سے جس نے نکاح کر دیا جائز ہے، خواہ دوسرا ولی اس کی اجازت دے یا فسخ کرے۔

☆☆☆

ولایت نکاح کے سلسلہ میں چند شرعی ہدایات

مفتی اسماعیل بھد کوروی☆

جس معاملہ کا تعلق پوری ایک جماعت اور چند فریقوں سے ہوتا ہے، ایسے معاملہ میں شریعت مطہرہ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ہر فریق کو اس کے مناسب حال ذمہ داری سے متعلق ہدایات فرماتی ہے، مثلاً زکوۃ کے معاملہ میں صاحب مال، اور محصل زکوۃ دونوں فریقوں کو ان کے مناسب حال ہدایت فرمائی گئی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: حضرت جریر بن عبداللہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کی وہ روایات جنہیں ابوداؤد اور صاحب مشکوۃ نے نقل فرمایا ہے، نیز فیض الباری جلد چہارم)۔

نکاح ایک جماعتی معاملہ ہے:

نکاح شریعت کی نظر میں ایک ایسا جماعتی معاملہ ہے جس کے ابتدائی مرحلہ کا تعلق متعدد فریقوں سے ہوتا ہے یعنی مرد، عورت اور اولیاء عورت، لہذا اس معاملہ میں بھی شریعت مطہرہ نے ہر فریق کو اسکے مناسب حال ذمہ داری سے متعلق ہدایت فرمائی ہے۔

مرد کے لئے ہدایت:

مرد کو ہدایت دی گئی کہ وہ عورت کے انتخاب میں حسن و جمال، مال اور خاندانی مفاخر کو ترجیح نہ دے، بلکہ عورت کی دینداری کو ترجیح دے۔

☆ دارالعلوم عربیہ اسلامیہ، مقام و پوسٹ کنتھاریہ، ضلع بھروچ۔ ۳۹۲۱۶۲، گجرات۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **"تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"** (بخاری شریف ۲/ ۶۲ ۷)۔

مرد کو یہ بھی ہدایت دی گئی کہ وہ کفاءت کی رعایت کرے۔حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ **"تخيروا لنطفكم وأنكحوا الأكفاء وأنكحوا إليهم"** (ابن ماجہ/ ۱۴۲) یعنی اپنے نطفوں کے لئے بہتر عورت کا انتخاب کرو اور (اوصاف و کمالات میں) برابری کی عورتوں سے اپنا نکاح کرو اور (اپنی بیٹیوں اور بہنوں کا) برابری کے مردوں سے نکاح کرو۔

نیز حدیث شریف سے یہ ہدایت بھی ملتی ہے کہ مرد کو اپنی گھریلو حالت کی رعایت کرتے ہوئے عورت کا انتخاب کرنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا: کہ تم نے باکرہ عورت سے نکاح کیوں نہیں کیا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے سے خوب دل لگی اور ہنسی کرتے تو حضرت جابرؓ نے عرض کیا: میرے والد عبد اللہؓ لڑکیاں چھوڑ کر وفات پا گئے ہیں، لہٰذا مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ میں اپنی بہنوں کے مانند عورت سے نکاح کروں، لہٰذا میں نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو ان کی دیکھ بھال کرے اور ان کی اصلاح کرے، رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر برکت کی دعا فرمائی اور ان کی رائے اور عمل کی تصویب بھی فرمائی (بخاری ۲/ ۶۸۰)۔

اولیاء عورت کے لئے ہدایت:

اولیاء عورت کو شریعت مطہرہ نے یہ ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی زیر ولایت اور ماتحت بالغ عورت، بیٹی، بہن کا نکاح ان کی رضامندی و اجازت حاصل کر کے ہی کیا کریں، ورنہ ان کی مرضی و خوشی کے بغیر کیا ہوا نکاح جائز اور صحیح نہ ہوگا اور اس کے نکاح میں کفاءت کی بھی رعایت کریں، یعنی جس لڑکے سے اس کا نکاح طے کیا جائے وہ بعض مخصوص و متعین اوصاف و کمالات میں لڑکی کا ہمسر و ہم پلہ ہو اور اپنی برابری کے لوگوں میں لڑکی کا مناسب جوڑا ملنے کی صورت میں خواہ مخواہ نکاح میں تاخیر نہ کی جائے، نیز اپنے ذاتی مفاد کی خاطر لڑکی کا مناسب جگہ رشتہ ہونے سے مانع نہ بنے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ثیبہ عورت کا نکاح نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس سے صاف صاف اجازت حاصل نہ کر لی جائے، اور باکرہ عورت کا نکاح نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی اجازت کیسی ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے (بخاری شریف ۲/۷۷۱، مسلم شریف ۱/۴۵۵)۔

حضرت خنساء بنت خذام انصاریہؓ فرماتی ہیں کہ ان کے ثیبہ ہونے کی حالت میں ان کے ابا نے ان کا نکاح ان کی رضامندی کے بغیر کر دیا، تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی شکایت کی، تو آپ ﷺ نے ان کے نکاح کو رد فرما دیا (بخاری شریف ۲/۷۷۱)۔

حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: اے علی تین چیزوں میں تم تاخیر نہ کرنا، نماز میں جب اس کا وقت ہو جائے، اور جنازہ میں جب تیار ہو جائے، اور غیر منکوحہ عورت کے نکاح میں جب تمہیں اس کا کفو مل جائے (ترمذی شریف ۱/۴۳)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس ایسا لڑکا رشتۂ نکاح کا پیغام دے جس کے اخلاق اور دینداری تم کو پسند ہو تو اس سے (اپنی زیر ولایت لڑکی کا) نکاح کر دو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور وسیع فساد برپا ہوگا (ترمذی ۱/۲۰۷)۔

حضرت معقل بن یسارؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بہن جمیلہؓ کا نکاح (ابو البداح نامی) ایک شخص سے کر دیا، ان کے شوہر نے ان کو طلاق دیدی، جب جمیلہ کی عدت پوری ہوگئی تو ابو البداح پیغام نکاح دینے آئے، میں نے ان سے کہا کہ میں نے اپنی بہن کا تم سے نکاح کر کے تمہارا اکرام کیا تھا تو تم نے اس کو طلاق دے دی اور اب پھر نکاح کا پیغام دینے آئے ہو، واللہ وہ دوبارہ کبھی تمہارے نکاح میں نہیں آئے گی، اور ابو البداح اچھے آدمی تھے، اور جمیلہ بھی ان

کے نکاح میں واپس جانا چاہتی تھی، اس موقع پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: "فلا تعضلوهنّ أن ينكحن أزواجهنّ" کہ تم عورتوں کو انکے اگلے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو، میں نے کہا کہ اب میں یارسول اللہ ان کا نکاح کر دوں گا، اور پھر انہوں نے نکاح کر دیا (بخاری شریف ۲/۷۷۰)۔

عورت کے لئے ہدایت:

نکاح جیسے اجتماعی معاملہ میں عورتوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ان کے نکاح کے معاملہ میں ان کا ولی موجود و متصرف ہونا چاہئے، لہذا عورت اپنے نکاح کا معاملہ از خود طے نہ کرے بلکہ اپنے ولی کی صوابدید پر چھوڑ دے۔

حضرت ابو موسی اشعریؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو بھی عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے (ترمذی شریف ۱/۲۰۸)۔

حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ عورت اپنا نکاح خود نہ کرے کیونکہ زانیہ ہی وہ عورت ہے جو اپنا نکاح خود کرتی ہے (اعلاء السنن ۱۱/۷۰)۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "ألا لا يزوج النساء إلا الأولياء ولا يزوجن إلا من الأكفاء" کہ عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء ہی کیا کریں اور ان کا نکاح کفو ہی سے کیا جائے (دار قطنی، بیہقی)۔

حضرت عائشہؓ نے زمانہ جاہلیت کے چار قسم کے نکاحوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں عام طور پر یہی دستور تھا کہ عورت کے نکاح کا پیغام اس کے ولی کو دیا جاتا تھا اور عورت کا ولی ہی اس کا نکاح کرتا تھا (بخاری شریف ۲/۷۶۹)۔

عہد نبوی میں اگر کوئی عورت اپنے نکاح کا معاملہ از خود طے کرتی تو اس کو بے شرم سمجھا جاتا تھا، لہذا ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی ذات کو نکاح کے لئے پیش کیا، تو حضرت انسؓ کی لڑکی ان سے یہ واقعہ سن کر کہنے لگی کہ وہ کتنی بے شرم ہے، (کہ بغیر ولی

کی وساطت کے اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کرتی ہے) ہائے کتنا برا کام ہے، حضرت انسؓ نے اس کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ عورت تجھ سے بہتر تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس میں راغب ہو کر اس نے اپنی ذات کو نکاح کے لئے پیش کیا تھا (بخاری شریف ۲/ ۷۶۷)۔

نکاح میں ولایت ولی کا حکم:

عورت کے نکاح میں ولایت ولی کے مطلوب و مامور بہ ہونے سے متعلق مذکورہ بالا احادیث کی وجہ سے حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ عاقلہ بالغہ عورت کے لئے مستحب یہی ہے کہ وہ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی کے سپرد کر دے، خود طے نہ کرے تا کہ بے شرمی کا دھبہ نہ لگے، اور نابالغہ اور بالغہ مجنونہ عورت پر تو ولی کو نکاح کی جبری ولایت حاصل ہے (ردالمحتار ۲/ ۲۹۶)۔

نکاح میں ولایت کی حکمت:

حضرت شیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ولایت فی النکاح کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یاد رہے کہ نکاح میں صرف عورتوں کو حاکم بنانا درست نہیں ہے، اس لئے کہ ان کی عقل ناقص اور قوت فکریہ کمزور ہوتی ہے، اس لئے عام طور پر وہ مصلحت نکاح کو نہیں سمجھ سکتیں اور اس معاملہ میں ان کو اکثر حسب ونسب کا خیال نہیں رہتا، اس لئے وہ بسا اوقات غیر کفو میں رغبت اختیار کر لیتی ہیں اور اس کی وجہ سے عورت کی برادری پر عار و ذلت لازم آتی ہے، پس ضروری ہوا کہ اولیاء عورت کے لئے ایسے اختیار رکھے جائیں کہ اس قسم کے فساد کا سدباب ہو سکے۔

اور نکاح میں ولی کی شرط لگانے میں مردوں کی تکریم ہے، اور عورتوں کا نکاح میں بااختیار رہنا ان کی بے حیائی کی علامت ہے جس کی بنیاد شرم کی کمی، اولیاء کی مخالفت اور ان کی بیقدری کرنا ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ نکاح کے معاملہ کو شہرت دے کر نکاح اور زنا کے درمیان فرق کر دیا جائے، اور شہرت دینے کی بہتر شکل یہ ہے کہ عورت کے اولیاء مجلس نکاح میں شریک ہوں (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۳۱۳)۔

مسئلہ ولایت

مولانا فرحت افتخار قاسمی ☆

شریعت اسلامیہ میں ولایت وہ صلاحیت کہلاتی ہے کہ کسی کی اجازت اور توقف کے بغیر تصرف پر قادر ہونا ۔الفقہ الاسلامی وأدلتہ میں ہے:

''**وفي اصطلاح الفقهاء القدرة على مباشرة التصرف من غير توقف على إجازة أحد**'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/۱۸۶)۔

اور ولایت کا مفہوم علامہ تمرتاشی تنویر الابصار میں یوں لکھتے ہیں کہ:

''**الولاية تنفيذ القول على الغير شاء أو أبى**'' (رد المحتار الیناتی مطبعہ دیوبند ۴/۱۵۴)۔

ولایت علی النفس کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں:

قرابت، ملک، ولاء، امامت (مسلم حکمراں) یا اس کا قائم مقام۔

۲- شریعت نے عاقلہ بالغہ آزاد عورت کو از خود نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے، اور صغیر، صغیرہ، مجنون، رقیقہ کے نکاح کی ذمہ داری اولیاء کے سپرد کی ہے۔

تنویر الابصار میں ہے:

''**فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي**'' (رد المحتار ۴/۱۵۵) (آزاد مکلفہ (عاقلہ بالغہ) کا نکاح بغیر ولی کی رضا کے نافذ ہو جائے گا)۔

در مختار میں صغیر، صغیرہ، مجنون، رقیقہ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

☆ استاذ جامعہ عربیہ عین الاسلام، نوادہ، مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ یوپی۔

"وهو أي الولي شرط صحة نكاح صغير ومجنون ورقيق لا مكلفة" (ردالمحتار ۱۵۵/۴)۔

(اور وہ یعنی ولی صغیر اور مجنون اور رقیق کے نکاح کی صحت کے لئے شرط ہے نہ کہ مکلفہ عورت کے نکاح کی شرط)۔

(الف) لڑکے اور لڑکی کی بابت ولایت میں حکم یکساں ہے (کوئی فرق نہیں)۔

جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

"لولي الصغير والصغيرة أن ينكحهما وإن لم يرضيا سواء كانت بكراً أو ثيباً" (عالمگیری ۲۸۵/۱)۔

(صغیر اور صغیرہ کے ولی کو ان دونوں کے نکاح کردینے کا حق حاصل ہے اگرچہ وہ رضامند نہ ہوں خواہ صغیرہ باکرہ ہو یا ثیبہ)۔

لڑکے اور لڑکی کی انتہائے ولایت بلوغ ہے، بعد البلوغ ولایت باقی نہیں رہتی۔

درمختار میں ہے:

"ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ" (ردالمحتار لبنانی مطبوعہ دیوبند ۱۵۹/۴)۔

(بالغہ باکرہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا بلوغ کے سبب ولایت کے منقطع ہونے کی وجہ سے)۔

(ب) عاقلہ بالغہ عورت اپنے نفس پر خودمختار ہے، اس لئے وہ بلااذن ولی نکاح کرسکتی ہے اور ایسا عقد شرعاً منعقد اور صحیح ہوجائے گا، نیز لڑکی اپنے اس فعل پر گنہگار بھی نہ ہوگی، علامہ حصکفیؒ نے اس سلسلہ میں ایک اصول بیان کیا ہے کہ جو شخص اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے وہ اپنی ذات پر بھی تصرف کا حق رکھے گا، اسی طرح جو شخص اپنے مال میں تصرف نہیں کرسکتا اس کو اپنی ذات پر بھی تصرف کا حق نہیں ہے، چونکہ عاقلہ بالغہ کو اپنے مال میں تصرف کا اختیار ہے اس

لئے نکاح میں بھی علی حالہ تصرف برقرار رہے گا۔

درمختار میں ہے:

"والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا"

(ردالمحتار ۴/۱۵۵)۔

(ج) اگر عاقلہ بالغہ عورت ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنا نکاح کر لیتی ہے تو وہ نکاح شرعاً نافذ اور صحیح ہوگا، اولیاء کے اتفاق یا عدم اتفاق سے صحت نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا جبکہ اس نے کفو میں کیا ہے (ردالمحتار ۴/۱۵۵)۔

۳- عاقلہ بالغہ آزاد عورت کے از خود نکاح کر لینے کی صورت میں اعتراض اولیاء کی دو شکل ہے:

شکل اول: عاقلہ بالغہ عورت نے یہ نکاح از خود کفو اور مہر مثل پر کیا ہے۔

شکل ثانی: عاقلہ بالغہ عورت نے غیر کفو اور مہر مثل سے کم پر کیا ہے۔

بصورت اول نکاح منعقد ہوگیا، اولیاء کو فسخ کا حق حاصل نہ رہے گا۔ بصورت ثانی اولیاء کو بذریعہ قاضی فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار ۴/۱۵۶، ۱۹۹)۔

۴- باپ، دادا نے اگر زیر ولایت لڑکی کا نکاح نابالغی کے ایام میں کر دیا تو وہ نکاح منعقد اور صحیح ہوگیا کیونکہ باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح میں صغیر و صغیرہ کو خیار بلوغ نہیں ہوتا ہے، خواہ لڑکی اطمینان اور خوشی کا اظہار کرے یا نہ کرے، بہر صورت فسخ کا حق نہیں رکھتی۔

تنویر الابصار میں ہے:

"وللولي إنكاح الصغير والصغيرة ولو ثيباً ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفء" (ردالمحتار ۴/۱۷۰)۔

اور ولی کو صغیر و صغیرہ کے نکاح کرانے کا اختیار ہے اگرچہ ثیبہ ہو، اور نکاح لازم ہوجائے گا گرچہ غبن فاحش یا غیر کفو میں ہو۔

اگر باپ دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء نے غیر کفو اور غبن فاحش کے ساتھ کردیا تو وہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا، لیکن باپ دادا کے علاوہ اولیاء نے کفو اور مہر مثل میں کیا ہے تو ایسا عقد صحیح ہے، صغیر وصغیرہ کے لئے خیار فسخ بلوغ اور علم نکاح تک باقی رہے گا (ردالمحتار ۴/۱۷۳، ۱۷۴)۔

عالمگیری اور ہدایہ میں ہے:

’’فإن زوجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ وهذا عند أبي حنيفةؒ ومحمدؒ ويشترط فيه القضاء‘‘ (عالمگیری ۱/۲۸۵، ہدایہ ۲/۲۹۷)۔

پس اگر باپ، دادا نے شادی کرائی تو بلوغ کے بعد ان دونوں کو خیار حاصل نہ رہے گا، اور اگر باپ دادا کے علاوہ نے شادی کرائی ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کو خیار حاصل ہوگا، جب اس کو خبر پہونچے اگر چاہے تو اپنے نکاح کو قائم رکھے اور اگر چاہے تو فسخ کردے، یہ طرفینؒ کے نزدیک ہے، اور اس میں قضاء کی شرط لگائی گئی ہے۔

۵- خیار بلوغ کا حق لڑکی کے بلوغ اور علم نکاح تک رہتا ہے، لہذا خیار بلوغ اور علم نکاح پر ذرا سی تاخیر خیار کو باطل کردیتا ہے۔

تنویر الابصار میں ہے:

’’وبطل خيار البكر بالسكوت عالمة بالنكاح ولا يمتد إلى آخر المجلس‘‘ (ردالمحتار ۴/۱۸۷)۔

(اور باکرہ عورت کا خیار بلوغ جس کو نکاح کا علم ہو سکوت سے باطل ہوجاتا ہے اور مجلس کے اختتام تک ممتد نہیں ہوتا)۔

اگر لڑکے، لڑکی کا نکاح قریب تر ولی کے زندہ ہوتے ہوئے نسبۃً دور کے اولیاء نے کردیا تو وہ نکاح منعقد اور صحیح ہوگا، البتہ قریب تر ولی کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت پر نفاذ نکاح

موقوف رہے گا۔

درمختار میں ہے:

"فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب توقف على إجازته"۔

(اقرب ولی کے ہوتے ہوئے اگر ولی بعید نے نکاح کردیا تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا)۔

"(توقف على إجازته) أن البالغة لو زوجت نفسها غير كفء فللولي اعتراض ما لم يرض صريحاً أو دلالة كقبض المهر" (ردالمحتار ۴/۱۹۹)۔

(اس کی اجازت پر موقوف ہوگا) یہ کہ بالغہ عورت اگر اپنا نکاح غیر کفو میں کرے تو ولی کو حق اعتراض حاصل رہے گا جب تک کہ صراحۃً یا دلالۃً راضی نہ ہو جائے مثلاً مہر پر قبضہ کرنا)۔

۶- نابالغہ کا نکاح اگر باپ دادا نے کیا ہے تو فسخ نہیں ہوسکتا، لیکن ایک صورت ہے جس میں فسخ نکاح کا دعویٰ قابل سماعت ہوگا، وہ یہ ہے کہ باپ معروف بسوء الاختیار رہو، باپ زیر ولایت لڑکی کے مصالح کے خلاف میں مشہور و معروف ہو، علامہ شامیؒ نے فتح القدیر کی ایک بحث کے ذیل میں معروف بسوء الاختیار کی تشریح یوں کی ہے کہ باپ سیئ الاختیار اس صورت میں کہا جائے گا جبکہ اس سے قبل اس نے ایسی حرکت کی ہو کہ ایک لڑکی کا نکاح قصداً اس کے مصالح اور مفاد کے خلاف کر چکا ہو تو یہ عقد صحیح اور نافذ ہوگیا کیونکہ اس وقت وہ سیئ الاختیار میں متعارف نہ تھا، اگر دوسری کا اسی طرح کردے گا تو اب سیئ الاختیار میں شہرت کی وجہ سے دوسرا نکاح صحیح نہ ہوگا (ردالمحتار ۴/۱۷۲)۔

درمختار میں ہے:

"......إن كان الولي المزوج بنفسه أبا أو جدا لم يعرف منهما سوء الاختيار مجانة وفسقا وإن عرف لا يصح النكاح اتفاقا" (ردالمحتار ۴/۱۷۲)۔

(......اگر بذات خود شادی کرانے والا ولی باپ یا دادا ہو جن کا لاابالی پن اور فسق میں

سوء الاختیار ہونا مشہور نہ ہو، اور اگر مشہور ہو تو بالاتفاق نکاح صحیح نہ ہوگا)۔

اور علامہ شامیؒ نے فتح القدیر کی بحث کے آخر میں جو وجہ لکھی ہے وہ درست نہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

"ولو كان المانع مجرد تحقق سوء الاختيار بدون الاشتهار لزم إحالة المسألة أعني قولهم ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفء إن كان الولي أبا أو جدا" (ردالمحتار ۱۷۲/۴)۔

عبارت بالا کا حاصل یہ ہے کہ غبن فاحش اور غیر کفو میں نکاح کر دینا سوء الاختیار کو بتا رہا ہے، اگر تحقق صرف کافی ہوتا تو "لم يعرف منهما سوء الاختيار" والی عبارت بے فائدہ رہ جاتی، اس کا جواب یہ ہوگا کہ بعض اوقات ایک دور اندیش ہوشیار اور عقلمند ولی غیر کفو اور مہر مثل سے کم پر محض اس کے دینی و دنیوی مفاد کی وجہ سے کر دیتا ہے، لہذا یہ تسامح سے خالی نہ ہوگا کہ جب مہر مثل اور غبن فاحش سے کر دیا تو سیئ الاختیار ثابت ہوگیا، درحقیقت یہ سیئ الاختیار نہیں ہے بلکہ خیر خواہانہ اقدام اور اختیار ہے۔

"لم يعرف بسوء الاختيار" کا واضح مطلب یہ ہوا کہ یہ بات درجہ یقین کو پہونچ جائے کہ اس نے اپنی خودغرضی، کسی دباؤ اور طمع زر سے لڑکی کے مصالح اور مفاد کو نظر انداز کر دیا ہے تو ایسا نکاح نافذ اور صحیح نہ ہوگا جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی اسی طرح کی وضاحت فرمائی ہے (نیز دیکھئے: البحر الرائق ۱۳۵/۳)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں ترک شفقت یقینی ہو جائے تو نکاح نافذ اور لازم نہ ہوگا۔

سیئ الاختیار، فاسق، ماجن، متہتک سے کیا مراد ہے؟

بظاہر ان کے مفہوم میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف اختلاف لفظی ہے ورنہ مفہوم میں ہم معنی ہیں۔

علامہ شامی" ما لم یکن متهتکا" کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ وہ سیئ الاختیار کا ہم معنی ہے (ردالمحتار ۴/ ۱۵۳)۔

۷- ولی نکاح عصبہ بنفسہ علی ترتیب الارث والحجب ہے، عصبہ نہ ہونے کی صورت میں ولایت ماں کو، پھر دادی کو (اور بعض حضرات نے برعکس کہا ہے)، پھر بیٹی، پھر پوتی، پھر نواسی، پھر پوتے کی بیٹی، پھر نواسی کی بیٹی، اسی طرح آخری فروع تک، پھر حقیقی بہن، پھر علاتی، پھر اخیافی بھائی بہن، پھر ذوی الارحام، پہلے پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچا زاد بیٹی اور اسی ترتیب سے ان کی اولاد (تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار ۴/ ۱۹۰، ۱۹۵)۔

۸- یکساں درجہ کے ایک سے زائد اولیاء ہونے کی صورت میں صحت نکاح کے لئے کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی، تمام مساوی درجہ کے اولیاء کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

عالمگیری میں ہے:

"وإذا اجتمع للصغير والصغيرة وليان مستويان كالأخوين والعمين فأيهما زوج جاز عندنا كذا في فتاوىٰ قاضي خان" (ہندیہ ۱/ ۲۸۴، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۵۲۱)۔

اور جب صغیر وصغیرہ کے دو برابر درجہ کے ولی ہوں جیسے دو بھائی اور چچا، تو ان میں سے جس نے بھی نکاح کردیا ہمارے نزدیک درست ہوجائے گا جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

درمختار میں ہے:

"ولو زوجها وليان مستويان قدم السابق" (ردالمحتار ۴/ ۱۹۹)۔

(اور اگر دو برابر درجہ کے ولی نے نکاح کردیا تو پہلے والا مقدم رہے گا)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مفتی ضیاء الحق قاسمی ☆

ولایت کا باب بھی بہت اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ بہت ساری مصلحتوں پر یہ مشتمل ہے۔ ولایت کا لغوی معنی حکومت، اختیار، بالادستی، ریاست کے آتا ہے، نیز ولی لغتاً مددگار، دوست، بزرگ کو کہتے ہیں، اور ولی شرعی سرپرست کو کہا جاتا ہے۔

اصطلاحی اعتبار سے ولی اس شخص کو کہا جائے گا جو آزاد، مسلمان، عاقل، بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ماتحت کا ذمہ دار بھی ہو، ولایت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ولایت حتم وایجاب، ۲۔ ولایت ندب واستحباب۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور قسم شمار کرائی ہے، جس میں امام ابو یوسفؒ آخری قول میں اور امام شافعیؒ شریک ہیں، یہ تیسری قسم "ولایت شرکت" کہی جاتی ہے، اس طرح کل ملا کر ولایت کی تین قسمیں ہوگئیں، صاحب بدائع لکھتے ہیں: "**الولاية نوعان :ولاية حتم وايجاب وولاية ندب واستحباب ......، وأما على أصل محمد فهي نوعان: ولاية استبداد وولاية شركة ...... وكذا يقول الشافعيؒ الخ**" (بدائع الصنائع ۲/۲۴۱)۔

ولایت کا مفہوم:

شریعت اسلامی میں ولایت اس وجہ سے آئی ہے کہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کا خیال رکھا جائے جو کسی عارض کی بنا پر خود مختار ہونے کے قابل نہیں ہیں خواہ وہ عارض دائمی ہو یا طاری ہو،

☆ استاذ جامعہ عربیہ بیت العلوم جعفرآباد، دہلی، ۵۳ ۰۰ ۱۱۔

(کمافی بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۱) مثلاً کسی کے گھر میں ایک بچی ہے جو نابالغ ہے اور اس کا بہت موزوں رشتہ آ گیا ہے، اور اس نابالغ لڑکی کو احساس بھی نہیں کہ موزوں کیا ہے اور غیر موزوں کیا ہے؟ ایسی صورت میں باپ، دادا، یا علی حسب الترتیب اولیاء اس کا نکاح کر دیں گے، اسی طرح اس بچی کو کوئی مال وصیت وغیرہ کے ذریعہ ملا ہے تو اسے اس مال کی حفاظت ونگرانی کا چونکہ تجربہ نہیں ہے اور یہ مال ضائع ہوسکتا ہے، تو اس طرح کی نازک ترین گھڑیوں میں شریعت نے اولیاء مقرر کر کے اس جیسے لوگوں کا مستقبل بچالیا ہے۔

شرط ولایت:

ولایت کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عصبہ ہو، عصبہ نہ ہونے کی صورت میں ماں ولی ہوگی، پھر ذوی الارحام ہوں گے، پھر اقرب فالاقرب، پھر مولی الموالاۃ۔

جیسا کہ ابھی گذرا کہ ولی اولاً عصبہ ہوں گے تو یہ بھی علی ترتیب الإرث والحجب ہوں گے:

"**الولي هو العصبة علي ترتيب الإرث والحجب ، فقدم الجزء وإن سفل ثم الأصل وإن علا ثم جزء الأصل القريب ثم جزء الأصل البعيد، ثم الترجيح بقوة القرابة الخ ثم الأم ثم ذو الرحم الأقرب فالأقرب**" (متن شرح وقایہ ۲/ ۲۷، فتاویٰ دارالعلوم ۸/ ۳۷، کنز الدقائق / ۱۰۰، البدائع ۲/ ۲۴۳)۔

ولایت علی النفس:

اس باب میں دو باتیں آئیں گی:

۱۔ یہ کہ ولایت علی النفس جبری وقہری ہوگی، ۲۔ یہ کہ ولایت علی النفس جبری وقہری نہ ہوگی بلکہ استحبابی ہوگی، جو لزوم کے درجہ میں نہ ہو کر مندوب ہوگی۔ پہلی قسم کے مولیٰ علیہ کی فہرست یہ ہے: "**وأما ولاية الحتم والإيجاب والاستبداد فشرط ثبوتها على أصل أصحابنا كون المولى عليه صغيراً أو صغيرة أو مجنوناً كبيراً أو مجنونة كبيرة سواء كانت الصغيرة بكراً أو ثيباً**" (بدائع الصنائع ۲/ ۲۴۱)۔

اور دوسری قسم میں یعنی ولایت استحباب میں بالغہ چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ،عند الاحناف اور امام شافعیؒ کے نزدیک ولایت استحباب کا معیار بکارت وثیوبت ہے، یعنی اگر ثیبہ ہے تو اس پر ولایت استحباب ہوگی، چاہے ثیبہ صغیرہ یا کبیرہ ہو اور عند الاحناف صغرسنی اور کبرسنی معیار ہے، اگر لڑکی بالغہ ہوگی تو وہ خود مختار ہوگی اپنے ہر معاملہ میں، کیونکہ وہ اس بلوغت کی وجہ سے اپنے معاملات حل کرنے کی اہل ہوگئی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"الأيم أحقّ بنفسها من وليّها والبكر تستأمر في نفسها" (فتاویٰ دارالعلوم ۸/۳۳،مشکوٰۃ ۲۷۰؍علی الکفو حاشیہ/۱۰۰)۔

"عن رسول الله ﷺ قال تستأمر النساء في أبضاعهن فقالت عائشةؓ أن البكر تستحيي يارسول الله فقال إذنها صماتها، وروي سكوتها" (ابوداؤد ۱/۲۸۵، بدائع ۲/۲۴۲،شامی مشکوٰۃ ۲۷۰؍،نسائی ودارمی بحوالہ شرح وقایہ ۲/۲۱)۔

۳- بالغہ لڑکی نے اگر اپنا نکاح از خود کرلیا تو وہ منعقد ہوگا یا نہیں؟

اگر لڑکی نے بالغ ہونے کی حالت میں از خود نکاح کرلیا تو اس کا نکاح نافذ قرار دیا جائے گا، چاہے ولی سے اجازت نہ لی ہو،اس کے برخلاف اگر ولی نے زبردستی کردیا تو یہ صحیح نہ ہوگا، بلکہ یہ اس کی اجازت پر موقوف رہے گا، جب وہ اجازت دے گی تب جاکر نافذ ہوگا(تفصیل کے لئے دیکھئے: فتاویٰ دارالعلوم ۸/ ۹۴-۹۵،بدائع ۲/ ۲۴۲، کنز ص ۱۰۰،شرح وقایہ ۲/ ۲۰)، ہاں البتہ اگر بالغہ نے خود کرلیا تو یہ نکاح نافذ ہوگا لیکن اولیاء کو غیر کفو کی صورت میں اعتراض کا حق رہے گا۔

۴- نابالغی کے زمانے میں کئے گئے نکاح کو فسخ کرانے کا حق:

اس بارے میں یہ صراحت ہے کہ باپ دادا کے علاوہ اولیاء نے اگر شادی کردیا تھا تو ان دونوں کو خیار بلوغ حاصل ہوگا، یہ قضا کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کراسکتے ہیں،بشرطیکہ بلوغت کی مجلس میں ہی انکار کردیا ہو،اگر مجلس بدل جائے گی تو پھر اختیار ساقط ہوجائے گا۔

۵-قریب تر ولی کے ہوتے ہوئے دور کے ولی کا نکاح نافذ ہوگا یا نہیں؟

اس بارے میں یہ واضح ہے کہ ولی عصبہ ہوتا ہے اور ولایت میں الاقرب فالاقرب کا لحاظ رکھا گیا ہے جیسا کہ ماقبل میں ذکر ہوا، لہذا اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو یہ حق نہیں کہ اس کا نکاح کردے، البتہ ایسی صورت ہو کہ کفو مل گیا ہے اور اقرب موجود نہیں ہے یا سفر کی مسافت پر ہے اور بہتر رشتہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو پھر وہ ابعد ولی نکاح کرا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عبد الرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ کی بیٹی کا نکاح کردیا تھا ان کی غیر موجودگی میں، (بدائع ۲/۲۴۹) اور خود آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین چیز میں تاخیر نہ کرو، اس میں ایک مناسب وبہتر رشتہ بھی ہے، لہذا اس مجبوری کا خیال رکھا جائے گا۔

”والأبعد یزوج بغیبة الأقرب مالم ینتظر الکفوء الخاطب“ (شرح وقایہ ۲/۷۲، کنز ۱/۱۰۱، فتاوی دارالعلوم ۸/۳۴)۔

٨- اگر ایک ہی قسم کے متعدد اولیاء موجود ہوں تو تمام سے اجازت لینا ضروری نہیں، اگر بعض راضی ہو جائیں تو یہ نکاح اپنے حال پر باقی رہے گا، اور دیگر بعض اولیاء کے فسخ کرانے سے فسخ نہیں ہوگا (کنز ۱/۱۰۱، ابوداؤد ۱/۲۸۵، فتاوی دارالعلوم ۲/۱۱۴)۔

☆☆☆

ولایت سے متعلق سوالات کے جوابات

مولانا ابوالحسن علی☆

۱- شریعت کی اصطلاح میں ولایت، عاقل بالغ وارث کا اپنے قول کو دوسرے پر نافذ کرنا ہے، اور یہ ولایت چار چیزوں سے ثابت ہوتی ہے: قرابت، ملک، ولاء، اور امامت۔ اور عرف میں ولی عارف باللہ کو کہتے ہیں، اور لغت میں دوست کو کہتے ہیں۔ ولایت کے لئے بالغ، عاقل، اور وارث ہونا شرط ہے، اگر چہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ صبی، وصی، مجنون اور معتوہ ولی نہیں بن سکتا، اسی طرح غلام و کافر بھی ولی نہیں بن سکتا (دیکھئے: درمختار مع ردالمحتار ۳/۵۴-۵۵)۔

۲- چونکہ صغیر اور صغیرہ میں نفع اور ضرر کی تمیز نہیں ہوتی، اس لئے اسلامی شریعت نے صغیر وصغیرہ کا نکاح ان کے اولیاء کے حوالہ کیا ہے اور اسے اصطلاح میں ولایت اجبار کہتے ہیں، اور عاقل، بالغ، آزاد خود اپنا نکاح کر سکتا ہے، اسی طرح شریعت نے عاقلہ بالغہ آزاد عورت کو بھی خود اپنا نکاح اپنے کفو میں کرنے کا اختیار دیا ہے، البتہ غیر کفو میں ولی کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتی ہے (درمختار ۳/۵۵-۵۶)۔

(الف) چونکہ نابالغ لڑکا یا لڑکی میں سمجھ بوجھ کی کمی ہوتی ہے، وہ اپنے نفع ونقصان کی تمیز نہیں کر سکتے، اسی لئے ان کے عقود بیع وشراء وغیرہ معتبر نہیں ہوتے اور اس کا کامل اختیار ان کے ولی کو ہوتا ہے، ولی اپنی مرضی سے ان کا نکاح جہاں چاہے کر سکتا ہے، لیکن یہ حق صرف باپ

☆ شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، عید گاہ روڈ بھروچ، گجرات۔

دادا کو حاصل ہے اور اس سلسلہ میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اور دونوں پر ولایت کا اختیار بعد البلوغ ختم ہوجاتا ہے۔

(ب) عاقلہ بالغہ لڑکی نکاح کے بارے میں خود مختار ہے، وہ اپنا نکاح از خود کفو میں ولی کی مرضی کے بغیر بھی کرسکتی ہے، شرعاً وہ نکاح معتبر ہوگا، لیکن عورتیں چونکہ طبعًا باحیا ہوتی ہیں اور بغیر ولی کی اجازت کے کفو میں بھی نکاح کرنے کو بے حیائی اور بے غیرتی قرار دی جاتی ہے، اس لئے ان کو چاہئے کہ اپنے معاملہ کو ولی کے حوالہ کردیں اور اس سے اجازت حاصل کریں۔

لیکن عاقلہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نہیں کرسکتی ہے، امام صاحب سے غیر ظاہر الروایہ میں یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ کا غیر کفو میں نکاح جائز نہیں ہے اور اگر کرلیا تو وہ نکاح نافذ نہیں ہوگا، اور ہمارے اس دور میں فتوی بھی اسی قول پر ہے، اس لئے کہ ہر ولی قاضی کے پاس اچھی طرح مرافعت نہیں کرسکتا ہے اور ہر قاضی عادل بھی نہیں ہوتا ہے، اور اگر ولی مرافعت کرے بھی تو ضروری نہیں ہے کہ قاضی عدل بھی کرے، اور اگر قاضی عدل بھی کرے تو ولی بار بار قاضی کے دربار میں آنے جانے میں عار محسوس کرے گا اور مخاصمت کو بارگراں سمجھ کر ترک کردے گا۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں نکاح کیا اور ولی کو علم نہیں تھا، علم ہونے کے بعد چاہے وہ اتفاق کرے یا رد کرے، دونوں صورتوں میں وہ نکاح نافذ ہوگا اور نکاح پر رد یا اتفاق سے کوئی اثر نہیں پڑے گا، البتہ اگر اس نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کیا اور ولی کو معلوم ہوا تو چونکہ ظاہر الروایہ کے مطابق نکاح نافذ ہوجاتا ہے، اس لئے اگر ولی اتفاق کرے تو فبہا، اور اگر اتفاق نہ کرے تو وہ اس نکاح کو قاضی کے ذریعہ فسخ کراسکتا ہے، لیکن مفتی بہ قول کے مطابق یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔

۳- اس کی تفصیل سوال نمبر ۲ کے جواب ''ب'' اور ''ج'' میں گذر چکی ہے (دیکھئے: شامی ۵۶/۳-۵۷)۔

۴- باپ اور دادا جو اولاد پر انتہائی شفیق ہوتے ہیں اور جن کو ولایت تامہ حاصل ہوتی ہے، اگر وہ لڑکی کے مصالح کو پس پشت ڈالدیں تو بعض صورتوں میں ان کا کیا ہوا نکاح بھی باطل ہو جاتا ہے، تو ان کے سوا دوسرے رشتہ دار مثلاً، چچا، بھائی یا وہ جن کو ولایت بعیدہ حاصل ہے، اگر ایسا نکاح کردیں تو بدرجہ اولی ناجائز ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر باپ، دادا کے سوا دوسرے اولیاء نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کردیں یا نقصان ظاہر کے ساتھ نکاح کرائیں تو ایسا نکاح باطل ہوگا۔ صاحب درمختار لکھتے ہیں:

''وأنه إن كان المزوّج غيرهما أى غير الأب والجد ولو الأم أو القاضي لا يصحّ النكاح من غير كفء أو بغبن فاحش أصلا'' (درمختار ۳/۶۶۔۶۷)۔

۵- خیار بلوغ یعنی جس وقت آثار بلوغ مثلاً حیض وغیرہ ظاہر ہوں تو اسی وقت بغیر کسی توقف کے اسی مجلس میں زبان سے کہہ دے کہ میرے بچپن میں فلاں ولی نے جو میرا نکاح کیا تھا میں اس کو رد کرتی ہوں، مجھ کو یہ نکاح منظور نہیں، اس رد وانکار کے بعد لڑکی کو اختیار حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دے کر نکاح کو فسخ کرالے، اگر وقت بلوغ اور مجلس بلوغ میں فوراً نہ کہے تو پھر خیار فسخ اس کو حاصل نہیں رہتا ہے اور نکاح لازم ہوجاتا ہے، اور موقعہ سے فائدہ نہ اٹھانے کا الزام یا نقصان خود اسی پر عائد ہوتا ہے۔ جب لڑکی کو خیار فسخ حاصل ہوجائے تو اس سے منتفع ہونے کے لئے چونکہ قضاء قاضی کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ بوقت بلوغ انکار کرتے وقت دو آدمیوں کو شاہد بنالے، پھر بعد میں ان شاہدوں کو کسی مسلم حاکم یا جج کے سامنے پیش کرے، حاکم ان دونوں کی شہادت پر اس کا نکاح فسخ کردے گا، اور اگر ایسا اتفاق پیش آیا کہ صغرسنی میں اولیاء میں سے کسی نے لڑکی کا نکاح کردیا اور لڑکی کو بوقت بلوغ نکاح کا علم ہی نہ ہو بلکہ بلوغ کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ اس کا نکاح فلاں ولی نے بچپن میں کردیا تھا تو پھر جس وقت اس کو اس کا علم ہو اسی وقت رد کردے، تو اس کو خیار فسخ حاصل رہے گا اور حکم

حاکم کے بعد نکاح ختم ہوجائے گا۔

پس اگر ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد مثلاً چچا کے رہتے ہوئے چچا کا بیٹا یا والدہ، یا مثلاً والدہ کے رہتے ہوئے دادی یا اور کوئی بعد کے درجہ کا ولی نابالغہ کا نکاح کردے تو وہ ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر وہ باقی رکھے تو درست ہوگا اور اگر وہ رد کردے تو رد ہوجائے گا، کیونکہ جو ولی زیادہ قریب ہے وہی اس کے منافع وغیرہ کا زیادہ لحاظ رکھ سکتا ہے، اسی لئے اس کے ہوتے ہوئے ولی ابعد کو مداخلت کا اختیار نہیں ہے، اگر ولی اقرب نکاح کے وقت موجود ہو اور اس کی موجودگی میں ولی ابعد نے نکاح کردیا تب بھی محض اس کی موجودگی اور خاموشی رضائے نکاح کے لئے کافی نہیں ہوگی اور اس کو اجازت قرار نہیں دیا جائے گا (درمختار ۳/۶۹-۷۰، نیز ص ۷۳-۷۵، ص ۸۱)۔

۶- باپ، دادا اپنی بیٹیوں اور پوتیوں پر نہایت ہی شفیق ومہربان ہوتے ہیں، اس لئے ان سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنی بیٹیوں اور پوتیوں کی مصلحتوں اور ان کے مفاد کو عقد کے وقت پس پشت ڈال دیں، اس لئے باپ اور دادا صغیرہ کے عقد میں دوسرے اولیاء سے ممتاز ہوتے ہیں، ان کا کیا ہوا نکاح نافذ ہوجاتا ہے، لیکن اگر کسی جگہ یہ معلوم ہوجائے کہ باپ یا دادا نے جو نکاح صغیرہ لڑکی کا کیا ہے اس میں لڑکی کی مصلحت کو ترک کردیا ہے اور اس کی عزت و وقعت کو پامال وبرباد کردیا ہے، تو پھر شریعت ایسے نکاح کو صحیح نہیں کہتی ہے، اس صورت میں لڑکی کو بوقت بلوغ خیار فسخ حاصل ہوگا، وہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم سے اپنا نکاح فسخ کراسکتی ہے۔

علامہ شامی نے فتح القدیر کی ایک بحث کے ذیل میں معروف بسوء الاختیار کی تشریح یہ کی ہے کہ باپ کو بسوء الاختیار معروف اس صورت میں قرار دیا جائے گا جبکہ ایک مرتبہ اس نے پہلے ایسی حرکت کی ہو کہ اس نے اپنی ایک لڑکی کا نکاح جان بوجھ کر لڑکی کی مصلحت کے خلاف کر دیا ہو تو اس پہلی کا نکاح صحیح و نافذ ہوگیا کیونکہ اس وقت وہ معروف بسوء الاختیار نہیں تھا، البتہ دوسری لڑکی کا نکاح اگر اسی طرح کرے گا تو اب وہ نکاح نافذ نہیں ہوگا کیونکہ وہ اب معروف

بسوء الاختیار ہو چکا ہے۔لیکن سوء اختیار کی یہ تشریح غلط ہے، اس لئے کہ اس تشریح کے مطابق تجربہ کے لئے ہر جگہ پر پہلی لڑکی کو قربان کرنا ہوگا جو زیادتی اور ظلم ہے اور یہ بات تفقہ سے بھی بعید ہے، نیز یہ تشریح جمہور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل رد ہے، خصوصاً جبکہ اس بحث کے خاتمہ پر خود علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالہ سے اس تشریح کی جو وجہ لکھی ہے وہ کوئی یقینی وجہ نہیں ہے (دیکھئے شامی ۳۲۰/۲)۔

اس کا حاصل تو یہی ہے کہ غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو میں نکاح کر دینا خود ہی سوء اختیار کو ثابت کر رہا ہے تو تحقق سوء اختیار متعین ہے، لیکن اگر صرف تحقق سوء اختیار کافی ہوتا تو آگے یہ شرط کہ ''لم یعرف بسوء الاختیار'' بے فائدہ ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی ایسا نہیں ہے بلکہ بعض اوقات ایک شفیق اور عقل مند باپ مہر کی کمی یا غیر کفو میں ہونے کے باوجود نکاح پر اس لئے راضی ہو جاتا ہے کہ اس میں دوسرے منافع و مصالح موجود ہوتے ہیں، مثلاً ایک عالم صالح غیر کفو ہے یا مہر کم دے رہا ہے، مگر وہ ایسا مشہور و معروف بالصلاح عالم ہے کہ اس کے ساتھ لڑکی کی زندگی دنیوی اور دینی دونوں اعتبار سے خوشگوار رہنے کی قوی امید ہے تو ایسے مواقع پر مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو میں عقد کر دینے کی صورت میں یہ کہنا درست نہیں کہ یہ سوء اختیار ہے، بلکہ یہ ایک دانشمندانہ و مصلحانہ اختیار ہے۔

۷- ولی فی النکاح عصبات بنفسہا علی ترتیب الارث ہیں، ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو ماں، پھر دادی، پھر نانی، پھر اسی ترتیب سے دادی اور نانی کے مؤنث اصول۔ پھر بیٹی، پھر پوتی، پھر نواسی اور نواسا، پھر پر پوتی، یعنی مجنونہ کے فروع غیر عصبات، اگر قرب و بعد میں مختلف ہوں تو قریب کو ترجیح ہے، اور برابر درجہ کے ہوں تو عصبہ کی بیٹی کو ترجیح ہے، فروع کے بعد جد فاسد اور جدۂ فاسدہ بلحاظ قرب و بعد، پھر بہن عینی، پھر علاتی، پھر اخیافی بھائی اور بہن، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچا کی بیٹی، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد، پھر سلطان (احسن الفتاوی ۹۴/۵، نیز دیکھئے شامی ۷۶/۳)۔

ولایت فی النکاح میں سب سے مقدم بیٹا ہوتا ہے، بیٹا نہ ہو تو پوتا، اور وہ نہ ہو تو باپ، پھر دادا، پھر بھتیجا، پھر چچا، وہ نہ ہو تو چچا کا بیٹا، پھر باپ کا چچا، وہ نہ ہو تو اس کا بیٹا، پھر دادا کا چچا، وہ نہ ہو تو اس کا بیٹا، بشرطیکہ یہ سب مسلمان ہوں کافر نہ ہوں، آزاد ہوں غلام نہ ہوں، بالغ ہوں نابالغ نہ ہوں۔

اگر عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو پھر والدہ، والدہ کے بعد دادی، وہ نہ ہو تو نانی، وہ بھی نہ ہو تو لڑکی، وہ بھی نہ ہو تو پوتی، وہ بھی نہ ہو تو نواسی، پھر پوتے کی بیٹی، پھر نواسی کی بیٹی، پھر نانا، پھر بہن، پھر بھانجی، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر پھوپھی کی بیٹی۔

"**فإن لم يكن عصبة فالولاية للأم، ثم لأم الأب، ثم للبنت، ثم لبنت الابن، ثم لبنت البنت، ثم لبنت ابن الابن، ثم لبنت بنت البنت ثم للجدالفاسد، ثم لأخت لأب و أم إلى قوله ثم بنات الأعمام**" (درمختار مع ردالمحتار ۳/۷۸، ۷۹)۔

۸- جب کسی لڑکی کے چند مساوی درجہ کے اولیاء ہوں تو کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہے، سب سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے، البتہ اگر دو ولیوں نے علی التعاقب اجازت دی تو ان میں سے جس نے پہلے اجازت دی ہے اس کو مقدم رکھا جائے گا، اسی طرح اگر دونوں نے ایک ساتھ اجازت دی یا معلوم ہی نہ ہو کہ کس نے پہلے اجازت دی ہے تو اس صورت میں عقد ہی نہیں ہوگا اور دونوں کے نکاح میں سے کسی کا نکاح بھی نافذ نہیں ہوگا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۲۵۱)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا عبداللطیف پالنپوری☆

۱- ولایت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ ولایت اجبار، ۲۔ ولایت ندب۔ ولایت اجبار یہ ہے کہ ولی اپنی بات ماتحت پر نافذ کرنے کے موقف میں ہو، خواہ وہ اس پر رضامند ہو یا نہ ہو۔ اور ولایت ندب یہ ہے کہ ماتحت کے لئے ولی کی بات ماننا بہتر ہو، یعنی اگر نہ مانے تو ولی کی بات نافذ نہ ہو، بالغ لڑکے اور لڑکیوں پر ولایت ندب حاصل ہوتی ہے، ولایت اجبار نہیں، اور نابالغ لڑکے اور لڑکیوں پر ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے۔

"والولاية تنفيذ القول على الغير تثبت بأربع: قرابة وملك وولاء وامامة شاء أو أبى، وهي نوعان: ولاية ندب على المكلفة ولو بكراً، و ولاية إجبار على الصغيرة ولو ثيباً" (درمختار مع الشامی ۲/۲۹۶)۔

ولایت علی النفس کے لئے شرط یہ ہے کہ ولی عاقل، بالغ ہو، نیز اولاد کی تربیت پر قادر ہو، بچوں کے اخلاق کے سلسلے میں امانت دار ہو، نیز مسلمان بچے اور بچی کے لئے ولی کا اسلام شرط ہے، لہذا غیر بالغ یا غیر عاقل یا ایسا کم عقل جو فضول خرچی کرنے والا ہو ان کے لئے ولایت نہیں ہے، کیونکہ وہ خود اپنے امور کی نگرانی کے محتاج ہیں، اسی طرح ایسا فاسق اور بے پرواہ جو بچے کے مال اور اخلاق کی فکر نہ کرے، نیز بچوں کو بیکار چھوڑ دے اور ان کے علاج و تعلیم کی فکر نہ کرے ان کے لئے بھی ولایت نہ ہوگی (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/۷۴۷)۔

☆ استاذ مدرسہ جامعہ نذیریہ، کاکوسی، مہسانہ، ضلع پٹن، گجرات۔

۲- (الف) ولایت کے بارے میں لڑکے اورلڑکی میں کچھ فرق نہیں ہے، لڑکے اورلڑکی دونوں کے بالغ ہونے پر ولی کی ولایت اجبار ختم ہوجائے گی۔

"وكل هؤلاء لهم ولاية الإجبار على البنت والذكر في حال صغرهما وحال كبرهما إذا جنّا، كذا في البحر الرائق" (ہندیہ ۱/۲۸۳)۔

"ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ" (درمختار علی الشامی ۲/۲۹۸)۔

(ب) نکاح کے بارے میں عاقلہ بالغہ لڑکی خودمختار ہے، ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح خود کرسکتی ہے اور شرعاً یہ نکاح منعقد اور صحیح ہوجائے گا اور ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار نہ ہوگی۔

"فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي (درمختار) (قوله فنفذ) أراد بالنفاذ الصحة وترتب الأحكام من طلاق وتوارث وغيرهما لا اللزوم إذ هو أخص منها لأنه ما لا يمكن نقضه، وهذا يمكن رفعه إذا كان من غير كفوء" (شامی ۲/۲۹۶)۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنا نکاح کرلیا اور بعد میں ولی کو جب نکاح کا علم ہوا تو اس نے اس نکاح سے اتفاق کیا ہو یا اس نکاح کو رد کیا ہو دونوں صورتوں میں یہ نکاح صحیح ہوگا، اور شرعاً ولی کی اجازت یا رد کا اس نکاح پر کوئی اثر نہیں ہوگا، بشرطیکہ عاقلہ بالغہ نے کفو میں نکاح کیا ہو (حوالہ بالا)۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی کے ازخود نکاح کرلینے کی صورت میں اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے، الا یہ کہ بالغہ لڑکی نے غیر کفو میں نکاح کیا ہو تو یہ نکاح سرے سے صحیح ہی نہ ہوگا، اسی طرح اگر عاقلہ بالغہ لڑکی نے مہر مثل سے کم پر نکاح کیا ہو تو اس ولی کو جو عصبہ بنفسہ ہے اس بات کا اختیار ہے کہ قاضی کے ذریعے اس نکاح کو فسخ کرادے، لیکن اگر شوہر مہر مثل پورا کردے تو پھر اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا، اسی طرح ولی نے بچے کی پیدائش تک سکوت اختیار کیا تو اس

نکاح کو فسخ کرانے کا حق ختم ہو جائے گا (دیکھئے: ردالمحتار ۲/ ۲۹۷)۔

۴- کسی لڑکی کا نکاح نابالغی کے زمانے میں اس کے باپ یا دادا نے کر دیا تو یہ نکاح لازم ہو جائے گا، چاہے غبن فاحش سے کیا ہو، یا غیر کفو میں، بالغ ہونے کے بعد اگر لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو اسے فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا، بشرطیکہ باپ دادا کھلے طور پر فاسق اور بے پرواہ نہ ہوں، نیز کسی دباؤ یا لالچ میں یہ نکاح نہ کیا ہو، اسی طرح سے نشے کی حالت میں یہ نکاح نہ کیا ہو۔ اور اگر مذکورہ تین صورتوں میں سے کسی صورت میں باپ یا دادا نے نابالغی کے زمانے میں لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر دیا تو اس سلسلے میں حضرت مفتی محمد شفیعؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح تو ہو جائے گا لیکن لڑکی کو بوقت بلوغ شرعی قاضی کی عدالت میں شرائط شرعیہ کے مطابق اپنا نکاح فسخ کرانے کا اختیار رہوگا، خود بخود یہ نکاح باطل نہ ہوگا، اس کے برخلاف حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاوی میں کافی بحث کرنے کے بعد مدلل طریقے پر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا، لہذا اس کو فسخ کروانے کے لئے قضاء کی شرط نہیں ہے۔

اور اگر نابالغہ کا نکاح باپ یا دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء نے کیا ہو اور غیر کفو میں یا غبن فاحش سے کیا ہو تو یہ نکاح ہی سرے سے صحیح نہ ہوگا، اور اگر کفو میں مہر مثل سے کیا ہو تو نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن نابالغہ کو بوقت بلوغ خیار فسخ حاصل ہوگا، بشرطیکہ پہلے سے نکاح کا علم ہو ورنہ نکاح کا علم ہونے پر خیار فسخ ہوگا، لہذا اگر وہ اس نکاح سے مطمئن نہیں ہے تو وہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم یا شرعی پنچایت سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے (جواہر الفقہ ۲/ ۱۱۶ تا ۱۲۰، احسن الفتاوی ۵/ ۱۰۶، شامی ۲/ ۳۰۷)۔

۵- (الف) جو لڑکی باکرہ ہونے کی حالت میں بالغ ہوئی اور اس نے نکاح کا علم ہوتے ہوئے بھی سکوت اختیار کیا چاہے تھوڑی ہی دیر ہوا ہو، تو اس کا خیار فسخ باطل ہو جائے گا، ہاں اگر بلوغ کے وقت اس کو اصل نکاح کا علم ہی نہیں تھا تو نکاح کا علم ہونے تک اس کا خیار باقی رہے گا، اور

اگر لڑکی ثیبہ ہونے کی حالت میں بالغ ہوئی ہے تو جب تک صراحۃً یا دلالۃً رضامندی کا اظہار نہ کرے خیار فسخ و باطل نہ ہوگا، اور دلالۃً رضامندی کا اظہار یہ ہے کہ وطی پر قدرت دے دے یا واجب نفقہ طلب کرے۔

"وبطل خيار البكر بالسكوت لو مختارة عالمة بأصل النكاح.... ولا يمتد إلى آخر المجلس، لأنه كالشفعة (درمختار) (قوله ولا يمتد إلى آخر المجلس) أى مجلس بلوغها أو علمها بالنكاح كما في الفتح أى إذا بلغت وهي عالمة بالنكاح أو علمت به بعد بلوغها فلا بدّ من الفسخ في حال البلوغ أو العلم فلو سكتت ولو قليلا بطل خيارها ولو قبل تبدل المجلس (شامی ۲/۳۱۰)۔

و خيار الصغير و الثيب إذا بلغا لا يبطل بالسكوت بلا صريح رضاه أو دلالة عليه كقبلة ولمس ودفع مهر (در مختار) ومن الرضاء دلالة في جانبها تمكينه من الوطء وطلب الواجب من النفقة" (شامی ۲/۳۱۱)۔

(ب) قریب تر ولی زندہ ہے لیکن اتنا دور ہے کہ اگر اس کے آنے کا یا اس کی رائے معلوم کرنے کا انتظار کیا جائے گا تو کفوفوت ہو جائے گا، اس صورت میں نسبۃً دور کے ولی کا کیا ہوا نکاح صحیح اور نافذ ہو جائے گا، اور اگر قریب تر ولی ایسی جگہ ہو کہ اس کا مشورہ حاصل کیا جاسکتا ہو تو ایسی حالت میں اس کی اجازت کے بغیر دور کے ولی کا کیا ہوا نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا (دیکھئے شامی ۲/۳۱۵)۔

۶- اگر ولی نے لڑکی کا نکاح کرتے وقت نابالغہ لڑکی کے مصالح و مفادات کا لحاظ نہیں کیا بلکہ کسی دباؤ یا اپنے کسی مفاد کی خاطر نامناسب جگہ لڑکی کی شادی کردی تو یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا، چاہے یہ ولی باپ دادا ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ ایسی صورت میں ان کا معروف بسوء الاختیار ہونا متحقق ہوگیا، لہذا باپ دادا اور دوسرے اولیاء سب برابر ہوگئے، جیسا کہ احسن الفتاوی میں مدلل طور پر مذکور ہے (احسن الفتاوی ۵/۱۰۵)۔

ماجن، فاسق، متہتک اور معروف بسوء الاختیار رہونے سے مراد یہ ہے کہ ولی کا بیہودہ، بے پرواہ، فاسق ہونا نیز نکاح میں لڑکی کے مصالح کا لحاظ نہ کرنا کھلا ہوا اور یقینی ہو، اس میں کوئی اشتباہ نہ رہے، حاصل یہ ہے کہ جب واضح طور پر یہ ثابت ہوجائے کہ باپ نے لڑکی کے مصالح پر نظر کئے بغیر کسی لالچ یا اپنے نفع کے لئے لڑکی کا نکاح کر دیا ہے تو باپ کا سوء الاختیار معروف اور غیر مشتبہ ہو گیا (جواہر الفقہ ۲/ ۱۱۷)۔

۷- ولی فی النکاح عصبات بنفسہا علی ترتیب الارث ہیں، ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو ماں، پھر دادی، پھر نانی، پھر اسی ترتیب سے دادی اور نانی کے مؤنث اصول، پھر بیٹی، پھر پوتی، پھر نواسی اور نواسا، پھر پر پوتی، یعنی مجنونہ کے فروع غیر عصبات اگر قرب وبعد میں مختلف ہوں تو قریب کو ترجیح دی جائے گی اور برابر درجہ کے ہوں تو عصبہ کی بیٹی کو ترجیح ہے فروع کے بعد جد فاسد اور جدۂ فاسدہ بلحاظ قرب وبعد، پھر عینی بہن، پھر علاتی بہن، پھر اخیافی بھائی بہن، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچا کی بیٹی، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد (درمختار علی الشامی ۲/ ۳۱۱، فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۸۳، اسلامی فقہ ۲/ ۳۴)۔

۸- یکساں درجہ کے اولیاء میں سے ایک کی اجازت نکاح کی صحت کے لئے کافی ہے، تمام مساوی اولیاء کا اتفاق ضروری نہیں۔

"ولو زوجها وليان مستويان قدم السابق" (درمختار علی الشامی ۲/ ۳۱۴، احسن الفتاوی ۵/ ۹۸)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا محمد امین ☆

۱- ولایت کا مفہوم اسلامی شریعت میں "**حق شرعي ينفذ بمقتضاه الأمر على الغير جبراً عنه**" (فقہ السنہ ۲/ ۲۳۹)۔

یعنی نکاح کے سلسلہ میں ایک شرعی حق ہے جس کے تقاضا کے مطابق کسی کا دوسرے پر امر نکاح جبراً نافذ ہوتا ہے۔

اور جس شخص کو لڑکی اور لڑکے کے نکاح کرنے کا اختیار رہتا ہے اس کو ولی کہتے ہیں (درمختار ۲/ ۴۸۵، فقہ السنہ ۲/ ۲۳۹)۔

ولایت علی النفس کے لئے یہ شرطیں ہیں: حریت، عقل اور بلوغ، اگر مولی علیہ مسلم ہو تو ولی کا مسلم ہونا بھی شرط ہے، غیر مسلم کے لئے ولایت علی المسلم جائز نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً**" (النساء: ۱۴۱)۔ سو عبد، مجنون اور صبی کے لئے ولایت علی النفس ثابت نہیں ہے (فقہ السنہ ۲/ ۲۳۹)۔

۲- اسلامی شریعت نے خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار بالغ لڑکے اور لڑکی کو دیا ہے بشرطیکہ کفو میں ہو اور مہر مثل سے کم نہ ہو، نابالغ لڑکی اور لڑکے کے نکاح کا اختیار اولیاء کے حوالہ کیا ہے (شامی ۲/ ۴۵۸)۔

(الف) ولایت کے بارے میں لڑکی اور لڑکے میں کچھ فرق ہے، بالغ لڑکے پر کسی کو

☆ الامین منزل، پوسٹ فتح آباد چٹاگام، ۴۳۳۵، بنگلہ دیش۔

حق ولایت نہیں ہے، البتہ اگر بالغ لڑکی نے غیر کفو میں نکاح کیا ہے تو یہ درست نہیں (عالمگیری ۲/۳۰۰، شامی ۲/۳۱۵) اور غیر مہر مثل کی صورت میں نکاح کرنے سے نکاح تو ہوجائے گا مگر ولی کو مسلمان حاکم کے ذریعہ نکاح توڑ دینے کا حق ہے (ہدایہ ۲/۳۰۱، درمختار ۲/۱۹۵)۔

لڑکے پر ولی کی ولایت پندرہ سال پورا ہونے یعنی بالغ ہونے پر ختم ہوجاتی ہے، لڑکی پر بھی بالغ ہونے سے ولی کی ولایت ختم ہوجاتی ہے، مگر غیر مناسب صورت میں یعنی غیر مہر مثل پر ولی کو حق اعتراض باقی رہتا ہے۔

(ب) نکاح کے بارے میں عاقلہ بالغہ لڑکی کو خود اپنے نفس پر پورے اختیارات حاصل ہیں، چاہے نکاح کرے چاہے نہ کرے، اور جس کے ساتھ بھی چاہے کرے، کوئی شخص اس پر زبردستی نہیں کرسکتا، وہ اگر خود اپنا نکاح کسی سے کرلے تو نکاح ہوجائے گا، ولی کو چاہے خبر ہو یا نہ ہو، ولی خوش ہو یا نہ ہو، نکاح صحیح و درست ہے، البتہ اپنے کفو میں نہ کیا یا اپنے سے کم ذات والے سے نکاح کیا، فتوی ہے کہ نکاح صحیح نہیں۔ اور اگر مہر مثل سے کم پر کیا تو نکاح ہوجائے گا مگر ولی کو اس پر اعتراض کا حق ہے، وہ چاہے تو مسلم حاکم کے پاس فریاد کرے اور حاکم کے ذریعہ نکاح فسخ کرادے۔ اس صورت سے نکاح کرنے میں لڑکی گنہگار نہ ہوگی (حوالہ بالا)۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنا نکاح کرلیا اور جب ولی کو اس نکاح کا علم ہوا تو اس نے اس نکاح سے اتفاق کیا یا اسے رد کیا تو شرعاً اس اجازت اور رد کا اس نکاح پر کچھ اثر نہ ہوگا، نکاح اپنی جگہ صحیح ہے، البتہ غیر کفو کی صورت میں نکاح درست نہ ہوگا اور غیر مہر مثل کی صورت میں ولی کو اعتراض کا حق ہے، قاضی کے پاس جاکر نکاح تڑوا سکتا ہے۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی کے از خود نکاح کرلینے کی صورت میں اولیاء اس نکاح پر اعتراض نہیں کرسکتے اور نہ فسخ کرا سکتے ہیں جب کہ کفو اور مہر مثل کی صورت میں ہو، البتہ مہر مثل سے کم ہونے کی صورت میں اس نکاح کو بذریعہ مسلم حاکم فسخ کرا سکتے ہیں (ہدایہ ۲/۲۹۳)۔

۴- زیرِ ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کے زمانہ میں کردیا، لیکن اس نکاح سے وہ مطمئن نہیں اور خوش نہیں تو اس نکاح کو وہ فسخ کرا نہیں سکتی اگر باپ یا دادا نے کیا ہے (ہدایہ ۲/۲۹۷، عالمگیری ۲/۴۹۸، درمختار ۲/۳۴۰)۔

اس سلسلہ میں اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے نکاح کیا اور جس کے ساتھ کیا وہ لڑکا ذات میں برابر درجہ کا ہے اور مہر بھی مہر مثل مقرر کیا تو اس صورت میں صحیح ہوگا، مگر بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو اختیار رہے چاہے اس نکاح کو باقی رکھے اور چاہے تو مسلمان حاکم کے پاس فریاد کرکے توڑ ڈالے۔ اگر اس ولی (باپ دادا کے سوا) نے لڑکی کا نکاح کسی کم ذات والے مرد سے کردیا یا مہر مثل سے بہت کم پر نکاح کردیا تو سرے سے نکاح ہی نہیں ہوا (درمختار برحاشیہ شامی ۱/۵۰۱)۔

۵- خیارِ بلوغ کا حق لڑکی کو جوان ہونے کے وقت حاصل ہوتا ہے یعنی باپ دادا کے علاوہ لڑکی کا اور کسی نے نکاح کردیا اور لڑکی کو اپنا نکاح ہونے کی خبر معلوم ہے، پھر بالغ ہوئی اور شوہر نے اب تک صحبت نہ کی ہے تو جس وقت بالغ ہوئی فوراً اسی وقت اپنی ناراضگی ظاہر کردے کہ وہ راضی نہیں ہے یا کہہ دے کہ وہ اس نکاح کو نہیں باقی رکھنا چاہتی، چاہے اس جگہ کوئی ہو یا وہ تنہا بیٹھی ہوئی ہو، پھر مسلمان حاکم کے پاس جاکر نکاح توڑ دے۔ اگر بالغ ہونے کے بعد ایک لحظہ بھی چپ رہے گی تو نکاح توڑنے کا خیار نہ ہوگا بلکہ خیار ساقط شمار کیا جائے گا۔

اگر لڑکی کو نکاح کی خبر نہ تھی بلکہ جوان ہونے کے بعد خبر ملی، تو جب خبر ملی ہے فوراً اسی وقت نکاح سے انکار کردے، اگر ایک لحظہ بھی چپ رہی تو خیار ساقط ہوجاتا ہے (درمختار برحاشیہ شامی ۲/۵۰۱)۔

اگر شوہر صحبت کرچکا تب جوان ہوئی تو جوان ہوتے ہی فوراً نکاح کا انکار کرنا ضروری نہیں بلکہ جب تک اس کی رضامندی کا حال معلوم نہ ہوگا تب تک نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار باقی رہے گا، البتہ جب اس نے زبان سے کہہ دیا کہ میں منظور کرتی ہوں یا ایسی بات پائی

جائے جس سے رضامندی ثابت ہوتو اختیار ساقط ہوجائے گا (عالمگیری۲/ ۳۰۴)۔

قریب تر ولی زندہ ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ ولی البعد کو نابالغہ کے نکاح کرنے کا حق نہیں۔ مگر ایسی صورت اگر پیش آئے کہ ولی اقرب پردیس میں ہے اور اتنی دور ہے کہ اگر اس کا انتظار کریں اور اس سے مشورہ لیں تو یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا اور پیغام دینے والا اتنا انتظار نہ کرے گا، اور ایسی جگہ مشکل ہے کہ ملے گی تو اس صورت میں بعد والا ولی بھی نکاح کرسکتا ہے۔ اگر اس نے بے پوچھے اس کا نکاح کردیا تو نکاح ہوگیا، اگر ولی اقرب اتنی دور نہ ہوتو بغیر اس کی رائے لئے دوسرے ولی کو نکاح نہ کرنا چاہئے، اگر کرے گا تو ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا، جب وہ اجازت دے گا تب صحیح ہوگا (ہدایہ ۲/ ۲۹۹)۔

۶- اگر ولی نے لڑکی کا نکاح کرتے وقت لڑکی کے مصالح ومفادات کا لحاظ نہیں کیا، کسی دباؤ یا اپنے مفاد کی خاطر نامناسب جگہ لڑکی کی شادی کردی، لڑکی اس نکاح سے راضی نہیں، قاضی کے پاس فسخ نکاح کا دعویٰ لے کر آئی، بیانات اور گواہوں کے بعد قاضی محسوس کرتا ہے کہ ولی نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح ومفادات کا سرے سے لحاظ نہیں کیا تو اس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔ اس لئے کہ ولایت مشتمل ہے خیر خواہی پر، جب خیر خواہی مفقود ہے تو ولایت بھی مسلوب ومفسوخ ہے، لہٰذا اس نکاح کو فسخ کیا جاسکتا ہے۔

ولی کے سیئ الاختیار، ماجن اور فاسق متہتک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ولی بدپسند، بے حیا، بدکار، ذلت ورسوا پسند ہو جو شرافت ومتانت اور خیر خواہی کے سخت مخالف ہے، ولی کو ایسے حالات ولایت سے معزول کردیتے ہیں، لہٰذا مذکورہ صورت میں نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے (فقہ السنۃ ۲/ ۲۳۹)۔

۷- فرائض میں جو عصبات میں داخل ہیں وہ سب ولی ہیں، ولی کی ترتیب الاقرب فالاقرب ہے یعنی سب سے پہلے باپ ہے، باپ نہ ہوتو دادا ہے، پھر پردادا ہے، پھر سگا بھائی، پھر سوتیلا بھائی ہے، پھر بھتیجا ہے، پھر بھتیجا کا لڑکا، پھر بھتیجا کا پوتا، پھر سگا چچا، پھر سوتیلا چچا، پھر سگے

چچا کا لڑکا، پھر اس کا پوتا، پھر سوتیلا چچا کا لڑکا، پھر سوتیلا چچا کا پوتا، پھر باپ کا چچا، پھر باپ کے چچا کے لڑکے، پوتے، پر پوتے، پھر دادا کا چچا، پھر اس کے لڑکے، پوتے، پر پوتے، پھر ماں، پھر دادی، پھر نانی، پھر نانا، پھر حقیقی بہن، پھر سوتیلی بہن یعنی باپ شریک، پھر ماں شریک بہن، پھر پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ وغیرہ (الدرالمختار شرح تنویرالابصار جلد ۲)۔

۸- کسی لڑکی کے یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں اور اجازت کو شرط صحت قرار دیا جائے تو صحت نکاح کے لئے ایک ہی ولی کی اجازت کافی ہے جب کہ باقی سب مان لیں، اگر مساوی اولیاء کا اتفاق نہ ہو تو شورائی طریقہ اختیار کیا جائے، کسی ایک پر کثرت رائے کو معیار قرار دیا جائے یا قرعہ اندازی کسی ایک پر فیصلہ کرے، واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا محمد ابراہیم گجیا فلاحی ☆

۱- شریعت اسلامیہ میں ولایت کا مفہوم:

درمختار میں ولایت کا مفہوم یہ ذکر کیا ہے:

"**الولاية تنفيذ القول على الغير**" یعنی کسی غیر کے اوپر اپنے قول کو نافذ کرنا، اسے ولایت کہا جاتا ہے۔

اور اسی ولایت سے ولی مشتق ہے جو فعیل کے وزن پر ہے اور فاعل کے معنی میں ہے، باب سمع سے والی ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ اور عرف میں ولی کا مفہوم بہت ہی بلند ہے، علامہ شامی علیہ الرحمہ نے بحر کے حوالہ سے ولی کی تعریف اس طرح نقل فرمائی ہے:

"**الولي عرفاً أي في عرف أهل أصول الدين، قال في البحر وفي أصول الدين هو العارف بالله تعالىٰ بأسمائه وصفاته، حيثما يمكن المواظب على الطاعات المجتنب عن المعاصي، الغير المنهمك في الشهوات واللذات كما في شرح العقائد**" (شامی ۲/ ۳۲۰)۔

اور شریعت میں فقہاء کے نزدیک ولی عاقل بالغ وارث کو کہا جاتا ہے (الدر المختار ۳/ ۳۲۱)۔

اور نکاح کے باب میں ولی وہ شخص ہے جو کسی عورت کے نکاح کا متولی و ذمہ دار ہوتا

☆ بارڈولی، گجرات۔

ہے، بایں طور کہ اس عورت کے نکاح کا اختیار اسے حاصل ہوتا ہے۔

۲-شریعت میں کن کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار ہے اور کن کے نکاح کا اختیار اولیاء کو ہے؟

اسلامی شریعت نے صغیر، مجنون اور رقیق کے نکاح کا اختیار اولیاء کے سپرد کیا ہے۔

درمختار میں ہے:

"وهو أي الولي شرط نكاح صغير ومجنون ورقيق لا مكلفة"۔

اور اس کے مقابلہ میں بالغ آزاد مرد وعورت اپنا نکاح خود کر سکتے ہیں جو مفہوم مخالف سے ظاہر ہے۔

درمختار (۲/ ۳۲۲) میں ہے: **"فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، والأصل إن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه ومالا فلا"۔**

اس میں امام صاحب علیہ الرحمہ کے اصول کے مطابق ایک کلیہ ذکر فرمایا (**كل من تصرف**) کہ جو اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے وہ اپنے نفس میں بھی تصرف کر سکتا ہے اور جو اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتا وہ اپنے نفس پر بھی تصرف نہیں کر سکتا ہے۔

(الف) لڑکا اور لڑکی پر ولایت میں کچھ فرق نہیں، دونوں پر بلوغ تک ولی کی ولایت رہتی ہے اور بلوغ کے بعد ولی کی ولایت ختم ہو جاتی ہے جو اوپر درمختار کی عبارت (**فنفذ نكاح حرة مكلفة**) سے معلوم ہوا۔

(ب) نکاح کے باب میں عاقلہ بالغہ لڑکی کے اپنے اوپر کیا اختیارات ہیں؟

عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر از خود نکاح کر لیوے اور وہ نکاح کفو میں ہو تو وہ نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ عاقلہ بالغہ کے لئے بھی مستحب یہ ہے کہ اپنے ولی کی اجازت سے نکاح کرے تا کہ وقاحت سے بچے، اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے مسلک کے مطابق بھی عمل

ہوجاوے کہ باکرہ کا نکاح ان کے یہاں ولی کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہوتا، اس کو ولایت وکالت کہا جائے گا، اور اگر ولی کی اجازت کے بغیر اس نے نکاح کرلیا تو وہ گنہگار نہ ہوگی۔

شامی میں ہے: "**قوله: ولاية ندب أي يستحب للمرأة تفويض أمرها إلى وليّها كي لا تنسب إلى الوقاحة** (بحر)**وللخروج من خلاف الشافعي في البكر وهذه في الحقيقة ولاية وكالة**" (شامی ۲/۳۲۱)۔

(ج) عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنا نکاح کرلیا اور جب ولی کو اس نکاح کا علم ہوا تو اس نے اس نکاح سے اتفاق کیا یا اسے رد کردیا تو شرعاً اس اجازت اور رد کا اس نکاح پر کیا اثر ہوگا؟

عاقلہ بالغہ نے ازخود کفو میں نکاح کرلیا تو وہ نکاح منعقد ہوگیا، اب ولی کے رد کرنے سے وہ رد نہ ہوگا، کیونکہ شریعت نے اسے اختیار دیا ہے، نیز ولی کی ولایت بلوغ کے بعد ختم ہوجاتی ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا مبارک ارشاد ہے: "**الأيم أحق بنفسها من وليّها**"، اور أیّم کا معنی یہ ہے "**من لا زوج لها بكراً أو لا**" (شامی ۲/۳۲۲)۔

لہٰذا عاقلہ بالغہ کا خود بخود کیا ہوا نکاح منعقد ہوگیا، ولی کے رد کرنے سے رد نہ ہوگا۔

واللہ اعلم

۳-عاقلہ بالغہ لڑکی کے ازخود کئے ہوئے نکاح پر اولیاء کو اعتراض کا حق ہے یا نہیں؟

عاقلہ بالغہ اپنے نکاح میں خود مختار ہے، وہ اپنی مرضی سے کسی سے نکاح کرلیوے اور وہ مرد اس کا کفو ہو تو وہ نکاح منعقد ہوجائے گا، اولیاء اس کو فسخ کرانا چاہیں تو فسخ نہیں کرا سکتے۔

اور اگر عاقلہ بالغہ نے اولیاء کی اجازت کے بغیر غیر کفو سے اپنا نکاح کرلیا تو اصح قول کے مطابق وہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔

البحرالرائق کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي، لأنها تصرفت في خالص حقها وهي من أهله لكونها عاقلة بالغة، ولهذا كان لها التصرف في المال ولها اختيار الأزواج، وانما يطالب الولي بالتزويج كي لا تنسب إلى الوقاحة" (البحرالرائق ۳/۱۱۷)۔

چونکہ نکاح کرکے اس نے اپنے ذاتی حق میں تصرف کیا ہے اور بوجہ عاقلہ بالغہ ہونے کے وہ اس تصرف کی اہل ہے، حدیث شریف میں ہے: **الأيم أحقّ بنفسها من وليّها** (مسلم شریف) اور عقل وبلوغ کی وجہ سے وہ اپنے مال اور اپنے نفس دونوں پر تصرف کا حق رکھتی ہے۔

رہ گیا سوال یہ کہ جب وہ اپنا نکاح خودبخود کرنے میں مختار ہے تو ولی سے اجازت کا مطالبہ کیوں مشروع ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خودبخود نکاح کرلینے کی وجہ سے اس پر بے حیائی کا دھبہ نہ لگنے پائے، اس وجہ سے ولی کی اجازت کو مشروع قرار دیا گیا۔ **والله تعالىٰ أعلم بالصواب**۔

۴- اگر لڑکی کا نکاح اس کی نابالغی میں والد یا دادا نے کردیا تو وہ نکاح اب فسخ نہیں ہوسکتا، اور اگر والد اور دادا کے علاوہ دیگر عصبہ بھائی، چچا وغیرہ نے یہ نکاح کیا ہے اور لڑکی اس نکاح سے مطمئن نہیں ہے تو اس لڑکی کو اختیار بلوغ رہے گا، لیکن اس فسخ میں قضاء قاضی کی شرط رہے گی۔

البحرالرائق میں ہے:

"ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد بشرط القضاء أي للصغير والصغيرة إذا بلغا وقد زوجا أن يفسخا عقد النكاح الصادر من ولي غير الأب والجد بشرط قضاء القاضي بالفرقة وهذا عند أبي حنيفة" (البحرالرائق ۳/۱۲۸)۔

اور درمختار میں ہے:

"ولزم النكاح ولو بغبن فاحش بنقص مهرها وزيادة مهره أو زوجها بغير كفء إن كان الولي المزوج أباً أو جداً وكذا المولى وابن المجنونة لم يعرف منهما سوء الاختيار مجانة وفسقاً وإن عرف لايصحّ النكاح اتفاقاً وكذا

لو كان سكران ۔

وإن كان المزوج غيرهما أي غير الأب وأبيه ولو الأم أو القاضي أو وكيل الأب الخ ولهما خيار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده"(درمختار ۲/۳۱۔۳۲۔۳۳)۔

دونوں عبارتوں سے قدر مشترک مفہوم یہ نکلا کہ والد اور دادا کے کئے ہوئے نکاح اور ان کے علاوہ دیگر عصبہ کے کئے ہوئے نکاح میں فرق ہے کہ باپ دادا میں جب سوء اختیار نہ ہو تو ان کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جاتا ہے اور دیگر عصبہ میں قصور شفقت کی وجہ سے بلوغ کے بعد فسخ کا حق رہتا ہے (واللہ اعلم)۔

۵-خیار بلوغ کا حق لڑکی کو کب تک حاصل رہتا ہے اور کب ساقط ہوتا ہے؟

اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے نکاح کیا ہے تو اس میں خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہی فوراً اس نکاح سے عدم رضا کا کم از کم دو گواہوں کے سامنے اظہار کر دیا ہے تو حاکم مسلم کی عدالت میں مقدمہ پیش کر کے اپنا نکاح فسخ کرا لے، اور اگر آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہی علم کے باوجود اس نکاح کو نا منظور نہیں کیا بلکہ خاموشی اختیار کی تو اب بعد میں فسخ کا حق نہیں رہے گا۔

ہدایہ میں ہے:"وخيار البلوغ في حق البكر لا يمتد إلى آخر المجلس" ۔

صاحب عنایہ نے اس کی شرح فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ باکرہ کے حق میں خیار بلوغ محض سکوت سے باطل ہو جاتا ہے، جب وہ بالغ ہوئی اور اس کو نکاح کا علم ہوا تو اس پر ضروری ہے کہ فوراً یہ کہہ کر گواہ بنالیوے "فسخت نكاحي" اور اگر بلوغ کے وقت باوجود علم کے وہ خاموش رہی تو اب خیار بلوغ ختم ہو جائے گا، جیسے ابتداءً باکرہ سے اجازت نکاح کے وقت وہ خاموش رہتی تو اس کی خاموشی اجازت سمجھی جاتی، اسی طرح خیار بلوغ میں بھی اس کی خاموشی کو حکم بنایا جائے گا، اور ثیبہ کے حق میں خاموشی سے خیار بلوغ ساقط نہ ہوگا بلکہ اس کو آخر مجلس تک

خیار بلوغ حاصل رہے گا (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۳/ ۲۷۲)۔

۶-اگر ولی نے نکاح کے وقت لڑکی کے مفادات ومصالح کا لحاظ نہیں کیا:

علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے، درمختار اور ردالمحتار کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"ولزم النكاح ولو بغبن فاحش بنقص مهرها وزيادة مهره أو زوجها بغيركفء إن كان الولي المزوج بنفسه بغبن أباً أو جداً وكذا المولىٰ وابن المجنونة لم يعرف منهما سوء الاختيار مجانة وفسقا وإن عرف لايصح النكاح اتفاقاً الخ" (درمختار ۲/ ۳۱-۳۲)۔

درمختار کی اس عبارت پر علامہ شامی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"(لم يعرف منهما) أي من الأب والجد وينبغي أن يكون الابن كذلك الخ (مجانة وفسقاً) نصب على التمييز، وفي المغرب الماجن الذي لا يبالي ما يصنع وما قيل له ومصدره المجون، والمجانة اسم منه، والفعل من باب طلب، وفي شرح المجمع حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده إجماعاً"۔

لہٰذا صورت مسئولہ کا صحیح جواب یہ ہے کہ سیئ الاختیار باپ کا غیر کفو میں کیا ہوا نکاح صحیح نہیں ہوتا، اور جب منعقد ہی نہ ہوا تو فسخ کرانے کا سوال نہ رہا۔

ولی کا معروف بسوء الاختیار، ماجن اور فاسق متہتک ہونے کا مطلب:

اگر ولی بے غیرتی، لالچ اور سفہ جیسے عیوب میں مبتلا ہو وہ بالعموم معروف ہی ہوتا ہے، اس لئے بعض علماء نے اسے سوء الاختیار سے تعبیر کردیا ہے ورنہ درحقیقت ان عیوب کا تحقق اور تیقن ہی کافی ہے (احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۱۷)۔

اوپر مذکورہ علامات ولی کے سوء اختیار کی ہے اور ماجن وفاسق کا بھی تقریباً یہی معنیٰ ہے

جواو پر شامی کے حوالہ سے معلوم ہوا، واللہ اعلم۔

۷-ولی کون لوگ ہیں اور اولیاء میں باہم کیا ترتیب ہے؟

حنفیہ کے نزدیک عصبہ کو ولایت نکاح حاصل ہے۔

اور عصبہ میں ولایت نکاح کی وہی ترتیب ہے جو میراث میں عصبہ کی ترتیب ہے، اور جس طرح میراث میں اقرب کی موجودگی میں ابعد محجوب ہوتا ہے اسی طرح ولایت نکاح میں بھی قریبی عصبہ کی موجودگی میں بعید والا محجوب ہوگا (دیکھئے ہدایہ مع فتح القدیر ۳/۲۶۸)۔

صاحب فتح القدیر نے یہ ترتیب ذکر فرمائی ہے کہ پہلے بیٹا، پھر باپ، پھر دادا، حقیقی بھائی، علاتی بھائی، پھر حقیقی بھائی کا بیٹا، پھر علاتی بھائی کا بیٹا، پھر حقیقی چچا، علاتی چچا، پھر حقیقی چچا کی نرینہ اولاد، پھر علاتی چچا کی نرینہ اولاد، پھر والد کے حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھر والد کے حقیقی چچا کی نرینہ اولاد، پھر والد کے علاتی چچا کی نرینہ اولاد، پھر دادا کے حقیقی چچا، پھر دادا کے علاتی چچا، پھر دادا کے حقیقی چچا کی نرینہ اولاد، پھر دادا کے علاتی چچا کی نرینہ اولاد، الخ (فتح القدیر ۳/۲۶۹)۔

۸-کسی لڑکی کے اگر یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں:

صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ جب صغیرہ کے یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں اور ایک ولی نے اس کا نکاح کردیا تو وہ نکاح منعقد ہو جائے گا۔

البحر الرائق میں ہے:

''ثم إذا اجتمع في الصغير والصغيرة وليان في الدرجة على السواء فزوج أحدهما جاز أجاز الأول أو فسخ" (البحر الرائق ۳/۱۲۸)۔

لہذا نکاح کے درست ہونے میں تو کلام نہیں لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ دیگر اولیاء کی بھی اجازت حاصل کرلی جائے تاکہ مستقبل میں صغیرہ کے حق میں اولیاء میں نزاع پیدا نہ ہو، نیز ولی ماجن اور متہتک کا خیال بھی رہے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)۔

☆☆☆

ولایت نکاح کے مسائل

مولانا عبدالرحمن پالنپوری☆

۱- ولایت کا مفہوم لغت میں ہے محبت کرنا، مدد کرنا، "**معناها اللغوي المحبة والنصرة كما في المغرب**" (ردالمحتار ۳/۵۵) اور ولایت کا مفہوم فقہ کی اصطلاح میں ہے، دوسرے پر قول کو نافذ کرنا دوسرا چاہے یا انکار کردے۔

"**الولاية في الفقه تنفيذ القول على الغير شاء أو أبى**" (البحرالرائق ۳/۱۰۹)۔

ولایت کی دو قسمیں ہیں: ایک ولایت استحباب، اور یہ ولایت حرہ عاقلہ بالغہ لڑکی پر حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسری ولایت اجبار، اور یہ ولایت صغیر، صغیرہ، مجنون، مجنونہ، غلام، باندی پر حاصل ہوتی ہے۔ الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار میں ہے:

"**وولاية إجبار على الصغيرة ولو ثيباً و معتوهة و مرقوقة كما أفاده ...... وهو أي الولي شرط صحة نكاح صغير و مجنون و رقيق**" (۳/۵۵)۔

ولایت علی النفس کے لئے تین شرطیں ہیں: آزاد ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا۔ ہدایہ میں ہے:

"**ولا ولاية لعبد ولا صغير ولا مجنون لأنه لا ولاية لهم على أنفسهم**" (۲/۳۱۸)۔

۲- شریعت مطہرہ نے ہر آزاد، عاقل، بالغ، مرد اور عورت کو اپنا نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے، اور ہر نابالغ، مجنون مرد اور عورت اور غلام و باندی کے نکاح کا اختیار اولیاء کو دیا ہے۔

☆ دارالافتاء، دارالعلوم چھاپی، تحصیل وڈگام، ضلع بناس کانٹھا، گجرات۔

(الف) نابالغ لڑکے لڑکی پر ولی کو جو ولایت حاصل ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے، اور لڑکا لڑکی کے بالغ ہونے پر ولی کی ولایت ختم ہو جاتی ہے، "وبالبلوغ زالت ولاية الولي" (بدائع ۲/ ۲۳۳)۔

(ب، ج) عاقلہ بالغہ لڑکی کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار ہے مگر اس کے لئے مستحب ہے کہ نکاح کا معاملہ ولی کے حوالے کر دے۔

"نفذ نكاح حرة مكلّفة بلا ولي، لأنها تصرفت في خالص حقّها وهي من أهله لكونها عاقلة بالغة...وانما يطالب الولي بالتزوج كيلا تنسب إلى الوقاحة، ولذا كان المستحب في حقّها تفويض الأمر إليه" (البحرالرائق ۳/ ۱۰۹)۔

عاقلہ بالغہ لڑکی نے ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں مہر مثل یا زیادہ مہر پر نکاح کیا تو یہ نکاح شرعاً صحیح ولازم ہے، کسی ولی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔

اور اگر عاقلہ بالغہ لڑکی نے ولی کی مرضی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کیا تو مفتی بہ حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا بلکہ یہ نکاح شرعاً باطل ہے۔ لہذا کوئی عورت ایسا نہ کرے ورنہ گناہ کبیرہ میں مبتلا رہے گی (دیکھئے: درمختار مع رد المحتار ۳/ ۵۵-۵۷)۔

عاقلہ بالغہ لڑکی نے بغیر اجازت ولی کے کفو میں مہر مثل سے کم پر نکاح کیا ہے تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوگا لیکن لازم نہیں ہے، ولی عصبہ کو اعتراض کا حق حاصل رہے گا یہاں تک کہ اس کی مہر مثل مکمل نہ کر دی جائے یا قاضی نکاح فسخ نہ کر دے۔ الدر المختار میں ہے: "ولو نكحت بأقل من مهرها فللولي العصبة الاعتراض حتى يتمّ مهر مثلها أو يفرق القاضي بينهما دفعاً للعار۔"

علامہ شامی لکھتے ہیں: "قوله الاعتراض، أفاد أن العقد صحيح، وتقدم أنها لو تزوجت غير كفء، فالمختار للفتوى رواية الحسن أنه لا يصح العقد" (رد المحتار ۳/ ۹۴)۔

اور عاقلہ بالغہ لڑکی کا کوئی ولی نہیں ہے، اور وہ غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر نکاح کرتی

ہےتو وہ نکاح صحیح اور لازم ہوگا۔"وهذا إذا كان لها ولي، فإن لم يكن صحّ النكاح اتفاقا" (عالمگیری ۱/ ۲۹۲)۔

۳- اس کا جواب بھی وہی ہے جو جواب نمبر ۲ کے شق 'ب' اور 'ج' کا ہے۔

۴- نابالغہ لڑکی کا نکاح اگر باپ یا دادا نے کردیا ہے تو یہ نکاح صحیح و لازم ہے یعنی بلوغ کے بعد لڑکی کو فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہے، خواہ کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں، اور مہر مثل پر نکاح کیا ہو یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ نکاح کیا ہو۔

مگر غیر کفو میں باپ یا دادا کے نکاح کے صحیح و لازم ہونے کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ باپ یا دادا نے نشہ کی حالت میں نکاح نہ کیا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ باپ یا دادا معروف بسوء الاختیار نہ ہو، اگر ان دو شرطوں میں سے کوئی ایک بھی شرط باپ یا دادا میں نہیں پائی گئی تو ان کا غیر کفو میں کیا ہوا نکاح منعقد ہی نہیں بلکہ باطل ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: درمختار علی ہامش ردالمحتار ۳/ ۶۶)۔

نابالغہ لڑکی کا نکاح اگر باپ، دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء نے غیر کفو میں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کیا ہے تو یہ بالکل باطل ہے منعقد ہی نہیں ہوا۔

اور اگر باپ، دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء نے نابالغہ لڑکی کا نکاح کفو میں مہر مثل پر یا زیادہ مہر پر کردیا تو یہ نکاح صحیح تو ہے لیکن لازم نہیں ہوتا، لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار حاصل ہے کہ اس نکاح کو باقی رکھے یا فسخ کرادے۔

"وإن كان المزوّج أى غير الأب وأبيه لا يصحّ النكاح من غير كفء أو بغبن فاحش أصلا .... وإن كان من كفء و بمهر مثل صحّ ولكن لهما أى لصغير و صغيرة....خيار الفسخ.....بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده" (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار ۳/ ۶۸)۔

۵- نابالغہ لڑکی اگر باکرہ ہے تو اس کو بالغ ہونے کے ساتھ ہی فوراً نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے لیکن قضاء قاضی شرط ہے، لہذا اگر لڑکی نے بالغ ہوتے ہی نکاح پر عدم رضامندی سے سکوت

کیاتو خیار بلوغ باطل ہوگیا۔

اوراگر نابالغہ لڑکی اصل میں ثیبہ ہوتواس کا خیار بلوغ بالغ ہونے پر خاموشی سے باطل نہیں ہوگا بلکہ جب تک کہ لڑکی کی جانب سے رضامندی یاایسا فعل جو رضامندی پر دال ہو، نہ پایا جائے اس وقت تک خیار بلوغ حاصل رہے گا (عالمگیری۱/۲۸۶)۔

مذکورہ بالاحکم اس صورت میں ہے جبکہ لڑکی کو بالغ ہونے کے وقت اپنے نکاح کا علم ہو، اوراگر بلوغ کے وقت لڑکی کو نکاح کا علم نہیں تھا تو نکاح کا علم ہونے کے وقت خیار فسخ حاصل ہوگا۔

"عندهما (أي عند أبي حنيفة و محمد) إذا بلغت الصغيرة وقد علمت بالنكاح فسكتت فهو رضا وان لم تعلم بالنكاح فلها الخيار حتى تعلم فتسكت، شرط العلم بأصل النكاح لأنها لا تتمكن من التصرف إلا به والولي يتفرد به فعذرت بالجهل" (ہدایہ۲/۳۱۷)۔

قریب تر ولی اگر حاضر ہواوروہ اہل ولایت میں سے ہوتو دور کے ولی کا کیا ہوا نکاح قریب کے ولی کی اجازت پرموقوف رہےگا، اگرقریب تر ولی نکاح کو جائز رکھے گا تو صحیح ہوگا ورنہ نہیں اوراگرقریب تر ولی حاضر تو ہے لیکن اس کو ولایت ہی حاصل نہیں ہے (جیسے نابالغ، مجنون، غلام) تو دور کے ولی کے لئے نکاح کرنا جائز ہے۔

اوراگرقریب تر ولی غیبت منقطعہ کے ساتھ غائب ہےتو دور کے ولی کے لئے نکاح کرنا جائز ہے، اورغیبت منقطعہ یہ ہے کہ قریب کا ولی ایسی جگہ ہو کہ اگراس کا انتظار کریں اوراس سے مشورہ لیں تو موقع ہاتھ سے نکل جائے گا، اور پیغام دینے والا اتنا انتظار نہیں کرے گا اور پھر ایسی جگہ مشکل سے ملے گی تو ایسی صورت میں اس کے بعد والا ولی نکاح کرسکتا ہے (فتاویٰ ہندیہ۱/۲۸۵)۔

۶- اگر ولی سے مراد باپ یا دادا کے علاوہ دوسرا ولی ہے تو مذکورہ صورت میں غیر کفو میں نکاح ہونے کی وجہ سے منعقد ہی نہیں ہوگا بلکہ باطل شمار ہوگا۔

اوراگر ولی سے مراد باپ یا دادا ہےتو اگر مذکورہ نکاح سے قبل باپ یا دادا معروف بسوء

الاختیار ہوں تو ان کا یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا بلکہ باطل ہے، نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

"والحاصل: أن المانع هو كون الأب مشهورا بسوء الاختيار قبل العقد فإذا لم يكن مشهورا بذلك ثم زوج بنته من فاسق صحّ وان تحقق بذلك أنه سيئ الاختيار واشتهر به عند الناس، فلو زوج بنتا أخرى من فاسق لم يصحّ الثاني لأنه كان مشهورا بسوء اختيار قبله، بخلاف العقد الأول لعدم وجود المانع قبله" (ردالمحتار ۳/۶۷)۔

بسوء الاختیار میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے، اصل میں ہے الاختیار السوء، یعنی باپ، دادا ایسے برے کام کریں جن کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہو گئے ہوں۔ ظاہراً مراد یہ ہے کہ باپ، دادا کسی مفاد کی خاطر یا بد اخلاقی یا کسی اور وجہ سے نکاح مناسب جگہ نہ کریں (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۲/۳۴)۔

ماجن ایسا بے حیا کہ کسی قول وفعل کی پروا نہیں کرتا۔ "وفي المغرب: الماجن الذي لا يبالي ما يصنع وما قيل له" (ردالمحتار ۳/۶۶) اور طحطاوی میں ہے: "الماجن لا يبالي قولا و فعلا" (۲/۳۴)۔

فاسق متہتک ایسا بے غیرت و بے باک شخص جو اپنی حیا کا پردہ خود چاک کرے۔ "وفي القاموس: رجل منهتک ومتهتک و مستهتک لا يبالي أن يهتک ستره" (ردالمحتار ۳/۵۴)۔

۷- ولی اولاً عصبات بنفسہ ہیں، پھر ذو رحم محرم ہیں، پھر ذوی الارحام ہیں، پھر مولی الموالاۃ ہے، پھر سلطان ہے، پھر قاضی ہے اگر قاضی کو سلطان نے نکاح کروانے کی اجازت دی ہو۔

اور اولیاء میں ترتیب اس طرح ہے کہ اولاً ولایت باپ کو حاصل ہے، پھر دادا پھر پر دادا اوپر تک، پھر حقیقی بھائی، پھر علاتی بھائی، پھر حقیقی بھائی کے لڑکے، پھر علاتی بھائی کے لڑکے، اسی ترتیب سے نیچے تک، پھر حقیقی چچا، پھر علاتی چچا، پھر حقیقی چچا کے لڑکے، پھر علاتی چچا کے لڑکے، اسی

ترتیب سے نیچے تک، پھر باپ کے حقیقی چچا، پھر باپ کے علاتی چچا، اور ان کی اولاد مذکورہ ترتیب سے، پھر ماں کو ولایت حاصل ہے، پھر دادی، پھر نانی، پھر نانا، پھر حقیقی بہن، پھر علاتی بہن، پھر اخیافی بھائی بہن، پھر ان کی اولاد، پھر ذوی الارحام پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچا کی لڑکی، اور اسی ترتیب سے ان کی اولاد، پھر مولی الموالاۃ، پھر سلطان، پھر قاضی جس کو نکاح کروانے کا اختیار ملا ہو (دیکھئے: الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۳/۷۸-۷۹)۔

۸- کسی لڑکی کے اگر مساوی درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں تو کسی ایک ولی کی اجازت و رضامندی کافی ہے، تمام مساوی درجہ کے اولیاء کا اتفاق ضروری نہیں ہے۔

"رضا البعض من قبل العقد أو بعده كالكل لثبوته لكل كملا" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۳/۵۷)، اور اسی طرح نابالغہ کے مساوی درجہ کے اولیاء میں سے کسی ایک ولی نے نکاح کر دیا تو جائز ہے۔

"وإذا اجتمع للصغير والصغيرة وليّان مستويان كالأخوين والعمين فأيهما زوّج جاز عندنا، كذا في فتاوى قاضي خان، سواء أجاز الآخر أو فسخ" (الفتاوی الہندیہ ۱/۲۸۴)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا عبداللہ طارق

ولایت اجبار:

اگر عاقل بالغ لڑکی اپنی پسند سے کوئی ایسا رشتہ طے کرے جو والدین کو پسند نہ ہو یا والدین اس کو معاشرتی سطح کے لحاظ سے بے میل سمجھتے ہوں تو کیا ان کو یہ حق حاصل ہے کہ لڑکی کو یہ نکاح نہ کرنے کے لئے مجبور کردیں؟ ایسا کرنا فقہ کی اصطلاح میں ولایت اجبار کہلاتا ہے۔

فقہاء کرام میں دونوں طرح کی رائیں پائی جاتی ہیں، اس کی تفصیلات میں جائے بغیر ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ:

۱-اگر والدین اور اہل خاندان کو ولایت اجبار حاصل رہتی ہے تو اس میں بھی بعض بے اعتدالیاں در آتی ہیں مثلاً یہ کہ کبھی کبھی وہ اپنی انا کی خاطر یا کسی ذاتی غرض کی وجہ سے ایسا رشتہ تجویز کردیتے ہیں جو لڑکے اور لڑکی کے حق میں درست نہیں ہوتا۔

۲-لیکن اس بے اعتدالی سے بچنے کے لئے بعض حضرات جو یہ تجویز کرتے ہیں کہ عاقل بالغ لڑکی کو اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا خود اختیار رہنا چاہئے وہ بھی ایک دوسری انتہاء پر پہنچ رہے ہیں، وہ غالباً اس حقیقت پر توجہ نہیں دے رہے ہیں کہ اٹھارہ بیس سال کی نو عمر لڑکی جو زمانے کے نشیب و فراز اور انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں اور مستقبل کے اندیشوں سے ناواقف اور ناتجربہ کار ہے اس کا اپنے بارے میں فیصلہ کچھ بہت زیادہ دوراندیشانہ نہیں ہوسکتا۔

اس لئے اس معاملہ میں بہت گہرائی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، کم از کم یہ تو ضرور ہی ہونا چاہئے کہ والدین جو رشتہ تجویز کریں لڑکی کی کسی معتمد سہیلی یا عزیزہ کے ذریعہ اس سے اس بارے میں مشورہ کرلیں اور اسے پوری بات اور پورے حالات بتا کر اسے سوچنے کا موقع دیں، اسی طرح اگر لڑکی یا لڑکا کوئی رشتہ اپنے لئے پسند کریں تو والدین اور خاندان کے اپنے بزرگوں سے مشورہ کرلیں، اور پھر ہر ایک انصاف واعتدال سے رائے دے، ذاتی انا یا جذباتیت یا خود غرضی اور جلد بازی سے کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مفتی محمد شاہد قاسمی ☆

۱- ولایت لغۃً رشتہ داری ہے، اور ولی حافظ و مددگار کو کہا جاتا ہے۔

اصطلاح شرع میں "تنفيذ القول على الغير" کا نام ہے۔

ولایت کی ایک قسم تو یہ ہے جو مکلفہ، عاقلہ، بالغہ اور ممیّزہ پر حاصل ہوتی ہے، خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، جسے ولایت ندب سے تعبیر کرتے ہیں، اور دوسری قسم ایسی ولایت جو صغیر، ثیبہ، معتوہہ اور مرقوقہ پر حاصل ہے، جسے ولایت اجبار سے تعبیر کرتے ہیں۔

ولایت علی النفس کی شرائط:

۱- آزاد ہونا، ۲- مکلّف ہونا، ۳- مسلم ہونا۔

واضح رہے کہ ولایت علی النفس کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ امام شافعیؒ و مالکؒ اس کا سرے سے اعتبار ہی نہیں کرتے بربناء عدم تجربہ، یہ ہمارے نزدیک محل نظر ہے، اس لئے کہ وہ فساد و بگاڑ سے بخوبی واقف ہے۔ شیخینؒ کے نزدیک عاقلہ، بالغہ، حرہ اور ممیّزہ کا انکاح صحیح ہے بربناء اصل مذکور (جسے اپنے مال میں تصرف کا حق ہوا سے اپنے نفس میں بھی تصرف کا حق ہے)، الا یہ کہ غیر کفو میں نکاح کرلیوے تو ولی کو اعتراض کا حق ہے جسے قضاء قاضی سے فسخ کرایا جاسکتا ہے۔

لہٰذا اگر صغیر اور صغیرہ بلا اذن ولی خود اپنا نکاح کرلے تو یہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوسکتا،

☆ مدرسہ اسلامیہ، ویشالی، بہار۔

شامی میں 'باب الولی' کے تحت ہے:وھو أي الولي شرط لصحة نکاح صغیر (۲/۲۹۶)،
اسی طرح صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"ویجوز نکاح الصغیرة إذا زوجھما الولي بکراً کانت الصغیرة أو ثیباً" (۲/۱۷۹)۔

۲- (الف) ولایت کے بارے میں نابالغ ونابالغہ دونوں مساوی ہیں،البتہ درج ذیل صورت میں ولی کی ولایت ختم ہوجاتی ہے(قضاء قاضی سے فسخ کرایا جاسکتا ہے)۔

۱- جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں عدم شفقت اور مساحت یقینی ہوجائے۔

۲- ولی فاتر العقل او رمجنون الحواس ہو۔ ہندیہ میں ہے: "إذا جن الولي جنونا مطبقا تزول ولایته وإن کان یجن ویفیق لا تزول ولایته وتنفذ تصرفاته في حالة الإقامة" (کذا فی الذخیرۃ ۲/۳۰۲)۔

۳-غبن فاحش وغیر کفو میں نکاح کیا گیا ہو۔

(ب،ج)قرآن کریم میں ہے:"حتی تنکح زوجاً غیره" یعنی نکاح کرے عورت دوسرے خاوند سے، گویا نکاح کا اختیار اللہ پاک نے عورت کو دیا، یہ نہیں فرمایا کہ نکاح کردے ولی عورت کا دوسرے خاوند سے۔

مسلم شریف میں ہے:"الأیم أحق بنفسھا من ولیّھا" (الحدیث)الأیم سے مراد ثیبہ بالغہ ہے کہ وہ اپنے نکاح کی خودمختار ہے:"فینعقد نکاح الحرة البالغة برضاھا وإن لم یعقد علیھا ولي بکراً أو ثیباً"(ہدایہ ۲/۲۹۴)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رقمطراز ہیں:"بالغہ خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ،اپنی مرضی سے نکاح کرے تو نکاح صحیح ونافذ ہوجائے گا،گرچہ ایسی حالت میں کہ والدین زندہ ہوں،ان کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا مکروہ ہے،تاہم نکاح کرلے تو منعقد ونافذ ہوجائے گا (کفایت المفتی ۵/۶۱)۔

واضح رہے کہ جب ولی کو اس نکاح کا علم ہوا تو اس نے اس نکاح سے اتفاق کیا یا رد کردیا تو شرعاً اس کی اجازت ورد سے نکاح پر کوئی اثر نہیں ہوا، ہاں اگر عاقلہ بالغہ خود غیر کفو میں نکاح کرلیوے تو بھی نکاح صحیح ونافذ ہے البتہ ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے جسے بذریعہ قاضی فسخ کرایا جاسکتا ہے۔

۳- فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے، لہذا بالغ عورت بغیر اذن ولی عصبہ کے غیر کفو میں نکاح کرلیتی ہے تو باطل نہیں کہا جاسکتا بلکہ بذریعہ قاضی اور حاکم مسلم فسخ نکاح کی اجازت ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۴- نابالغ لڑکے اور لڑکی کا سب سے مقدم ولی باپ دادا ہے، لہذا ان دونوں کا کیا ہوا نکاح لازم ہوجاتا ہے، یعنی بعد البلوغ فسخ کا اختیار نہیں ہے، الا یہ کہ باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں ترک شفقت اور مسامحت یقینی ہوجائے، تو ایسی صورت میں ان دونوں کا منعقدہ نکاح بھی لازم نہ ہوگا، بلکہ عدالت کے ذریعہ فسخ کرا کر باطل ہوسکتا ہے۔

''**حتی لو عرف من الأب سوء الاختیار لسفهه أو لطمعه لا یجوز عقده إجماعاً**'' (درمختار ۲/۴۱۸)۔

زیر ولایت لڑکی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء نے کیا خواہ کفو میں ہو یا غیر کفو میں، تو بالغ ہونے پر اختیار رہتا ہے کہ اس نکاح کو باقی رکھیں یا فسخ کرالیں۔

جہاں تک غیر کفو میں نکاح باطل ہونے کی بات کا تعلق ہے تو وہ محل نظر ہے، اس لئے کہ باطل کے معنی سیبطل کے ہیں جیسا کہ نوازل کے حوالہ سے علامہ شامی نے لکھا ہے: ''**ثم اعلم ما مرّ من النوازل من أن النکاح باطل معناه أنه سیبطل کما في الذخیرة لأن المسئلة مفروضة فیما إذا لم ترض البنت بعد ما کبرت کما صرح به في الخانیة والذخیرة وغیرهما**'' (۲/۳۰۵)۔

۵-تمہیداً دو باتیں تحریر ہیں:

۱-خیار بلوغ میں نکاح صرف بالغ ہونے والے کے انکار سے فسخ نہیں ہوتا، بلکہ قضاء قاضی شرط ہے، جیسا کہ شامی وغیرہ میں ہے۔

۲-مفاسد، اور خوف ارتداد زوجہ کے وقت نکاح قابل فسخ ہے گرچہ بلوغت کے وقت نکاح سے عدم انکار ہو، کیونکہ نکاح فی حد ذاتہ صلاحیت فسخ رکھتا ہے۔

پس اگر وہ لڑکی ثیبہ ہے تو محض خاموشی سے خیار بلوغ ساقط نہ ہوگا بلکہ کوئی ایسا کام کرے جو اس کی رضامندی پر دال ہو، یا زبان سے صراحتاً کہہ دے تو خیار باطل ہو جائے گا: ''**وخيار الصغير والثيب لا يبطل بلا صريح**'' (شامی ۲/۳۱۰)۔

اور اگر وہ لڑکی باکرہ ہو تو محض خاموشی اور عالمۃ النکاح کے باوجود زیادہ تاخیر سے خیار بلوغ ساقط ہو جائے گا: ''**قال محمد إن خيارها يمتد إلى أن تعلم أن لها خياراً**'' (شامی ۲/۳۱۰) للہذا حتی الوسع جلدی لازمی ہے۔

قریب تر ولی زندہ ہو اور نسبتاً دور کے ولی نے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا تو ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا، لہٰذا اگر ولی اقرب نے خبر ملنے پر رضامندی ظاہر کر دی تو نکاح صحیح و نافذ ہو گیا ورنہ نکاح باطل ہے، اس صورت میں بھی بوقت بلوغ فسخ نکاح کا اختیار باقی ہے (دیکھئے: رد المحتار ۲/۳۱۵، ہندیہ ۲/۳۳)۔

۶- اگر ولی سے ایسا فعل سرزد ہو جائے جو شفقت پدری یا غرض ولایت کے بالکل مخالف ہو مثلاً لڑکی کے مصالح و مفادات کا فقدان یا طمع وغیرہ، نیز گواہوں کے بیانات کے بعد قاضی محسوس کرتا ہے کہ ولی نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح و مفادات کا سرے سے لحاظ نہیں کیا ہے تو ایسی صورت میں اس نکاح کو فسخ کرایا جاسکتا ہے۔

معروف بسوء الاختیار:

اس جملہ کی تشریح جو در مختار اور تمام کتب فقہ میں متفقہ طور پر لکھی گئی ہے: ''مجانۃ و فسقا''

یعنی باپ کا بے ہودہ، بے پرواہ، یا فاسق ہونا، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب واضح طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے لڑکی کا نکاح اس کے مصالح پر نظر کئے بغیر کسی لالچ یا اپنے نفع کے لئے کر دیا ہے تو باپ کا سوء اختیار معروف ہو گیا، پس جب یہ حالت مشتبہ نہ رہے کہ باپ نے یہ نکاح اپنی کسی غرض یا حماقت سے کیا ہے اور لڑکی کے مصالح کو ملحوظ نہیں رکھا ہے تو حکم یہی ہوگا کہ یہ نکاح نافذ و لازم نہیں ہے۔ علامہ شامی نے بحوالہ فتح القدیر اس سلسلہ میں جو بحث کی ہے وہ محض ایک بحث ہے فتویٰ نہیں۔

۷- ولی عصبہ بنفسہ ہوتا ہے بترتیب ارث و حجب، یعنی اول: جزء، دوم: اصل، سوم: جزء اصل قریب، چہارم: جزء اصل بعید۔ عصبہ نہ ہونے کی صورت میں ولایت ماں کو ہے، پھر دادی کو، پھر بیٹی کو، پھر پوتی کو، پھر نواسی کو، پھر پوتے کی بیٹی، پھر نواسی کی بیٹی، اسی طرح آخر فروع تک، پھر حقیقی بہن، پھر علاتی بہن، پھر اخیافی بہن و بھائی، پھر ذوی الارحام، اول پھوپھی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچازاد بیٹی، اسی ترتیب سے اس کی اولاد، پھر مولی الموالاۃ (الہدایہ و درمختار)۔

۸- کسی لڑکی کے اگر یکساں درجہ کے ایک سے زائد اولیاء ہوں تو جو بھی سب سے پہلے اجازت دے دے بس اس کی اجازت کافی ہے، نکاح صحیح و نافذ ہو جائے گا خواہ تمام اولیاء راضی ہوں یا نہ ہوں (ہدایہ ۲/۲۹۹، درمختار ۲/۲۲۳)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا محمد اسعد فلاحی ☆

۱- ولایت کا مفہوم:

ولایت کے لغوی معنی آتے ہیں محبت ونصرت کے، اور اصطلاح فقہاء میں ولایت کہتے ہیں کسی دوسرے شخص پر اپنے اقوال نافذ کرنے کا شرعی اختیار۔

"الولاية لغة اما بمعنى المحبة والنصرة كما في قوله تعالىٰ: ﴿ومن يتولّ الله ورسوله والذين آمنوا فإن حزب الله هم المفلحون﴾، وفي اصطلاح الفقهاء القدرة على مباشرة التصرف من غير توقف على إجازة أحد" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۱۸۶/۷)۔

"وفي الهداية "تنفيذ القول على الغير"۔

ولایت علی النفس کی شرائط:

ولایت علی النفس کے لئے حسب ذیل چھ شرائط ہیں:

عاقل ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، بچے کی تربیت پر قادر ہونا، اس کے اخلاق کا امانت دار ہونا، اور اتحاد دین ومذہب ہونا۔ شرائط ستہ میں سے مذکورۃ الصدر پانچ شرائط (عاقل ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، بچے کی تربیت پر قادر ہونا اور اس کے اخلاق کا امانت دار ہونا) تو صرف ولی کے ساتھ خاص ہیں اور موخر الذکر شرط (اتحاد دین ومذہب) ولی اور مولی علیہ دونوں کے ساتھ خاص ہے۔

☆ دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر، سورت، گجرات۔

”یشترط فی الولی علی النفس البلوغ والعقل والقدرۃ علی تربیۃ الولد والأمانۃ علی أخلاقه والإسلام فی حق المولی علیه المسلم أو المسلمۃ“ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۷۴۷ ردالمحتار ۴/ ۱۹۲ اور مابعدہ)۔

”وفي الفقه الإسلامي عند الحنفية أربعة: هي العقل والبلوغ والحرية واتحاد الدين“ (۷/ ۱۹۸)۔

مقالہ میں دونوں عبارتوں کو ملخص کر کے ولایت علی النفس کی چھ شرائط ذکر کی گئی ہیں۔

لہذا مذکورہ شرائط ستہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بچے، مجنون و پاگل، معتوہ، غلام اور فضول خرچی کرنے والے بے وقوف کو کسی کا ولی نہیں بنایا جائے گا، کیونکہ یہ لوگ خود اپنی ناقصیت کی بنا پر اپنے اوپر کسی کی ولایت کے محتاج ہیں چہ جائے کہ وہ دوسروں کے والی بن جائیں، اسی طریقہ سے ایسے فاسق وحیلہ باز کو بھی کسی کا ولی نہیں بنایا جائے گا جس کو اپنے افعال واقوال اور کردار کی پرواہ نہ ہو نیز بچے کی صحت ومرض، علاج ومعالجہ پر قادر ہونے اور بچے کا تعلیم وتعلم کے لائق ہونے کے باوجود خیال نہ رکھنے والے کو بھی اس کا ولی نہیں بنایا جاسکتا۔

”فلا ولاية لغير عاقل ولا لغير بالغ ولا لسفيه مبذر لأن هؤلاء في حاجة إلى من يتولى شئونه ولا ولاية لفاسق ماجن لا يبالي بما يفعل لأنه يضر بأخلاق القاصر وبماله ولا ولاية لمهمل للولد كأن يتركه مريضا دون أن يحال علاجه مع قدرته عليه أو كأن يحرمه التعليم مع صلاحية الولد لأن ذلك ضار بمصلحة القاصر“ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۷۴۷)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا ارشاد احمد قاسمی

۲-خود اپنا نکاح کرنے کا حق کن لوگوں کو ہے:

شریعت اسلامیہ نے عاقل، بالغ، آزاد شخص کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار دیا ہے، اور ان کے علاوہ مثلاً صغیر، صغیرہ، مجنون، مجنونہ، معتوہ، معتوہہ اور غلام، باندی وغیرہ کے نکاح کا اختیار ان کے اولیاء کے حوالے کیا ہے، اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کو اپنے مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے اس کو اپنے نفس میں بھی تصرف کا حق ہوگا، اور ہر وہ شخص جس کو اپنے مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اس کو اپنے نفس میں بھی تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا، لہذا عاقل، بالغ، آزاد کو چونکہ اپنے مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے اس لئے اپنے نفس میں بھی تصرف کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور جن کو اپنے مال میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہے ان کو اپنے نفس میں بھی تصرف کا حق حاصل نہیں ہوگا بلکہ ان کے معاملات میں تصرف کرنے کا حق ان کے اولیاء کو ہوگا۔

"وهو أي الولي شرط صحة نكاح صغير ومجنون و رقيق لا مكلفة فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، والأصل إن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا" (درمختار ۱/۱۹۱)۔

نیز عبارت ملاحظہ ہو:

"وأما ولاية الحتم والإيجاب والاستبداد شرط ثبوتها على أصل

أصحابنا كون المولى عليه صغيراً أو صغيرة أو مجنونا كبيراً أو مجنونة كبيرة سواء كانت الصغيرة بكراً أو ثيباً فلا تثبت هذه الولاية على البالغ العاقل ولا على العاقلة البالغة"(بدائع الصنائع ۲/۴/۵۰۴)۔

(الف) ولایت کے بارے میں لڑکی اور لڑکے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ دونوں کا حکم یکساں ہے، ان لوگوں پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے جب کہ یہ صغیر اور صغیرہ ہوں یا مجنون ومعتوہ ہوں، اگرچہ مجنون ومعتوہ بالغ ہو جائیں، یعنی مجنون ومعتوہ کے بالغ ہونے کے بعد بھی ان پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے جب کہ ان کے اندر عقل نہ ہو، اور جب ان کے اندر عقل ہو تو بالغ ہوتے ہی ولی کی ولایت ختم ہو جاتی ہے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔

یہی وجہ ہے کہ اگر نابالغی کے زمانے میں باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء نے ان کا نکاح کر دیا تو ان کو خیار بلوغ کا حق حاصل ہوتا ہے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کے درمیان ولایت میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں کا حکم یکساں ہے، اور بالغ ہونے کے بعد اگر یہ لوگ عقلمند ہیں تو ولی کی ولایت ان کے اوپر سے ختم ہو جاتی ہے، جس کی تائید مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے:

"وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ"(ہندیہ ۱/۲۸۵)۔

(ب) نکاح میں عاقلہ بالغہ لڑکی کا اختیار:

نکاح کے بارے میں عاقلہ بالغہ لڑکی کو خود اپنے نفس پر جو اختیار حاصل ہے وہ یہ کہ اولیاء کی مرضی اور اجازت کے بغیر اپنا نکاح از خود کر لے، لہذا اگر کوئی عاقلہ بالغہ از خود اپنا نکاح ولی عصبہ کی اجازت ومرضی کے بغیر کفو میں کر لیتی ہے تو یہ نکاح نافذ و درست ہوگا اور کسی کو فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول حتى تنكح زوجاً غيره میں فعل کی نسبت عورت کی طرف کی ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے: فلا تعضلوهنّ أن ينكحن، اس آیت

میں بھی فعل کی نسبت عورتوں کی طرف ہے، اور ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''الأیم أحق بنفسها من ولیّها'' (مسلم شریف ۱/۴۵۵)۔

اس معنی کی تائید البحر الرائق کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

''قوله نفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولي، لأنها تصرفت في خالص حقّها وهي من أهله، لکونها عاقلة بالغة ولهذا کان لها التصرف في المال ولها اختیار الأزواج'' (البحر الرائق ۳/۱۱۷، ہدایہ ۲/ ۳۱۳، درمختار ۱/۱۹۱)۔

لیکن اگر عاقلہ بالغہ نے اپنا نکاح غیر کفو میں ولی عصبہ کی اجازت کے بغیر خود کرلیا تو اس صورت میں ولی کو اس کا حق ہوگا کہ قاضی کے یہاں بر بنائے عدم کفو تفریق کا مقدمہ دائر کر کے تفریق کا مطالبہ کرے، جیسا کہ ہدایہ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

''وإذا زوجت المرأة نفسها من غیر کفوء فللأولیاء أن یفرقوا بینهما دفعاً للضرر والعار عن أنفسهم'' (ہدایہ ۲/ ۳۲۰، ردالمحتار ۲/ ۲۹۷)۔

(ج) عاقلہ بالغہ لڑکی نے ولی عصبہ کی اجازت ومرضی کے بغیر کفو میں اپنا نکاح کرلیا، نکاح ہونے کے بعد ولی کو اس کا علم ہوا تو اب ولی اس نکاح سے اتفاق کرے یا اسے رد کردے، اس کے اتفاق ورد سے اس نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن اگر یہ نکاح غیر کفو میں ہے تو ولی بذریعہ قاضی اس نکاح کو فسخ کراسکتا ہے ورنہ نہیں، جیسا کہ اوپر گذرا۔

''الحرة العاقلة البالغة إذا زوجت نفسها من رجل هو کفوء لها أو لیس بکفوء لها، وفي الخانیة بکراً کانت أو ثیباً نفذ النکاح في ظاهر الروایة ......'' (تاتارخانیہ ۳/۳۱)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا منت اللہ قاسمی

۳-عاقلہ کا ازخود نکاح کر لینے میں کیا اولیاء کو حق اعتراض ہوگا؟

عاقلہ بالغہ لڑکی نے اپنا نکاح ولی کی اجازت ومرضی کے بغیر خود کرلیا، جب ولی کو اس نکاح کا علم ہوا تو اس نے اس نکاح سے اتفاق کیا یا رد کردیا تو اس سلسلے میں تفصیل ہے کہ اگر لڑکی نے کفو میں اور مہر مثل کے ساتھ اپنا نکاح کیا ہے تو اس ولی کے اتفاق اور رد سے اس نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور یہ نکاح منعقد ونافذ ہوگا۔

عاقلہ بالغہ لڑکی نے ازخود اپنا نکاح کرلیا، اگر یہ نکاح کفو میں کیا ہے تو اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے (التاتارخانیہ ۳/ ۳۳، فقہ السنہ ۲/ ۱۲۸)۔

اور اگر غیر کفو اور مہر مثل سے کم میں کیا ہے تو اس صورت میں ائمہ احناف کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے ظاہر روایت اور امام ابو یوسفؒ کے آخری قول کے مطابق اگر کسی عاقلہ بالغہ لڑکی نے خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اپنا نکاح غیر کفو میں کیا تو یہ نکاح منعقد ہوجائے گا، مگر غیر کفو میں نکاح کیا ہے تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا، فتاویٰ قاضی خاں کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے:

حسن بن زیادؒ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جب شوہر عورت کا کفو نہ ہو تو نکاح نافذ ہی نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کا قول سابق یہ ہے کہ یہ نکاح ولی یا حاکم کی اجازت پر موقوف رہے گا، یہی امام محمدؒ کا بھی قول ہے۔ اکثر کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں حسن

بن زیادؒ کی روایت پر فتوی دینا ہی زیادہ مناسب ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ احوط یہ ہے کہ عقد کو ولی کی اجازت پر موقوف رکھا جائے کیونکہ اگر شوہر لڑکی کا کفو ہوگا تو ولی کا اس نکاح کو فسخ کرنا صحیح نہیں ہوگا، اور اگر شوہر اس کا کفو نہیں ہوگا تو یہ فسخ صحیح ہوگا (دیکھئے: تاتارخانیہ ۳/۴۱)۔

نیز تاتارخانیہ میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ جب شوہر عورت کا کفو ہو تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل نہیں ہوگا عند الحنفیہ، اور اگر کفو نہیں ہے تو امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد سبھی حضرات فرماتے ہیں کہ اولیاء کو حق اعتراض ہوگا'' (عند أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد ليس لهم حق الاعتراض) هذا إذا كان الزوج كفواً لها، فأما إذا كان غير كفؤ لها فللأولياء حق الاعتراض على هذا النكاح عندهم جميعاً" (التاتارخانیہ ۳/۳۳)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق اعتراض ہوگا اور اولیاء اس نکاح کو بذریعہ قضاء فسخ کرا سکتے ہیں (رد المحتار ۳/۵۶، الاحوال الشخصیہ/۱۴۵)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا محمد انظار عالم قاسمی

۴-لڑکی بلوغ کے بعد نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

اگر زیر ولایت لڑکی کا نکاح ولی نے اس کی نابالغی کی حالت میں کر دیا لیکن وہ لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو اب وہ بلوغ کے بعد نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اولیاء کی دو قسمیں کرنی ہوں گی:

۱۔ ولی کی پہلی قسم تو وہ ہے جس کا کیا ہوا نکاح ہر حال میں نافذ ہوگا یعنی کفو میں کرے یا غیر کفو میں، اسی طرح سے مہر مثل پر کرے یا مہر مثل سے کم پر، لڑکی اس نکاح سے مطمئن ہو یا نہ ہو، الغرض ہر حال میں وہ نکاح نافذ ہوگا اور لڑکی کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار بھی نہیں ہوگا بشرطیکہ یہ تین شرطیں اس میں نہ ہوں:

۱-باپ اور دادا لاابالی پن اور فسق کی وجہ سے معروف بسوء الاختیار نہ ہوں، یعنی اس عقد سے پہلے کوئی واقعہ ان سے ایسا سرزد نہ ہو چکا ہو جس کی وجہ سے ان کے متعلق لوگوں کا یہ خیال ہو کہ یہ شخص اپنے لاابالی پن اور فسق وفجور کے باعث معاملات میں بدتدبیری کو راہ دیتا ہے اور مصلحت اور انجام بینی کو پیش نظر نہیں رکھتا ہے، لہذا اگر لاابالی پن کی حماقت کی وجہ سے بدتدبیری میں مشہور ہوں اور نابالغ بیٹا یا بیٹی کا نکاح غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ کریں گے تو یہ نکاح باطل ہوگا جائز نہیں ہوگا۔

۲-نکاح کے وقت ہوش وحواس ان کے بجا ہوں، وہ نشہ میں نہ ہوں، اگر نشہ کی حالت

میں نابالغ کا نکاح کیا ہو تو اس طرح کا نکاح جائز نہیں ہوگا بلکہ باطل ہوگا، درمختار میں ہے:

"ولزم النكاح ولو بغبن فاحش بنقص مهرها وزيادة مهره أو زوجها بغير كفوء ......وكذا لو كان سكران فزوجها من فاسق أو شرير أو فقير أو ذي حرفة دنيئة لظهور سوء الاختيار" (درمختار، باب الولي)۔

۳- فاسق متہتک نہ ہو یعنی سوء اختیار اور بد تدبیر نہ ہونے کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ بے باک و بے غیرت فاسق نہ ہو، اگر وہ فاسق متہتک ہوگا تو اس طرح کا نکاح جائز نہ ہوگا۔

مثلاً باپ اور دادا اس قسم کے ولی ہیں کہ ان کا کیا ہوا نکاح لڑکی فسخ نہیں کرا سکتی ہے، اس لئے کہ باپ اور دادا کے اندر رائے کی پختگی اور کامل شفقت ہوتی ہے جو دوسرے اولیاء کے اندر نہیں پائی جاتی ہے، باپ اور دادا نکاح کے مصالح و اغراض کو دوسرے اولیاء کی بہ نسبت زیادہ جانتے ہیں، ان دونوں نے اگر کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح ایسا ہی ہوا جیسا کہ لڑکی نے خود اپنا نکاح بلوغ کے بعد کیا ہو۔

۲- ولی کی دوسری قسم وہ ہے جس کا کیا ہوا نکاح ہر حال میں نافذ نہیں ہوگا بلکہ اگر اس نے لڑکی کا نکاح کفو میں اور مہر مثل پر کیا ہے اور لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش ہے تو نکاح نافذ ہوگا، اور اگر لڑکی اس نکاح سے مطمئن نہیں ہے تو اس کو اس نکاح کو فسخ کرانے کا حق ہے، اس لئے کہ وہ ایسا ولی ہے جس کے اندر کامل شفقت نہیں پائی جاتی ہے، اس لئے فقہاء کرام نے اس کے کئے ہوئے نکاح پر نابالغہ لڑکی کو بلوغ کے بعد اختیار دیا ہے کہ اگر وہ اس نکاح سے مطمئن اور خوش ہے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ اس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے، اور اگر اس ولی (یعنی باپ اور دادا کے علاوہ) نے غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ نکاح کیا ہے تو یہ نکاح سرے سے نافذ ہی نہیں ہوگا (دیکھئے: ردالمحتار، باب الولی)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا وصی احمد دربھنگوی

۵- خیار بلوغ کب تک ہے؟

باپ دادا کے سوا دیگر اولیاء نے صغیرہ کا نکاح کردیا تو بلوغت کے وقت اس کو خیار بلوغ کا حق حاصل ہے، اگر وہ نکاح کو باقی رکھنا چاہے تو رکھے ورنہ اسے فسخ کرانے کا اختیار ہے، اب یہ خیار ساقط کب ہوگا؟ تو اس سلسلہ میں لڑکی اگر باکرہ ہے تو اس کے حق میں خیار بلوغ سکوت کی وجہ سے باطل ہوجائے گا یعنی حالت بکارت میں بالغہ ہوئی اور اپنے خیار کا استعمال نہیں کیا بلکہ چپ رہی تو خیار بلوغ باطل ہوجائے گا اور آخر مجلس تک باقی نہیں رہے گا، اب پھر بعد میں اگر وہ اپنے خیار کا استعمال کرنا چاہے تو یہ استعمال بے سود ہوگا۔

اور اگر لڑکی ثیبہ ہے اصل کے اعتبار سے، یعنی وہ نکاح سے قبل ہی ثیبہ تھی یا بعد میں شوہر کے تعلق کی وجہ سے ثیبہ ہوئی ہو، دونوں صورتوں میں بلوغت کے بعد محض سکوت کی وجہ سے خیار بلوغ ساقط نہیں ہوگا، یا جس مجلس میں بالغ ہوئی اور اظہار رائے کے بغیر اٹھ گئی تو اس مجلس سے اٹھنے کی وجہ سے خیار بلوغ ساقط نہیں ہوگا تاوقتیکہ بلوغت کے بعد صراحت کے ساتھ اس کی جانب سے رضامندی کا صدور نہ ہوجائے، یا ایسے علامات کا ظہور نہ ہوجائے جس سے معلوم ہو کہ وہ اس نکاح سے راضی ہے، مثلاً خیار بلوغ کے بعد شوہر کو اپنے اوپر جماع کی قدرت دے یا نفقہ وغیرہ کا مطالبہ کرے، اگر ان چیزوں کا صدور نہیں ہوا تو محض سکوت کی وجہ سے ثیبہ کا خیار ساقط نہیں ہوگا۔

باکرہ ہو یا ثیبہ بلوغت کے وقت اگر اس کو عقد نکاح کا علم تھا کہ اس کا نکاح فلاں شخص سے ہوا ہے لیکن اس کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ بلوغت کے بعد خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے یا نہیں تو اس ناواقفیت کے باوجود اس کا خیار بلوغ ساقط ہو جائے گا۔

اور اگر عقد نکاح کا علم نہیں تھا لیکن خیار بلوغ کا علم ہے تو یہ خیار عقد نکاح کے علم تک باقی رہے گا (دیکھئے: ہندیہ ۱/۲۸۶، درمختار علی ہامش ردالمحتار ۳/ ۸۳-۸۵)۔

لیکن عصر حاضر میں حصول علم کی قلت اور مسائل شرعیہ سے عدم شغف کی بنا پر عام طور سے لڑکیاں مسائل شرعیہ سے ناواقف ہوتی ہیں، لہذا ایسی حالت میں خیار بلوغ سے عدم واقفیت کی وجہ سے بالغ ہونے کے بعد سکوت کو بطلان خیار کا مدار بنایا جائے تو اس میں حرج اور تنگی ہے کیونکہ اس صورت میں لڑکی رشتہ کے غیر مناسب ہونے کی وجہ سے مشقت اور پریشانی کی زندگی گذارے گی، اس لئے جہالت کے عام ہونے کی وجہ سے راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں بھی خیار بلوغ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے حق خیار ساقط نہیں ہونا چاہئے۔

مذکورہ تفصیل لڑکی کے سلسلے میں ہے، لیکن لڑکے کا خیار بلوغ سکوت سے ساقط نہیں ہوگا تاوقتیکہ وہ رضامندی کی صراحت نہ کردے، یا اس کی جانب سے وہ امور صادر ہوں جو اس کی رضامندی پر دلالت کرتے ہوں۔

ہندیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

''ولا يبطل خيار الغلام ما لم يقل رضيت أو يجيء منه أنه رضي'' (ہندیہ ۱/۲۸۶، شرح فتح القدیر ۳/ ۲۸۱)۔

ولی اقرب کی زندگی میں ولی ابعد کا نکاح کرنا:

ولی اقرب کی موجودگی میں اگر ولی ابعد نے صغیر اور صغیرہ کا نکاح کردیا حالانکہ ولی اقرب میں ولایت کی صلاحیت تھی، جیسے باپ کی موجودگی میں اگر دادا نے صغیر یا صغیرہ کا نکاح کردیا تو یہ نکاح ولی اقرب یعنی باپ کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر وہ چاہے تو نکاح کو جائز قرار

دے یا اس کو رد کر دے۔

ولی ابعد نے اقرب کی موجودگی میں نکاح کر دیا لیکن ولی اقرب میں ولایت کی استعداد نہیں ہے مثلاً وہ صغیر یا مجنون ہے تو نکاح صحیح ہوگا، اگر ولی اقرب غائب ہو (غائب ہونے کی حد یہ ہے کہ کفوفوت ہو جائے، یہی قول فقہ سے قریب تر ہے) تو ایسی صورت میں ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح جائز اور درست ہوگا۔

ملاحظہ ہو ہندیہ کی عبارت: "**وان زوج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضراً وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته، وان لم يكن من أهل الولاية بأن كان صغيراً أو كبيراً مجنوناً جاز وان كان الأقرب غائباً غيبة منقطعة جاز نكاح الأبعد كذا في المحيط**" (ہندیہ ۱/۲۸۵، البحر الرائق ۳/۱۲۸، تاتارخانیہ ۳/۲۴، حاشیۃ الطحطاوی ۲/۴۰، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/۱۹۹)۔

۶-ولی کا اپنے مفاد کے تحت نکاح کرنا:

ولی نے لڑکی کا نکاح کر دیا لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن نہیں ہے اور اس نے قاضی شریعت کے یہاں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کر دیا تو قاضی نکاح فسخ کرنے سے قبل یہ تحقیق کرے کہ اس کا نکاح باپ اور دادا نے کیا ہے یا ان کے ماسوا دیگر اولیاء نے کیا ہے، اور باپ اور دادا کے نکاح کرنے کی صورت میں قاضی غور کرے کہ یہ دونوں معروف بسوء الاختیار ہیں یا نہیں۔ اگر معروف بسوء الاختیار نہیں ہیں اور عندالقضاء مصالح کی عدم رعایت بھی ثابت ہے پھر بھی قاضی کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے کیونکہ باپ اور دادا نے اگر غیر کفو یا مہر مثل سے کم پر بھی نکاح کیا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور کارفرما ہوگی۔

اور اگر قاضی کو معلوم ہو جائے کہ باپ اور دادا معروف بسوء الاختیار ہیں اور نکاح میں سوء اختیار یا حد سے زیادہ فسق کی وجہ سے مصالح کی رعایت نہیں کی گئی ہے اور اپنے مفاد کے پیش نظر نکاح کر دیا ہے تو نکاح ہی منعقد قرار نہیں دیا جائے گا، لہٰذا فسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وفي شرح المجمع' حتی لو عرف من الأب سوء الاختیار لسفهه أو لطمعه لا یجوز عقده إجماعاً'' (ردالمحتار ۳/۶۷)۔

فاسق متہتک اور سوءاختیار کا مفہوم:

فاسق مہتک ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس میں اس قدر لاابالی پن ہو کہ اسے اپنی عزت و آبرو تک کا خیال نہ ہو اور بے باک و بے غیرت ہو۔

اور ماجن ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کو کچھ بھی پرواہ نہ ہو کہ اس کو کیا کہا گیا ہے اور وہ کیا کر رہا ہے۔

اور سیئ الاختیار اس کو کہتے ہیں جس میں بے وقوفی کی وجہ سے صحیح غور و فکر اور نفع وضرر کے فہم کی صلاحیت نہ ہو۔

بہر حال ایسے لوگوں کا کیا ہوا نکاح منعقد نہیں ہوگا، ہاں اگر یہ لوگ صغیرہ کا نکاح مصالح کی رعایت کے ساتھ کفو اور مہر مثل کے مطابق کر دیں تو نکاح صحیح ہوگا۔

ملاحظہ ہو شامی کی عبارت:

''الماجن الذي لا یبالي ما یصنع وما قیل له'' (ردالمحتار ۴/۱۷۱)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا نوشاد عالم ندوی

۷-اولیاء کی ترتیب کا مقصد:

اولیاء کے درمیان ترتیب قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ان کی تعداد ایک سے زیادہ ہو اور استحقاق ولایت کے سلسلے میں ان میں مزاحمت ہو تو اولیت کے لحاظ سے کس کا کیا درجہ ہے اور استحقاق ولایت میں کون کس پر مقدم ہے اس کو واضح کردیا جائے تا کہ متعینہ طور پر جو سب سے زیادہ مستحق ہو اور سب پر مقدم ہو اس کا پتہ چل جائے اور اسی کو حق ولایت دیا جائے۔

ساتھ ہی یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس ولایت کا یہاں ذکر ہے اور جس میں اولیاء کی ترتیب بتائی جارہی ہے اس سے مراد آزاد لوگوں پر ولایت ہے نہ کہ غلاموں اور باندیوں پر۔

اولیاء کی ترتیب درج ذیل طریقے پر ہے:

اول۔عصبہ نسبی: ولایت میں عصبہ نسبی کی ترتیب وہی ہے جو میراث پانے اور میراث سے محروم ہونے میں ان کی ترتیب ہے۔

عصبہ نسبی کی چار جہتیں ہیں: ۱۔بنوۃ، ۲۔ابوۃ، ۳۔اخوۃ، ۴۔عمومۃ۔

پہلی جہت بنوۃ میں بیٹا، پوتا اور اسی طرح نیچے کی پیڑھی شامل ہے۔

دوسری جہت ابوۃ میں باپ، دادا اور اسی طرح اوپر کی پیڑھی شامل ہے۔

تیسری جہت اخوۃ میں حقیقی بھائی، علاتی بھائی، حقیقی بھائی کا بیٹا، علاتی بھائی کا بیٹا اور

اسی طرح دونوں میں سے ہر ایک کی نیچے کی پیڑھی داخل ہے۔

چوتھی جہت عمومت میں حقیقی چچا، علاتی چچا، حقیقی چچا کا بیٹا، علاتی چچا کا بیٹا داخل ہے۔

دوم۔ عصبہ سببی: استحقاق ولایت میں عصبہ سببی کا درجہ عصبہ نسبی کے بعد ہے، لہذا اگر عصبہ نسبی میں سے کوئی موجود نہ ہو تو پھر ولایت کا حق عصبہ سببی کو ملے گا، اور عصبہ سببی وہ فر دیا افراد ہیں جن کو غلام یا باندی کا "ولاء العتاقۃ" ملتا ہے، لہذا سب سے پہلے حق ولایت آزاد کرنے والے شخص کو حاصل ہوگا چاہے وہ عورت ہی کیوں نہ ہو، ایسے شخص کو "مولی العتاقۃ" کہتے ہیں، پھر اس کے عصبہ نسبی کو ولایت پانے کا حق اسی ترتیب وترجیح کے مطابق ہوگا جو عصبہ نسبی میں گذر چکی، کیوں کہ اولیاء ہونے میں دونوں عصبہ مساوی ہیں۔

سوم۔ ترتیب اولیاء کے ذیل میں تیسرا درجہ ان اقارب کا ہے جو غیر عصبہ ہیں۔ اس کی تفصیل فتاویٰ ہندیہ (۱/ ۲۸۳-۲۸۴) میں ملاحظہ فرمائیں۔

چہارم۔ مولی الموالاۃ: اگر عصبہ نسبی، عصبہ سببی اور دوسرے قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں تو پھر ولایت کا حق مولی الموالاۃ کو ملتا ہے، "مولی الموالاۃ" سے مراد وہ شخص ہے جس کے ہاتھ پر نابالغ بچی یا نابالغ بچے کے باپ نے اسلام قبول کیا اور یہ کہتے ہوئے رشتہ موالاۃ قائم کرلیا کہ آج سے آپ میرے مولی ہیں، آپ میرے وارث ہوں گے، اور اگر مجھ سے قتل وغیرہ جیسا کوئی جرم سرزد ہوجائے تو آپ میری طرف سے دیت ادا کریں گے، ایسے "مولی الموالاۃ" کو نابالغ بچے یا بچی کے نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔

پنجم۔ سلطان: اگر اولیاء کی مذکورہ بالا قسموں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ولایت کا حق سلطان کی طرف منتقل ہوجائے گا، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: "**السلطان ولي من لا ولي له**"۔

مگر چونکہ سلطان کے لئے ان جیسے امور کی انجام دہی عموماً مشکل ہوتی ہے، اس لئے قاضی اس کی اجازت سے اس کا نائب بن کر ان کاموں کو انجام دے سکتا ہے (فتح القدیر ۳/۱۷۵، طبع دار احیاء التراث العربی، الفتاوی الہندیہ ۱/ ۲۸۳۔۲۸۴، دار الفکر بیروت، جامع احکام الصغار للأستروشنی ۱/ ۲۱۰، شرح الاحکام الشرعیہ للأبیانی ۱/ ۵۹ و مابعدہا)۔

☆☆☆

مسئلہ ولایت

مولانا محمد شاہد قاسمی

۸- جب چند یکساں اولیاء جمع ہو جائیں:

جب کسی لڑکی کے چند اولیاء موجود ہوں اور اولیاء قرب قرابت میں ایک دوسرے کے ہم پلہ اور یکساں درجہ کے ہوں (اگر قرابت میں فرق مراتب ہے تو ظاہر ہے کہ اقرب کو ترجیح حاصل ہوگی) مثلاً اولیاء کے مابین اخوت نسبی یا عمومت کا رشتہ ہے، تو ایسی صورت میں ہر ایک ولی کو یہ اختیار رہے کہ وہ زیر ولایت لڑکی کا نکاح کردے، خواہ دیگر اولیاء لڑکی کے اس نکاح سے اپنی رضامندی کا اظہار کریں یا ناراضگی ظاہر کریں، جب کسی ایک ولی نے اس کا نکاح کردیا تو وہ نکاح نافذ اور منعقد ہو جائے گا۔

البتہ انعقاد نکاح کے لئے شرط ہے کہ نکاح کفو اور مہر مثل پر ہوا ہو، علامہ کاسانی نے اس کی صراحت کی ہے:

"فأما إذا كانا في الدرجة سواء كالأخوين والعمين ونحو ذلك فلكل واحد منهما على حياله أن يزوج رضي الآخر أو سخط بعد أن كان التزويج من كفء بمهر وافر وهذا قول عامة العلماء" (بدائع ۲/۵۲۱، تاتارخانیہ ۳/۲۲، بحر الرائق ۳/۱۲۸)۔

اس قول کی تائید قول رسول ﷺ سے بھی ہوتی ہے: **" إذا نكح الوليان فالأول أحق"** (بدائع ۲/۵۲۱، مسند شافعی ۱/۲۹۱)۔

اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے صاحب بدائع الصنائع نے لکھا ہے کہ ولایت غیر متجزی شئی ہے، اس کا ثبوت ایسے سبب کی بنا پر ہے جو علیحدہ اور جدا نہیں ہوا کرتی اور وہ قرابت ہے، لہذا جب قرابت کسی جماعت کے لئے یکساں اور برابر درجہ کی ہو تو ہر ایک فرد کے لئے کامل طور پر ہوگی گویا کہ اس قرابت میں کوئی دوسرا فرد شریک ہی نہیں ہے(بدائع ۲/ ۵۲۱، المفصل في أحكام المرأة ۲/ ۳۷۲)۔

☆☆☆

جدید فقهی تحقیقات:

پانچواں باب

اختتامی امور

مناقشہ:

نکاح میں ولایت کے مسائل

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی:

............بعض مصلحتوں کی وجہ سے جن میں اہم بات یہ ہے کہ ہمارے بعض اہم مہمان بالخصوص حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی کا قیام چونکہ زیادہ وقفہ کے لئے نہیں ہے، اس لئے ترتیب میں ردوبدل کردیا گیا ہے، اب سب سے پہلا موضوع ولایت کا، اور اس کے بعد کفاءت کا، اور اس کے بعد ان شاء اللہ حدیث ضعیف سے متعلق گفتگو ہوگی۔

اس نشست کا موضوع ولایت ہے، اس سلسلہ میں جن حضرات کو شرکائے سمینار اور حاضرین کے سامنے خطاب کے لئے طے کیا گیا ہے، ان کو دعوت دینے سے پہلے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہماری اکیڈمی کا جو طریقہ کار اس سلسلہ میں ہے اس کی وضاحت کردی جائے، چونکہ بہت سے حضرات مجمع میں ایسے بھی ہوتے ہیں اور رہیں جن کی شرکت پہلی مرتبہ ہوتی ہے۔ اکیڈمی کا طریقہ کار یہ ہے کہ اجلاس کے طے ہونے کے بعد سوالنامے جاری کئے جاتے ہیں، ایک مقررہ وقت پر مقالے طلب کئے جاتے ہیں، حسب موقع تذکیر کے خطوط بھیجے جاتے ہیں، اور سمینار کی جو تاریخیں طے ہوتی ہیں ان سے تقریباً دو ڈھائی مہینے قبل ایک نشست ہوتی ہے، اس وقت تک آئے ہوئے تمام مقالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک نظام طے ہوتا ہے جس کو آج کی اصطلاح میں یعنی ان مجامع کی اصطلاح میں "عرض" سے تعبیر کرتے ہیں، بجائے اس کے کہ ہر ایک مقالہ

نگار کو زحمت دی جائے اور وہ اپنے اپنے مقالے سنائیں، جس میں چاہے جتنا وقت دیا جائے وقت تنگ ہی ہوجاتا ہے اور مقالوں کا کوئی مناسب حصہ بھی سامنے نہیں آپاتا، اس کے لئے صورت یہ اختیار کی جاتی ہے کہ ایک موضوع سے متعلق جو سوالات سات آٹھ دس بارہ جو بھی ہوں ان کو چند حصوں میں تقسیم کرکے ایک ایک حصہ بعض مقالہ نگار حضرات کے سپرد کردیا جاتا ہے، اور ان کو یہ ذمہ داری سونپی جاتی ہے کہ وہ ایک مہینہ کے عرصے میں عرض تیار کردیں، عرض کا حاصل یہ ہے کہ جو سوالات ان کے لئے طے کئے گئے ہیں ان سوالات سے متعلق مقالوں میں جو حصہ آیا ہے اس کا مکمل خلاصہ، کن حضرات نے اس سلسلہ میں گفتگو کی ہے؟ اور ان کا موقف کیا ہے؟ بعض مرتبہ ایک ہی رائے ہوتی ہے، بعض مرتبہ ایک سے زائد آراء ہوتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ ایک سے زائد آراء ہونے کی صورت میں زیادہ دقت نظر سے گفتگو کی ضرورت ہوتی ہے، ہر ایک کا موقف بھی آجائے، اس کی دلیل بھی آجائے، عارض کی ذمہ داری یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ تحریروں کا جائزہ لے کر خود اس کا اپنا جو موقف ہے اس موقف کی بھی مکمل ترجمانی کرے، خلاصہ اور عرض اس انداز میں تیار کیا جائے کہ وہ چند جملوں کی یا چند سطروں کی تلخیص بھی نہ ہو، اور ایسا بھی نہ ہو کہ ایک بھاری مقالہ ہوجائے، اس کی کوشش ضرور کی جاتی ہے کہ ساری بحثیں ساری باتیں ضروری حد تک اس میں سمٹ آئیں، اسی لئے عارضین کے پاس اس سلسلہ میں ہدایات بھی روانہ کی جاتی ہیں، چنانچہ اعظم گڈھ کے سمینار سے مسلسل یہ معمول چلا آرہا ہے کہ عرض کے ذریعہ مقالات جو لکھے گئے ان میں جو کچھ آیا ہے وہ حاضرین اور شرکاء کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اسی طرح تلخیص بھی پیش کی جاتی ہے، لیکن تلخیص جو پیش کی جاتی ہے اس کی نسبت سے عرض میں کچھ فرق ہوتا ہے۔

بہرحال ولایت کے سلسلہ میں چھ سوالات ہیں، جن کے لئے چار عارضین طے کئے گئے ہیں، سوال نمبر ایک سے متعلق عرض حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب استاد حدیث وتفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء، ان سے متعلق ہے۔ اور سوال نمبر دو اور تین سے متعلق عرض حضرت مولانا بدر احمد صاحب مجیبی استاد المعہد العالی للتدریب فی الافتاء والقضاء، امارت شرعیہ بہار، جہاں ہم

اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں ان کے سپرد کیا گیا۔ اور سوال نمبر چار اور چھ سے متعلق عرض حضرت مولانا قاری ظفر الاسلام صاحب اعظمی استاد دار العلوم مئو۔ اور سوال نمبر پانچ سے متعلق عرض حضرت مولانا اختر امام عادل صاحب دار العلوم جامعہ ربانی، ان کے سپرد کیا گیا۔ میں سب سے پہلے حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب کا عرض پیش کرنے کے لئے مولانا ظفر عالم ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دعوت دے رہا ہوں وہ تشریف لائیں اور حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب کا عرض پیش فرمائیں۔

(اس کے بعد تمام عرض پیش کئے گئے)

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی:

...................................(آواز صاف نہیں ہے)۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی:

میں ارشاد احمد اعظمی بھوپال سے آیا ہوں، آپ حضرات کے سامنے اپنی کچھ معروضات رکھ رہا ہوں، سب سے پہلے آپ حضرات نے اس سمینار کے انعقاد میں جو کچھ کوشش کی ہے وہ بالکل نمایاں ہے، اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو جزائے خیر دے، آپ لوگ شکریہ کے مستحق ہیں، صبح کی مجلس میں اور سیمینار کے افتتاح سے پہلے ہی ان مقالات کی تلخیص ہم لوگوں کو مل چکی ہے اور اس میں بہت ساری چیزیں ہمارے سامنے آئیں، یقیناً ہمارے بہت سارے دوستوں نے مقالات لکھے ہیں، انہوں نے کیا لکھا وہ ہمارے سامنے نہیں ہے، ہم ان سے واقف نہیں ہیں، ان کے خیالات کو جاننے کا ایک ذریعہ ہمارے پاس یہ تلخیص ہے، اور پہلی مجلس میں آپ نے کچھ حضرات کو پابند کیا تھا کہ وہ سامعین کے سامنے اس کا عرض رکھیں، تو یہ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جن حضرات نے اس ذمہ داری کو نبھایا ان میں سے بعض ہمارے محترم بزرگ اللہ ان کو جزائے خیر دے، ہوسکتا ہے ان کے پاس وقت کی کمی ہو، ایسا لگتا ہے کہ انہیں ان مقالات کو پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا، کم سے کم میں اپنے تعلق سے کہہ سکتا ہوں کہ جو باتیں میں نے اپنے

مقالے میں تحریر کی تھیں مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی نے اس کا مطلقاً ذکر ہی نہیں کیا، دوسرے اور حضرات جنہوں نے یہ خدمت انجام دی انہوں نے وقت ضرور نکالا، ان مقالات کو پڑھا لیکن میرا کہنا یہ ہے کہ ان مقالات میں جن نکات کو بیان کیا گیا ہے ان سارے نکات کو جمع کریں پھر اس کو پیش کریں تا کہ لوگ واقف ہو سکیں کہ کیا چیزیں زیر بحث آئیں گی، مقالات میں کن نکات کو اٹھایا گیا ہے، انہوں نے ان نکات کو جمع کرنے اور پیش کرنے کے بجائے ان نکات کے رد پر اپنا سارا زور، اپنی ساری صلاحیت صرف کردی، تو یہ تو عرض کا معاملہ ہے، جہاں تک تلخیص ہمارے سامنے ہے تو اس سلسلے میں عرض کردوں کہ تلخیص میں بھی احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ بہت ساری باتیں جو مقالہ نگار نے کہی نہیں ہیں ان کی طرف منسوب کردی گئی ہیں، اس سے غلط تاثر ہوتا ہے، مثال کے طور پر میں نے ولایت کے اقسام کی بحث میں، اور یقیناً ولایت سے مراد میری یہاں پر ولایت خاصہ ہے، ولایت عامہ نہیں، ولایت عامہ کا اطلاق عاقل پر ہوتا ہے، اس کا یہاں ذکر نہیں ہے، ولایت خاصہ کا ذکر ہو رہا تھا اور اس ولایت خاصہ کی ہم نے دو قسمیں بتلائی تھیں، اولاً: ایک اصلیہ یا قاصرہ، اور دوسری قسم ہے: نیابیہ یا متعدیہ، بعد میں میں نے ذکر کیا تھا کہ ہمارے فقہاء حضرات ولایت کی تعریف کرتے وقت کہہ دیتے ہیں: **تنفیذ القول علی الغیر شاء أم أبی**، یہ اصلاً ولایتِ نیابیہ کی ہی ایک شکل ہے، میں نے اس کو شکل بتلایا تھا کہ یہ ولایت نیابیہ کی ایک شکل ہے، یہ ولایتِ نیابیہ ہے جس کو فقہاء ولایت کہہ دیتے ہیں، جب کہ تلخیص میں کہا گیا ہے کہ یہ ولایت نیابیہ کی ایک قسم ہے، یہ قسم نہیں ہے، بلکہ خود ولایت نیابیہ ہے، تو اس طریقہ سے اور کتنی باتیں تلخیص میں ہوں گی، اس لئے اس تلخیص کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کرنا اور کسی کے متعلق کہنا کہ اس نے اس خیال کو پیش کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ زرازیادتی ہوگی، معاف کریں گے اگر میں نے اپنے خیال کے اظہار میں کسی قسم کا غلو کیا ہو۔

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی:

......................................(آواز صاف نہیں ہے)۔

مفتی عثمان:

ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے سلسلے میں بات یہ آئی کہ اگر وہ عاقلہ بالغہ ہے تو اس کے انعقاد کے سلسلہ میں ائمہ احناف میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں، البتہ اگر وہ غیر کفو میں اپنا نکاح کرے تو اس میں حضرات احناف کے یہاں دو روایتیں ہیں: ایک ظاہر الروایہ ہے جو صحتِ نکاح کی ہے، اور ایک روایت حسن بن زیاد کی ہے جو امام صاحب سے نقل ہے، وہ عدمِ صحت کی ہے۔ اس سلسلے میں بعض حضرات نے ان دونوں قولوں کو مقید کیا ہے، بعض نے مقید کیا قبل العقد سے، کہ قبل العقد عدمِ صحت پر فتویٰ دیا جائے گا اور بعد العقد صحت پر فتویٰ دیا جائے گا، اور بعض حضرات نے اس کو مقید کیا قبل القضاء اور بعد القضاء سے، کہ اگر قاضی سے فیصلہ طلب کیا جائے تو ایسی صورت میں وہ صحت کا فتویٰ دے گا یعنی فسخ کرے گا، اور قاضی کے یہاں مقدمہ کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں عدمِ صحت پر فتویٰ دیا جائے گا، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قول ثانی کو یعنی عدمِ صحت کے قول کو حضرات متاخرین نے جن علتوں کی بنا پر مفتیٰ بہ قرار دیا ہے وہ علت فسادِ زمانہ اور اولیاء کو ضرر سے بچانا ہے، تو کیا ان قیود ات سے وہ علت ختم ہو جائے گی؟ اگر ان قیود ات سے وہ علت جس کی بنا پر متاخرین نے فتویٰ دیا تھا ختم ہو جاتی ہے تو ان قیود کا لگانا درست ہو سکتا ہے، اور اگر ان قیود ات سے وہ علت ختم نہیں ہوتی ہے یعنی فساد رفع نہیں ہوتا ہے، ضرر دفع نہیں ہوتا ہے تو ان قیود ات کا لگانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی:

میں بھی اس مسئلے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جس کی طرف مولانا ارشاد احمد صاحب نے کیا ہے، یعنی عرض مسئلہ میں دو تین حضرات نے عرض مسئلہ کی خدمت انجام دی لیکن ان سب حضرات کے عرض میں کافی فرق رہا ہے، مسائل کا تجزیہ کرنے میں، مسائل کے دلائل پیش کرنے میں اور اپنی رائے بیان کرنے میں، مجھے نہیں معلوم کہ عارض کو کچھ Guide Line یا کچھ ہدایات دی جاتی ہیں یا نہیں؟ کہ اس کا کیا طریقہ کار ہو عرض کرنے میں، لیکن بعض حضرات

نے جیسے یہ کہا ہے کہ انہوں نے سارے اختلافی مسائل کو بالائے طاق رکھ کر اپنی رائے پیش کردی، کچھ لوگوں نے اپنی رائے کو کافی دلائل کے ساتھ پیش کیا، اس سلسلے میں بہتر یہ ہوگا کہ عرض جو ہے وہ معروضی انداز میں ہو، یہ میرا ایک حقیر سا مشورہ ہے، بجائے اس کے عارض اپنی آزادی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف اپنے دلائل کو پیش کرے، بہتر یہ ہوگا کہ مقالہ نگاروں نے جو باتیں پیش کی ہیں ان کا یعنی غیر جانبدارانہ تجزیہ کرے اور غیر جانبدارانہ انداز سے اس کو پیش کرے، ایک اور چیز جس کی طرف میرا خیال تھا کہ آخر میں پیش کرنا چاہئے تھا وہ یہ کہ ولایت اور امارت کے سلسلے میں کچھ فرق سامنے آنا چاہئے جیسا کہ ولی کی معنویت کے اندر ہے، ولی کی ولایت کی بحث میں خاص طور سے اس کے اختیارات وغیرہ کا بھی ذکر آیا، میرا خیال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ولی کو جو اختیارات حاصل ہیں ان میں سب سے زیادہ مقدم افہام وتفہیم کا رول ہونا چاہئے، یعنی جو معاملات بگڑیں یا جو باتیں آئیں بجائے اس کے کہ اس کے لئے قوت اور طاقت، حکومت اور عدالت کا سہارا لیا جائے آپس میں افہام وتفہیم پر زیادہ سے زیادہ زور دینا چاہئے۔

مولانا اختر امام عادل:

اصلاحی صاحب نے عرض کی بابت کہا ہے کہ جانب داری برتتے ہیں یا اس طرح کا کچھ انداز ہوتا ہے، تو میری گذارش یہ ہے کہ اس کی تعیین کریں کہ کون سی دلیل ان کی رہ گئی جو پیش نہیں کی گئی جیسے مولانا ارشاد صاحب نے ایک مثال دی، اس سلسلے میں اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ اگر کوئی ایسی بات جس سے حکم پر اثر پڑتا ہو وہ چھوٹ جارہا ہے تو اس کی تعیین کی جائے، لیکن اگر کوئی جزوی باتیں چھوٹ جاتی ہیں یا کوئی دلیل پیش کرنے میں کوتاہی نہیں برتی جاتی تو بنیادی طور پر اس سے اتفاق کرنا چاہئے، نہیں تو پھر وضاحت کریں کہ فلاں دلیل میری پیش نہیں کی گئی، فلاں چیز باقی رہ گئی یا اس کی وجہ سے یہ اثر مرتب ہوتا ہے، یہی میں کہنا چاہتا ہوں۔

مولانا زبیر احمد قاسمی:

میرا خیال یہ ہے کہ جتنی رائیں ہیں تلخیص کے اندر یا عرض مسئلہ کے اندر مختلف انداز

سے آچکی ہیں، اب اس کے اندر بحث کرنا کہ ہماری رائے کا اچھی طرح جائزہ نہیں لیا گیا یا ان کی رائے کے اندر کچھ تبدیلی کی گئی، یہ لا حاصل ہوگا............ ۔

مفتی عزیز الرحمٰن:

میرا خیال ہے کہ تجزیہ کرتے وقت کوئی بھی شخص مختلف آراء کے درمیان ایک ایسی رائے کا احاطہ کرے جو سارے مقالہ نگار کو محیط ہو جائے یہ ممکن نہیں ہے، مولانا ارشاد صاحب نے جو اس سلسلے میں بات عرض کی ہے میں سمجھتا ہوں کہ مقالہ نگار اگر دو چار ہوں تو ان کی رائے کا احاطہ کیا جا سکتا ہے لیکن جب مقالہ نگار کثیر تعداد میں ہیں اور جیسا کہ مولانا زبیر صاحب نے کہا کہ اس کے درمیان سارے مقالہ نگار کا تجزیہ کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے، ہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ کوئی بات اپنی طرف سے مقالہ نگار کی طرف منسوب نہ کی جائے، اس میں احتیاط کی جائے۔

ایک آواز:

........................(آواز صاف نہیں ہے)۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

........................(آواز صاف نہیں ہے)۔

مولانا محمد یحییٰ:

ایک عاقلہ بالغہ عورت اگر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرتی ہے تو صبح کے عرض کی روشنی میں دو آراء سامنے آئی تھیں حنفی فقہ کے حوالے سے، ایک رائے مفتی بہ قول کی تھی کہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کیا جاتا ہے تو وہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا، اور دوسری رائے یہ سامنے آئی تھی کہ ایک قول فقہ حنفی کا یہ ہے اور غالباً روایات واصول یہی ہیں کہ وہ نکاح اصلاً تو منعقد ہو جائے گا لیکن ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر ولی اجازت دیدے گا تو نکاح باقی رہے گا اور اگر ولی اجازت نہیں دے گا تو ولی کو حق ہوگا کہ اس کو فسخ کرادے

قاضی کے ذریعہ۔ میں اس وقت جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ صرف ایک علمی اور طالبعلمانہ اشکال اور سوال کے درجہ کی ہے، کسی رائے کے درجہ کی قطعاً نہیں، سوال میرا یہ ہے کہ خاص طور سے فقہ حنفی نے عاقلہ بالغہ عورت کے نکاح کے سلسلہ میں جو نقطۂ نظر اپنایا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عاقلہ بالغہ عورت کو اپنے بارے میں، اپنے نفس کے بارے میں فیصلہ کرنے کی جو ذاتی خودمختاری شریعت نے سارے احکام میں عطا فرمائی ہے، فقہ حنفی اس کو ایک بنیادی اصول اور قاعدۂ کلیہ کی صورت میں دیکھتی ہے، اور اس سلسلہ میں جو روایات اس قاعدہ کلیہ کے بظاہر مخالف فقہ حنفی کو ملتی ہیں، فقہ حنفی اس میں تاویل کرتی ہے اور اس کا وہ مفہوم بیان کرتی ہے جو اس قاعدہ کلیہ اور اس عمومی ضابطے سے متفق ہو سکے، تو کیا ایسی صورت میں جب کہ کوئی عورت اپنا نکاح کسی غیر کفو سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کرتی ہے، اور ہمارے فقہاء ایسی صورت میں ولی کو اجازت یہ دیتے ہیں کہ وہ اس کو فسخ کرا دے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا تو کیا یہ مسئلہ اس بنیادی اصول کے مخالف نہیں؟ اور اگر مخالف نہیں ہے تو ایسی صورت میں نکاح کے فسخ کرانے کا اور نکاح کے منعقد نہ ہونے کا سبب کیا ہے؟ کیا یہی مسئلہ کفاءت؟ تو کیا شریعت میں اس کی کوئی نظیر موجود ہے کہ مسئلہ کفاءت کو شریعت نے اتنی اہمیت دی ہو کہ اس کی بنیاد پر نکاح ہو ہی نہ؟ میں تو نہیں سمجھتا کہ شریعت نے کفاءت کو یہ درجہ دیا ہے، شریعت کے نصوص میں تو کم از کم کفاءت کے سلسلہ میں ایسی کوئی واضح نص میرے علم کی حد تک موجود نہیں ہے، یہ اصل میں وہ سوال ہے جو مجھے پیش کرنا تھا۔

ایک آواز:

اس سلسلہ میں مجھے ایک بات اور عرض کرنی ہے..................۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

فقہ حنفی کے نقطۂ نظر سے یہ بات آپ کے سامنے آچکی ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح کرنے کی مجاز ہے خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو، اور ساری روایت یہی ہے ....غیر کفو میں نکاح

کرنے کی صورت میں نکاح منعقد تو ہوجائے گا لیکن ولی کو اعتراض کا حق ہوگا، ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لڑکی اور لڑکے کے تعلق سے کہ عاقل بالغ لڑکا اپنی شادی کہیں بھی کرلے، کفو میں کرے، کفو سے باہر کرلے، اس میں کسی ولی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے، اور لڑکی نے اگر اپنی شادی کرلی ہے غیر کفو کے اندر تو ولی کو اعتراض کا حق ہوتا ہے یا دوسرے قول کے اعتبار سے نکاح منعقد نہیں ہوا، آخر اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں ہمارے ذہن میں ایک بات ضرور ہوگی اور ہونی چاہئے کہ لڑکی اور لڑکے کے معاملے میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ لڑکا جب بالغ ہوگیا، بالغ ہونے کے بعد اس کے اپنے اخراجات، اپنے مسائل اس کے اپنے ذمہ ہیں، بالغ ہونے کے بعد اس کے باپ، اس کے بھائی سب اس کی ذمہ داری سے بری ہوجاتے ہیں، اس معنی میں کہ اس کا خرچہ پورا کریں، اس کے مسائل کو حل کریں، اس کے علاوہ اگر لڑکی کا مسئلہ ہے اور لڑکی کا نکاح ناکام ہوجاتا ہے تو نکاح کے ناکام ہوجانے کی صورت میں وہ لڑکی پھر لوٹ کر اپنے گھر آئیگی شرعاً، تو اس کے باپ کی ذمہ داری ہوگی، بھائی کی ذمہ داری ہوگی، اس کے اقرباء اور اولیاء کی ذمہ داری ہوگی کہ اس کا خرچہ بھی اٹھائیں اور اس کے جو مسائل ہوتے ہیں اس کو بھی برداشت کریں، یہ کتنی انصاف کی بات ہے کہ لڑکے نے جو عقد کیا ہے اگر وہ عقد فیل ہوتا ہے ناکام ہوتا ہے تو اس تعلق کی کوئی ذمہ داری باپ پر نہیں آتی، بھائی پر نہیں آتی، اولیاء پر نہیں آتی، اور عاقلہ بالغہ لڑکی نے اگر خود نکاح کرلیا، بے جوڑ نکاح کرلیا ہے، جہاں پر نکاح بظاہر نبھنے والا نہیں تھا تو اس نکاح کی ناکامی کے بعد لڑکی کے مسائل اولیاء کے سر آتے ہیں، اس لئے اولیاء کو اس کی فکر ضرور ہونی چاہئے۔ ایک بات اور میں عرض کروں کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں تو یہ مسئلہ شروع سے ختم ہوجاتا ہے کہ کوئی لڑکی ولی کے بغیر اگر کسی سے نکاح کرلے تو "لا نكاح إلا بولي" کے تحت نکاح ہوا ہی نہیں، اس بحث سے الگ کہ نکاح کفو میں کیا ہو یا غیر کفو میں، اور فقہ حنفی کے نقطۂ نظر سے نکاح تو ہوجاتا ہے، اور اس کے بعد اگر نکاح بے جوڑ اس نے کیا ہے جہاں بظاہر نکاح کے نبھنے کا امکان نہیں تھا آثار وقرائن کے اعتبار سے .... اب ہمارے عزیز مولانا

یحییٰ صاحب نے جوسوال ابھارا ہے، کفاءت کا مسئلہ انشاء اللہ مغرب بعد شروع ہوگا کہ کفاءت کو شریعت نے کیا اہمیت دی ہے اور کیوں اہمیت دی ہے؟ کس درجے تک اس کی اہمیت ہے؟ اس کے مسائل آپ کے سامنے انشاء اللہ مغرب بعد آئیں گے، اس پر گفتگو کریں گے کہ شریعت نے کفاءت کو کس حد تک اہمیت دی ہے اور اس کے اور کیا اسباب ہیں؟ بہر حال جو دو نقطۂ نظر ہیں فقہ حنفی کے، ظاہر الروایہ کے اعتبار سے ولی کو حق اعتراض حاصل ہو گیا، وہ قاضی کے یہاں جا کے مسئلے کو اٹھا سکتا ہے، اگر قاضی کو یہ یقین ہو جائے کہ نکاح بے جوڑ ہوا ہے تو اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے، یہ قاضی کی صوابدید پر ہے، اور دوسری روایت جو بعض فقہاء نے اختیار کیا ہے غیر ظاہر الروایہ ہے، اس میں یہ ہے کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا، اس کی وجہ جو بیان کرتے ہیں کہ مقدمہ لے جانا عدالت میں، مقدمہ قائم کرنا، اگر اعتراض ہو تو اس کو لے جانا، یہ تو مشکل مسئلہ ہے، تو سرے سے یہی بات کہہ دی جائے کہ نکاح ہوا ہی نہیں، بہر حال دو رائیں پائی جاتی ہیں، ظاہر الروایہ وہی ہے کہ نکاح منعقد ہو گیا اور ولی کو اعتراض کا حق ہے اور کفو کے مسئلہ کا جو تعلق ہے، اس کی جو اہمیت ہے، اس کی گفتگو انشاء اللہ بعد میں آئے گی............۔

مولانا ولی اللہ قاسمی:

عاقلہ بالغہ عورت خود اپنا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں دو نقطۂ نظر مشہور رہیں: ایک جمہور ائمہ کی اور دوسرے حنفیہ کی، لیکن ایک تیسرا نقطۂ نظر بھی ہے جسے امام داؤد ظاہری نے اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر باکرہ عورت ہے تو اسے تو خود نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، لیکن اگر ثیبہ عورت ہے، اس کی پہلے شادی ہو چکی ہے تو وہ خود ہی اپنا نکاح کر سکتی ہے، علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم میں دلائل کے اعتبار سے اس کو قوی قرار دیا ہے، اور حقیقتاً دیکھا جائے کہ جو حنفیہ استدلال کرتے ہیں کہ عام طور پر قرآن کریم میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے وہ تمام تر آیتیں ثیبہ عورت یعنی شادی شدہ عورت ہی کے متعلق ہے، اور ایسے ہی احادیث میں جو واقعات ملتے ہیں اور جن میں عورتوں کی طرف نکاح کی نسبت کی گئی ہے ان میں

بھی زیادہ تر شادی شدہ عورتوں ہی سے متعلق ہیں، تو کیا اس تیسرے نقطۂ نظر کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے؟ جسے دلیل کے اعتبار سے علامہ عثمانی نے قوی قرار دیا ہے۔

مولانا شمیم الدین قاسمی:

میں فقہ اور فتویٰ کے سلسلہ میں تو کچھ عرض نہیں کر رہا ہوں لیکن چونکہ میرا تعلق برطانیہ سے ہے تو برطانیہ، امریکہ اور یورپ کی صورت حال سے تھوڑی سی واقفیت میں کرانا چاہتا ہوں، اور وہ اس وجہ سے کہ آپ کا یہ فتویٰ پورے عالم میں شائع ہو رہا ہے اس وقت، اور سارے عالم کے مسلمان اس سے استفادہ کرتے ہیں، اور خاص طور پر یورپ اور امریکہ میں رہنے والے جو مسلمان ہیں خاص طور سے اردو داں، وہ اس سے بہت استفادہ کرتے ہیں، اس لئے ولایت کا مسئلہ ہمارے ملکوں میں امریکہ میں یورپ میں بہت ہی خطرناک صورت میں ہے، اس لئے تھوڑی سی واقفیت آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں، ہمارے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ بالغ لڑکی یعنی اٹھارہ سال کے بعد بلکہ سولہ سال کے بعد وہ خود مختار ہے قانونی اعتبار سے، Government کے اعتبار سے، چاہے باپ کتنا ہی کوشش کرے کہ فلاں جگہ شادی ہو جائے، اگر وہ نہیں چاہتی ہے تو قانونی اعتبار سے اس کو حق ہے کہ وہ شادی نہ کرے، اور اگر انہوں نے کہیں شادی کر لیا اور باپ چاہے کہ اس کو توڑ دے تو قانونی اعتبار سے اس کو کوئی خاص اختیار نہیں رہتا ہے بلکہ وہ حق برقرار رہے گا اور نکاح برقرار رہے گا، ایسی صورت حال میں ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اگر نکاح کو ہم ناجائز قرار دے دیں تو یہ ساری لڑکیاں جو اس طرح شادی کر رہی ہیں ان کا کیا حشر ہوگا، ایک بات مولانا نے کہا کہ لڑکی واپس لوٹتی ہے طلاق کے بعد، شوہر کے انتقال کے بعد یا کسی طور پر لڑکی واپس لوٹتی ہے باپ کی طرف، بھائی کی طرف، لیکن یورپ میں کچھ صورت حال یہ ہے کہ لڑکی خود برسر روزگار رہتی ہے، اور اگر کبھی برسر روزگار نہ رہی تو برطانیہ میں تو یہ ہے کہ اس کو اتنے اخراجات دیئے جاتے ہیں کہ باپ کا یا بھائی کا قطعاً محتاج نہیں رہتی، گھر بھی، کھانا بھی، کپڑا بھی، ساری چیزیں اس کو دے دی جاتی ہیں، وہ محتاج نہیں رہتی ہے اپنے باپ کی، جب وہ محتاج نہیں ہے تو وہ

قطعاً خیال نہیں کرتی کہ مجھے لوٹ کر کے واپس آنا پڑے گا، بلکہ اس کو پتہ ہے کہ میں خود برسر روزگار رہوں یا خود اپنے مقام پر کھڑی ہوں، اگر باپ اعتراض بھی کرے کہ نکاح نہیں ہونا ہے تو اس کے اعتراض سے کچھ نہیں ہوتا ہے، ایسی صورت حال میں اگر ہم نکاح کو بالکل باطل قرار دیں، میں یہ نہیں کہتا کہ آپ نہ قرار دیں، میرا موقف یہ نہیں ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ ایسی صورت حال میں ہم کیا فیصلہ کریں یا کس انداز سے فیصلہ کریں تا کہ ان لڑکیوں کا نکاح برقرار رہے یا حق اعتراض رہے والدین کو، یا کیا صورت اختیار کی جائے؟ چونکہ یہ مسئلہ صرف ایک ملک کا نہیں بلکہ پورے یورپ کا ہے اور امریکہ کا ہے، اس لئے آپ حضرات اس سلسلہ میں غور فرمائیں اور اخلاص کے ساتھ غور فرمائیں تا کہ ہمارا مسئلہ حل ہو جائے، ہمارے یہاں یہ مسائل بہت ہیں اور بھی کئی مسائل ہیں لیکن یہ مسئلہ بھی ساتھ ساتھ موجود ہے، اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی:

..........مولانا نے جو بات فرمائی ہے وہ ظاہر ہے کہ شریعت نے انہیں کے مزاج اور حال کی رعایت رکھتے ہوئے حکم رکھا ہے، اس کی نسبت سے فرمائی ہے، شریعت نے تو لڑکی کی ذمہ داری اولیاء پر اور اولیاء کے زیر نگرانی لڑکی کو رکھی ہے قبل البلوغ، اس کے بعد شادی ہو جائے، خدانخواستہ کوئی ایسی صورت حال پیش آئے تو شریعت .... پسند نہیں کرتی، اس لئے ذمہ داری وہیں جاتی ہے جہاں شادی سے پہلے یا بلوغ سے پہلے تھی، اور اس کا مکلّف بنایا ہے، مولانا عتیق صاحب نے اس کی وضاحت کی اور یورپ کے معاشرے میں کیا ہوتا ہے یہ الگ صورت حال ہے۔

مولانا ڈاکٹر صباح الدین ملک:

میں ایک اور پہلو کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں قرآن کے جو نصوص اور سنت کے جو نصوص اور فقہاء کے جو نصوص ہیں، وہ کچھ ایسے ہیں کہ دونوں جو نقطہ نظر ہیں ان کے لئے

احتمالات کی گنجائش نکلتی ہے، میں اس کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا تھا کہ جو اسلام کا تصور مساوات اور عدل ہے، یعنی عورت اور مرد دونوں چونکہ انسان ہیں، ذی عقل اور ذی شعور ہیں، اور با اختیار ہیں، اور دونوں کو اسلامی شریعت میں ایک عدل اور مساوات دیا گیا ہے تو اس کو پیش نظر رکھا جانا چاہئے، اور یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر کوئی شادی اس طرح ہو جاتی ہے یعنی اپنی عقل، اپنے اختیار اور اپنے ارادے اور جو اس کو مساوات کا درجہ ملا ہے، اس کے پیش نظر ایک بالغ لڑکی شادی کر لیتی ہے تو اولیاء اس کے خلاف قضاء میں جا تو سکتے ہیں، لیکن ان کو حیثیت اسی وقت حاصل ہونی چاہئے جب کہ اس شادی کے نتیجے میں اس پر کوئی ظلم ہو رہا ہو، یعنی شادی ایک بالغ لڑکی کا اپنا ذاتی اختیار ہے، اولیاء صرف اسی صورت میں اس کے خلاف مدعی بن سکتے ہیں جب کہ وہ یہ ثابت کریں کہ اپنی لڑکی کے اس اقدام سے ان کو کوئی نقصان پہنچ رہا ہے، کیونکہ ظلم کو شریعت نے رفع کرنے کا حکم دیا ہے، دو فریق ہیں ایک بیٹی ہے اور ایک باپ ہے، میں ولی کی مثال دے رہا ہوں، اگر بیٹی شادی کر لیتی ہے تو ظاہر ہے کہ اسلامی شریعت کی رو سے کسی بھی مومن فرد سے ایک لڑکی شادی کر سکتی ہے جیسا کہ اس کو اختیار ہے، لیکن اگر اس شادی سے اس ولی کو کوئی واقعی ضرر پہنچتا ہے اور وہ قضاء میں ثابت کر دے کہ اس شادی سے یعنی اس لڑکی کے Action سے اس کو نقصان پہونچ رہا ہے تو قاضی کا یہ فریضہ ہوگا کہ اس ظلم سے اس کو بچائے، چاہے اس کی جو بھی صورت اختیار کی جا سکتی ہو، تو اس تصور کو یعنی عدل و مساوات کو اگر سامنے رکھا جائے اور قرآن و سنت کے نصوص اور فقہاء کے نصوص کو سامنے رکھا جائے تو میرا خیال ہے کہ یہ ایک صورت نکل سکتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

.........................(آواز صاف نہیں ہے)۔

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی:

......اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا تقی صاحب کے مدرسہ میں جو شیخ الحدیث تھے حضرت مولانا سبحان محمود صاحب، قدیم دار العلوم کے فضلاء میں ہیں ان کا انتقال ہو گیا دن

میں ساڑھے دس بجے، اس کی وجہ سے کچھ مولانا کے نظام سفر میں تبدیلی بھی ہوئی ہے، ان کے لئے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔ دوسرے ہماری اکیڈمی کے ایک نوجوان فعال کارکن ہیں جو اسی علاقے کے رہنے والے ہیں جناب صفدر زبیر ندوی صاحب، ان کے والد صاحب کا بھی انتقال تقریباً ساڑھے دس بجے یہیں پٹنہ میں ہوگیا اور ان کو اچانک جانا پڑا، ان کے لئے بھی دعاء مغفرت فرمائیں۔

(مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب کی دعا پر اس نشست کا اختتام ہوا)۔

☆☆☆